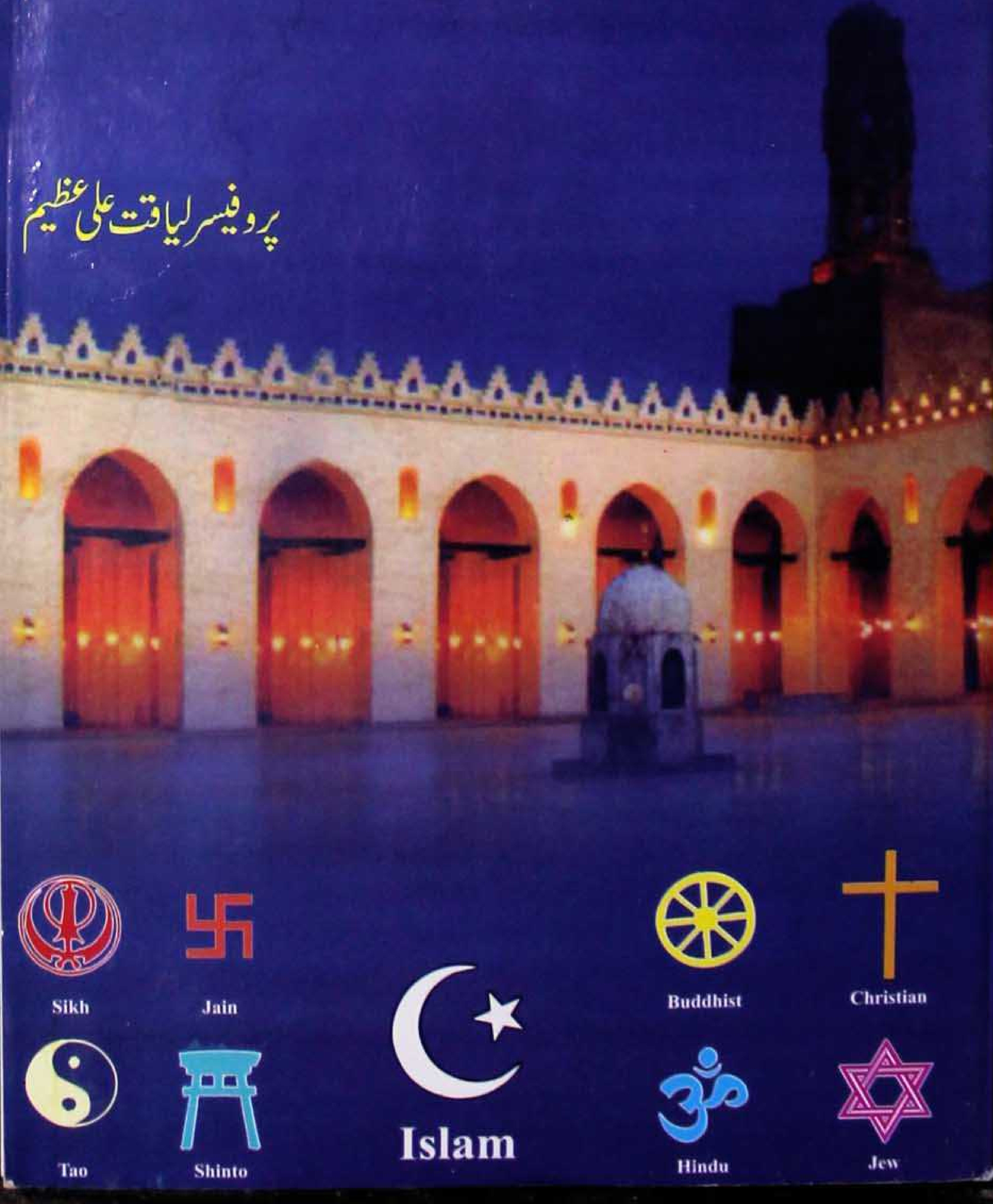
مذاہب کا تقابلی مطالعہ

تقابل ادیان

پروفیسر لیاقت علی عظیم



پاکستان کی تمام یونیورسٹیز کے لئے

مذاہب کا تقابلی مطالعہ

(تقابل ادیان)

پروفیسر لیاقت علی عظیم
اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور

فاروق سنز / 16۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

نام کتاب — مذاہب کا تقابلی مطالعہ (تقابل ادیان)
مولف — پروفیسر لیاقت علی عظیم
پبلشرز — فاروق سنز
16۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
پریس — ایم عارف یونس پرنٹرز لاہور

قیمت-/300 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

مذہب سب سے پہلے کب کہاں اور کیسے وجود میں آیا اس کا موجد اول کون تھا دور کونسا تھا خطہ کیا تھا؟ ایسے شواہد و تجارب ایک سوالیہ شکل میں ہنوز تاریخ کے دروازہ پر منتظر حقیقت ہیں تاہم محققین کی قیاس نگاہ باعتبار فکر و ادراک اس امر پر معتقد ہے کہ کائنات کے دیگر مظاہر وطبعی موجودات کی طرح مذہب کا بھی لاشئی سے وجود میں آنا ایک فطری عمل تھا۔ اللہ رب العالمین کے کائناتی نظام کو جو لاتعداد الوان و انوار اور فنون وضروب سے مملو تھا دیکھ کر ورطہ میں پڑ گیا۔ شمس وقمر کا طلوع وغروب، ستاروں کی توامقتی، رعد وسحاب کی گرج چمک، لیل ونہار کی آنکھ مچولی، نمود نباتات، بارش کا برسنا، ہواؤں کا چلنا اور چشموں کا پھوٹنا یہ سب کچھ اس کیلئے خوف اور تجسس کا حیران کن امتزاج تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ ان کی استخوامی اہمیت اور افادیت سے مستفیض ہونے لگا اور محسوس کرنے لگا کہ اس کا لچکدار جسم جو لحم و عظام اور بہت سے مرکبات کا مجموعہ ہے حرکت اور سکون کے دو اساسی ستونوں پر قائم ہے جسے حیات وممات کہا جاتا ہے۔

پس ایک رات جب سردی کی شدت اس پر غالب آگئی اور وہ موت کے قریب جا پہنچا تو اچانک آسمان پر طلوع ہونے والے آگ کے ایک گولے نے اس کے جسم کو حرارت فراہم کی اور اسے بچا لیا پس وہ دفعتہ اٹھا اور دیر تک اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا رہا گویا اس کا شکریہ ادا کر رہا ہو۔ ایک بار اس نے ایک سوکھے شجر کو دیکھا جو کچھ عرصہ بعد ہرا بھرا ہو گیا اور پھل دینے لگا۔ اس نے اس کی نعمت سے اپنی بھوک مٹائی پس اس کے اندر سے خوف جاتا رہا اور شکر نے جگہ بنا لی۔ اسی طرح مظاہر پرستی کا آغاز ہوا لیکن آدم سے لے کر خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک منعم حقیقی کا شعور ہر وقت جبلت انسان میں شامل رہا۔ اور یہی شعور چند حکیم اور دانا ہادیان کی قیادت میں جن میں حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سرفہرست ہیں اپنے اندر خیر وشر اور حیات وممات کا فلسفہ لئے ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا جسے

با قاعدہ مذہب کا درجہ دیا گیا۔

بعد ازاں یہی مذہب ایک صنعت (Industry) کی شکل اختیار کر گیا اور الہامی اور غیر الہامی اعتبار سے پوری دنیا پر چھا گیا۔ تاہم اللہ رب العالمین نے عوام الناس کی بھلائی اور رہنمائی کیلئے منتخب انبیاء کو الہامی کتب اور صحائف سے بھی نوازا کہ وہ ان کیلئے رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنیں مگر گزشتہ تمام مذاہب اپنے اندر طبعاً بعض ایسے نقائص رکھتے تھے کہ وہ منطقی اور معاشرتی اعتبار سے دیر تک قائم نہ رہ سکتے تھے پس ایک ایسے مذہب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی جو معاشی' سیاسی' سماجی' معاشرتی اور انسان کے ہر قسم کے ظاہری اور باطنی معاملات کے لحاظ سے جامع اور متوازن ہو اور ایک مکمل ضابطہ حیات ہو۔ بالآخر اس کیلئے فیصلہ کن مذہب اسلام ایک ایسے آفتاب کی مانند سامنے آیا جس نے دیگر تمام نجوم و کواکب کی عارضی روشنی کو ہمیشہ کیلئے ماند کر دیا۔

اسلام ایک فطری اور سہل دین ہونے کے باعث نہایت ہی مختصر عرصہ میں پوری دنیا پر چھا گیا۔ اس کی لاتعداد خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ اسم با مسمی ہے یعنی سلامتی کی ضمانت ہے۔ جس کے داخلہ سرٹیفکیٹ پر لکھا ہوتا ہے:

''صرف سلامتی اور کوئی جنگ نہیں۔''

(No War and Peace Only)

موجودہ کتاب ''مذاہب کا تقابلی مطالعہ'' مستند انسائیکلوپیڈیا' تاریخی کتب اور تحقیقی مقالہ جات کی روشنی میں تیار کی گئی ہے۔ گو اس موضوع پر پہلے سے کئی کتب موجود ہیں مگر اکثر میں قرآنی آیات و احادیث مبارکہ اور تاریخی کتب کے حوالہ جات کی کمی محسوس کی جاتی تھی۔

کتاب ہذا میں اس کمی کو نہ صرف دور کیا گیا ہے بلکہ یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ اسلام ہی وہ واحد اور تنہا سمندر ہے جس کے اندر ہر چھوٹے بڑے دریا کو بالآخر ضم ہونا ہے۔

آخر میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے میں دعا کرتا ہوں کہ یہ کتاب ہر قاری کیلئے ایک روشن قندیل بن راہ حق کی تلاش میں مدد کرے' گمراہ اذہان کو سیدھا راستہ سکھائے اور اسلام کی حقیقی روح سے آشنا کرے۔ (آمین ثم آمین)

لیاقت علی عظیم

6' اگست 2005ء

انتساب

ان تمام عباد اللہ کے نام
جن کے دلوں سے
ہر لحہ یہ پکار بلند ہوتی ہے

اهدنا الصراط المستقيم

فہرست

مذہب کی اصلیت و ماہیت

ہندومت

بدھ مت

زرتشتیت

جین مت

کنفیوشزم

حضرت ابراہیم علیہ السلام

یہودیت

عیسائیت

سکھ مت

احمدیت

اسلام

فقہ

سید الانبیاء محمدؐ

قرآن حکیم

تیسرا پرچہ

تقابل ادیان

دین و مذہب

فاروق گائیڈ

ایم اے

اِسلامیات

سابقہ سالوں کے پرچہ جات اور پروفیسرز کے نوٹس پر مبنی گائیڈ

سال اول پانچ پرچوں کے لیے

سال دوم پانچ پرچوں کے لیے

فاروق سنز

16۔ الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

042-37325567

مذہب کی اصلیت و ماہیت

مذہب کا لغوی مفہوم

عربی قواعد لغت میں مذہب کا کلمہ ثلاثی مجرد فعل ذَهَبَ يَذْهَبُ ذَهْبًا و ذِهَابًا (جانا) سے مشتق ہے۔ یہ مفعل (م + ف + ع + ل) کے وزن پر اسم ظرف مکان ہے۔ پس مذہب کا لغوی مفہوم یہ ٹھہرا کہ ایک ایسا راستہ جس پر چلا جائے۔(A path to walk on it) عربی گرامر میں کسی فعل سے ظرف مکان بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب کے سہ حرفی فعل کے پہلے حرف پر جزم دے کر اس سے پہلے حرف میم (اور میم پر زبر) کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

جیسے فعل قَتَلَ (اس نے قتل کیا He Killed) کے شروع میں میم کے اضافے سے مَقتل (قتل کی جگہ) اور سَجَدَ (اس نے سجدہ کیا) کے شروع میں میم کے اضافہ سے مسجد (سجدہ کی جگہ) اور نَظَرَ (اس نے دیکھا) سے منظر (دیکھنے کی جگہ) بن جاتا ہے۔ پس اس طرح فعل ذَهَبَ (وہ گیا He went) سے لفظ مذہب (چلنے کی جگہ) بروزن مفعل بنتا ہے۔ یعنی ایک ایسا راستہ جس پر چلا جائے۔ اس سے اسم فاعل ذاهب بروزن فاعل بنتا ہے۔ یعنی چلنے والا۔ پس یہ تو ہوئے مذہب کے لغوی معنی جہاں تک اصطلاحی مفہوم کا تعلق ہے فقہ کی کتابوں میں اس کا استعمال زیادہ ہے۔ ان کتب میں یہ کلمہ عقلی اور فطری رجحان اور فقہی مسائل میں بلیغ رائے کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے کسی مسئلہ پر کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی یہی رائے ہے جبکہ امام احمد بن حنبل نے بھی یہی مذہب (رائے) اختیار کیا ہے۔(یعنی امام صاحب کی بھی یہی رائے ہے)

اس تمام بحث (بحث بمعنی تلاش) سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انگریزی زبان میں مذہب کیلئے Religion کا نہیں بلکہ Opinion یا Spiritual Tendency کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر ہم Religion کا عربی میں مترادف لفظ دیکھنا چاہیں تو وہ مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

ان الدین عند اللہ الاسلام (سورۃ العمران: آیت نمبر 19)

(بے شک (درست) دین تو اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔

قرآن حکیم میں لفظ دین تو کئی بار استعمال ہوا ہے لیکن مذہب کا لفظ قرآن حکیم میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ تاہم ذھب یذھب کے مشتقات (Etymological Modes) ضرور استعمال ہوئے ہیں۔

اوسپنکی (Ospinski) نے گرجیف کے حوالے سے لکھا ہے:

- ”مذہب ایک انسانی تصور ہے جس قسم کی انسان کی اپنی سطح ہوگی اسی قسم کا اس کا مذہب ہوگا۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی کا مذہب دوسرے آدمی کیلئے قطعاً مناسب اور موزوں نہ ہو۔“

مشہور عالم نفسیات پروفیسر جیمز ایچ لیوبا نے اپنی تصنیف میں مذہب کی مختلف تعریفات نقل کی ہیں جو مذہب کے کسی نہ کسی ضروری جزء پر حاوی ہیں۔

ایک تعریف تو مذہب کی یہ ہے:

”مذہب نام ہے اس احساس کا جو کسی مقدس، بالا تر اور ان دیکھی ذات کا وجود انسان کے قلب و دماغ میں پیدا کرتا ہے۔“

دوسری تعریف یہ ہے کہ:

”مذہب نام ہے ایک ازلی اور ابدی حقیقت پر ایمان لانے کا جس کی حیثیت اور ارادہ انسانی منشاء اور تفکر سے بالاتر ہے اور جس کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ بہت گہرا ہے۔“

تیسری تعریف یہ ہے کہ:

”مذہب ایک روحانی اور نفسانی حاسہ ہے جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ انسان اور کائنات کے درمیان ایک ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔“

چوتھی تعریف یہ ہے کہ:

”مذہب نام ہے ان مافوق الانسانی قوتوں کی رضا جوئی کا جو انسانی زندگی پر حکمران ہیں۔“

پانچویں تعریف یہ ہے:

”مذہب نام ہے اس جستجو کا جو انسان زندگی کے حقیقی مقاصد کے ادراک کیلئے کرتا ہے۔“

قرآنی تعریف

مذہب ان ہدایات اور احکام کا نام ہے جو وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اپنے بندوں کیلئے بھیجے جس پر گامزن ہو کر انسان اس دنیا اور آخرت کی زندگی کے گیسو سنوار سکتا ہے۔

گویا مذہب انسان کی روح اور جسم کے تمام تقاضوں کی تکمیل کا نام ہے۔قرآن مجید میں آیا ہے:

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة و قنا عذاب النار

''اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''

یہ آیت ظاہر کرتی ہے مذہب کا تعلق جسم اور روح دونوں سے ہے۔اسلام میں دین اور دنیا کی دوئی کا تصور بالکل باطل ہے۔الٰہی دین انسانی زندگی کا ایک مکمل دستور حیات ہے۔اسی وجہ سے اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔قرآن مجید نے اس مفہوم کو دین' ملت' سبیل' شریعت' ہدایت' صراط اور طریق کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

دین کا مفہوم

اسلام نے مذہب کیلئے دین کا لفظ استعمال کیا ہے۔سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذین یقولون ربنا اننا امنا فاغفرلنا ذنوبنا وقنا عذاب النار (سورہ آل عمران: آیت نمبر 16)

''ترجمہ: جو لوگ یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب بے شک ہم ایمان لے آئے ہیں پس تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''

قرآن حکیم میں یہ کلمہ اکانوے (91) بار استعمال ہوا ہے۔اس کی جمع ''ادیان'' مستعمل ہے۔بصورت جمع یہ کلمہ قرآن حکیم میں وارد نہیں ہوا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الدین عند اللہ الاسلام (سورہ آل عمران: آیت نمبر 19)

ترجمہ: ''بے شک اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین تو اسلام ہی ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره
علی الدین کله ولو کره المشر کون

(سورہ توبہ: آیت نمبر 33)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کردے خواہ مشرکوں کیلئے یہ ناپسندیدہ ہی کیوں نہ ہو۔

امام راغب نے دین کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

''دین کے معنی اطاعت اور جزا کے ہیں۔ اس کا اطلاق شریعت پر بھی ہوتا ہے۔ دین اور ملت مترادف ہیں۔ شریعت پر اس کا اطلاق ان معنوں میں ہے کہ شریعت کی اطاعت اور اس کے سامنے اپنی گردن خم کرنا لازمی ہے۔

امام بخاریؒ الجامع الصحیح میں رقمطراز ہیں:

''یہاں دین سے مراد نیکی اور بدی کا بدلہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی اور اطاعت کا نام دین ہے۔''

ملت کا مفہوم

قرآن مجید میں آتا ہے کہ:

قل صدق الله فاتبعوا ملة ابراهیم حنیفا وما کان من
المشر کین O

''کہہ دو اللہ نے سچ فرمایا ہے پس راست رو ہو کر ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' (سورہ آل عمران: آیت نمبر 95)

ایک دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قل اننی هدینی ربی الی صراط مستقیم دینا قیما ملة
ابراهیم حنیفا

ترجمہ: ''کہہ دیجئے میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھلائی ہے جو کہ ٹھیک دین اور خالص ملت ابراہیم ہے۔'' (سورہ الانعام: آیت نمبر 161)

امام راغب زیر لفظ ملت متعلق لکھتے ہیں۔

ملت دین کا ہی مترادف ہے اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اس طریق کار کے باعث ہے جو اس نے اپنے بندوں کیلئے انبیاء علیہم السلام کی زبان سے بیان کیا ہے تاکہ بندے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ اس کے بعد دین اور ملت میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ملت کی نسبت صرف نبی کی طرف کی جا سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جا سکتی اور دین کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کی جا سکتی ہے۔ گویا ملت سے مراد وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بندوں کیلئے وضع فرمایا۔

لفظ سبیل کا مفہوم

قرآن مجید میں مذہب کے مفہوم کو سبیل کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: ''اپنے رب کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریق پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔'' (سورہ النحل: آیت نمبر 122)

''اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ اور ان کے ساتھ اس طریق پر بحث کہ جو نہایت عمدہ ہو۔''

دوسری جگہ آتا ہے:

''اور اس کے راستہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔''

لفظ شریعت کا مفہوم

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تعلیمات کیلئے شریعت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

ثم جعلنك علی شریعة من الامر فاتبعها

ترجمہ: ''پھر ہم نے تمھیں اس کام کے عمدہ راستہ پر ڈال دیا پس اسی راہ پر چلو۔''

(سورۃ الجاثیہ: آیت نمبر 18)

دوسری جگہ آتا ہے:

لکل جعلنا منکم شرعة و منهاجا ولو شاء اللّٰه لجعلکم امة واحدة ولکن لیبلوکم فی ما اتکم فا ستبقوا الخیرات

ترجمہ: ''ہم نے تم سب کیلئے ایک ایک شریعت اور ایک ایک راستہ بنا دیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا مگر وہ یہ چاہتا ہے کہ اس نے جو کچھ تمھیں دیا ہے اس میں تمھیں آزمائے پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ۔'' (سورۃ المائدہ: آیت نمبر 48)

حضرت امام راغب زیر لفظ شرع لکھتے ہیں۔

"شرع کے معنی واضح راستہ کے ہیں۔ شرع اور شریعۃ کے ایک ہی مفہوم ہیں اور مراد اس سے طریقہ الٰہیہ ہے۔"

شریعت سے مراد قرآن مجید اور منہاج سے مراد سنت رسول کریمؐ ہے۔

لفظ ہدایت کا مفہوم

قرآن مجید میں مذہب کو ہدایت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

فاما یاتینکم منی هدی فمن تبع هدی فلا خوف علیهم ولاهم یحزنون O

ترجمہ: "پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو میری ہدایت پر چلا تو ان کو نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" (سورہ البقرہ: آیت نمبر 38)

حضرت امام راغب نے "ہدایت" کے معنی ان الفاظ میں بیان کئے ہیں۔ یعنی مہربانی سے رہنمائی کرنا۔ امام راغب نے "ہدایت" کو چار طرح بیان کیا ہے۔

☆ اول فطری ہدایت جو عام ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدائش کے ساتھ عنایت فرمادی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قال ربنا الذی اعطی کل شیء خلقه ثم هدی

"کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی۔ پھر اسے اپنے کمال کی راہ دکھائی۔ (سورہ طٰہٰ: آیت نمبر 50)

☆ دوسری ہدایت وہ ہے جو انسانوں کو انبیاء علیہم السلام کی دعوت وساطت سے ملی اور یہ سب انسانوں کیلئے عام ہے۔ اسی لحاظ سے قرآن شریف کو ھدی للناس فرمایا:

انبیاء علیہم السلام ایک راستہ دکھاتے ہیں۔ پھر فرمایا

اور جو ہدایت اختیار کرتے ہیں وہ انہیں ہدایت میں بڑھاتا ہے۔

اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ (رب العزت) اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔

صراط اور طریق کا مفہوم

قرآن مجید میں صراط اور طریق کے الفاظ مذہب کے مفہوم میں وارد ہوئے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

اھدنا الصراط المستقیم

ترجمہ: "اے ہمارے رب تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔" (سورہ الفاتحہ)

صراط کے معنی امام راغب نے الطریق السہل یعنی آسان راستہ کے کیے ہیں۔ یعنی طریق کا لفظ بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

یقومنا انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسی مصدقا لما بین یدیہ یھدی الی الحق و الی طریق مستقیم O

"اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی۔ اس کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے ہے۔ وہ حق کی طرف اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتی ہے۔ طریق کے معنی راستے کے ہیں جس کو انسان اپنے پاؤں تلے روندتا ہے پھر ہر مسلک پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ مسلک اچھا ہو یا برا۔"

(سورہ الاحقاف: آیت نمبر 30)

قرآنی اصطلاحی دین

دین کے بارے میں قرآنی لفظ اسلام میں مضمر ہے۔ اسلام کے لغوی معنی صلح کے اندر داخل ہونا ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں اسلام کے معنی سلم میں داخل ہونا اور سلم کے معنی صلح کے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

یایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ

(سورہ البقرہ: آیت نمبر 208)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم سارے کے سارے صلح میں داخل ہو جاؤ۔"

اور سلم کا مفہوم مزید یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

"اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ۔ مسلم وہ ہے جو خداوند کے بندوں سے صلح کرے۔ اللہ سے صلح کا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان اس کے احکام اور قوانین پر گامزن ہو۔ یہ بات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز مقررہ قوانین کے تابع ہے اور ہر چیز کی فلاح اور کامیابی قوانین مقررہ کی اطاعت سے وابستہ ہے۔"

کائنات کی ہر چیز قوانین مقررہ سے انحراف نہیں کرسکتی۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

الذی خلق سبع سموت طباقا ماتری فی خلق الرحمن من تفوت فارجع البصر ھل تری من فطور O ثم

ارجع البصر کرتین ینقلب الیك البصر خاسئًا وهو حسیر O (سورہ الملک: آیت نمبر 3 اور 4)

"جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا تو رحمان کی پیدائش میں کوئی اختلاف نہ دیکھے گا۔ پھر نظر کو لوٹا کیا تو کوئی بگاڑ دیکھتا ہے؟ پھر نظر کو بار بار لوٹا نظر تیری طرف تھک کر واپس آ جائے گی۔"

جب علیم و حکیم ہستی نے دنیا کی ہر چیز کو ایک قانون اور ضابطہ کے ماتحت کر دیا ہے تو یہ لازمی امر ہے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کیلئے قوانین بھی بنتے جس پر چل کر انسان فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا۔

یہ قوانین اللہ تعالیٰ مختلف ادوار میں مختلف انبیاء علیہم السلام پر نازل کرتا رہا اور ان قوانین کی آخری اور مکمل شکل قرآن مجید ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

"آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارا دین پسند کیا ہے۔"

(سورہ المائدہ: آیت نمبر 3)

قرآن مجید صحف سابقہ کا جامع ہے اور اس میں وہ تمام قوانین بیان کر دیئے گئے ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے رہے۔

مذہب فطری چیز ہے

مذہب کے فطری ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہر قوم اور ہر نسل میں مذہب مشترک امر ہے۔ جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مذہب ایک فطری چیز ہے۔ کیونکہ تمام دنیا کا کسی موہوم اور باطل چیز پر جمع ہونا عندالعقل مضحکہ خیز ہے۔

پلوٹارک کہتا ہے کہ:

"کسی انسان نے کوئی ایسی بستی نہیں دیکھی جس میں مذہب نہ ہو۔"

والٹر فرانس کا مشہور مفکر ہے۔ رواسٹر، منو، سولن، سقراط سب کے سب ایک ہی اصل کی پرستش کرتے تھے اور یہی فطرت ہے۔ جرمن کا ایک حکیم لکھتا ہے۔ مذہب ابدی چیز ہے۔ مذہب جس حاسہ کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانہ میں کبھی معدوم نہیں ہو سکتا۔

پروفیسر سیتر لکھتا ہے:

"میں کیوں پابند مذہب ہوں، اس لیے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ

پابند مذہب ہونا میری ذاتیات میں ہے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ وراثت یا تربیت یا مزاج کا اثر ہے۔ میں نے خود اپنی رائے پر اعتراض کیا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل نہیں ہوتا۔ مذہب کی ضرورت جس قدر مجھ کو اپنی ذاتی زندگی کیلئے ہے اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے۔ مذہب کے شاخ و برگ ہزاروں مرتبہ کاٹ ڈالے ہیں لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہتی ہے جو کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔ مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہیں۔ انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوتی ہے اور اسی سے قوت پاتی ہے۔"

قرآن مجید کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ مذہب فطری چیز ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

فاقم وجهك للدين حنيفاً فطرت الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لايعلمون

"پس اپنا منہ دین کی طرف سیدھا کرا کیلے اسی کے ہو کر کہ یہ خدا کی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی حالت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہی قائم رکھنے والا یا رہنے والا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

(سورہ الروم: آیت نمبر 30)

مذہب کی غرض و غایت

مذہب فطری چیز ہے۔ اس لیے مذہب کی غرض و غایت فطرت کے احتیاجات کو پورا کرنا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

ولئن سالتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله

"اگر تو ان سے سوال کرے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ (انہیں غالب علم والے) نے پیدا کیا ہے۔"

(سورہ لقمان: آیت نمبر 25)

اگر تمام مذاہب عالم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہے کہ خدا کی ہستی کا تصور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ مذہب کی غرض و غایت اللہ کی ہستی پر یقین پیدا کرنا ہے۔

مذہب کی ضرورت

توحید کو قائم کرنا

اگر مذاہب عالم کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات قاری پر اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مذہب کی اساس توحید باری تعالیٰ ہے۔ یعنی اللہ واحد کو دوئی کے اختلاط سے دور رکھنا اور صرف اور صرف ایک جاننا تمام انبیاء علیہم السلام نے توحید اور خدا شناسی کی تعلیم دی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه انه لا اله الا انا فاعبدون O (سورہ الانبیاء: آیت نمبر 25)

ترجمہ: "اور تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا گیا مگر اس کی طرف ہم (یہی) وحی کرتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میری ہی عبادت کرو۔"

توحید باری تعالیٰ کیلئے سورہ اخلاص کے کلمات واضح دلیل ہیں۔

انسانی عظمت و شرف

توحید کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت ہے۔ جب ایک انسان اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک تسلیم کرتا ہے تب وہ دنیا کی ہر غلامی سے نجات پاتا ہے اور اس کو پوری کائنات پر برتری حاصل ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

ولقد کرمنا بنی ادم و حملنهم فی البر و البحر و رزقنهم من الطیبت و فضلنهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا O

"اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی ہے اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا ہے ہم نے ان کو بہتوں پر جنھیں ہم نے پیدا کیا بڑی فضیلت دی ہے۔" (سورہ الاسراء: آیت نمبر 70)

زمین آسمان چاند سورج دریا اور سمندر غرض کہ کائنات کی ہر چیز انسان کی آسائش اور انتفاع کیلئے پیدا کی گئی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا

"وہی ذات ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔"

(سورہ البقرہ: آیت نمبر 29)

اتحاد نسل انسانی

عقیدہ توحید تمام بنی نوع انسان کیلئے ایک کھلا پیغام ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر اتحاد کی عمارت استوار کی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید میں خدا کو رب العالمین کہا گیا ہے یعنی تمام اقوام کا رب۔ عربی زبان میں رب کے معنی ایک چیز کو تدریجاً ترقی دے کر اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔ یہ رب دنیا کی تمام اقوام کی روحانی اور جسمانی پرورش کرتا ہے۔ گویا تمام قومیں خدا تعالیٰ کی عیال ہیں وہ سب کی خبر گیری کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر کہا ہے:

وما کان الناس الا امة واحدة

"یعنی سب لوگ ایک ہی امت ہیں۔" (سورہ یونس: آیت نمبر 19)

رسول کریمؐ فرماتے ہیں:

"ساری مخلوق عیال اللہ ہے۔"

مساوات

عقیدہ توحید سے مساوات کا سبق ملتا ہے اور تفریق بین الناس اور اونچ نیچ کا مسئلہ پامال ہوتا ہے۔ عقیدہ توحید ہی منتشر الخیال لوگوں کو اٹھا کر بڑوں کے دوش بدوش کھڑا کرتا ہے۔ اسلام نے نسلی، قومی اور لسانی امتیازات کو ختم کر کے حسن عمل اور اخلاق حمیدہ کو وجہ تکریم قرار دیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

"معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" (سورہ الحجرات)

انسانی مساوات کا مسئلہ اسلام کی رو سے اس قدر اہم تھا کہ رسول کریمؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو ضروری باتیں بیان کی تھیں ان میں یہ بھی فرمایا:

"اے لوگو بے شک تمہارا رب ایک ہے۔ بیشک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔"

رواداری

توحید باری تعالیٰ کا پیغام بنی نوع انسان کے ہر طبقے تک پہنچایا گیا ہے۔ بنا بریں واحد اور یکتا وہ ہر ایک سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہر مذہبی کتاب اور ہر رسول کو تسلیم کیا جائے اور مذہب کے نام پر

خون خرابہ نہ کیا جائے۔

امن عالم

عقیدہ توحید امن عالم کا تقاضا ہے کیونکہ عقیدہ توحید عالمگیر اخوت' اتحاد' محبت اور مساوات کو جنم دیتا ہے اور نفرت' عداوت اور تعصب کو بالکل ختم کرتا ہے۔ جب دشمنی اور تعصب دنیا کی قوموں سے مٹ جائے تو دنیا میں امن قائم کرنا مشکل نہیں رہتا۔

امن عالم کے حدیقہ جمیلہ میں محض اس وجہ سے کیفیت خزانی ہے کہ ہر سو لسانی اور قومی تعصبات کی آتش فشانی ہے۔

تزکیہ نفس

انسان کی اخلاقی ترقی کیلئے عقیدہ توحید بڑی طاقت ہے۔ اسی وجہ سے ہر مذہب نے اللہ کو ایک ماننے پر بہت زور دیا ہے۔ انسان کے اندر جو اخلاقی بلندی اور کمال آج نظر آ رہا ہے وہ اللہ کے واحد پر ایمان لانے کا ہی ثمرہ ہے۔

حسنٰی کے لفظ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو تمام صفات حسنہ کی جامع اور تمام عیوب سے منزہ ہے۔ ان صفات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اندر وہی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اپنی صفات کے تحت ہی زندگی بسر کرے۔

نبی کریمؐ کا ارشاد ہے:

"یعنی اللہ کے اخلاق اختیار کرو۔"

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں ایمان باللہ کا ذکر آیا ہے وہاں اعمال صالحہ بجا لانے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ گویا ایمان باللہ عمل صالح کے بغیر بے سود ہے۔

تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ ہر نبی نے اپنے اپنے وقت میں عقیدہ توحید کی بنا پر اپنی اپنی قوم کو قعر مذلت سے نکال کر اخلاق حسنہ کے ایسے بلند مینار پر کھڑا کر دیا جو تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ دنیا میں جتنے مصلح اور نبی آئے ہیں ہر ایک نے عبادت الٰہی پر زور دیا ہے کیونکہ عبادت ہی وہ پانی ہے جس سے گناہوں کی آگ ٹھنڈی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

"اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اس کی عبادت کرو اور جھوٹے معبودوں سے بچو۔"

قرآن مجید نے بنی نوع انسان کی پیدائش کی غرض و غایت ہی عبادت قرار دی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے کہ:

وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون

"میں نے جن وانس اس لئے پیدا کئے ہیں تا کہ وہ میری عبادت کریں۔"

(سورہ الذاریات: آیت نمبر 56)

دوسری جگہ آتا ہے:

یایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم و الذین من قبلکم لعلکم تتقون

"اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔" (سورہ البقرہ: آیت 21)

عبادت الٰہی صرف انسانوں کی روح اور دل کی پاکیزگی کا موجب ہی نہیں بلکہ اس کا سوسائٹی پر گہرا اثر پڑتا ہے کیونکہ عبادت انسان کے اخلاق سنوارتی ہے۔ کسی کام میں مداومت اختیار کرنے کا سبق دیتی ہے اور کتاب اللہ انسان کے باہمی تعلقات اور اس کے عائلی عمرانی اور سیاسی معاملات کو کھول کر بیان کرتی ہے اور زندگی مناکحت طلاق ورثہ تقسیم دولت سرمایہ محنت عدالت فوجی تنظیم جنگ وصلح بیوگان کی امداد کے قوانین اور دوسرے بیشمار مسائل پر روشنی ڈالتی ہے۔

عقل کی رہنمائی

انسان کی عقل کوتاہ اور ناقص ہے۔ دنیا کے فلاسفہ نے انسانی عقل کی کوتاہ بینی کا اقرار کیا ہے۔ سقراط کا یہ مقولہ مشہور ہے ہم اتنا بھی نہیں جانتے اگر انسان کو اپنی عقل سے زندگی کی تمام گتھیاں سلجھانی پڑتیں۔

اور دنیاوی زندگی بہتر بنانے کیلئے کچھ اصول وضع کیے انسان ان اصولوں کی روشنی میں زندگی کے ہر قسم کے مسائل حل کر سکے۔ اگر انسان کے سامنے وہ اصول نہ ہوتے تو وہ ہلاکت اور بربادی کے گڑھے میں گر جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عقل وفہم کے مختلف گوشوں کو قرآن مجید میں مختلف الفاظ سے واضح کیا ہے: کہیں فقط حکمت سے تعبیر کیا ہے؛ کہیں لفظ لب سے اور کہیں شعور سے کہیں بصیرت سے' کہیں تفکر سے اور کہیں تدبر سے۔ قرآن مجید نے مختلف پیرایوں میں یہ بیان کیا ہے کہ انسان کو عقل وتدبر سے کام لینا چاہئے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

قال رب المشرق و المغرب وما بینھما ان کنتم تعقلون

ترجمہ: "کہا وہی مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے کا رب (Sustainer) ہے۔ اگر تم عقل سے کام لو۔" (سورہ الشعراء: آیت نمبر 28)

اور فرمایا:

وما یذکر الا اولی الالباب

"اور نصیحت تو صرف عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔"

حیات بعدِ الموت کی اطلاع

انسان خدا تعالیٰ کے محکم نظام پر نظر دوڑا سکتا ہے۔ اس پر قیاس آرائی کی لمبی قطار بنا سکتا ہے مگر جزا و سزا اور حیات بعد الموت کا علم سوائے مذہب کے کہیں سے حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ انسان کی اپنی عقل اس قدر دور کے نتائج کو بھانپ نہیں سکتی۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو معرفت کی وحی کے ذریعے جتنا جزا و سزا کا قانون بتلایا وہ انہوں نے عوام الناس تک پہنچایا۔

مذہب کا آغاز و ارتقاء

مذہب کے آغاز کے بارے میں دو نظریے پائے جاتے ہیں۔ ایک ارتقائی نظریہ دوسرا مذہبی نظریہ۔

ارتقائی نظریہ

ابتداء میں ضروریات زندگی نے اس نظریہ کو جنم دیا۔ لوگ سورج، چاند، ستارے، بارش اور پھلدار درخت کے فوائد دیکھ کر ان کے پجاری بن بیٹھے۔

اس نظریے کی رو سے جب انسان پیدا ہوا تو وہ مذہب کے تصور سے بالکل نا آشنا تھا۔ مذہب کی ابتداء مظاہر پرستی سے ہوئی۔ قرآن اور تورات کا نظریہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو اس کی جسمانی ضروریات کی طرح اس کی روحانی ضروریات کا سامان بھی پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان روحانی ضروریات کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے پورا کیا۔

ہر قوم کی طرف نبی بھیجے انہوں نے لوگوں کو توحید اور عبادت الٰہی کی تعلیم دی۔ اس وجہ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شروع ہی سے انسان کا مذہب توحید تھا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله و اجتنبوا الطاغوت

ترجمہ اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور جھوٹے معبودوں سے بچو۔" (سورہ النحل: آیت نمبر 36)

اب مغربی محققین بھی ارتقائی نقطۂ نظر کو ترک کر کے قرآنی نقطۂ نظر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر شمیٹ نے لکھا ہے

"شعوب و قبائل میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب بالکل بیکار ہو گیا ہے۔ نشوونما کی مرتب کڑیوں کا وہ خوش نما سلسلہ جو اس مذہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کیا تھا۔ اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر باہر پھینک دیا ہے۔ اصلاح کیلئے دنیا میں ہر قوم میں پیغمبر آئے اور لوگوں کو توحید کا درس دیتے رہے۔ انسان کے ابتدائی تصور کی اعلیٰ ترین ہستی فی الحقیقت خدائے واحد تھی۔ اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا۔"

دوسرے مذاہب کی موجودگی میں اسلام کی ضرورت

پہلی ضرورت تکمیل شریعت

اسلام سے پہلے جس قدر مذاہب آئے وہ سب قومی اور محدود ضروریات کے مطابق تھے۔ ان کا پیغام اپنے اندر عالمگیر حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ قرآن مجید میں نوح علیہ السلام سے متعلق آتا ہے:

ولقد ارسلنا نوحا الی قومه

"ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔" (سورہ المومنون: آیت نمبر 23)

اگر مذاہب عالم کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ کسی کتاب نے بھی عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ویدوں کو لیجئے نہ تو خود وید عالمگیر الہام ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور نہ کسی وید کی تعلیم کو عالمگیر قرار دیا گیا۔ اگر وید کی تعلیم عالمگیر ہوتی تو ضروری تھا اس کی تعلیم کی اشاعت اور تبلیغ ہندوستان کی چار دیواری سے باہر ہوتی اور وید کے ماننے والے دنیا کی دوسری قوم تک اس کے پیغام کو پہنچانا ضروری سمجھتے۔ لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں شودر وید کا کلام سننا تو درکنار وید کی شکل دیکھنے سے بھی محروم رہا۔

پہلے انبیاء علیہم السلام اللہ کا پیغام زبانی لے کر صرف ایک ہی قوم کی طرف آئے زمانہ فطرت انسانی کے مطابق تھا۔ نزول قرآن مجید سے قبل دنیا کے ممالک ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے۔ ذرائع رسل و رسائل مفقود تھے۔ اس وجہ سے قومیں ایک دوسرے سے بالکل بے خبر تھیں۔

دوسرے انسان کا ذہن ایک عالمگیر شریعت کو اٹھانے کے قابل ہی نہیں تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ضرورت کے مطابق مختلف وقتوں میں پیامبر بھیجتا رہا۔ جب دنیا رسل و وسائل اور ذرائع آمدورفت کی وجہ سے ایک کنبہ کی شکل اختیار کر گئی تو ایک مکمل شریعت کی ضرورت پڑی۔ سو اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلام کی تعلیم دے کر بھیجا اور اللہ رحیم و کریم نے فرما دیا:

"آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔" (سورہ المائدہ: آیت نمبر 3)

مذہبی اختلاف کا فیصلہ

اسلام سے پہلے تمام مذاہب اختلافات اور تنازعات کا شکار بن چکے تھے۔ اب ضروری تھا کہ تمام مذہبی اختلافات کا فیصلہ ہوتا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان تمام اختلافات کا فیصلہ کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسلام کی تعلیم کو نازل فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما انزلنا عليك الكتاب الا لتبين لهم الذى اختلفوا فيه و هدى و رحمه لقوم يؤمنون

"ہم نے تجھ پر کتاب صرف اسی لیے نازل کی ہے کہ تو ان کیلئے وہ باتیں کھول کر بیان کر جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور وہ ان لوگوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔" (سورہ النحل: آیت: 68)

جب ہم مذاہب عالم کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کو اختلافات کے بھنور میں پھنسا ہوا پاتے ہیں۔

اگر عیسائیت کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی کثرت سے اختلافات نظر آتے ہیں۔ رومن کیتھولک تین خداؤں کے سوا حضرت مریم کو بھی معبودیت کے تخت پر بٹھاتے ہیں اور پوپ کو معتون عن الخطا گردانتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ صرف باپ بیٹا روح اقدس تک ہی الوہیت کو جائز سمجھتے ہیں اور پوپ کو معتون عن الخطاء نہیں مانتے۔ پھر پروٹسٹنٹ فرقہ کے اندر بے شمار اختلافات ہیں۔ عشاء ربانی کے تحت بعض کے نزدیک شراب اور روٹی حلق کے نیچے اترتے ہی مسیح کا خون اور گوشت بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مالک کا لفظ بجائے ملک (Malik) کے اس لیے اختیار کیا ہے کہ ملک محدود اختیارات کا حاکم ہوتا ہے۔ وہ کسی مجرم کو چھوڑ نہیں سکتا۔ مالک کے اختیارات وسیع ہیں۔ جسے چاہے معاف کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ جزا و سزا کے دن جسے چاہے معاف کر سکتا ہے۔

تیسری ضرورت کتب سابقہ کی غلطیوں کی اصلاح

لوگوں نے سابقہ کتب سماوی میں بعض ایسی غلط باتیں شامل کر دی تھیں جو مذہب کی روح کے سراسر منافی تھیں۔ قرآن مجید نے ان غلطیوں کی اصلاح کی۔ مثلاً بائبل میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی ہی بیٹیوں سے فعل شنیع کے

مرتکب ہوئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑے کا ایک بت بنایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بیویوں کو خوش کرنے کیلئے بتوں کی پوجا کی۔ یہ آیات تذلیل انبیاء علیہم السلام پر محکم دلیل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام وہی کرتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے وحی ہو۔

چوتھی ضرورت سابقہ کتب سماوی کے برحق ہونے کی تصدیق اور حفاظت

قرآن مجید کے نزول سے قبل ہی نبی کی بعثت قومی سطح پر ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے ان پر جو وحی نازل ہوتی تھی وہ بھی اسی قوم کے ساتھ مخصوص ہوتی تھی۔ اس طرح ہر قوم صرف اپنے آپ کو ہی وحی کی نعمت عظمیٰ سے مستفیض سمجھتی تھی اور دوسروں کو محروم۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر قوم میں تنگ نظری اور تعصب کا مرض پیدا ہو گیا۔ جس کی اصول غیر منقطع حد تک پہنچ گئیں۔

اسلام آیا تو اس نے نہ صرف پہلی وحیوں کو برحق قرار دیا بلکہ ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا اور کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ پہلی کتابوں پر ایمان نہ لائے۔

قرآن مجید پہلی کتب کا مصدق دو لحاظ سے ہے۔ ایک تو اس لحاظ سے کہ قرآن تمام کتب سماوی کو من جانب اللہ مانتا ہے۔ دوسرا اس لحاظ سے مصدق ہے کہ پہلی کتب میں قرآن مجید اور رسول کریم سے متعلق پیش گوئیاں تھیں۔ قرآن مجید ن نے پیش گوئیوں کو پورا کر کے ان کتب کو سچا ٹھہرایا ہے۔

پانچویں ضرورت گمشدہ توحید کو قائم کرنا

قرآن مجید کے نزول سے قبل دنیا سے توحید کا چراغ جو انبیاء علیہم السلام نے مختلف زمانوں اور مختلف جگہوں میں روشن کیا تھا' بجھ چکا تھا۔ ہندو مذہب میں تینتیس کروڑ دیوتا مانے جا چکے تھے۔ بدھ مذہب میں خدا کی الوہیت کا تصور خرافات' توہمات اور قیاسات کے نیچے دب کر گم ہو چکا تھا۔

یہودیوں نے عیسائیت کے نقش قدم پر چل کر حضرت عزیر (Uzair) علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ عیسائیت تثلیث کے چکر میں پھنسی ہوئی تھی۔ غرض کہ تمام دنیا کسی نہ کسی رنگ میں شرک کے مرض میں مبتلا تھی۔ سو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے توحید کی بجھی ہوئی شمع کو ازسر تو جلایا اور شرک کے پودے کی جڑیں کاٹ ڈالیں۔

چھٹی ضرورت تکمیل انسانیت

سابقہ مذاہب کی کتب سماوی میں انسانی نشوونما و تربیت کیلئے افراط اور تفریط پائی جاتی ہے۔ یہودی مذہب انتقامی جذبہ کو زیادہ ابھارتا ہے اور عیسائیت جذبہ رحم کی اس رنگ میں تربیت کرتا

ہے کہ غصہ جو انسان کا طبعی جذبہ ہے بالکل ختم ہو جاتا ہے۔

اسلام افراط اور تفریط کا مذہب نہیں ہے بلکہ اعتدال اور میانہ روی کا آئینہ دار ہے۔ قرآن مجید انتقام کی بھی تعلیم دیتا ہے لیکن مناسب موقع پر قرآن مجید انفاق فی سبیل کی تعلیم دیتا ہے لیکن تبذیر سے روکتا ہے۔ قرآن مجید رحم کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ غرض کہ اسلام نے انسانی قوی کی نشو ونما اعتدال پر کر کے انسانیت کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔

ساتویں ضرورت نسل انسانی کو وحدت کی لڑی میں منسلک کرنا

اللہ تعالیٰ کی توحید کا تقاضا ہے کہ نسل انسانی کو وحدت کی لڑی میں منسلک کر دیا جائے۔ اس تقاضا کو اسلام نے پورا کیا۔ اسلام سے پہلے کسی مذہب نے بھی نسل انسانی کی وحدت کا نظریہ پیش نہیں کیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

"یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ سو مجھ ہی سے ڈرو مگر انہوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ اس پر خوش ہے جو ان کے پاس ہے سو ایک وقت انہیں اپنی جہالت کی نیند میں چھوڑ دے۔ اسلام نے وحدت نسل انسانی کو ختم کرنے والے تمام تعصبات کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔"

مذہبی تعصب

مذہبی تعصب کو ختم کرنے کیلئے یہ تعلیم دی کہ تمام کتب اور رسل اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ وہ تمام قابل احترام اور معزز ہستیاں ہیں۔ اسی وجہ سے ایک مسلمان ہونے کیلئے سابقہ کتب سماوی اور تمام رسل پر ایمان لانا فرض قرار دیا ہے۔ مومن سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔

اسلام صرف دوسرے مذاہب کے انبیاء علیہم السلام کو ہی صرف سچا نہیں مانتا بلکہ یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ تمام مذاہب میں نیک آدمی پائے جاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

لیسوا سواءً من اهل الکتاب امة قائمة یتلون ایت اللہ ءَ اناءَ الیل وهم یسجدونَ یؤمنون باللہ و الیوم الاخر و یامرون بالمعروف و ینهون عن المنکر ویسرعون فی الخیرات (سورہ آل عمران: آیت نمبر 113:114)

"یعنی اہل کتاب سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک جماعت حق پر

ہے۔ جو اللہ کی آیات کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے اور سجدے کرتے ہیں۔ وہ اللہ اور آخری دن پر ایمان لاتے ہیں۔ نیکی کے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور برائیوں سے روکتے ہیں اور نیکی کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔"

مذہبی تعصب کو بالکل ختم کرنے کیلئے قرآن مجید نے تمام مذاہب کو ایک مشترکہ امر یعنی توحید پر جمع ہونے کی دعوت دی ہے کیونکہ تمام مذاہب کی بنیاد توحید پر ہی قائم ہے۔

قومی اور لسانی تعصبات

وحدت نسل انسانی کیلئے قومی اور لسانی تعصبات نہایت ہی خطرناک ہوتے ہیں۔ ان تعصبات نے دنیا کی اقوام میں منافرت اور مخاصمت کی آگ بھڑکا دی ہے۔ قرآن نے ان تعصبات کو ختم کرنے کی نہایت ہی اعلیٰ پیرایہ میں تعلیم دی ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ان اللہ فبسرہ

ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف اقوام اور قبائل میں تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں سب سے زیادہ قابل تعظیم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا اور زیادہ خبر رکھنے والا ہے۔"

(سورہ الحجرات: آیت نمبر 13)

قرآن مجید نے اس نظریہ کو عملی رنگ میں نماز اور حج کی صورت میں پیش کیا ہے۔ جہاں تمام انسان بلاتفریق قوم و ملت ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہو کر وحدت نسل انسانی کی تصویر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔

قومیت پرستی اخلاقی تباہی کا موجب ہے کیونکہ یہ عالمگیریت کے تصور کے منافی اور ایک خدا کے انکار پر مبنی ہے اور قومیت پرستی کے اس شہر میں انسان کی قیمت بحیثیت انسان کچھ نہیں۔ دوسری طرف تفرقہ انگیزی کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے۔

آٹھویں ضرورت اللہ تعالیٰ کے ارادہ ازلی کی تکمیل کرنا

خدا کا وہ ارادہ جس سے اشیاء پیدا کرتا ہے اس کی تکمیل ایک ضروری امر ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے ارادہ کیا ہے کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے وحی نازل کرے سو وحی وقتاً فوقتاً ضرورت کے مطابق نازل ہوتی رہی۔

اسلام اپنی مکمل شکل میں نازل ہوا۔ اگر قرآن مجید نازل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازلی پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں نقص لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات تمام نقائص سے منزہ اور تمام خوبیوں کی جامع ہے۔ اس وجہ سے اسلام کا مکمل صورت میں عوام الناس کے سامنے آنا ضروری تھا۔

اسلام میں دوسرے مذاہب اور اہل مذاہب کی حیثیت

اس موضوع پر بحث کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اس بارے میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب اور اہل مذاہب کا عقیدہ اور طرز عمل کیا رہا ہے اس کے بعد اسلام کی رواداری کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

تمام مذاہب کے طرز عمل پر بحث تو طویل ہو جائے گی اس لیے دنیا کے صرف تین بڑے مذاہب یہودیت' عیسائیت اور ہندو دھرم کے عقیدہ اور طرز عمل کو زیر بحث لایا جائے گا۔ یہودیت اور عیسائیت ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہیں۔ جو ایک دوسرے کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔

یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) مفتری سمجھتے ہیں اور عیسائی یہود کو گمراہ اور قابل نفرت تصور کرتے ہیں۔ ان دونوں کی علامتی داستان سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ جب عیسائیوں کے ہاتھ میں عنان حکومت آتی وہ یہودیوں کو نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔ یہودی کا لفظ عیسائی دنیا میں دشنام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

یہ لوگ رسم و رواج اور عادات و درجات میں دین اسلام سے اس درجہ اختلافات رکھتے ہیں کہ اپنے بچوں کو ہم سے اور ہماری وضع لباس وغیرہ سے ڈراتے ہیں اور ہم لوگوں کو شیطان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور شیطان کو خدا کا مخالف اور دشمن قرار دیتے ہیں۔

اس سے دوسری قومیں بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ وہ سب ایک دوسرے کو شیطان سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ملک صرف انہی کا ملک ہے انسان صرف انہی کی قوم کے لوگ ہیں۔ بادشاہ صرف انہی کا بادشاہ ہے مذہب صرف انہی کا مذہب ہے۔ علم صرف وہی ہے جو ان کے پاس ہے۔

یہ لوگ بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ اور جو کچھ تھوڑا بہت علم ان کے پاس ہے ان کو بہت سمجھتے ہیں۔ اور اپنی خود پسندی کی وجہ سے جاہل رہ جاتے ہیں۔ ان کے اہل علم نہ صرف دوسروں بلکہ اپنی قوم کے اہل لوگوں سے بھی علم چھپاتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کے شہروں کے سوا دوسرے شہر ہی نہیں ہیں اور ان کے شہروں کے علاوہ کہیں انسان نہیں بستے ہیں۔

اسلام کی تعلیم

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کا خدا صرف مسلمانوں کا خدا نہیں بلکہ سب جہانوں کا خدا ہے۔ سب کی ربوبیت اسی کے ذمہ ہے۔ سب تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو جہانوں کا پالنے والا ہے۔ یعنی اسلام کا رب صرف اہل عرب کا ہی رب نہیں بلکہ ہندوستان، ایران، شام، انگلستان، امریکہ، روس اور دنیا کے تمام ممالک کے رہنے والوں کا رب ہے۔

جس نے جسمانی ربوبیت کے سامان ہر قوم کو دیئے ہیں۔ اسی طرح روحانی ربوبیت کے سامان سے بھی کسی قوم کو خالی نہیں رکھا۔ پس قرآن مجید کی آیات ہر مسلمان کی نگاہ میں شری مہاراج کرشن رام چندر، بدھ، زرتشت اور کنفیوشس کو قابل تکریم اور تعظیم ٹھہراتی ہیں۔ اسی وجہ سے تمام مسلمانوں نے انہیں اپنی اپنی قوم کے ہادیان برحق سمجھا ہے۔

عیسائیوں کا ایک گروہ آنحضرت کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا۔ اس وقت ان کی نماز کا وقت آ گیا تھا۔ اس لیے انہوں نے مسجد میں ہی نماز شروع کر دی۔ بعض مسلمانوں نے روکنا چاہا مگر آنحضرت نے ان کو منع کر دیا اور فرمایا نماز پڑھ لینے دو۔ چنانچہ عیسائیوں نے مسجد نبوی کے اندر نماز پڑھی۔

دین میں جبر نہیں

اسلام کسی دوسرے مذہب کے آدمی کو جبر سے مسلمان بنانے کا حامی نہیں۔ اس کا یہ واضح اعلان ہے کہ دین میں جبر نہیں۔ جیسا کہ سورہ البقرہ میں ارشاد ہے:

لا اکراہ فی الدین (سورہ بقرہ)

"دین میں کوئی جبر نہیں۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ادع الی سبیل ربك بالحکمة و الموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن

"اپنے رب کے راستہ کی طرف دانائی اور اچھی اچھی باتوں کے ذریعے بلاؤ اور بہت پسندیدہ طریقے سے بحث کرو۔" (سورہ النحل: آیت نمبر 125)

مذاہب کے باطل معبودوں کو بھی برا کہنے کی ممانعت ہے جو دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کو گالی گلوچ اور برا بھلا نہ کہو۔ یہ لوگ بھی نادانی سے خدا کو برا کہنے لگیں گے۔

اسلام کا مقام دیگر مذاہب میں

اسلام نے تمام مذاہب کا سرچشمہ وحی الٰہی کو قرار دیا ہے اور جیسے تورات کا ذکر کیا اور کہا اگر تمام مذاہب سچے اور اللہ تعالیٰ کی جانب قرار دیے جائیں تو پھر ہر مذہب والا کہہ سکتا ہے کہ ہمارے پاس بھی کتاب موجود ہے اس میں سچائی اور ہدایت کا سامان بھی ہے۔

تو پھر اسلام اور اس کی کتاب کو کیوں نہ مانیں۔ جہاں اسلام نے دوسرے تمام مذاہب کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرار دیا ہے تو وہاں انسان کو ایک ایسا ارفع مقام دیا ہے جس کی وجہ سے دوسرے تمام مذاہب کے لوگوں کا اسلام کو ماننا ضروری ہو جاتا ہے۔ وہ ارفع مقام یہ ہے کہ اسلام تمام نبیوں کا موعود دین ہے۔

نبیوں کے ذریعے سے عہد لیا جو کچھ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت سے دیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو۔ جو تمہارے پاس ہے۔

تو تم نے ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنا ہوگی۔ کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کا بوجھ لیتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں۔ پس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔"

یہاں یہ مناسب ہوگا کہ مذاہب عالم کی کتب سے وہ پیش گوئیاں اور بشارتیں درج کی جائیں جن میں بانی اسلام کا ذکر موجود ہے۔

بشارت سے متعلق ایک اصولی بحث

بشارت سے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ خواب کا سا مضمون رکھتی ہے۔ عام طور پر مشتبہ رہتی ہے اور خواص پر بھی کبھی قرائن سے اور کبھی اس نبی کے ظہور کے وقت جس کی نسبت وہ بشارت ہے ظہور پاتی ہے۔

بشارت میں بالعموم نام صفاتی ہوتے ہیں۔ ذاتی نہیں یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی قیمت اس کی صفات کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ اس کے نام کے لحاظ سے۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کا ذاتی نام یسوع ہے۔ اس نام کی پیش گوئی کتب سابقہ میں نہیں پائی جاتی۔

اگر کسی مقدس کتاب کی بشارت ایک ہی ہستی سے متعلق دو جہتیں ہوں گی تو اس کی ایک ہی جہت قابل قبول ہوگی کیونکہ الہامی کتب تحریف کی وجہ سے کم و بیش اپنی اصلیت ضائع کر چکی ہیں۔ نیز یہ امر خود کتاب کی صداقت کے خلاف ہے کہ وہ ایک ہی ہستی سے متعلق دو متضاد خیال رکھتی ہو۔

کسی نبی سے متعلق دوبارہ دنیا میں مبعوث ہونے کی بشارت سے مراد اس نبی کی صفات پر کسی دوسرے نبی کا مبعوث ہونا ہے کہ ہم کسی اور شکل میں حسب ضرورت اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔

پارسی مذہب میں نوید آنحضرتؐ

زرتشی مذہب جسے عوام پارسی مذہب کے نام سے جانتے ہیں۔ ایران کا قدیم مذہب ہے۔ اب اسی مذہب کو آتش پرست اور مجوسی دین بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی مذہبی کتب زندی اور پہلوی دو زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ قدیم ایرانیوں کی مذہبی کتب میں دو معروف ہیں۔

ایک کا دساتیر اور دوسرے کا اوستایا ژند اوستا نام ہے۔ ان کتب کے دو حصے ہیں۔ خورداوستا اور کلاں اوستا انہی دو کو ژند اور مہاژند کہتے ہیں۔ ان میں لکھا ہے اس کا نام فاتح مہربان اور اسی کا نام استوت اریتا ہوگا۔ وہ رحمت کا مجسمہ ہوگا کیونکہ وہ تمام جہان کیلئے رحمت ہوگا۔ وہ حاشر ہو گا۔ اس لئے کامل انسان اور روحانی انسان ہونے کی وجہ سے وہ تمام لوگوں کی ہلاکت کے خلاف مبعوث ہوگا۔

وہ مشرک لوگوں اور ایمان دار لوگوں کی اصلاح کرے گا۔ اور آپ کا نام محمدؐ ہوگا۔ آپ کا رحمتہ اللعالمین ہونا جبکہ آپ سے قبل تمام انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کیلئے آئے۔ آپ کا حاشر ہونا بت پرستوں کی اصلاح کرنا یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات ہیں۔

مہاتما بدھ کی پیش گوئی

مہاتما بدھ کی کثیر التعداد پیش گوئیاں دین حق سے جدا نہیں ہیں۔ جکاوتی سنگھ ستناڈی میں لکھا ہے:

> "بھائیو اس وقت دنیا میں ایک اعلیٰ ہستی مبعوث ہوگی۔ اس کا نام برگزیدہ میتیا ہو گا۔ کامل معرفت والا' حکمت اور نیکی والا تمام عالمین کو بے نظیر ہدایت دینے والا ملائکہ اور انس کا معلم۔ ایک بدھ اعظم جیسا میں اس وقت ہوں۔"

وہ خود کو کامل طور پر جانے گا اور دیکھے گا۔ گویا یہ کائنات اس کے روبرو اپنی ساری ارواح جن و شیاطین برہموں کشتریوں ویشوں علماء اہل سیاست اور کاروباری لوگوں کے ساتھ موجود ہوگی۔ صداقت اپنی اصل اور اٹھتی ہوئی خوبصورتی میں ہوگی اور اعلیٰ زندگی کی معرفت اپنے کمال اصلی روح اور الفاظ دونوں کی وساطت سے ظاہر کی جائے گی۔

لفظ میتیہ کے معنی سنسکرت اور پالی لغت میں

جس طرح اس نام کا تلفظ مختلف کتابوں میں مختلف ہے۔ اسی طرح اس کے معنی میں بھی خفیف سا اختلاف ہے۔ سریتا کے معنی سنسکرت لغت میں مہربان دوست یا روف الرحیم کے ہیں۔ بودھی ستو کا نام اور آئندہ آنے والے بدھ کا نام موجودہ دور عالم کا پانچواں بدھ ہوگا۔ یہ لفظ میتری سے ہے جس کے معنی دوستی خیر خواہی کے ہیں۔

میتہ کے معنی معرفت حکمت' نیکی وعلم تعلیم و ہدایت میں کمال رکھنے والے کے ہیں۔ یہ تمام صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

قرآن مجید سے متعلق پیش گوئی

پیغام حق اپنی دل نواز تکمیل اور روز افزوں خوبصورتی میں شائع کیا جائے گا۔ اس ایک جملہ میں قرآن مجید کے اکثر خصائص بیان کر دیے ہیں جو دنیا کی کسی کتاب کو میسر نہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے:

(1) وہ پیغام حق ہے۔

(2) قلوب پر اثر انداز ہونے والا ہے۔

(3) اس کی صداقت روز بروز کھل کر سامنے آئے گی۔

(4) حفاظ کے سینوں میں محفوظ رہے گا۔

(5) احاطہ تحریر میں آ کر اس کا ایک ایک حرف محفوظ ہو جائے گا۔

اہل ہنود کی کتب مقدسہ میں پیش گوئی

مہرویاس ہندوؤں کے ایک بڑے قابل اور جفاکش رشی مانے جاتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی تالیف میں 18 پران ہیں۔ ان پرانوں کے 18 سمندر ہیں۔ ایک بڑے پایہ کی کتاب بھوشیہ پران ہے جس میں آئندہ کی خبریں بیان کی گئی ہیں۔ اس کی پرتی سرگ پر 3 کھنڈ 3 ادھیاء 3 اشلوک 5 تا 8 میں یہ بشارت موجود ہے۔

اتھروید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت

یہ ترجمہ پنڈت راجہ رام صاحب پروفیسر ڈی اے وی کالج نے کیا ہے۔ اے لوگو یہ احترام سے سنو لوگوں میں تعریف والا انسان تعریف کیا جائے گا۔ اے زمین پر خوش خرامی کرنے والے بادشاہ ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کو اکھاڑ پھینکنے والے بہادروں میں ہم پاتے ہیں۔ اتھروید کانڈ 20 سوکت

127 تنتر

یہ ترجمہ پنڈت کھیم کرن الہ آبادی نے کیا۔اس بشارت کا خلاصہ یہ ہے

(1) آپ کا نام محمد ہوگا۔

(2) وہ شہزادہ امن ہوگا۔

(3) وہ دشمنوں کی کثرت میں خدا کی حفاظت کرے گا۔ یہ تینوں امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

سام وید میں محمد رسول اللہ کی بشارت

احمد نے اپنے رب سے پر حکمت شریعت کو حاصل کیا ہے۔ میں سورج کی مانند روشن ہو رہا ہوں۔اس بشارت میں مندرجہ ذیل امور کا ذکر ہے

(1) حضور کا نام احمد ہے۔

(2) آپ کو شریعت دیئے جانے کا ذکر ہے۔

(3) شریعت کے ساتھ حکمت ملنے کا بھی اظہار ہے۔

(4) اس بشارت کو دیکھتے وقت رشی آفتاب رسالت کے نور سے منور ہو رہا ہے۔

تورات مقدس میں مثل موسیٰ کی پیش گوئی

موسیٰ کی پانچویں کتاب استثنا باب 18 آیات 17 تا 22 میں ملاحظہ کریں۔''میں ان کیلئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی پیدا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا جو کچھ میں اسے کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا۔ نہ سنے گا تو میں اس کا حساب لوں گا لیکن وہ جو نبی گستاخی کرے۔''

کوئی میری بات میرے نام سے کہے جسے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبدوں کے نام جانے کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی کچھ خداوند کے نام سے کہے اور وہ جو اس نے کہا پورا نہ ہو یا واقع نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی۔قرآن مجید میں آتا ہے۔

یعنی ہم نے تیری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جیسا کہ فرعون کی طرف بھیجا۔

قرآن مجید نے بار بار یہ دعویٰ کیا ہے کہ رسول کریم مثل موسیٰ ہیں۔

انجیل مقدس میں رسول کریم سے متعلق نوید

ایک اور تمثیل سنو ایک گھر کا مالک تھا جس نے انگورستان لگایا اور اسے چاروں طرف سے گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکہ پر دے کر پردیس چلا گیا اور جب

پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کر دیا۔ اور کسی کو سنگ سار کیا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا لحاظ کریں گے۔ جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا کہ یہی وارث ہے اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کر لیں اور اسے پکڑ کر باغ سے باہر نکالا اور اسے قتل کر دیا۔ باغ کا ٹھیکہ اور باغبانوں کو دے گا اس سے مراد یہ ہے کہ نبوت بنی اسرائیل سے چھین کر کسی اور کو دے دی جائے گی۔ متی 31 باب 43 میں ہے۔ اس لیے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور ایک قوم کو جو اس کے اہل ہو گی دے دی جائے گی۔

اور کہا گیا جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائے گا۔ پر جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔ اور کہا کہ محمد بن عبداللہ صلعم کونے کا پتھر ہے جس سے نبوت کی عمارت کی تکمیل ہوئی۔

اس بشارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ پتھر جس پر گرے گا وہ بھی چور چور ہو جائے گا اور جو اس پتھر پر گرے گا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بشارت بھی آپ کی ذات بابرکات پر پوری ہوئی کہ جنہوں نے آپ کے ساتھ مقابلہ کیا وہ بھی ہلاک ہوئے اور جن کے ساتھ آپ نے مقابلہ کیا وہ بھی ہلاکت کے گڑھے میں گرے۔

احمد کی آمد سے متعلق بشارت

حضرت مسیح نے اپنی جدائی کی خبر دیتے ہوئے اپنے غمگین حواریوں کو مخاطب کر کے فرمایا میں باپ سے دعا کروں گا اور وہ تمہیں ایک دوسرا فارقلیط دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا تم اسے پہچانو گے کیونکہ وہ تم میں ہمیشہ رہے گا۔

تاہم میں تمہیں سچ کہتا ہوں میرا جانا ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے گا۔ اگر میں جاؤں تو میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ جب وہ آئے گا تو وہ دنیا کو گناہ، نیکی اور عدالت سے ملزم گردانے گا۔ البتہ جب وہ روح حق آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی طرف رہنمائی کرے گی کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گی مگر جو کچھ وہ سنے گی وہی کہے گی اور وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی۔

لفظ فارقلیط پر بحث

فارقلیط کا صحیح ترجمہ پیراکلیوس ہے۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی احمد ہیں۔ سیل نے قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ عبرانی لفظ فارقلیط کے معنی احمد ہیں مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ مسلمانوں نے انجیل پر بناس میں تحریف کر کے پاراکلیٹ کو پری کلیو طاس بنا دیا

ہے۔

پس عیسائیوں کے اپنے اقرار کے مطابق فارقلیط کے معنی احمد ہیں۔ مسیح نے اپنے بعد آنے کی بشارت دی۔ فارقلیط کی بشارت کو پڑھ کر کئی نیک دل راہب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں تصدیق کرتا ہوں تورات میں سے اس کی جو میرے سامنے ہے اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا۔اس کا نام احمد ہے۔سو جب وہ ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آ گیا۔

تو انہوں نے کہا یہ ایک صریح ثابت ہوتی ہیں جادو ہے۔ انجیل یوحنا میں فارقلیط سے متعلق جتنی نشانیاں بیان ہوئی ہیں وہ سب رسول کریمؐ اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے۔

هندو مت

ہندو مت

لفظ ہندو کی لغوی توضیح

ہندی لغت میں ہندو کے معنی چور اور کالے رنگ والا کے بیان ہوئے ہیں۔ مختصراً ہندو کو کالا چور بھی کہا جا سکتا ہے۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :

"اہل فارس نے جب وادی سندھ کے ایک علاقہ پر قبضہ کیا تو وہ سندھ کو ہندو کہہ کر پکارنے لگے۔ کیونکہ قدیم ایرانی زبان پہلوی اور سنسکرت دونوں میں حرف س کو حرف ہ سے بدل لیا جاتا تھا تاہم فرانسیسی زبان میں یہ ہند سے انڈ ہوا اور پھر کثرت استعمال سے انڈیا مشہور ہو گیا۔"(1)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے :

"The term Hinduism refers to the Civillization of the Hindus (Originally, the inhabitants of the land of the Indus River Introduced C 1830 by English Writers, it properly denotes the Indian Civilization of approxi mately the last 2,000 years, which evolved from Vedism, the religion of the Indo-European peoples who settled in India in the last centuries of the 2nd millenium BC.

Hinduism has religious, social, economic, literary and artistic aspects.

As a religion, Hinduism is a Conglomerate of doctrines, cults, and ways of life."

ترجمہ: ہندو دھرم کی اصطلاح 'ہندوؤں کی اس تہذیب کی جانب اشارہ ہے جسے انگریز مصنفین نے 1830ء میں متعارف کروایا ان کا اصل وطن دریائے سندھ کی سرزمین تھی۔ یہ تہذیب دو ہزار سال سے زیادہ قدیم نہیں ہے۔

ہندو دھرم جس نے مقدس ویدک ادب سے نشوونما پائی ان ہندو یورپی اقوام کا مذہب تھا جو دو ہزار سال پہلے ہندوستان میں آ کر آباد ہو گئی تھیں۔ اس دھرم میں مذہبی' سماجی' معاشی' ادبی اور ہر نوع کے فنی پہلو پائے جاتے ہیں اور بحیثیت مذہب ہندومت' مذہبی عقائد و تعلیمات' مذہبی رسوم اور مختلف طرز ہائے زندگی کا مجموعہ ہے۔ انسائیکلو پیڈیا دی نیو ایج آف نالج میں ہندو دھرم کا تعارف ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

"Religion is very important in India, where there are many religious faiths. Small numbers of Indians belong to the Zoroastrian, Muslim, and Christian faiths, but the great majority of them are Hindus. There are about 500,000,000. Hindus in the world. Hinduism is one of the greatest and one of the olderst of all the living religions.

How It Began

As far as one can learn from Hindu tradition, the Indo-Aryan people lived on the Indus plain and in the Ganges valley. The word "Hindu" is Persian origin and refers to people who lived east of the Indus River. The ancient Indians called their religion the Vedie religion after the Vedas, which are the source books of the Hindu faith and philosophy. No one knows exactly how old the Vedas are, but they are believed to date from between 3000 B.C. and 1000 B.C.

In the course of history many foreigners came to India. Most of them-- except for Zoroastrians, Muslims, and Christians--- were absorbed into Hindu society. Hinduism was enriched by taking over ideas and ideals from others. But the main currents of Hinduism spring from the Vedas."

ترجمہ: ہندوستان میں مذہب بہت اہم ہے' جہاں بہت سے مذہبی عقائد ہیں۔

یہاں زرتشتی، مسلمان اور عیسائی کم تعداد میں ہیں لیکن ان میں بھاری اکثریت ہندوؤں کی ہے۔ دنیا میں ہندوؤں کی تعداد تقریباً 50 کروڑ ہے۔ تمام موجودہ مذاہب میں ہندو دھرم سب سے بڑے اور سب سے پرانے مذاہب میں سے ایک ہے۔

ہندو روایت سے جہاں تک انسان سیکھ سکتا ہے یہ ہے کہ ہندو آریائی اقوام وادی گنگا اور سندھ کے میدانی علاقوں میں آباد تھیں۔ لفظ ہندو فارسی الاصل ہے یہ ان لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے جو دریائے سندھ کے مشرقی علاقے میں رہتے تھے۔

قدیم ہندو اپنے دھرم کو مقدس ویدوں کی وجہ سے ویدک دھرم کہتے تھے۔ یہ ویدیں ہندوؤں کے عقیدے اور فلسفہ کی اساس اور سرچشمہ تھیں۔

مذہبی وید کس قدر پرانی ہیں صحت کے ساتھ ان کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ تاہم اس بات پر یقین کیا جاتا ہے کہ ان کا زمانہ تالیف 3000 ہزار قبل مسیح سے 1000 ہزار قبل مسیح تک کا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے اجنبی لوگ ہندوستان میں وارد ہوئے جن میں سے اکثر نے سوائے زرتشتی مسلمان اور عیسائیوں کے، ہندو معاشرت کو گلے لگا لیا۔ یہ دھرم کئی دوسری اقوام کے خیالات اور شخصیات سے مالا مال ہے تاہم اس مذہب کی اصل ویدوں سے ہی ماخوذ ہے۔

اردو جامع انسائیکلو پیڈیا میں ہندو مت کا خلاصہ نہایت جامع اور مستند کلمات میں کچھ اس طرح سے پیش کیا گیا ہے۔

ہندو مت کی کوئی مقررہ الہامی کتابیں نہیں سوائے اس کے کہ ویدوں برہمنوں اور بھگوت گیتا میں مکمل متشرح دینیات ملتی ہے۔ اپنشد (Upanishads) جو موجودہ ہندو فلسفے کی بنیاد ہیں ایک عالمگیر روح یا ہستی کے قائل ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مایا زمان و مکان کے جال سے نکل کر سب روحیں اس میں آ جائیں گی۔

برہمن مت نے اپنا ضابطہ رسوم منو شاستر کے نام سے مدون کیا ہے۔ اپنشدوں کی تشریح کرنے والے بہت سے مدرسہ ہائے فکر پیدا ہوئے۔ ویدانت اور یوگ کی اشاعت ہوئی۔

ہندو مت کی ایک بعد کی شکل تنتروں اور پرانوں میں نظر آتی ہے۔ تنتر زیادہ تر ہدایات ہیں۔ جن کے ذریعے بھگوان کی دیا حاصل کی جاتی ہے۔ پرانوں میں نظمیں ہیں جو زیادہ تر شو کی جو تباہ کرنے والا اور وشنو کی جو سلامت رکھنے والا ہے۔ شان میں ہیں تاہم موجودہ ہندو مت میں صغرسنی کی شادی، ستی (Sati) کی رسم اور اچھوت پن اب خلاف قانون ہیں۔

پنڈت جواہر لعل نہرو اپنی مشہور کتاب The Discovery of India میں لکھتے ہیں

> " اہل چین' یونانیوں اور عربوں کے برعکس ہندوستان کے لوگ تاریخ دان نہیں تھے۔ یہی ہماری بڑی بدقسمتی ہے اور اس امر نے یہ مشکل پیدا کر دی ہے کہ ہم گزرے ہوئے زمانے کے حادثات و واقعات متعین نہیں کر سکتے۔ یہ واقعات آپس میں کچھ اس طرح سے الجھ گئے ہیں کہ ایک بڑا عجیب تاریخی ابہام اور تشاکل پیدا ہو گیا ہے۔"

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندو اپنی قدیم روایات ہی کو تاریخ تسلیم کرتے ہیں اور اس پر کسی قسم کی تنقیدی نگاہ نہیں ڈالتے۔ انہیں اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ طریق فکر اور نہایت آسانی سے نتائج تک رسائی پانے والے مسلک کو چھوڑنا پڑے گا۔

ہندو دھرم سے متعلق جان کلارک آرچر کا تجزیہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ لکھتے ہیں ہندومت کا کوئی بانی نہیں جو اس کو کوئی بنیادی پیغام عطا کرتا۔ ابتدائی دور میں اس کا کوئی مذہبی رہنما بھی نہ تھا جو حضرت عیسیٰ یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مماثل ہو۔ ہندو تو کنفیوشسوں سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ کنفیوشس قدیم روایات کی تدوین کرنے میں کامیاب رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہندوؤں کو کوئی ایسی شخصیت بھی نہ مل سکی جیسی کہ جینیوں کو وردھمان مہاویر کی صورت میں اور بدھ متوں کو گوتم بدھ کی ذات میں اور سکھوں کو گورونانک کی شکل میں ملی۔ ایک طرز فکر میں ہندو دھرم کے بانیوں کی ذات ایک افسانہ ہے۔

ہندومت کی پہچان و جان کاری کے سلسلے میں جناب مظہر الدین صدیقی صاحب کا تبصرہ نہایت پر مغز' جامع' مدلل' مستدرک اور حرف آخر ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

> " ہندو مذہب کا بانی کوئی ایک فرد نہیں۔ زرتشت' موسیٰ اور عیسیٰ کی مانند ہمیں کوئی ایسی شخصیت نہیں ملتی جس کو ہندوؤں کا رہنما قرار دیا جا سکے یا جس کو اس مذہبی نظام میں مرکزی اہمیت حاصل ہو۔ اسی طرح ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو بھی کسی ایک شخصیت کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ زمانہ مابعد میں بعض ممتاز مذہبی اشخاص منظر عام پر آئے لیکن ہندو مذہب کے ابتدائی مدارج پر لاشخصیت کا ٹھپہ لگا ہوا ہے۔ چونکہ ہندوؤں کے مذہبی نظام کی تشکیل میں لاتعداد اشخاص اس میں شامل ہیں اس لیے اس میں کوئی واحد عقیدہ' مذہبی قانون یا رسوم و شعائر کی کوئی یکسانیت نہیں ملتی۔"

عقائد کی گونا گونی' طریق عبادت کے اختلافات اور معبودوں کے کثرت کے باعث یہ

مذہب ایک گنجان جنگل کی طرح معلوم ہوتا ہے جس میں ہزاروں راستے نکلتے ہوں لیکن کوئی راستہ صاف اور سیدھا نہ ہو۔

(اسلام اور مذہب عالم از مظہر الدین صدیق)

(1) ہندومت ایک ایسا دھرم ہے جس میں توحید کا کوئی تصور نہیں۔

(2) اس کے تمام عقائد و نظریات اور مذہبی رسومات و عبادات غیر یقینی، غیر مسلم، غیر متعین، مبہم اور غیر واضح ہیں۔

(3) ہندوؤں کی کوئی مستقل متعین مذہبی کتاب نہیں۔ جس سے وہ کسی یقین اور دعوٰی کے ساتھ ہدایات حاصل کر سکیں یا اپنی زندگیاں ان مذہبی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے گزار سکیں۔

(5) ہندو قوم کی ایک بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ یہ جاہل اور اکھڑ قسم کی قوم ہے۔ اس جہالت کی بنا پر ان کے پاس ثقہ بند اور مستند تاریخی کتابیں نہیں ہیں۔

اس کے برعکس مسلمان قوم کتابوں کی تدوین و تالیف میں حیرت انگیز اور ناقابل یقین صورت میں آگے نکل چکی تھی۔ روایت ہے کہ جب ہلاکو خان نے بغداد میں عباسی حکومت کا خاتمہ کیا تو مسلمانوں کی مختلف علوم و فنون پر لکھی ہوئی کتابوں کو دریائے دجلہ (River Tigris) میں بہا دیا۔ ان کتابوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ دریا کا پانی سیاہ ہو گیا۔

(5) ہندومت دنیا کا واحد ایسا مذہب ہے جس نے انسانیت کے ٹکڑے کر کے اسے اونچ نیچ اور ذات پات کے چھوٹے درجات میں منقسم کر دیا۔ یہاں تک کہ اعلیٰ اور اونچی ذات کے لوگوں کیلئے پاپ اور پن کے قواعد و ضوابط بھی دوسری ذاتوں سے مختلف بنا دیئے گئے اور انسان کو برہمن اور شودر جیسے دو مختلف نام دے کر انسانیت کی توہین کی گئی۔ جبکہ بالعکس تمام دین اسلام نے تمام انسانوں کو رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر ایک خوبصورت پلیٹ فارم عطا کیا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع اس مساوات پر شاہد ہے۔

بقول علامہ محمد اقبال

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

ہندومت ایک تاریخی جائزہ

آریائی قوم جو مذہب اپنے ساتھ لائی تھی دو چیزوں پر مشتمل تھا ایک اپنے آباؤ اجداد کی

روحوں کی پرستش دوسرا مرئی مظاہر میں مجسم قوائے فطری کی پرستش۔ پنجاب میں روحانی تصور نے مزید نشوونما پائی۔

ویدوں میں ہمیں ترقی کا کارواں آگے بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم اپنشدوں میں ہندوؤں کے مذہبی خیالات کو اپنے اوج کمال تک پہنچا ہوا دیکھتے ہیں۔ اپنشدوں میں ہے کہ وہ بلند ترین وحدانیت کے قریب جا پہنچتا ہے۔ اپنشد نہ صرف خدا کے نفوذ مطلق سے بحث کرتے ہیں بلکہ یہ تعلیم بھی دیتے ہیں کہ روح مطلق پر ماتما تمام موجودات کی محافظ اور ساری کائنات کی حاکم ہے۔ وہ انسانوں کے دلوں میں رہتی ہے اور آخر الامر انفرادی روحوں کو لامتناہیت میں اپنے اندر یوں جذب کر لیتی ہے جیسے سمندر دریاؤں کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ جب یہ انجذاب ہو جاتا ہے تو انسانی روح پر کالبد خاکی میں جو تجربات گزرے ہوتے ہیں وہ ان سب کا شعور کھو دیتی ہے لیکن انسانی ترقی کی ان دلچسپ دستاویزوں میں بلاشک و شبہ روحانی انحطاط کے جراثیم موجود تھے جنہوں نے بہت جلد ارتقاء کے عمل کا رخ پلٹا دیا۔

چنانچہ مزید عروج کی بجائے ہمیں مسلسل تنزل دکھائی دیتا ہے۔

اپنشدوں کا مقام پران (Puranas) حاصل کر لیتے ہیں اور پھر تنتروں کا طریق پرستش پرانوں کو اس مقام سے ہٹا دیتا ہے۔

اپنشدوں میں جو خیال بار بار دہرایا گیا ہے کہ پرم آتما (پرماتما) مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسی سے اوتاروں کا تصور پیدا ہوا۔ جس طرح مغربی غیر اہل کتاب کا فلسفہ کائنات نفس عامہ کی اس زبردست خواہش کی تسکین نہ کر سکا کہ اسے ایک ایسا شخصی خدا مل جائے جو انسانوں میں رہ چکا ہو اور ان کے ساتھ آئے دن کا میل جول رکھ چکا ہو۔ اس طرح اپنشدوں کے موحدانہ ولولے ہندوستان کے عوام کو جذباتی تشفی بہم نہ پہنچا سکے۔ چنانچہ انہوں نے بہت جلد کھشتری جاتی سے ایک ہیرو دیوتا ڈھونڈ نکالا جس سے متعلق تھوڑی مدت کے بعد یہ عقیدہ رائج ہو گیا کہ وہ بنفسہ پرماتما اور پرمیشور کا اوتار بن کر اس سنسار میں جیون بسر کرنے آیا تھا۔

کرشن بھگتی کو اپنی حریف کالی پوجا کی طرح جو عام مقبولیت حاصل ہوئی وہ نہ صرف اس امر کی پرزور شہادت دیتی ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں ہندوستان کس مذہبی ابتری میں سراپا ڈوبا ہوا تھا بلکہ اس وسیع خلیج کو بھی چکاتی ہے جو اپنشدوں اور بھگوت گیتا کے لکھنے والے فلسفیوں کے ذہنوں اور عوام کے خیالات و جذبات کے درمیان حائل تھی۔ یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ اس علاقے میں داخل ہونے سے پہلے جسے صحیح معنوں میں ہندوستان یا آریہ ذات کہا جاتا ہے ان آریوں نے جو پنجاب میں آباد تھے یا ان کے پروہتوں اور مذہبی معلموں نے بہت سخت قاعدے وضع کیے تھے۔ جن

کا مقصد یہ تھا کہ آریوں نے اپنی طول طویل فاتحانہ کوچ کے دوران جن قوموں کو مطیع و منقاد بنایا تھا ان میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔

ان قوموں کو سماج کے اسفل ترین طبقے میں جگہ دی گئی۔ ان کو اچھوت قرار دیا گیا اور جو مذہبی رسومات اونچی ذاتوں کیلئے مقرر تھیں وہ ان کیلئے سختی سے ممنوع کر دی گئیں۔

وحدت الوجود کے موضوع پر آریائی ہندو فکر میں جو مدوجزر آئے ہیں ان سب کے دوران ارواح اسلاف کی پرستش مذہبی و معاشرتی نظام کا ایک لازمی جزو بن کر ہندوؤں کے ذہنوں میں جمی ہوئی ہے۔ یوں تو شودروں کو بھی اجازت تھی کہ اپنے آباؤ اجداد کی ارواح پر چڑھاوے چڑھائیں لیکن اگر کوئی برہمن ان کی پوجا میں شریک ہوتا تو اسے بڑی سنگین سزا دی جاتی۔ اگر کوئی شودر اتفاقاً کسی برہمن کو منتر پڑھتے ہوئے سن لیتا تو اس کیلئے یہ سزا مقرر تھی کہ اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جائے۔ اگر وہ کسی برہمن کے برابر چوکی پر بیٹھ جاتا تو اس کے بدن کو گرم لوہے سے داغ دیا جاتا۔ شودروں اور تین اونچی جاتیوں کے لوگوں کی آپس میں شادیاں انتہائی بے رحمانہ سزاؤں کی مستوجب اور قطعاً ممنوع تھیں لیکن اس قسم کی قانونی پابندیاں بھی آریوں کے مذہبی افکار و عبادات کو اصلی باشندوں کے عقائد کا اثر قبول کرنے سے نہ روک سکیں۔ مرور زمانہ کے ساتھ غیر آریہ قوموں اور قبیلوں کے دیوتا ہندوؤں کی دیو مالا میں داخل ہو گئے اور ان کی پوجا ہندوؤں کی آئے دن کی ریتوں میں شامل ہو گئی۔ بھانت بھانت کے پختہ اور خام' نئے اور پرانے عقیدوں کے گڈمڈ ہو جانے کا نتیجہ ناگزیر طور پر یہ ہوا کہ فلاسفہ صدیوں سے جس پیچیدہ اور دقیق وحدت الوجودی نظام خیال کے ارتقاء میں مصروف تھے اس میں ابتذال آ گیا۔

جب تک تابعین اسلام نے وہ پردہ نہ اٹھایا جس کے پیچھے ہندوستان ہزاروں سالوں سے ایک پراسرار زندگی بسر کر رہا تھا اس وقت تک ہندوستان کی کوئی تاریخ نہ تھی۔ یہ کہنا ناممکن ہے کہ واسو دیو کرشن کس زمانے میں گزرا یا اس کی شخصیت کیسی تھی۔ اس کے بارے میں ان گنت کہانیاں ہیں جو بے سروپا معلوم ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کہانیاں پروہتوں نے گھڑیں' جو دیوتاؤں سے اونچے نہیں تو ان کے ہمسر ضرور بن گئے تھے اور جن کا فائدہ اس میں تھا کہ عوام کے دلوں کو لبھائے اور رجھائے رکھیں۔ واسودیو کرشن کو ہندو دیو مالا میں وشنو کے اوتار کا مقام حاصل ہے اور اس حیثیت سے وہ بھگوت گیتا کے اس حصے کی وجہ سے جو بھگتی سے تعلق رکھتا ہے مرکزی شخصیت ہے۔ وہ بدیہی طور پر ایک جامع شخصیات دیوتا ہے۔ اس کی ایک شخصیت وہ منش دیوتا' وہ رنگیلا کنہیا ہے جو گوکل کے گوالوں میں رہتا تھا اور پرندہ بن کر مشہور کنجوں میں اپنی ہمجولیوں کے ساتھ لیلا رچا کر اپنا جی بہلاتا تھا۔

واسودیو کرشن کے مسلک کا بنیادی رکن یہ تھا کہ پورا پورا دھرم یعنی ایمان لے آنا اس کے

اعمال چاہے کیسے ہی ہوتے اُسے ابدی سعادت کا نصیب ہونا یقینی تھا۔

اس کامل ایمان کے نظریے نے بعض ایسی رسومات اور عقائد کو جنم دیا جو اب تک ہندوستان میں رائج ہیں۔ چونکہ پارسائی اس پر مشتمل سمجھی جاتی تھی کہ کرشن کو پرماتما سمجھ کر اپنے من میں بسایا جائے اور پھر اپنے من سے پوری پوری لو لگائی جائے۔ اس لیے عام لوگ بیراگ اور سنیاس کو مہاجن تصور کرنے لگے۔ آنکھیں اپنے بدن کے کسی ایک حصے پر جما کر اور من کو کرشن جی سے لگا کر سالہا سال تک جنگل میں بیٹھے رہنا' برسوں تک ایک ٹانگ پر کھڑے رہنا' بدن میں آنکڑے گڑوا کر ادھر ادھر گھومنا پھرنا' یہ سب ایسے کام تھے جو سب پاپ دھو ڈالتے تھے۔

اگر کسی شخص کو کسی گناہ کا کفارہ دینا یا کوئی منت ماننا منظور ہوتا تو وہ کسی آدمی کو کچھ دان دے کر اس کام پر لگا دیتا کہ وہ اس کے گھر سے دیوتا کے مندر تک کا راستہ اپنے بدن کی لمبائی سے ماپتا ہوا چلا جائے۔ بھگوت گیتا کا پورے دھیان کے ساتھ پاٹھ کرنے سے یا گنگا جل میں اشنان کرنے سے ساری برائیاں' دوش اور پاپ دھل جاتے تھے۔

شکتی پوجا نے بہت سے ہندوؤں کے دلوں پر جو سکہ جما رکھا ہے۔ وثوق سے کہنا مشکل ہے کہ یہ سکہ اس نے کب جمایا۔ شکتی ہر ہندو دیوتا کا نسوانی نصف اور فعال تخلیقی پہلو ہے۔ شوجی کی شکتی یا استری وہ بھیانک دیوی ہے جو پاربتی' بھوانی' کالی' مہا کالی' درگا' چمنڈا اور دوسرے ناموں سے پکاری جاتی ہے۔ اس دیوی کی پوجا جیسے کہ وہ بھوا بھوتی کے ڈرامے میں جو غالباً ساتویں صدی عیسوی میں لکھا گیا بیان کی گئی ہے۔ اسے چاہے کسی نام سے پکارا جائے اور اس کی پوجا چاہے کسی طریقے سے کی جائے اس میں عیسائی مذہب کی "مادر غمخوار" (Mater Dolorosa) کی سی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ اسکندریہ کے پجاری آئی سس (Isis) دیوی کی طرف جو انسانی رحم اور انسانی دکھ درد سے ہمدردی منسوب کرتے تھے اس کا بھی شائبہ تک ہندوؤں کی اس خوفناک دیوی میں موجود نہیں۔

یہی ہیبت ناک بلکہ دہشت انگیز تصور جو تنزل پذیر مذہبی نفوس کی پیداوار ہے صریحاً غیر آریہ قوموں سے مستعار لیا گیا اور یہ ایک ایسا تصور ہے جس کی کوئی نظیر دنیا کے غیر اہل کتاب مذاہب میں نہیں ملتی اور تو اور سیبلی (Cybele) یعنی اہل روما کے مادر کبری (Magna Mater) بھی اتنی بے رحم اور انسانوں کو دکھ پہنچانے کی اتنی شائق نہ تھی جتنی تباہی کے دیوتا شو کی شکتی تھی۔ اس دیوی کی پوجا تنتروں کی رسومات کے مطابق کی جاتی ہے جو گویا شکتی دھرم کی بائبل ہیں تنتروں کے بہت سے بھجن بھگتی اور سادھنا سے بھرے ہوئے ہیں اور دیوی سے جو پرارتھنائیں کی گئی ہیں ان میں اکثر اس سے دیا اور کرپا کی بھیک مانگی گئی ہے۔ لیکن فلسفیوں کیلئے تنتروں میں خواہ کیسے ہی صوفیانہ معانی ہوں عام لوگ ان کی تباہ ہوتی پوجا پر لغواً عمل کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے دو بڑے حماسوں سے جن میں سے ایک پانڈوؤں اور کوروؤں کی لڑائی اور دوسرا لنکا کے راجہ راون کے ہاتھوں سیتا کے اغوا کی کہانی بیان کرتا ہے' ہمیں کافی وضاحت کے ساتھ پتہ چل جاتا ہے کہ اس زمانے میں کس قسم کے مذہبی عقیدے اور طریقے عوام میں رائج تھے۔ دونوں حماسوں میں ایک خاصے ارتقاء یافتہ معاشرے کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جس میں کافی مادی ترقی ہو چکی تھی' لیکن ساتھ ہی ساتھ اخلاقی انحطاط بھی بہت بڑھ چکا تھا۔ چنانچہ بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کے خروج سے بہت مدت پہلے ہندوستان کے عوام میں مذہبی عبادت محض چڑھاوؤں کا ایک رسمی مجموعہ بن کر رہ گئی تھی جس میں ثواب کا معیار پوجا کرنے والے کی نیکی یا پرہیز گاری نہیں بلکہ پروہت (جس کے بغیر ان رسموں کا ادا کرنا سرے سے ممکن ہی نہ تھا) کی یہ صلاحیت ہوتی تھی کہ وہ مناسب جنتر منتر پڑھ کر دیوتا کو دعا قبول کرنے پر مجبور کر سکے۔

گوتم بدھ اور مہابیر نے جو بغاوت کی وہ خودغرض پروہتوں کے اقتدار کے خلاف ہندوؤں کے دل سے اٹھنے والی ایک آواز تھی۔ دونوں مذہبی پیشوا اس کے منکر ہیں کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے یا اس پر کوئی ایسی عقل کل حکمراں ہے جو اس کا نظام چلا رہی ہے' لیکن دونوں یہ اعلان کرتے ہیں کہ انفرادی زندگی بالآخر معدوم ہو جائے گی اور دونوں یہ کہتے ہیں کہ یہ نیک انجام صرف اچھے کاموں کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ان میں ایک فرق ہے۔ جین مت تو ہندومت سے وابستہ رہا اور اب عملی طور پر برہمنوں کے مذہب کا ایک فرقہ بن گیا ہے۔

لیکن بدھ مت نے جرأت سے کام لے کر ایک نئی روش کی داغ بیل ڈالی اور اس پر چل نکلا۔ اس نے کرم یعنی عمل کو مکتی کا واحد وسیلہ قرار دیا اور اس کے جلیل المرتبت بانی نے عمر بھر عمل کے میدان میں جدوجہد کی۔ موت کے بعد انسان کی تقدیر کے بارے میں بدھ مت کا جو تصور تھا وہ برہمن نظریوں کی عین ضد تھا اور اس کا تری تصوف بہت جلد دوسرے مذاہب میں سرایت کر گیا۔ لیکن اپنی جنم بھومی میں ایک مختصر مگر شاندار زندگی بسر کرنے کے بعد بدھ مت انتہائی مصائب سے دوچار ہوا۔ ظفر مند برہمن دھرم نے اسے جو سنگین سزائیں دیں ان کی روداد جنوبی ہندوستان کے مندروں کی دیواروں پر منقوش دکھائی دیتی ہے۔

بہرحال یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اپنی اصلی صورت میں بدھ مت وہ کشش نہ رکھتا تھا جس کی بدولت برہمن دھرم نے اپنے پیروؤں کے دل موہ لیے۔ اس نے کبھی ایک مثبت دین ہونے کا دعویٰ نہ کیا۔ اس کی جزائیں اور سزائیں۔ آئندہ زندگی میں راحت و سعادت کے وعدے' زندگی میں فرائض نہ ادا کرنے کے نتیجے سب اتنے مبہم تھے کہ عام لوگوں کے دلوں پر ان کا کوئی اثر نہ ہو سکتا تھا۔ بہت جلد اس کیلئے ضروری ہو گیا کہ یا تو خارجی دنیا سے مقابلہ ترک کر دے یا جس مذہب کی جگہ لینے کی

اس نے کوشش کی تھی اس سے سمجھوتہ کر لے۔

چنانچہ اسے اپنے پیروؤں کو یہ اجازت دینا پڑی کہ نیک کاموں کو چھوڑ کر پوجا پاٹ میں مگن ہو جائیں یا اس کے بے لطف تعلیمات میں دلچسپی پیدا کرنے کیلئے تنترک رسومات اختیار کریں۔ اسے اپنے اصلی وطن میں نہایت موافق حالات کے تحت جو نا کافی ہوئی اس نے اس کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی کہ وہ اپنے آپ کو ایک ولولہ انگیز مذہبی نظام ثابت کر سکے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ اس کے بعض صوفیانہ پہلو مغربی ایشیا اور مصر کے فلسفوں پر بڑی حد تک اثر انداز ہوئے ہیں۔

بدھ مت کے ہندوستان سے دیس نکالے کے بعد برہمن دھرم نے دوبارہ غلبہ حاصل کر لیا۔ جس زمانے میں بدھ مت کا راج تھا اس زمانے میں برہمن دھرم نے جو برے دن دیکھے تھے ان سے اس نے کوئی سبق نہ سیکھا تھا۔ اس کے روحانی تصورات میں کوئی اصلاح نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ بے جان رسم پرستی جس کے خلاف مہاتما بدھ نے بغاوت کی تھی آگے سے بھی زیادہ استوار بنیادوں پر از سر نو قائم ہو گئی۔ بحال شدہ برہمن راج میں لوگوں کی زندگیوں پر ایک ایسے مذہب کا آگے سے بھی کڑا پہرہ لگ گیا جو محض قربانیوں کا ایک سلسلہ تھا۔

یہ مذہب لوگوں کے روحانی تقاضوں کی تو کیا تسکین کرتا؟ البتہ وہ ان کے حواس اور غالباً ان کے جذبات کو بھاتا تھا۔ عام لوگوں کی مذہبی عبادت بے معنی اور بیہودہ رسموں کا ایک روزانہ چکر بن گئی۔ ان کے معبود پروہت تھے۔ اگلوں کی روحیں تھیں اور محض ظاہر داری کے طور پر ویدوں کے دیوتا تھے۔ ہندوستان کے اصلی باشندوں سے جو بت پرستی ہندوؤں نے سیکھی تھی اسے نہ ان کا فلسفہ نہ بدھ مت کی اخلاقی تعلیم مٹا سکی۔ اس نے اب تمام جاتیوں کی اندرونی زندگی میں گھر کر لیا تھا۔

درخت، پتھر، دوسری اشیائے فطری اور بت جو گھروں اور خاندانوں کے دیوتاؤں اور پرانے دیوتاؤں کی علامتی مورتیاں تھیں، عام لوگوں کے معبود بن گئے۔ منو کا دھرم شاستر، جس پر ہندوؤں کو بجا طور پر فخر ہے اور جو بعد کے زمانوں میں دوسری مشرقی اقوام کے قانونی نظریوں کا نمونہ بنا ایک ایسی مملکت کا ضابطہ آئینی ہے جس میں ایک طرف تو مادی تہذیب بڑی ترقی کر چکی تھی اور دوسری طرف پروہتوں کے طبقوں کا مطلق اقتدار اور عوام میں ایک تعجب انگیز اخلاقی انحطاط تھا۔

پروہتوں کی طرح اب راجہ بھی دیوتا بن گیا تھا۔ دوسری صدی عیسوی میں اگرچہ منو سرتی کی اب بھی عزت کی جاتی تھی اور اسے ہر معاملے میں حتمی سند سمجھا جاتا تھا۔ اس کے نزدیک ذات پات کا فرق اتنا ہی پتھر کی لکیر تھا جتنا منو کے نزدیک تھا۔ دونوں کی نگاہوں میں شودر اتنے ہی ملیچھ تھے جتنے وہ ابتدائی زمانوں میں سمجھے جاتے تھے۔

نوزائیدہ بچیوں کو مار ڈالنے کی رسم ہندوؤں میں اتنی عام تھی جتنی دور جہالت کے عربوں

میں تھی۔ اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا کہ ستی کی رسم کب شروع ہوئی' لیکن قرائن بتاتے ہیں کہ وہ ساتویں صدی عیسوی میں عام تھی۔ بہرحال بیوائیں یقیناً جیتے جی چتا میں جل جانا خوشی سے قبول کرتی ہوں گی' کیونکہ اگر ان کے اولاد نہ ہوتی تو ان کی زندگی اجیرن ہوتی تھی۔

عورتوں کو اجازت نہ تھی کہ ویدوں کا پاٹھ کریں یا اگلوں کی روحوں کو جو بھوگ دیئے جاتے تھے ان کے دینے میں شریک ہوں یا دیوتاؤں کو جو بھینٹیں چڑھائی جاتی تھیں ان کے چڑھانے میں شمولیت کریں۔ استری کا دھرم یہی تھا کہ اپنے ناتھ کی سیوا کرے اور اس کا جگ جگ کا سکھ چین اسی فرض کے ادا کرنے پر منحصر تھا جو باوفا عورت اپنے سوامی کی چتا میں جل کرتی ہو جاتی تھی اسے ہندو مذہب کے تمام پیرو اپنے دل میں جگہ دیتے تھے اور صنف نسواں کے بہترین اور برگزیدہ ترین افراد میں شمار کرتے تھے' بلکہ اکثر اسے دیوی بنا کر اس کی پوجا کرتے تھے۔

اگرچہ سوچ بچار کرنے والے لوگوں کو ہندو مذہب کی ان رکیک رسموں میں کوئی گہرے معانی نظر آئے تھے اور ان کی روحیں ان رسموں سے بلندتر فضاؤں میں پرواز کرتی تھیں' لیکن کسی فلسفی یا پنڈت نے بے بس اور عموماً نوعمر بیواؤں کی ان ظالمانہ قربانیوں پر نفرت یا غصے کا اظہار نہ کیا۔ بہت سی دھرم سبھائیں وجود میں آ گئی تھیں جن میں مرد بھی شریک ہوتے تھے اور عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں اور جن کی امتیازی صفات میں پاکبازی شامل نہ ہوتی تھی۔ تجرد کی زندگی بسر کرنے والی بہت سی منڈلیاں بھی بن گئی تھیں جو مختلف دیوتاؤں کو پوجتی تھیں۔

ان کے اراکین ہمیشہ دھرم شالوں میں جمع ہوتے تھے جن میں عورتوں کو بھی داخلہ دیا جاتا تھا اور اس طرح جوگیوں اور سنیاسیوں کی ان منڈلیوں میں جو اس زمانے کے لگ بھگ وجود میں آئیں کنوار پن کا بچن محض دھوکا تھا اور پالنے کی خاطر نہیں بلکہ توڑنے کی آسانی کی خاطر دیا جاتا تھا۔ جوگیوں کے جتھے مندروں اور متھوں میں مزے کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بہت سے بیراگی اور سنیاسی قرون وسطی کے بھیک منگے راہبوں کی طرح یا فلیویس (Flavians) کے عہد کے تارک الدنیا کلبیوں (Cynics) کی طرح عقیدت مند لوگوں سے خیرات لے کر ثواب کمانے کی خاطر ادھر ادھر پھرتے رہتے تھے۔ خیرات دینے والوں کی نظروں میں ان کی سند استحقاق کیا ہوتی تھی؟ ان کے گندھے ہوئے لمبے لمبے بال' الجھی ہوئی گھنی داڑھی' گیروے رنگ کا کرتا' بھبوت ملا ہوا بدن' کشکول اور ڈنڈا۔

چونکہ دیوتا ناچ اور گانے کے رسیا ہوتے تھے اس لئے مندروں میں بہت سی ناچ گانے والی عورتیں ہوتی تھیں جو نام کو تو دیوداسیاں کہلاتی تھیں لیکن دراصل پروہتوں کے آنند کیلئے رکھی جاتی تھیں۔

عورتوں کو شروع شروع کے قوانین میں بہت پست درجہ دیا گیا تھا۔منو نے عورتوں کے بارے میں جونفرت وملامت سے بھرے ہوئے الفاظ لکھے ہیں ان کی نظیر صرف عیسوی سینٹ ٹرٹلین (Saint Tertullian) کے متعصب اقوال میں ملتی ہے۔

منو کہتا ہے:

"عورتوں میں ناپاک خواہشیں ہوتی ہیں وہ ارادے کی کچی اور چال چلن کی خراب ہوتی ہیں۔ضروری ہے کہ انہیں دن رات کڑی نگرانی میں رکھا جائے۔"

منو کے مطابق شودوروں کو خدا نے غلام پیدا کیا ہے اگر کوئی شودر غلامی سے آزاد کر بھی دیا جائے تو وہ آزاد نہیں ہوسکتا کیونکہ غلامی اس کی فطرت میں ہے اس لئے اسے کون اس سے چھٹکارا دلا سکتا ہے۔

ہندومت کا مقدس دینی ادب

برٹانیکا میں لکھا ہے:

عیسیٰ کی پیدائش سے کئی ہزار سال پہلے آریہ قوم آب و ہوا کی تبدیلی کے کارن وسط ایشیا (Central Asia) سے نکل کر دوسرے ممالک کی جانب حملہ آور ہوئے۔اس کوشش میں کچھ لوگ وادی سندھ پہنچ گئے اور کچھ قبائل سرزمین ایران میں آباد ہوگئے۔

یہاں مذہب کی بنا پران میں خانہ جنگی ہوئی اور مغلوب قبیلہ جومختلف دیوتاؤں کو پوجتا تھا ہندوکش کے پہاڑوں کی جانب بھاگ گیا۔یہاں سے یہ لوگ پنجاب میں وارد ہوئے۔

اس زمانے میں یہاں دڑاور (Dravidian) قوم آباد تھی۔ایک طویل عرصہ تک جنگ ہوتی رہی تا آنکہ آریوں نے اس قوم کو جنوبی علاقوں کی طرف دھکیل دیا اور خودان کی جگہ پنجاب اور سندھ میں آباد ہو گئے۔

اسی علاقہ میں رگ وید (Rigveda) لکھی گئی جو آریہ قوم کی قدیم ترین مذہبی کتاب ہے جبکہ دیگر اس کے کئی سو سال بعد لکھی گئیں۔تاہم مختلف آراء میں درستی کے قریب ترین جس رائے کو تسلیم کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام ویدوں کی تحریر کا زمانہ 1500 ق م سے 100 ق م کا ہے۔(1)

رگ وید میں سپتا سندھو (Sapta Sindhu) کا ذکر ہے۔اس سے مراد بھی پنجاب اور سندھ کا علاقہ ہے۔وی کے اگنی ہوتری لکھتا ہے:

"Land of Seven Main rivers has been mentioned frequently. since the Vedic times. it become almost a convention to describe the gradually widening

aryandom by the seven rivers, called, Sapta Sindhu as Ganga, yamuna, Godavari, Sarasvati, Normada, Sindhu and Kaveri; but in the beginning designated for the Punjab as vitasta (دریائے جہلم) Askini, (چناب) Parusni (راوی), Satardu (ستلج) and Vipasa (بیاس) Plus sindhu and one more perhaps, Sarasvat, Kubha or Oxus."

بعد میں جوں جوں زمانہ گزرتا گیا آریہ قوم کے دیگر قبائل گروہ در گروہ اس پنجاب کی سرزمین میں وارد ہوئے اور پہلے آنے والے آریا لوگوں کو جنوبی علاقوں کی طرف دھکیل دیا گیا۔ کافی مدت کے بعد آریہ قوم تمام موجودہ پاکستان اور شمالی بھارت میں آباد ہوگئی اور اس برصغیر کے اصلی باشندے دکنی علاقوں کی جانب چلے گئے۔ گنگا جمنا کے میدانوں تک آباد ہونے میں آریا قوم کو چند سال نہیں بلکہ دو ہزار سال صرف ہوئے۔

انسائیکلو پیڈیا مذاہب عالم میں لکھا ہے:

"The immigration must have been a prolonged process, distributed over a period of few centuries."

مندرجہ بالا بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آریاؤں کو برصغیر میں اپنے قدم جمانے کیلئے یقیناً کئی سو سال لگے۔ اس عرصہ میں انہوں نے مفتوحین (مقامی باشندے) کے ساتھ شادی بیاہ بھی رچائے۔ بنگال اور بہار (Bihar) کے علاقے طویل مدت تک آریاؤں کے اثر سے محفوظ رہے لیکن کافی عرصہ بعد آریا قوم ان علاقوں تک بھی جا پہنچی۔

اس قوم نے موجودہ سرزمین پر تہذیب و تمدن کی مختلف منزلیں طے کیں۔ وادی سندھ کی قدیم ترین تہذیب کو غارت کر کے اسے نئی تہذیب کا لبادہ اوڑھا دیا۔ پس اسی تہذیب کا نام رگ وید تہذیب تھا۔ اس تہذیب کو اپنانے والے سندھو یا ہندو کہلائے۔ یعنی ہندوؤں کے آباؤں اجداد یہی آریہ لوگ تھے۔ یورپی مورخین نے ان کو Indo Aryan (آریائی ہندو) لکھا ہے۔

میکس میلر (Max Muller) کے مطابق ہندوؤں کے پاس اپنا کچھ بھی نہ تھا' نہ دین' نہ تہذیب' نہ دینی لٹریچر اور نہ ہی کوئی مسلمہ دینی رہنماء۔ یہ سب کچھ انہوں نے آریاؤں سے مستعار لیا۔ ویدک ادب میں وشنو' ارونا اور اگنی جیسے بڑے دیوتا آریہ لوگ اپنے ساتھ لائے تھے۔

میکس کے بیان کی تصدیق ہمیں ضلع لاڑکانہ کے علاقہ موہنجوداڑو (مطلب ہے مردوں کا ٹیلہ) کی کھدائی سے ہوتی ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر سر جان مارشل نے 1922ء میں مسٹر آر۔

ڈی بینرجی اور رائے بہادر دیا رام ساہنی جو کہ اعلیٰ درجے کے ماہرین آثار قدیمہ تھے کی معیت میں کھدائی کا کام شروع کروایا اس کارروائی کے دوران مٹی کے برتن' زیورات' کاٹن کے کپڑوں کے نشانات اور مٹی اور پتھر کے بت دریافت ہوئے ہیں لیکن کسی مندر یا عبادت گاہ کا کوئی نشان نہیں ملا۔ اس کھدائی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب آریائی تہذیب سے بالکل جدا تھی۔ موہنجوداڑو اور ہڑپا (ضلع ساہیوال) کے مقامات سے چند مہریں دستیاب ہوئی ہیں جن کا طرز تحریر ماہرین کے مطابق عربی فارسی کی طرح دائیں سے بائیں کو ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ لوگ مکران کے راستے عراق سے آئے۔ کچھ انسانی کھوپڑیاں بھی ملی ہیں جن کے شواہد عراقی تہذیب کی نشاندہی کرتے ہیں۔

انڈین مورخین اور مستشرقین سب اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ ہندو ازم آریہ مذہب کی مسخ شدہ صورت کا نام ہے تاہم یہ پہلو دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہ دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک ہے جس کے ماننے والوں کی تعداد ایک ارب سے بھی زیادہ ہے۔

بنارس یونیورسٹی کی کورٹ کونسل کے ممبر گووند اس اپنی مشہور کتاب "ہندو ازم" میں نہایت لبرل الفاظ میں لکھتے ہیں:

> "سب سے پہلے اس بات کا تعین کر لینا ضروری ہے کہ ہندو مت کسے کہتے ہیں؟ اس کا ماخذ کیا ہے؟ جن لوگوں نے ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کا جواب کس قدر مایوس کن ہے۔ ہندو ازم کی تعریف ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ اس کی حدود مقرر نہیں۔ اس کا موضوع محض علم الانسان تھا لیکن بدقسمتی سے اسے مذہب کا نام دے دیا گیا۔ یہ (آریائی) ویدوں سے شروع ہوا اور چند قبائل کی رسومات کو لے کر آگے بڑھا اور وقت کے ساتھ ساتھ وسیع تر ہوتا گیا۔ جس قوم اور قبیلہ سے ٹکراؤ ہوا ان کے خیالات اور رسم و رواج کو اپنے اندر سموتا گیا اور یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔"

اس تمام بحث کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ ہندو مت کی تاریخ محفوظ نہیں ہے۔

بعد از تحقیق ہم اسی نتیجہ پہ پہنچے ہیں کہ اس دھرم کی مثال ایک ایسے گھر کی سی ہے جس کی کوئی چھت ہے نہ دیواریں' نہ کھڑکیاں ہیں نہ دروازے۔ تاہم کئی گمنام کرایہ دار اس گھر کو جائے اقامت بناتے رہے۔

یا پھر اس کی مثال ایک ایسی فلم کی سی ہے جس کا کوئی فرد ڈائریکٹر ہے نا پروڈیوسر' کوئی موسیقار ہے نہ کوئی رائٹر۔ اس میں ہزاروں کلاکار نے اپنے فن کا جادو جگایا ہے لیکن ہیرو کوئی نہیں۔

ہزار کوشش کرنے پر بھی پردہ سکرین پر کوئی چہرہ صاف دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن ایک سوال دلچسپی سے خالی نہیں کہ پوری دنیا میں یہ فلم کامیابی سے کیسے چل رہی ہے؟ اس سلسلے میں ایک فلم بین سے اس کی کامیابی کا کارن پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا۔ ایک تو اس فلم کی تمام شوٹنگ آوٹ ڈور ہے۔ دوسرا اس فلم میں سسپنس بہت ہے۔

نیو ایج انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے:

"Hinduism is the request of a fusion between the fertility religions of the more primitive inhabitants of India and the sacrificial cult of celestial divinities introduced by the Aryan invaders 1500 B.C. The earliest traces at it are found in the semains of the prehistoric cities of the Indus Valley. Evidencing the worship of sacred animals and trees and divinities resembling the later God Shiva and the mother Goddess."

(The New Age Encyclopaedia V : 9 P : 446)

ہندومت کے تین ادوار

ہندومت کو عام طور پر تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(1) ویدک دور

(2) برہمن دور

(3) تریمورتی یا جدید ہندوازم

ڈاکٹر سریندر ناتھ داس گپتا لکھتا ہے:

"ویدک دور تقریباً دو ہزار سے اڑھائی ہزار سال تک کے عرصہ تک پھیلا ہوا ہے۔ ہندو علماء نے مختلف علوم و رسوم کو اکٹھا کیا اور اسے وید کا نام دے دیا بلکہ ابتداء میں ہر قسم کے لٹریچر کا نام وید تھا۔ اس کا اطلاق مذہبی کتب سے ہٹ کر دیگر علوم پر بھی ہوتا تھا۔ جیسے آیور وید (طب کی کتاب)، سرپ وید (سانپوں سے متعلق معلومات)، یا پران وید (قصے کہانیوں کا وید)۔"

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ویدوں کے زمانہ تالیف کے بارے میں لکھا ہے

ویدوں کی اساس چار مشہور دیوتا ہیں۔ ان میں اگنی (آگ)، وایو (ہوا)، سوریہ (سورج) اور آپ (پانی) شامل ہیں۔ اگنی جس کا ذکر رگ وید میں سب سے زیادہ

ہے اس کی پوجا کرنے والوں کو مال و دولت حاصل ہوتی ہے۔ وایو (ہوا' اندر دیوتا) دشمنوں کا خزانہ لوٹ کر اپنی قوم میں تقسیم کرتا ہے۔ سوریہ (سورج) اناج اگاتا ہے اور پکاتا ہے۔ جبکہ آپہ (پانی) انسانوں' جانوروں' اور کھیتوں کی پیاس بجھاتا ہے۔

حقیقت وید

وید کے لغوی معنی گیان (علم)' معرفت' ادراک' سوچنا اور غور کرنے کے ہیں۔ اصطلاحا وید اس لٹریچر کا نام ہے جو ہندوؤں نے تقریباً دو ہزار سال کے عرصہ میں مختلف علوم و رسوم سے متعلق جمع کیا۔

ایک ہندو عقیدہ کے مطابق "وید" وہ علم ہے جو مکاشفہ (الہام) کے ذریعے رشیوں کو حاصل ہوا اور پھر سینہ بہ سینہ سفر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک لمبے عرصہ کے بعد کتابوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ گویا ان کے اس عقیدہ کے مطابق وید الہامی ہیں۔

ہندو مصنف ستیہ دھاری "وید" کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اصلی اور حقیقی وید معروف علوم کی طرح ان اساسی حقائق کا نام ہے جو کسی زمانہ یا دور میں غلط یا ناقص ثابت نہیں ہو سکتے۔ یہ ہر علاقہ اور ہر نسل کے لوگوں کے فائدہ اور آرام کیلئے برابر رہنمائی کرتے ہیں اور دنیا کے سمندر میں ہر جہاز کیلئے قدم قدم پر روشنی کے مینار کا کام دیتے ہیں۔"

بعض سناتن (ہندو) کا عقیدہ ہے کہ وید دیوی' دیوتاؤں کی جانب سے رشیوں پر نازل ہوئے اور کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وید خود رشیوں نے تخلیق کیے ہیں۔

اکثر ہندوؤں کا خیال ہے کہ رشی خاص خاص مواقع پر انسانی فلاح و بہبود کیلئے پرماتما کے حکم سے دنیا میں آتے ہیں اور جو ہدایات وہاں سے لاتے ہیں اس دنیا تک پہنچا کر واپس چلے جاتے ہیں۔

بقول ستیہ دھاری: رشی اس کو کہتے ہیں جو اپنے علم اور زندگی کے لحاظ سے ست گیان (سچا علم) اور ست دھرم کی انتہا پر پہنچا ہوا اور وہ قانون قدرت کی باریکیوں کو سمجھنے والا ہو۔

رگ وید دور

میکس میلر (Max Muller) کا خیال ہے کہ رگ وید مسیح سے دو ہزار سال قبل لکھی گئی۔

ہندو مورخ تلک نے رگ وید سے ماخوذ علم نجوم کے حوالوں سے یہ کہا ہے کہ رگ وید کا زمانہ پانچ ہزار ق م سے لے کر تین ہزار (3000) قبل مسیح تک کا ہے اور ویدک تہذیب کا آخری سال 3140 ق م ہے۔ جدید دور کے مورخین تلک کے نظریات کو محض مذہبی رجحانات شمار کرتے ہیں۔

جرمن مورخ جن میں جیکوبی (Jacobi) اور ونٹرنز (Winternitz) شامل ہیں ویدک دور کا تعین 4500 ق م سے لے کر 2500 ق م تک کرتے ہیں۔

ویدک دور میں مذہبی حالت

رگ ویدک زمانہ میں مندر بالکل مفقود تھے۔ لوگ بت پرست تھے اور نہ ہی بت تیار کرتے تھے۔ وہ اپنے چند دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے دعائیں مانگتے تھے اور قربانی پر زور دیتے تھے۔ علاوہ ازیں کئی مظاہر قدرت کو دیوتا سمجھتے تھے۔ چاند، سورج (سوریہ)، ہوا (وایو)، اگنی (آگ) اور اندر (بارش) وغیرہ سب کی پرستش کی جاتی تھی۔ آسمان (ورن) اور اوشا (صبح صادق) دیوی کی بھی پوجا کی جاتی تھی۔

موقع کی مناسبت سے دیوتا کو چن لیا جاتا تھا اور کھلے میدان میں کھڑے ہو کر اس دیوتا کی شان میں گیت گائے جاتے تھے نیز ان کو خوش کرنے کیلئے اناج، پھل، گوشت اور سوم رس بھی پیش کئے جاتے تھے۔ س طریقہ عبادت کو مورخین نے کھلی جگہ میں عبادت یعنی (Open Air Worship) لکھا ہے۔

رگ وید میں بلند و برتر ہستی کا ذکر بھی موجود ہے جسے برہما کہا جاتا ہے اور اس کی شان میں کئی بھجن ہیں۔

مورخ سمتھ کا کہنا ہے کہ:

"The religion of the Hindus in the Vedic epoch was a worship of nature leading to nature's God."

یعنی رگ ویدک دور میں ہندوؤں کا مذہبی مناظر قدرت کی پرستش کرنا تھا لیکن وہ خدائے برتر تک بھی پہنچ جاتے تھے۔

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دور کے لوگ سادہ مذہب رکھتے تھے اور مناظر قدرت کو پوجتے تھے۔ ان کو ہم نہ مشرک کہہ سکتے ہیں نہ توحید پرست، چند دیوتا آبائی وطن سے وہ اپنے ساتھ لائے تھے اور کچھ دیوتا انہوں نے اس برصغیر میں آ کر اپنے مذہب میں شامل کر لئے۔ یہ لوگ گائے کی پوجا نہ کرتے تھے لیکن گائے اور گھوڑے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

ایران کے آریہ لوگ بیل دیوتا کی پوجا کرتے تھے لیکن برصغیر کے آریہ لوگ محض گائے کی افادیت کے پیش نظر اسے اچھا سمجھتے تھے۔ وقت کے ساتھ آریاؤں کے دیوتاؤں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور مذہبی رسومات اور قربانیوں کا پلندہ بن کر رہ گیا۔ برہمن کا وجود بعد کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے لیکن رسومات کی پیچیدگیوں کی بدولت عبادت کے موقع پر ماہر پادری کا ہونا ضروری ہو گیا۔ یہی شخص بعد میں برہمن کہلایا۔ ویدک زمانے کے آغاز میں خاندان کا زیادہ بوڑھا شخص عبادت کے موقع پر امام ہوتا تھا اور خاندان کے دوسرے افراد مقتدی ہوتے تھے۔

کچھ ہی عرصہ بعد آریاؤں کے مذہب نے ارتقائی صورت اختیار کر لی اور ان میں سے بعض نے سورج اور چاند کے بنانے والی ہستی پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح سے انہوں نے ایک خدا کی پرستش اختیار کر لی لیکن وہ مسلمانوں کی طرح توحید پرست نہ تھے۔ آریاؤں کے بلند و برتر خدا کے علاوہ لاتعداد دیوتا بھی تھے جن کو خوش کرنا ان کا دھرم تھا۔

ویدک دور میں سماجی حالات

ابوریحان البیرونی لکھتا ہے:

"قدیم آریہ خوش شکل، خوش لباس، ملنسار اور دراز قد لوگ تھے۔ مختلف قبائل میں تقسیم شدہ تھے اور ہر قبیلہ بہت سے خاندانوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ عورت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ستی (Sati) کی رسم بالکل مفقود تھی۔ بیوہ عورت دوبارہ شادی کر سکتی تھی۔ ناچ گانے کا رواج عام تھا۔ عبادت کے وقت عورت بھی بھجن گاتی تھی۔ پردے کا رواج نہ تھا۔ عورت سرعام مردوں سے بات چیت کر سکتی تھی۔ ذات پات کا نام تک نہ تھا۔ عورت اپنی مرضی سے خاوند چن سکتی تھی اور بچپن کی شادیوں کا رواج نہ تھا۔

مرد حضرات داڑھی لمبی کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ کپڑا سینے کے فن سے ناآشنا تھے۔ مرد اور عورت محض دو چادریں لپیٹ کر گزارا کرتے تھے تاہم خوبصورتی اور زیب و زینت کے دلدادہ تھے۔ سونے چاندی کے زیورات کا استعمال کرتے تھے۔ ان لوگوں کی عام خوراک اناج، گھی، سبزی، پھل، دودھ اور مکھن پر مشتمل ہوتی تھی۔ گوشت کھانا جائز تھا۔ سوم رس شوق سے پیتے تھے۔

(سوم رس میں بھنگ جیسا نشہ ہوتا تھا)

معاشی اور سیاسی حالات

آریاؤں کا زیادہ تر پیشہ زراعت تھا۔ روپے پیسے کے بغیر تجارت اشیاء کی صورت میں ہوتی تھی۔ برتن سازی اور لکڑی اور لوہے سے مختلف اوزار بنانا جانتے تھے۔ یہ لوگ کشتی بنانے کے فن سے واقف تھے۔ بھیڑ بکری، گھوڑے اور کتے پالنے کا رواج عام تھا۔ شہر بہت کم تھے۔ زیادہ تر لوگ گاؤں میں رہتے تھے۔ اسے گرام کہا جاتا تھا۔ گاؤں کا سردار گرامانی کہلاتا تھا۔ اس گاؤں کو موجودہ اصطلاح میں Homogeneous Village کہا جاتا ہے اور گاؤں کے قانونی نظام کو Patriarchal System کہا جاتا تھا۔ ہر خاندان کا اپنا قانونی نظام ہوتا تھا۔ چند گراموں (Villages) کے سردار کو وش پتی کہا جاتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ طاقتور قبائل کے اتحاد سے سردار کیلئے راجن یا راجہ کا وجود عمل میں آیا۔ ابتداء میں راجہ کیلئے انتخاب ہوتا تھا تاہم بعد میں موروثی ہو گیا۔ راجہ رعایا سے اچھا سلوک کرتا تھا اور امن و امان پسند کرتا تھا۔ جنگ کے زمانہ میں راجہ ہی سپہ سالار ہوتا تھا۔ صلاح و مشورہ کیلئے وزیر بھی ہوتے تھے۔ ٹیکس لگانے کا نظام تو نہ تھا لیکن بعض حکومتی امور چلانے کیلئے لوگ مرضی سے چندہ ادا کرتے تھے۔ جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا رواج موجود تھا۔

حکومت کے اہم عہدے دار مندرجہ ذیل تھے:

(1) سوتا (شاہی رتھ بان)

(2) راجنا (شاہی درباری)

(3) مدھیاناسی (مجسٹریٹ یا قاضی)

(4) سمگراہنر (خزانچی)

شاہی پروہت

حکومت میں سب سے اہم عہدہ پروہت کا ہوتا تھا۔ ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی امور میں نہ صرف راجن کی معاونت کرتا تھا بلکہ مذہبی معاملات میں مختار کل تھا۔ بعد میں اسی پروہت نے برہمن کا درجہ اختیار کر لیا۔

سمتی اور سبھا کا قیام

سبھا سرداروں کی مجلس اور سمتی عام لوگوں کی نمائندہ جماعت تھی۔ ویدک دور میں راجہ کبھی بھی خود مختار (Despotic) حکومت نہ کر سکا۔ یہ لوگ جمہوریت کے دلدادہ تھے۔ راجہ منتخب شدہ ہوتا یا موروثی اسے رعایا کے احساسات و جذبات کا دھیان رکھنا پڑتا تھا۔ سبھا کے مشورے پر عمل کرنا راجہ کیلئے لازم ہوتا تھا۔

سمتی عوام کی نمائندہ جماعت تھی۔ ہر بالغ مرد اور عورت اس کے جلسے میں آزادانہ تقریر کر کے اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے تھے۔ صلح اور جنگ کے اہم معاملات پر بھی سمتی غور و خوض کر سکتی تھی۔ اس کے فیصلے راجن کی خدمت میں پیش کر دیئے جاتے تھے۔ اجلاس میں کوشش کی جاتی تھی کہ فیصلے متفقہ طور پر ہوں۔ سمتی اور سبھا کو اختیار تھا کہ راجن کو تخت سے بھی اتار دیں۔

جیسا کہ لکھا ہے:

"Vedic monarchy was thus severly limited by the will of the people."

ویدک دور میں راجہ سبھا اور سمتی کے قانونی مشوروں کا پابند تھا اور اپنی من مانی کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔

ویدوں کا زمانہ تالیف

ویدوں کے زمانہ تالیف سے متعلق تاریخی اوراق چپ کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ تاہم محققین منطقی اور استدلالی روٹ اختیار کر کے اس زمانہ تالیف تک پہنچنے کی جو کماحقہ محاولت کر چکے ہیں وہ بھی آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

پروفیسر میکس میلر (سنسکرت زبان کا مشہور عالم اور محقق) کی تحقیق کے مطابق 350 ق م تک برصغیر میں فن تحریر سے کوئی آشنا نہیں تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مشہور جغرافیہ نویس پانی (زمانہ 350 قبل مسیح) تک لوگ فن تحریر سے آشنا نہ تھے۔

ڈاکٹر بوہلر نے پانی کا زمانہ آٹھویں صدی قبل مسیح قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر ڈیویڈس کے مطابق دراوڑی تاجر تحریر کا فن خط عرب سے لائے تھے۔

انڈین مصنف بال گنگا تلک نے ویدوں کا زمانہ تالیف 4000 قبل مسیح بتایا ہے۔ مسٹر ہاگ (Hang) ان کا زمانہ تقریباً 2400 ق م قرار دیتے ہیں۔ تاہم میکس میلر کی تحقیق کے مطابق ویدوں کا زمانہ 1200 قبل مسیح سے زیادہ کا نہیں ہے۔ انہوں نے ویدوں کی تالیف کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے کیونکہ ہر وید حسب ذیل چار حصوں پر مشتمل ہے۔

(1) سوتر لٹریچر (200 سے 600 ق م تک)

(2) براہمن (600 سے 800 ق م تک)

(3) منتر (800 سے 1000 ق م تک)

(4) چھند (رگ وید کا آخری حصہ) 1000 سے 1200 ق م تک

کون تھے ویدوں کے لکھاری؟

ہندو ویدوں کے لکھاری کون تھے؟ کوئی ہوشمند ان کو ڈھونڈنے میں سپھل (کامیاب) نہیں ہو سکا۔ اس وِچِلتا کا مہا کارن لکھاریوں کا اتہاس کے پنوں سے انتردھان (غائب۔ پوشیدہ) ہونا ہے۔

پنڈت جواہر لعل نہرو اسی شرنکھلا (سلسلے) میں لکھتے ہیں:

"بہت سے ہندو ویدوں کو الہامی خیال کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ بڑی بدقسمتی ہے کیونکہ اس طرح ان کی سچائی ہم سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ وید صرف مختلف ادوار کی معلومات کا مجموعہ ہیں۔"

تاریخ کی رو سے ویدوں کی تصنیف کا زمانہ ہی متعین نہیں ہے تو ان کے مصنفین کا تعین کس طرح ہو سکتا ہے لیکن خود ویدوں میں جن مصنفین کے نام موجود ہیں ان ہی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کس کی تصنیف ہے۔ ویدوں کا انداز یہ ہے کہ ہر ایک منتر کا کوئی نہ کوئی رشی اور کوئی نہ کوئی دیوتا ہوتا ہے۔ بولنے والے کا نام رشی ہوتا ہے اور سننے والے کا نام دیوتا۔ یہی رشی ان وید منتروں کے منڈل 10 سوکت 63 منتر نمبر 17 میں رشی کا نام پلٹ کا بیٹا لکھا ہے۔ مثلاً رگوید سوکت نمبر 33 منتر نمبر 5 کا رشی لشک کا بیٹا وشوامتر ہے۔ جو منتر کو اس طرح شروع کرتا ہے میں وشوامتر جو کشک کا بیٹا ہوں رگوید منڈل نمبر 10 سوکت نمبر 85 کی رشی (مصنفہ) سوریا ساوتری ہے جو اس سوکت میں اپنی شادی کا حال لکھتی ہے۔ کنو لکھتا ہے رگوید منڈل نمبر 3 سوکت نمبر 33 منتر نمبر 3-8 کے رشی ستلج اور بیاس دریا ہیں جو شوامتر' جو شوامتر سے باتیں کرتے ہیں۔ تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ وید منتر مختلف لوگوں کی تصنیف ہیں اور ان میں انسانوں کے علاوہ پرندوں' جانوروں' درختوں' پہاڑوں' دریاؤں کی زبان سے بھی بہت سی باتیں درج ہیں۔ اس الجھاؤ کے پیش نظر ویدوں کے ہندو عالم حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ انہیں الہامی (یا خدا کا کلام) کیسے مانا جائے۔ چنانچہ اپنی تصنیف رگوید آلوچن میں 197 پر لکھتے ہیں جب ہم برہم وادی پکش (ویدوں کے الہامی ہونے) کی درشٹی (نقطہ نگاہ) سے ارتھ (غور) کرنے لگتے ہیں تو کہیں کہیں منتروں میں ایک ٹھپتا (مشکل) آ پڑتی ہے۔ وہ یہ کہ کہیں کہیں منتر ورشتا رشی (منتر بنانے والے رشی) کا نام ہی منتر میں مل جاتا ہے۔ تب سندلیہ (شبہ) ہوتا ہے کہ یہ کیا بات ہے؟ انہی اشکال کی بنا پر ہندوؤں کے بڑے بڑے وِدوان (علماء) اس اعتراف پر مجبور ہو گئے ہیں کہ وید الہامی نہیں ہیں۔ چنانچہ ویدوں کے عالم اور براہمن گرنتھوں کے مترجم پنڈت ستیہ ورت شری اپنی کتاب ترئی پراچے (ص 74) پر تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے ہی بلا شک و شبہ یہ بات صحیح ہے کہ ہمارے بزرگ رشیوں ہی نے ویدوں کا تصنیف کیا تھا۔ سام شری پکش ورتمان (موجودہ) ویدوں کو

بھارتیوں (ہندوستانیوں) کیلئے ہی مانتے ہیں۔ ویدوں کو ایشوری گیان (علم خداوندی) نہیں مانتے۔ ان کو آریہ ورتی آریوں کی سمتار (تہذیب) کا اتہاس (تاریخ) مانتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ وید دراصل آریوں کی قدیم زندگی کی معاشرت کی تاریخ ہیں۔ چنانچہ پنڈت کرشن کمار بھٹا چاریہ سابق پروفیسر سنسکرت پریذیڈنسی کالج کلکتہ لکھتے ہیں:

"رگوید ایک کتاب ہے جو ایک ایسی قوم کی حالت بیان کرتی ہے جو بلاشبہ حالت خانہ بدوشی سے بہت ترقی کر چکی تھی۔ اس میں شہروں کا دیہات کا اور بادشاہوں' قمار خانوں اور کیسوں کی کئی ایک علامات کا ذکر ہے جو کہ حالت خانہ بدوشوں میں نہیں پائی جاتیں۔ رگوید کے دوسرے حصے ان کے شاعروں یا رشیوں نے اس ملک میں تصنیف کیے۔ رگوید مختلف علاقوں میں لکھا گیا ہے جن میں ایک دوسرے سے بہت عرصے کا فرق ہے۔ ہمارے بزرگوں نے جو خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی ہے اس کی نسبت علم ہندو (سنسکرت) کی نہایت ہی قدیم کتابوں میں اس قدر کم اشارات ملتے ہیں کہ فقط رگوید کے مطالعے سے اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ایسا ہی ہو گا کیونکہ مختلف علاقون اور شاعروں اور رشیوں کے حالات اس کتاب کے مضامین ہیں۔ اور کئی طریقوں سے اس بات پر زور دیا گیا ہے جس سے ایک بے تعصب پڑھنے والے کو بھی یہی نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ یہ بیانات حالات خانہ بدوشی کا ذکر کر رہے ہیں۔ جو یا تو فی الحقیقت اس وقت موجود تھے یا جن کو گزرے ہوئے بہت عرصہ گزر چکا تھا۔ ان اصول کی نسبت جو اس زمانے میں مروج تھے۔ رگوید ذرا بھی ہماری دستگیری نہیں کرتا۔ اس بارے میں ان ایک ہزار بھجن کی مثال ایک لق و دق اور ہولناک بیابان کی سی ہے جس میں جدھر نگاہ کرو ببول کے کانٹوں اور خار دار جھاڑیوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پرمیشر کی اس اناوی' گیان (علم ازلی یعنی رگوید) کی چند ایسی سوکتیں ہیں جن کا خطاب گھی گائے اور علاقوں کی طرف ہے اور جن میں ایک ہارے ہوئے قمار باز کی ناامیدی کا ذکر ہے۔ دوسری سوکتوں میں بے شمار جادو اور منتر پائے جاتے ہیں جو بیماری کے دفعیہ' عشق' لڑائی یا قمار بازی میں پوری کامیابی حاصل کرنے کیلئے یا تو ایک آدمی کو خود یا اس کیلئے کسی جادوگر کو پڑھنے چاہئیں۔ اتھرو وید میں چھوٹی چھوٹی مصیبتوں مثلاً پسوؤں' جوؤں وغیرہ کے دفعیہ کیلئے اور ایک گنجے کے سر پر بال پیدا کرنے کیلئے معقول ہدایات لکھی ہیں اور بے معنی ہدایات بھی لکھی ہیں۔ مثلاً جادو گر کمبل کے سلیپر (ڈھیلی جوتی) پہنے ہوئے جو دروازوں پر کھڑا ہے اور اسلیس دے رہا ہے جناب مہربانی کر کے بتلائیے کہ نئے چاند کے روز ملاقات کرنے سے کیا فائدہ؟ وغیرہ حتیٰ کہ ویدوں کی زبان کے متعلق بھی تحقیق کی ہے کہ وہ نقائص سے خالی نہیں۔ چنانچہ گورو کل کانگڑی کے پروفیسر وید پنڈت چندر منی دویا النکار اپنے ترجمہ نرکت حصہ اول ص 96 میں لکھتے ہیں۔

پرماتا پورن (مکمل) ہے۔ یدی (اگر) وید پرماتما کے دیئے ہوئے ہیں تو اس کی بھاشا

(زبان) میں اس اپورنتا (نقص) پالا (ادھورے پن) کا صادوش (عظیم الشان غلطی) نہیں ہونا چاہئے۔ یہ آشکا (اعتراض) ہمیں بہت ڈگمگاتا ہے۔

مفہوم وید

وید کے لغوی معنی ہیں علم' گیان' جاننا' سمجھنا' سوچنا' غور کرنا۔ (تمام ہندی لغات میں یہی معانی درج ہیں)

اصطلاحی معنی

وید اس مذہبی ادب کا نام ہے جو رشیوں (ہندو علماء) نے تقریباً پندرہ سو قبل مسیح میں مختلف علوم و رسوم سے متعلق جمع کیا۔

یہ تعداد میں چار ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم رگ وید (Rigveda) ہے۔

چاروں وید حسب ذیل ہیں:

(1) رگ وید (Rigveda).

(2) یجر وید (Yajurveda)

(3) سام وید (Samveda)

(4) اتھر وید (Athurveda)

پھر ہر کتاب کو چار حصوں میں منقسم کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(1) پہلا حصہ: سمہتا (Samihta)

(2) دوسرا حصہ: برہمن (Brahman)

(3) تیسرا حصہ: آرینکا (Aryanka)

(4) چوتھا حصہ: اپنشد (Upanashd)

رگ وید (Rigveda)

عام طور پر رگ وید کو قدیم تصور کیا جاتا ہے لیکن بعض قدیم کتابوں میں مذکور ہے کہ یجر وید سب سے پرانی ہے۔ رگ وید منظوم ہے۔ اس میں دیوی دیوتاؤں کی مدح و ستائش کے ذریعے ان سے حاجات طلب کی گئی ہیں۔ اسے ''گیان کانڈ'' بھی کہا جاتا ہے۔

بقول ستیہ دھاری یہ گیان کانڈ فطرت کے اصولوں اور حقائق کا سماھار (مجموعہ) ہے۔ رگ وید میں ان حقائق کو سدھانت کا نام دیا گیا ہے۔

اس وید میں ایک ہزار اشلوک اور دس ہزار منتر ہیں۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہ وید رشیوں

کی زبان پر خود بخود جاری ہو گئے تھے۔ گویا یہ غیبی آوازیں تھیں جن کو بعد میں یکجا کر کے چار بھاگوں (Parts) میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ وید اگنی (Agni) دیوتا کی تعریف سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں پروہتوں کے خاندانوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جلد دوم سے جلد ہفتم تک پروہت خاندانوں کے علاوہ آریاؤں کے قبائل اور سرداروں کی مدح وستائش پائی جاتی ہے اور قدیم ترین بھجن بھی ملتے ہیں۔

مشہور مستشرق میکس میلر اور انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز کے مولف جیمز ہیسٹنگو (James Hestings) کے بقول:

"جس زمانے میں رگوید تالیف ہوئی وہ چھٹی صدی عیسوی کا دور تھا تاہم ابوریحان البیرونی نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ زمانہ قبل مسیح میں رگ وید اور دیگر ویدوں کی تحریر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔"

رگوید میں جن دیوی دیوتاؤں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے ان میں اندر دیوتا کا نام سرفہرست ہے۔

ان کے علاوہ رودر دیوتا' وایو دیوتا' ماروت' سوریہ اور ورن دیوتا کے کارناموں کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔

برٹانیکا میں لکھا ہے:

"رگ وید ہندوؤں کی قدیم ترین مذہبی کتاب ہے۔ اس میں 1028 نظمیں ہیں جو قانون فطرت کی غماز ہیں۔ کئی صدیوں تک ان کو ضبط تحریر میں نہ لایا گیا بلکہ تحریری صورت میں سامنے لانا گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ تقریباً 800 قبل مسیح میں ان کو یکجا کر کے تحریری شکل دی گئی۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے:

"The earliest literary source for the history of Hinduism is the Rigveda (Rgveda) the hymns of which were chiefly composed over the last two or three centuries of the 2nd millenuium. The religious life reflected in this text is not that of Hinduism but of an earlier sacrificial religious system, generally known as Brahmanism or Vedism, which developed in India among the invaders who brought with them the horse and chariot and the Sanskrit language and who are generally known as Aryans, the name by which they referred to themselves. They were a

branch of a related group of nomadic and seminomadic tribal peoples originally inhabiting the country of southern Russia and Central Asia. Other branches of these peoples penetrated into Europe, bringing with them Indo-European languages that developed into the chief language groups now spoken there.

Before they entered the Indian subcontinent (c 1500) the Aryans were in close contact with the ancestors of the Iranians, as evidenced by a near kinship between Sanskrit and the earliest surviving Iranian languages. Thus the religion of the Rigveda contains elements from there evolutionary strata: an early element common to most of the indo-European tribes: a later element held in common with the early Iranians: and an element acquired in the Indian subcontinent itself; after the main Aryan migrations. Hinduism arose from the continued accretion of further elements derived from the original non-Aryan inhabirans, from outside sources, and from the geniuses of individual reformers at all periods. The accretion was accompanied by an inverse process of dropping elements of beliefs and practices that had outlived their usefulness. This has been going on often almost imperceptibly, throughout the history of Hinduism. (*Encyclopaedia Britannica P-584*)

یجروید

یہ وید دراصل رگ وید ہی کا چربہ ہے۔ یجروید زیادہ تر قربانیوں کے موقع پر گایا جاتا ہے۔
سوامی دیانند نے یجروید کی تعلیمات کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

"دھرم کے مخالفین کو زندہ آگ میں جلا دو۔ دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو اور ان کے جانوروں کو بھوکا رکھ کر مار دو۔ اپنے دشمنوں کو درندوں کے آگے ڈال دو تا کہ وہ بھوکے درندے ان کو چیر پھاڑ کر اپنے پیٹ کی آگ کو ٹھنڈا کر سکیں۔"

”یجروید میں لکھا ہے کہ جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے اسی طرح اپنے دشمنوں کو بھی تڑپا تڑپا کر مارو اور ان کی گردنیں کاٹ ڈالو۔“

”جہاں تک ہو سکے مخالفین کو ہر جائز و ناجائز طریقے سے ہلاک کر دو۔ ان کو پاؤں کے نیچے کچل ڈالو اور ان پر رحم نہ کرو۔“

یجروید میں تحریف

یجروید میں تحریف کے پکے ثبوت سامنے آئے ہیں۔ یجروید بمبئی والے نسخے میں 125 دھیائے کے 47 منتر ہیں لیکن جو نسخہ دیانند نے اجمیر سے چھپوایا ہے اس میں 48 منتر ہیں۔ دراصل یہ منتر دیانند نے خود ہی شامل کر دیا ہے۔

یجروید میں بہت سے الفاظ میں ترمیم کر دی گئی ہے۔ مثلاً اگناوہ کو گراوا اور ایک موقع پر گھرم کو دھرم لکھ دیا گیا ہے۔

یجروید بھاشا بھاشیہ دیانند ادھیا 38 اور منتر 14 میں لفظ سگھرم کو نامناسب سمجھ کر سدھرم کر دیا گیا ہے۔

منتروں کی تعداد میں اختلاف

(1) دیانند کی تحقیق کے مطابق منتروں کی صحیح تعداد 1975

(2) ساتولیک کے نزدیک 1400

(3) شوشنکر کے نزدیک 987

(4) جبکہ ہری پرشادان منتروں کی تعداد ایک ہزار بتلاتے ہیں۔

سام وید

اس وید کا بیشتر حصہ رگ وید (Rigveda) سے ہی ماخوذ ہے۔ اس میں راگ اور گیت پائے جاتے ہیں۔ یہ حجم میں رگ وید کے نصف کے برابر ہے۔ اس میں لکھے گئے راگ زیادہ تر سوم بکیہ پر گائے جاتے ہیں۔ یعنی خوشی کے مواقع پر ان راگوں میں زیادہ تر سوم اگنی اور اندر دیوتا کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس وید کی تاریخی لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس بات کا اظہار سائیں اچاریہ نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

”ان تینوں ویدوں یعنی رگ وید یجروید اور سام وید کو علوم ثلاثہ بھی کہا جاتا ہے۔“

اتھروید

اس وید میں کل چھ ہزار منتر شامل ہیں۔ اس کا انداز تحریر بھی دیگر ویدوں سے الگ معلوم ہوتا ہے۔ اس میں اوہام، خرافات، جادو ٹونے اور ٹوٹکے شامل ہیں۔ جن سے بارہ سو منتر رگ وید سے اخذ کیے گئے ہیں۔ یہ وید بھی قدیم آریاؤں کے تمدن کی عکاسی کرتا ہے۔ اس میں زیادہ تعلیم ہمہ اوست کی ہے۔ ہر وید کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں منتر بھاگ دوسرے حصہ میں براہمن بھاگ کی تشریح اور جائے استعمال اور تیسرے حصے میں آرنیک بھاگ شامل ہے۔ ان ویدوں میں جن مشہور دیوتاؤں کا ذکر ملتا ہے وہ یہ ہیں:

اندر دیوتا

یہ جنگ، طوفان، بارش اور ہوا کا دیوتا ہے۔ اس کو خالق ارض و سما بھی کہا جا سکتا ہے لیکن خدائے جنگ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ آریا قوم کا خصوصی سرپرست کہلاتا ہے۔ دشمنوں کو نیست و نابود کرنے والا بھی یہی دیوتا ہے۔

ردر دیوتا (Rudher)

یہ بھی ہلاکت کا دیوتا ہے۔ آریاؤں کا دشمن مشہور ہے۔ اس لیے اس کی عبادت خوف اور منت سماجت سے کی جاتی ہے۔ اسی دیوتا نے بعد میں شیو کا روپ دھارن کر لیا ہے۔

وایو دیوتا

یہ ہوا کا دیوتا ہے۔ اس کا کام زندگی بخشنا اور خوشبوئیں پھیلانا ہے۔

ماروت

روحوں کے اس گروہ کو کہا جاتا ہے جو آندھی طوفان میں پرواز کرتی رہتی ہیں۔

اوشا

صبح کی دیوی کا نام اوشا ہے۔ ہندومت میں اس کا بلند مقام ہے۔ تمام ہندو متفرق مسالک میں اسے تعریفی کلمات سے یاد کیا جاتا ہے۔

سوریا دیوی

یہ سوترا بھی کہلاتی ہے۔ جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سورج دیوتا کے تین مختلف روپ ہیں۔ پہلا سوریہ، دوسرا سوتر اور تیسرا وشنو۔

نیم دیوتا

عالم ارواح کے حاکم کو نیم دیوتا کہا جاتا ہے۔ یہ پہلا شخص ہے جو موت کا شکار ہوا۔ اب وہ مردوں پر حکومت کرتا ہے اور ان کا تمام حساب کتاب بھی اسی کے ذمہ ہے۔ پھولوں کا چڑھاوا چڑھا کر اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ وید کے کچھ دیوتا عبادت کے رسم و رواج کے محافظ بھی ہیں۔ جیسے برہمن کا درجہ اس کے دیوتا کے برابر ہے کہ وہ عبادت کی قیادت کرتا ہے۔ سوم رس استعمال ہوتا ہے۔ آگ جلائی جاتی ہے۔ گویا سوم رس اور آگ کو بھی دیوتا کا مقام حاصل ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: برہمن پستی دیوتا، سوم دیوتا اور اگنی دیوتا۔

ویدک مذہب کا طریقہ عبادت

ویدک دور میں مسرت اور خوشی کے موقع پر دیوتاؤں کی عبادت بہت زیادہ کی جاتی تھی۔ جس میں ناچ گانے کا استعمال زیادہ مشہور تھا۔ اگر وزن دیوتا اور دور دیوتا ناراض ہو گئے تو عبادت کے طور پر نہایت خضوع و خشوع اور منت ساجت سے پوجا کرنے کا رواج تھا۔ اس دور میں دودھ اور قربانی کی نذر نیاز پیش کی جاتی تھی۔ جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ سب سے مقبول اور افضل قربانی گھوڑے کی شمار کی جاتی تھی۔ برہمن کا درجہ مذہبی طور پر بہت بلند خیال کیا جاتا تھا۔ اسی لیے برہمنوں کی بہت زیادہ عزت کی جاتی تھی۔ ان کو بہت زیادہ مرتبہ حاصل تھا۔ ویدک دور میں مظاہر پرستی اور مختلف روحوں کا تصور بھی موجود تھا۔ اسی لیے مشکلات وقت میں ان سے امداد طلب کی جاتی تھی۔ اسی زمانے میں انسان کی روح اکبر کا تصور بھی شروع ہوا اور مختلف خداؤں کی بجائے تصور الٰہی یعنی احکم الحاکمین بھی وجود میں آیا۔ چند مذہبی بزرگوں نے غور و فکر کرنا شروع کیا۔ اشیاء کی حقیقت کا پتہ لگانا شروع کیا جس کے نتیجہ میں ہستی خدا تعالیٰ کا تصور مظاہر فطرت سے بھی زیادہ زور پکڑ گیا تھا بلکہ دیگر دیوتاؤں سے بھی بلند و بالا ہو کر سامنے آیا۔ اور بالآخر ان کی حقیقت شناس نظریں خدا پر واحد جا رکیں اور اس کو پرانے دیوی دیوتاؤں کا نام دے کر یاد کیا جانے لگا۔ رگ وید میں ہستی واحد کو اندر متر اور ورن اور اگنی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسے آسانی گرتمان کے علاوہ اور بھی کئی نام دیئے گئے۔ یہ باتیں رگ وید کے منتروں کے مطالعہ سے علم میں آئی ہیں۔ ابتدائی آریہ تجسم اور مادیت کے قائل تھے کیونکہ ہندوؤں کے ایک منتر جس کا نام گاتری منتر ہے اور روزانہ عبادت میں ایک اہم مذہبی مقام رکھتا ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے۔ ہم غور و فکر کرتے ہیں۔ علم کے مداح ہیں۔ تخلیقی قوت کے مداح ہیں اس سے ہماری ذہنی صلاحیت کو قوت ملتی ہے اور وہ بڑھتی ہے۔

ویدک دور کی تعلیم

جب ویدوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ذیل کی تعلیمات کا پتہ چلتا ہے۔

اخلاق

وید اخلاقیات پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ جھوٹ بولنے' دھوکہ کرنے' جواء کھیلنے' چوری کرنے' حسد کرنے اور دوسروں کے جان و مال کو گزند پہنچانا گناہ قرار دیا گیا تھا جبکہ ایمانداری راست گوئی' خوش خلقی اور عدم تشدد اچھے اخلاق سمجھے جاتے تھے۔ آپس میں اور خصوصاً افراد خانہ میں ہمدردی اور اچھے تعلقات قائم رکھنے کا درس دیا جاتا تھا۔ ویدوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ انسانوں' جانوروں اور دیوتاؤں کا مقروض ہوتا ہے اور یہ قرض قربانی دے کر ادا کیا جاتا تھا۔ جب تک یہ قرض ادا نہ ہو جائے انسانی روح کو ترقی نصیب نہیں ہوتی۔ رگ وید میں لکھا ہے کہ جسم اور روح وہ پرندے ہیں جن میں سے ایک بغیر کچھ کھائے پئے زندہ رہتا ہے بلکہ دوسرا میٹھے پھل کھا کر زندہ رہتا ہے۔ ان باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ روح کا جذبات اور خواہشوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ازل سے ہے۔ ہمیشہ سے صاحب عقل ہے اور ہر طرح سے مکمل ہے۔

تعلیم کا طریقہ

استاد اپنے شاگرد کو اپنا علم سکھاتا تھا اور ایسے تعلیمی ادارے آبادی سے باہر یعنی جنگلوں میں ہوتے تھے۔ شاگرد اپنے استاد کے خاندان کا فرد بن کر علم حاصل کرتا تھا اور کھیتی باڑی کے طریقے بھی سیکھاتا تھا تاکہ گزر بسر میں آسانی رہے۔ کسی قسم کی فیس یا اجرت کا رواج نہ تھا۔ کسی قسم کا لالچ نہ ہوتا تھا۔ اسی لیے گرو کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ آریا قوم کے تعلیم کے ادارے قربان گاہوں میں ہوتے تھے۔ پہیلیوں کی صورت میں سوال کیے جاتے تھے۔ اور جوابات یاد کرائے جاتے تھے۔ ڈراموں اور تاریخی قصوں کی تعلیم بار بار دی جاتی تھی۔ ایسے سوال جواب بھی ویدوں میں پائے جاتے ہیں۔ آریا قوم کے علاوہ دیگر لوگوں کے تعلیمی مرکز پرتھ کہلاتے تھے۔ ویدک دور میں تعلیم لازمی تھی جس کی وجہ سے ہندو کلچر نے بہت ترقی پائی۔ فلسفیانہ افکار کے مراکز قائم ہوئے۔ جونی چکر اور تناسخ کی بحث بھی ویدوں نے مہیا کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو مذہب فلسفیانہ افکار اور خیالات کا سرچشمہ قرار دیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی تاریخ میں بہت زیادہ تبدیلی واقع ہوئی لیکن ویدوں کی اہمیت میں فرق نہ آیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی زندگی کے اکثر مراحل میں موت و حیات کی رسومات ویدک طریقے پر ادا کی جاتی ہیں۔

دشمن سے سلوک

یوں تو وید ذاتی محاسن کی تاکید کرتے ہیں لیکن دشمن کے خلاف بہت ہی سخت رویہ اپنانے کا درس بھی دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو نیست و نابود کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یجر وید میں ہے کہ غیر آریاؤں کو زندہ جلا ڈالو۔ درندوں کے آگے ڈال دو تا کہ وہ چیر پھاڑ کر کھا جائیں۔ اذیت دے کر مار ڈالو۔ پانی میں ڈبو دو۔ دشمنوں کی آبادیوں کو تہس نہس کر دو۔ جتنی بے رحمی کر سکو کرو۔ اس سلسلہ میں عورت' مرد' بچہ' بوڑھا' بیمار' معذور کی بھی پرواہ نہ کی جائے۔ حالیہ تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں جگہ جگہ جو ٹیلے پائے جاتے ہیں وہ اس دور کی مقامی آبادی بھیل اور دراوڑ کی بستیاں تھیں جو دشمن آبادی گردانتے ہوئے تباہ و برباد کر دی گئیں۔ ویدوں کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ آگ' ہوا' پانی اور اندر دیوتا سے خاص دعائیں کی گئیں کہ وہ آریہ نسل کے دشمنوں کو ہمیشہ کیلئے نیست و نابود کر دیں۔

اس کے ثبوت میں یجر وید سے دو اقتباس بطور مثال پیش ہیں۔ یجر وید 15-17 تا 19 میں ہے کہ دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو۔ انہیں درندوں سے مروا ڈالو یا سمندر میں غرق کر دو۔ سام وید منتر (1) میں ہے کہ اے اندر دیوتا ہمارا دیا ہوا سوم رس تجھے خوش اور متوالا کرے تو ہمیں دھن دولت دے اور وید کے دشمنوں کو تباہ و ہلاک کر۔

عورتوں کے بارے میں

(1) آج عورت کو معاشرے کا اہم رکن سمجھا جاتا ہے لیکن ویدوں نے اسے ثانوی درجہ دیا ہے۔ اسے بے وفا' احمق اور منافق قرار دے دیا گیا ہے۔ اسے نکاح ثانی کی اجازت نہ تھی بلکہ اسے خاوند کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ اس کا وراثت میں کوئی حصہ نہ تھا۔ رگ وید منڈل 8 سوکت 33 منتر 17 میں ہے عورت سے محبت نہیں ہو سکتی۔ عورت کا دل استقلال سے خالی ہے اور وہ عقل کی رو سے نہایت ہلکی چیز ہے۔ منوسمرتی جن کو ویدوں کی تفسیر خیال کیا جاتا ہے اس کے باب 9۔ 27 میں ہے کہ عورت کا وجود صرف اس لیے ہے کہ وہ بچے دے۔ ان کی پرورش کرے اور ہر روز خانہ داری کے کام میں معروف رہے۔ ہندو شاستروں نے بھی عورت کے حقوق کی طرف دھیان نہیں دیا بلکہ اس کے فرائض پر بہت زور دیا ہے۔ عورت مذہب کی تعلیم حاصل نہیں کر سکتی۔

(2) منوسمرتی میں یہ لکھا ہے کہ برہمن ایسی جگہ بیٹھ کر کھانا کھائے جہاں اس کو کوئی نہ

دیکھ سکے۔

(3) شودر مذہب کی تعلیم حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص شودر کو تعلیم دے گا تو وہ اور جس کو تعلیم دی جائے دوزخ میں جائیں گے۔

(4) اگر کوئی شودر یا نیچ ذات سے تعلق رکھنے والا کسی برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو اس کی پیٹھ کو گرم لوہے سے داغا جائے۔

(5) اگر برہمن کسی شودر کی جان لے لے تو اس پر معمولی جرمانہ ادا کرنے کا حکم ہو۔

(6) برہمن کئی جنم لے چکے ہیں جبکہ شودر کا پہلا جنم ہے۔

راجہ سے متعلق منوسمرتی میں یہ اصول اور قانون لکھا ہوا ہے کہ:

"راجہ ایک دیوتا ہے جو انسانوں کیلئے ہر کام اپنی طاقت کے مطابق انجام دیتا ہے۔"

---منوسمرتی نے برہمنیت کو دیگر ذات کے لوگوں پر مسلط کر دیا ہے۔ نیز کوئی شخص ایک ذات سے نکل کر دوسری ذات میں شمولیت نہیں کر سکتا۔

اپنشد

اپنشد کے معنی ہیں: ہمہ تن گوش ہو کر نزدیک بیٹھنا' قریبی نشست' راز و نیاز کی باتیں۔ ہندوؤں کی وہ مذہبی کتابیں جن میں ویدوں کا انتخاب درج ہے اپنشد کہلاتی ہیں۔ انہیں ویدوں کا تتمہ کہا جا سکتا ہے۔ اپنشدوں کی مجموعی تعلیم کو ویدانت کہا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں شاگرد معلمین کے نزدیک حلقہ درس بنا کر بیٹھ جاتے تھے اور معلمین انہیں اپنے خطبات کے ذریعے جو درس دیتے تھے وہ اپنشد کہلائے۔ یہ خطبات 8009 قبلِ مسیح سے لے کر 500 قبل مسیح تک کے عرصہ میں مرتب ہوئے۔ ان خطبات کی تعداد 108 یا اس سے کم و بیش ہے جن میں سے 13 خطبات زیادہ مشہور ہیں۔ یہ خطبات مکالمات کی صورت میں ہیں۔ جبکہ یہ تمام مکالمے منظوم ہیں۔

اپنشدوں کا تصور الٰہ اور وحدت الوجودی تصور

اپنشدوں میں وحدت الوجودی تصور کو خاص اہمیت حاصل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہر شے میں سمایا ہوا ہے اس لئے اس کا جسم تمام اجسام کا مجموعہ ہے۔ اس کا دماغ تمام دماغوں کا مجموعہ ہے۔ وہ سب ہاتھوں سے کام کرتا ہے' سب کے پیروں سے چلتا ہے' سب کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور سب کے کانوں سے سنتا ہے۔ اپنشدوں کے مطابق کائنات میں جاری و ساری قوت ایک حقیقت ہے جو نظر نہیں آتی۔ مگر وہ طاقت بہت غالب ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہر جگہ موجود ہے۔

اس طاقت کے ساتھ مندرجہ ذیل قسم کے تصورات وابستہ کیے گئے ہیں:

(1) اس کی ذات یگانہ ہے۔
(2) اس ایک کیلئے دوسرا نہیں۔
(3) وہ بے ہمتا ہے۔
(4) وہ بے مثال ہے۔
(5) وہ ظروف وزمان اور مکان کے قیود سے بالاتر ازلی وابدی واجب وجود ہے۔
(6) وہی حفاظت کرنے والا اور وہی فنا کرنے والا ہے۔
(7) وہ علت العلل اور علت مطلقہ ہے۔
(8) تمام موجودات اسی سے ہیں اور اسی سے قائم رہتی ہیں۔
(9) وہ نور ہے۔
(10) وہ حسن ہے۔
(11) وہ کمال ہے۔
(12) وہ مقدس پاک منزہ اور بے عیب ہے۔
(13) وہ سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ ہمت اور محبت کرنے والا ہے۔
(14) تمام کائنات اس میں ہیں کوئی اس سے باہر نہیں۔
(15) وہ لافانی ہے۔
(16) تمام موجودات اس پر موقوف ہیں وہ کسی پر موقوف نہیں۔
(17) جس طرح رتھ کے لیے پہیے کی تمام شاخیں ایک ہی دائرہ کے اندر اپنا وجود رکھتی ہیں۔ یہ تصور الہ ایسی ہی گہری طاقت ہے جس نے کائنات کو گھیر رکھا ہے۔
(18) برہما ہی حقیقت اصلی ہے۔ ہر شے میں اس کی قوت کا ظہور ہے۔
(19) ظاہر میں بھی وہی ہے اور باطن میں بھی وہی۔
(20) برہما اور آتمن ایک ہی ہیں۔
(21) جیسے چھوٹی چھوٹی چنگاریاں آگ سے اٹھتی ہیں اسی طرح آتمن میں سے تمام عالمین' دیوتا' ارواح' حیوانی اور کل زندہ مخلوقات برآمد ہوئی ہیں۔
(22) دنیا کسی خارجی مادہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ برہما اسے اپنی ذات کے اندر سے پیدا کرتے ہیں۔
(23) برہما کسی خارجی مادہ سے پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ ایک پوشیدہ حقیقت ہے۔

فلسفہ ویدانت

"ویدانت" دو الفاظ یعنی "وید" (بمعنی علم) اور انت (بمعنی اختتام، خاتمہ) کا مجموعہ ہے۔ اس سے مراد وہ منزل جہاں علم کا اختتام ہو جائے اور زیادہ جاننے کی خواہش نہ رہے۔ یعنی جب ذہن کو اطمینان اور سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ انسان کو مکمل عرفان حاصل ہو جاتا ہے اور انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس نے منزل مقصود کو پا لیا ہے۔

ویدانت کا فلسفہ اپنشدوں کی پیداوار ہے۔ اپنشدوں کے دور میں آنے کے بعد بدیانہ نامی فلسفی نے اپنشدوں کی فلسفیانہ باتوں کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں ترتیب دیا اور ان کو "ویدانت" یا "برہما" کا نام دیا۔ دوسرے لفظوں میں اپنشدوں کے طریقہ تعلیم (Education System) کو ویدانت کہا جاتا ہے۔

ویدانت میں وحدت الوجودی (ہمہ اوستی) نظریات کا پرچار کیا گیا ہے۔ یعنی ہر چیز میں خدا موجود ہے۔ ظاہر میں بھی وہی ہے اور باطن میں بھی وہی ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کی ہے اور اسی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے اگر کسی چیز کو پوجا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کو پوجا جا رہا ہے۔

فلسفہ ویدانت کے مطابق

> "برہما سب جگہ اندر اور باہر موجود ہے۔ وہ تمام کائنات پر محیط ہے۔ اس طرح سنبھالے ہوئے جیسے درخت شاخوں، پتوں، پھولوں اور پھلوں کو اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کا کوئی ہم جنس نہیں اور یہ تمام کائنات اس سے منور ہے۔ وہی سب کا حاکم و مالک ہے۔ وہ لافانی ہے۔ نجات کی دنیا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی ذات سے آگاہی اور معرفت جون چکر سے رہائی کا باعث ہے۔"

فلسفہ یوگ

فلسفہ یوگ (جوگ) کی ابتداء اپنشدوں کے ذریعے ہوئی۔ اس کے باقاعدہ بانی کا نام "پتنجلی" ہے جس نے "یوگ سوتی" نامی کتاب لکھی۔ اس فلسفہ میں مہانی کپل کے پیش کردہ فلسفہ "سانکھیا" کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں آج بہت سے درویش فرقے پائے جاتے ہیں جو "یوگ" کے زیر اثر ہیں۔

یوگ میں "توحید پرستی" پر زور دیا گیا ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق:

(1) ایشور (خدا) ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

(2) وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

(3) وہ خالق اور الٰہی کل ہے۔

(4) اس کی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔

(5) اس کا علم کامل ہے جس میں جہالت کا نام و نشان نہیں ہے۔

(6) وہ جننے اور جنے جانے سے پاک ہے۔

(7) اس کی کوئی بیوی ہے نہ اولاد وہ ہر جگہ موجود ہے۔

"یوگ" کو ہندوستانی تصوف بھی کہا جا سکتا ہے۔ مسلمان صوفیاء کے افکار کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بہت سے نظریات "یوگ" ہی سے اخذ کیے ہیں۔

ریاضت

فلسفہ یوگ جسمانی اور روحانی ریاضت کے ذریعے معرفت نفس حاصل کرنے اور روح کل (خالق حقیقی کے ساتھ کامل وصال پر زور دیتا ہے۔ یوگیوں کا کہنا ہے کہ انسان ریاضت کے ذریعے ایشور (خدا) کی معرفت حاصل کر سکتا ہے اور اس کے عشق میں سرشار ہو کر اس کا قرب حاصل کر کے سکون قلب سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

منازل یوگ

یوگ کی ریاضت کی مندرجہ ذیل آٹھ اہم منازل ہیں جنہیں بتدریج طے کر کے قرب ایزدی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(1) یم (2) نیم (3) آسن (4) پرانایم (5) پرتیاہار (6) دھرن (7) دھیان (8) سادھی

یم

یم سے مراد ہے عہد کرنا۔ یوگ کی ریاضت کرنے والے کو مندرجہ ذیل باتوں کا عہد کرنا پڑتا ہے۔

(1) اہنسا یعنی کسی بھی ذی روح کو تکلیف نہ دینا۔

(2) اشیا یعنی چوری اور حرص و آز سے دور رہنا۔

(3) اپرگر یعنی زیادہ اشیاء کی فراہمی سے پرہیز کرنا۔

نیم

"نیم" عمل کرنے کے مرحلہ کا نام ہے۔

(1) سنتوش یعنی قناعت و استقلال۔

(2) سوچ یعنی غور و خوض کرنا۔

(3) وید کا مطالعہ کرنا "اوم" کا جاپ کرنا اور

اس کے معانی و مفاہیم پر غور و خوض کرنا۔

آسن

آسن سے مراد ہے انداز نشست' بیٹھنے کا انداز' یوگ کی ریاضت کرنے کیلئے ضروری ہے کہ شور و غل سے دور ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے جہاں اکٹھے ہو کر عبادت یعنی اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کیا جائے۔

پرتیاہار

یہ ضبط نفس کی منزل ہے جس میں یوگی خدا کی ذات میں محو ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

دھرن

"دھرن" کے لفظی معنی "ناف" کے ہیں جوگ کی اصلاح میں ذہن کو کسی ایک نقطہ پر مرکوز کرنا دھرن کہلاتا ہے۔

دھیان

دھیان سے مراد ہے اپنی توجہ کو کسی شے پر مرکوز کر کے اس کا گیان حاصل کرنا۔ دھیان کا رخ جب قلب کی طرف ہوتا ہے تو اس کو انتر دھیان ادستھا یا حضوری قلب کا نام دیا گیا ہے۔ اس حالت میں توجہ دنیاوی کاموں پر مرکوز ہوتی ہے۔ اس لیے اس پر کنٹرول حاصل کرنے کیلئے انتر دھیان ادستھا کی کو ریاضت پر زور دیا گیا ہے۔

بھگوت گیتا

بھگوت گیتا مشہور کتاب "مہا بھارت" کا ایک منظوم حصہ ہے۔ یہ وہ مقدس خطاب ہے جو سری کرشن نے ارجن کو دل میں ہمت و حوصلہ پیدا کرنے کیلئے پیش کیا تھا۔ اس کتاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ:

> "جب کورو کیشتر کے میدان میں کوروؤں اور پانڈوؤں کی فوجیں مقابلہ کیلئے آمنے سامنے کھڑی ہوئیں تو ارجن نے اپنے بھائی بندوں کو اپنے مقابل دیکھ کر جنگ نہ کرنے کا فیصلہ کیا پھر متوجہ ہو کر ارجن نے سنا کہ
>
> جو فرض دھرم اور حق کیلئے ادا کیا جائے نہ کہ کسی لالچ کی خاطر اس کے درمیان کسی بھی شخص یا سماجی رکاوٹ کو ذرہ بھر اہمیت نہیں دینا چاہیے۔ کرشن نے ارجن کو مشورہ دیا کہ

تم کو اپنے دھرم کی خاطر اپنا فرض ہر حالت میں ادا کرنا چاہیے۔ اگر تم اس جنگ میں مارے بھی گئے تو آتما غیر فانی ہے اسے موت نہیں آئے گی۔

عقیدہ تناسخ

تناسخ عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ فعل نسخ ینسخ سے باب تفاعل کے وزن پر ہے۔ معنی ہے کسی چیز کا بار بار گھوم کر اس جگہ پر آجانا۔ ایک دوسرے کی جگہ لینا۔ قرآن حکیم میں ناسخ اور منسوخ کی اصطلاح کیلئے بھی یہی فعل استعمال ہوتا ہے۔

ہندوؤں کے نزدیک تناسخ سے مراد بار بار مرنے اور بار بار جینے کا ایک سلسلہ ہے۔ اسے اصطلاحاً آواگمن یا آواگون بھی کہا جاتا ہے۔

ھنادکہ کا عقیدہ ہے کہ برہما نے جو روحیں پیدا کیں ان کی تعداد محدود ہے۔

برہما دوبارہ نئی روح پیدا نہیں کرسکتا اس لئے اس نے ہر روح کو اس کے گناہوں کی وجہ سے بار بار مرنے اور جنم لینے (آواگون) کے چکر میں ڈال رکھا ہے۔

ویسے تو ہر جان مکتی پانے سے پہلے جون چکر میں مبتلا رہتی ہے تاہم بعض ہندوؤں کے نزدیک ان میں سات چکر ایسے ہیں جو ہر اچھی یا بری روح کیلئے ہوتے ہیں۔ ان سات چکر کو چھوٹا آواگون یا سات جنم کا نام دیا گیا ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ موت کے بعد انسانی ارواح چاند دیگر سیاروں یا ستاروں کی طرف پرواز کر جاتی ہے اور وہ بارش کے قطروں کی صورت میں واپس زمین پر آجاتی ہیں۔

بعض کتب میں مذکور ہے کہ:

> "انسان کو زندگی میں دو کام کرنا پڑتے ہیں۔ اول یہ کہ زندگی سے متعلقہ نتیجہ اعمال سابقہ کے سکھ یا دکھ کو دیکھتا ہے اور اگر بدی کا ذخیرہ جمع کرتا رہے تو وہ انسانی زندگی سے اعلیٰ درجہ اور اوپر ہے لیکن جب کسی درجہ میں اپنے اعمال کے موافق رہ چکتا ہے اور اس کا ذخیرہ اعمال ختم ہونے پر آتا ہے وہ پھر انسانی زندگی پر واپس آجاتا ہے اور کرموں (اعمال) کا ذخیرہ پیدا کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی گردش جاری رہتی ہے۔"

عقیدہ تناسخ اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے۔ اسے نہ تو سائنس تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی اہل ادیان۔ یہ عقیدہ فطرت انسانی کے منافی ہے اور تمام الہامی کتابیں بھی اس کو مسترد کرتی ہیں۔ یہ عقیدہ خدائی صفات کے بھی منافی ہے۔

کیونکہ قرآن حکیم میں ہے کہ ہر جان کو فنا ہے اور جب کسی انسان کی روح قبض کر لی جاتی

ہے تو وہ عالم برزخ میں چلا جاتا ہے تاآنکہ قیامت والے دن اسے یوم حساب کا سامنا کرتا ہے۔

نجات کے تین طریقے

ہندوؤں کے نزدیک آواگون یا جونی چکر سے مکتی (نجات) حاصل کرنے کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں:

(1) کرم مارگ (راہ عمل)

(2) گیان یا جنان مارگ (راہ علم ومعرفت)

(3) بھگتی مارگ (راہ ریاضت)

کرم مارگ (راہ عمل)

ہندوؤں کے نزدیک نیک اعمال کے ذریعے جونی چکر سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسے کرم مارگ کا نام دیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک نیک اعمال میں قربانی بھی شامل ہے۔ قربانی کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ جب برہما (خدایا خالق کل) کی طاقت عمل تخلیق سے کمزور پڑ جاتی ہے تو دیوتا قربانی سے اس کمزوری کو دور کر دیتے ہیں۔ قربانی ہی وہ ذریعہ ہے جس سے خوش ہو کر دیوتا بارش، طوفان اور طلوع وآفتاب وغیرہ کی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قربانی ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے خدا کی مرضی پوری ہوتی ہے۔ چنانچہ قربانی کے ذریعے جونی چکر سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس (Encyclopaedia of Religions and Ethics) میں لکھا ہے:

منو کے قانون

(1) برہمن کی مکتی حصول علم میں ہے۔

(2) کشتری کی مکتی زراعت میں نہیں بہادری کے جوہر دکھانے میں ہے۔

(3) ویش کی مکتی خدمت گزاری میں ہے۔

(4) ویشو کی مکتی زراعت وتجارت میں ہے۔

(5) عورتوں کیلئے مکتی یہ ہے کہ عورت بچپن میں باپ، جوانی میں خاوند اور خاوند کی وفات کے بعد اولاد کی تابع ہو۔

(6) سب کا مدعا ہے: گیتا کے مطابق عمل کیلئے لازم ہے کہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر فرائض انجام دیئے جائیں۔

اسلامی عقیدہ کے مطابق راہ عمل

اسلام کے مطابق دنیا مزرع آخرت ہے۔ انسان اس دنیا میں جیسے کام کرے گا ویسا اسے بدلہ ملے گا۔ ہر وہ شخص جو کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہے وہ گویا توحید و رسالت پر ایمان لانے کا اعلان کرتا ہے۔ اس ضمن میں وہ خدا کو ایک مانتا ہے۔ وہ ذکر الٰہی کا پابند ہو جاتا ہے۔ اور آخرت کو اپنے اعمال کا فائنل امتحان تصور کرتا ہے۔

سورہ البقرہ میں ارشاد ہے:

من امن باللہ و الیوم الآخر و عمل صالحا فلھم اجرھم عند ربھم

ترجمہ: ''جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور نیک عمل بجا لایا اس کا اجر ان کے اللہ کے پاس ہے۔'' (سورہ البقرہ: آیت نمبر: 62)

اسی طرح سورہ زلزال میں ارشاد ہے:

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ O و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ O

''یعنی جس شخص نے ذرہ برابر اچھائی کا عمل کیا ہوگا اللہ رب العزت اسے بھی دیکھ لے گا اور جس کسی نے ذرہ برابر برا عمل کیا ہوگا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا حساب بھی لے گا۔

گیان مارگ

علمائے ہند نے علم الٰہی کو ''برہما بدیا'' کا نام دیا ہے اور اسے تین درجات میں تقسیم کیا ہے:

(1) پرمارتھ گیان (2) گرو گیان (3) برہم گیان

پرمارتھ گیان:

یہ ہے کہ انسان کو معلوم ہو جائے کہ دنیا کیا ہے؟ اور اس میں وہ کیا ہے؟ اور یہ دنیا چند روز کی ہے اور انسان یہ جان لے کر وہ دنیا میں اچھے کام کرنے کیلئے آیا ہے۔

گرو گیان

یہ ہے کہ وہ اپنے گرو پر اعتقاد اور بھروسہ کرے اور اسے برہما (خدا) کی ذات میں اپنی ذات کو فنا یعنی ختم کرے۔

برہم گیان

اس سے مراد معرفت الٰہی ہے جس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ برہما (خدا) کی ذات میں اپنی ذات کو فنا کرے اس درجہ پر انسان آئندہ کے مرن کے بندھن سے مکتی حاصل کر لیتا ہے۔

بھگتی مارگ

بھگتی مارگ سے مراد عبادت، پوجا، خدمت وغیرہ ہے۔

کرشن مہاراج کے نزدیک: "بھگتی مارگ کے عناصر ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں:

(1) ایک شخص کا خدا پر اعتقاد قائم کرنا۔

(2) اپنی رضا کو خدا کی رضا کے تابع کرنا۔

(3) محبت خداوندی میں مستغرق ہونا۔

(4) خدا کی پوجا میں دل لگانا۔

(5) اپنی ذات کو خدا کی ذات میں مدغم کرنا۔

(6) خدا کی مخلوق سے بلالحاظ ذات و فرقہ محبت رکھنا۔

(7) بھگتی مارگ سے دلی لگاؤ رکھنا۔

کچھ اقوال درج ذیل ہیں:

(1) خدا کے نزدیک سارے عقیدت مند برابر ہیں خواہ وہ گناہ میں پیدا ہوئے یا ثواب میں اور خواہ وہ کسی ذات یا فرقے سے ہوں۔

(2) عقیدت سے ہی خدا کو دیکھا یا پہچانا جا سکتا ہے۔

(3) عقیدت مند خدا کا پیارا ہے۔

بھگتی مارگ متقابل بالا اسلام

اسلام اپنے ماننے والوں پر دو قسم کے حقوق عائد کرتا ہے۔ اول حقوق اللہ اور دوم حقوق العباد۔

اسلام میں عبادت و ریاضت کا ایک عام طریقہ "نماز" ہے۔ ایک مسلمان کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ حقوق العباد پورے کرتے ہوئے باقاعدگی سے نماز پنجگانہ ادا کرے۔ اسلام ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ دینوی معاملات کو شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق انجام دینے کے ساتھ ساتھ نماز پنجگانہ ادا کی جائے۔ یہاں جائز طریقے سے کیا جانے والا ہر کام بھگتی (یعنی عبادت) بن جاتا ہے۔

پران

"پران" کے معنی ہیں پرانا' قدیم' کہنہ' پارینہ' دیرینہ ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتب "پران" کہلاتی ہیں۔ جن میں وید کے مسائل کو دلائل تمثیلی قصے کہانیوں کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن اٹھارہ پران زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں سے اکثر پران مشہور ہندو شاعر ویاس جی اور ان کے شاگردوں کی تخلیق ہیں۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ پران ویدوں سے قدیم ہیں کیونکہ ان کا تذکرہ ویدوں میں پایا جاتا ہے۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ "پران" ویدوں سے اخذ کیے گئے ہیں یہ ویاس جی کے علاوہ مختلف گویوں اور رشیوں کی تخلیق ہیں۔ ان میں امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ ترمیم و اضافہ ہوتا رہا ہے۔ بعض پرانوں میں سولہویں صدی عیسوی کے حالات ونظریات اور واقعات کا پرتو پایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض پران مذکورہ صدی عیسوی کے دوران مرتب و مدون ہوئے۔

پرانوں کا نفس مضمون

پرانوں میں مندرجہ ذیل قسم کے مضامین پائے جاتے ہیں:

(1) کائنات کے بارے میں
(2) زمانہ کے مختلف ادوار
(3) فلسفہ موت کے بارے میں
(4) آریہ نسل کے ابتدائی قبائل اور ان کے کارناموں کا تذکرہ
(5) ہندوؤں کی مشہور شخصیات کے کارنامے
(6) آریہ نسل کے حکمران خاندانوں کا تذکرہ
(7) فرقہ وارانہ مباحث
(8) مختلف قبائل اور فرقوں کے دیوتاؤں کا تذکرہ
(9) ذات پات
(10) مشہور ہندوانہ نظریات
(11) فلسفیانہ مباحث
(12) رب الارباب (برہما خدا)
(13) بھگتی (عبادات)
(14) قربانیاں اور دیگر مذہبی رسوم

(15) ہندو دیو مالا (اساطیر) یعنی افسانوی کہانیاں

تخلیق کائنات

پرانوں میں تخلیق کائنات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ:

"ابتداء میں برہما کی حالت ایک انڈے کی سی تھی اور پہلے پہل اس انڈے سے برہما پیدا ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ ساری سرشتی (کائنات پیدا ہوئی) وجود پذیر ہوئی۔

بعض مقامات پر لکھا گیا ہے کہ:

"برہما نے ایک انڈا دیا پھر اس پر بیٹھ کر مرغی کی طرح اسے سیتا رہا یہاں تک کہ اس سے بچہ پیدا ہوا جس نے کائنات کا روپ دھار لیا۔"

ادوار دنیا

پرانوں کے مطابق دنیا کے کئی دور ہیں۔ ہر ایک دور ایک ہزار مہا یگ کا ہوتا ہے اور ہر ایک مہا یگ 4320000 سال کا ہوتا ہے۔ گویا دنیا کا ایک دور 432000000 سال یعنی چار ارب بتیس کروڑ سال کا ہوا۔ ہر ایک مہا یگ میں چار یگ ہوتے ہیں۔ موجودہ مہا یگ میں تین یگ گزر چکے ہیں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق دنیا کے کئی دور ہیں گویا ایک دن اور رات آٹھ ارب چونسٹھ کروڑ سال کا ہوتا ہے۔ برہما دن کا دوسرا نام ایک کلپ یعنی سہسر (ایک ہزار) مہا یگ بتلایا گیا ہے۔

ہر ایک مہا یگ میں چار یگ ہوتے ہیں۔

(1) ست یگ

(2) تریتا یگ

(3) دواپر یگ

(4) کل یگ

ہر ایک مہا یگ کی عمر تینتالیس لاکھ بیس ہزار سال بتائی گئی ہے۔ پہلے یگ کی عمر چوتھے یگ کی عمر کے مقابلہ میں چار گنا زیادہ یعنی سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار سال' دوسرے یگ کی سہ گنا یعنی بارہ لاکھ چھیانوے ہزار سال' تیسرے یگ کی دوگنا یعنی آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار سال اور چوتھے یگ کی چار لاکھ بتیس ہزار سال۔

دھرم شاستر/یا منوسمرتی

دھرم شاستر ہندوانہ فلسفے اور قانون کی کتاب ہے جو منومہاراج کی تصنیف ہے۔ منو کے نام پر اسے منوسمرتی بھی کہتے ہیں۔ منومہاراج کوشل خاندان سے بادشاہ تھا جس نے مذکورہ کتاب (منو سمرتی) 88 قبل مسیح میں مرتب کی۔

زندگی کی درجہ بندی

اس کتاب میں ہندوانہ فلسفہ زندگی کو چار طبقوں (ذاتوں) میں تقسیم کیا ہے:

(1) برہمن جس کا کام مذہبی خدمات انجام دینا ہے۔ یہ تمام ذاتوں سے افضل و برتر ہے۔

(2) کھشتری جس کا کام حکومت کرنا ہے۔

(3) ویش جس کا کام کھیتی باڑی کرنا ہے۔

(4) شودر جس کا کام برہمن کشتری اور ویش کی خدمت کرنا ہے۔ یہ ذلیل ترین طبقہ کہا گیا ہے۔

شودروں کے بارے میں

منو نے شودروں کے بارے میں سخت ترین قانون بنایا ہے:

(1) برہما نے شودر کو اپنے پاؤں سے پیدا کیا ہے۔

(2) برہما نے شودر کو برہمنوں کی خدمت کیلئے بنایا ہے۔

(3) برہمن کشتری اور ویش کی سیوا شودروں سے کرائی جائے۔

(4) شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے اس کا وہی عضو کاٹ دیا جائے۔

(5) اگر شودر برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو اس کی کمر پر داغ لگا دیا جائے۔

(6) شودر کو کبھی نیک صلاح نہیں دینی چاہیے۔

غلامی

منو نے غلاموں کی آٹھ اقسام بیان کی ہیں:

(1) ایسا شخص جو لڑائی میں شکست خوردہ ہو وہ داس (یعنی غلام) ہے۔

(2) ایسا شخص جو خوراک کے بدلے میں غلامی قبول کرے۔

(3) ایسا شخص جو کسی جرم کے بدلے میں غلامی قبول کرے۔

(4) لونڈی کے بطن سے پیدا ہونے والا

(5) خریدکیا ہوا شخص

(6) غلاموں میں سے ملا ہوا شخص

(7) بزرگوں سے ملا ہوا شخص

(8) بھگت

تصور تریموری

''تریمورتی'' سے مراد تین معبود دیوتا ہیں۔ ہندوؤں کے مطابق ان دیوتاؤں کے مجموعہ کو تریمورتی (یعنی تثلیث) کہتے ہیں۔ یہ دیوتا مندرجہ ذیل ہیں:

(1) برہما

(2) وشنو

(3) شیو

برہما ہندو تثلیث کا پہلا رکن ہے جسے خالق عالم تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ برہما دنیا کو تخلیق کر کے فارغ ہو گیا اور اس کے بعد اس نے دنیا سے کوئی واسطہ نہ رکھا۔ گویا برہما نے دنیا تخلیق کی اور پھر ہمیشہ کیلئے سو گیا۔ اس کے بعد وشنو اور شیو نے دنیا کا نظام سنبھال لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو برہما کی پوجا کرنے کے بجائے وشنو اور شیو کی پرستش کرتے اور انہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

بقول منو مہاراج برہما ایک قائم بالذات ہستی تھی جس نے اپنے وجود سے پانی کو پیدا کیا اور اس میں ایک بیج رکھا پھر ایک سونے کا انڈا بنایا۔ ایک عرصے کے بعد اس انڈے سے تریمورتی والا برہما مرد کی صورت میں ظاہر ہوا جو ساری کائنات کا باپ اور خالق بنا۔

بعض ہندوؤں کی روایات کے مطابق برہما کی حالت ایک انڈے کی سی تھی اور کہتے ہیں کہ برہما انڈے سے نکلا اور پھر ساری کائنات تخلیق ہوئی۔ برہما کا مجسمہ عجیب تھا اور اس کے چار سر اور چار ہاتھ تھے۔ اس کی رفیقہ حیات کا نام سرسوتی ہے۔

''وشنو'' ہندو تثلیث کا دوسرا رکن ہے۔ اسے رحم کا دیوتا کہتے ہیں۔ ہندو عقیدے کے مطابق وشنو انسانوں کے کئی روپ ڈھال لیتا ہے جبکہ جانور کے بھی، کبھی مچھلی تو کبھی کچھوے کے روپ میں آ جاتا ہے۔ وہ کبھی کبھی رام چندر جی کے اوتار میں آتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ سوا چار لاکھ سال کے بعد وشنو کالکی نامی کے روپ میں آئے گا۔

وشنو کا مجسمہ بھی عجیب و غریب ہے۔ اس کے چار ہاتھ دکھائے گئے ہیں۔ اس کے ایک ہاتھ میں سنکھ' دوسرے میں گرز' تیسرے میں چکر اور چوتھے میں کنول کا پھول ہے۔ اس کی سواری کا جانور انسان نما پرندہ ہے۔

وشنو کی رفیقہ حیات کا نام لکشمی ہے جو حسن و جمال اور دولت و ثروت کی دیوی تسلیم کی جاتی ہے۔

ہندو عقیدہ کے مطابق:

''شیو'' ہندو تثلیث کا تیسرا رکن ہے جو جنگ' تباہی و بردباری کا دیوتا ہے۔ اسے ''مہادیو'' بھی کہتے ہیں۔ اس کی پیشانی پر ایک مزید آنکھ دکھائی گئی ہے جسے ''ترلوچن'' (تیسری آنکھ) کہتے ہیں۔ جس سے غیظ و غضب کے شعلے نکلتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ عشق کا دیوتا ''کام دیو'' ایک بار اس کا شکار ہو گیا۔

شیو کی علامت ''شولنگ'' ہے یعنی اسے آلہ تناسل کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے اور اس کے مختلف مجسمے بنا کر ان کی پوجا کی جاتی ہے۔ یہ پوجا ''شکتی پوجا'' کہلاتی ہے۔ لنگ کے مقابل ''یونی (زنانہ عضو) کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔

شیو کو مختلف صورتوں میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہیں اسے مالک ارواح اور شیاطین کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے' جو برہنہ جسم پر بھبھوت ملے ہوئے ہے' جس کے سر کے بال بے رونق اور الجھے ہوئے لٹوں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

شیو کی رفیقہ حیات کا نام ''کالی دیوی'' ہے وہ رحم دل ماں بھی ہے۔ اور کبھی کوہ ہمالیہ کی ''پاربتی'' کہا جاتا ہے۔

شیو کی اولاد بھی ظاہر کی جاتی ہے۔ اس سے بیٹے کا نام کارشکے ہے۔ دوسرے کا نام گنیش ہے۔ شیو کو ماننے والوں کا فرقہ ''شیومت'' کہلاتا ہے۔

زمانہ شجاعت

رزمیہ نظموں کا زمانہ

ویدک تمدن کے بعد آریہ معاشرہ میں کئی قسم کی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ اس زمانے میں آریہ اپنے اولین مسکن سپت سندھو (پنجاب) سے نکل کر تمام شمالی برصغیر پاک و ہند میں پھیل چکے تھے۔ یہی وہ دور ہے جب رزمیہ نظموں کا آغاز ہوا۔ اس دور کو رزمیہ نظموں کا زمانہ یا زمانہ شجاعت بھی کہا جاتا ہے۔ آریاؤں کے زمانہ شجاعت کا تقریباً 100 قبل مسیح سے آغاز ہوتا ہے۔

انہوں نے دریائے ستلج عبور کر کے گنگا جمنا کی وادیوں کی جانب پیش قدمی کی اور شمالی بہار تک اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آریاؤں نے اپنے زمانہ شجاعت میں گنگا و جمنا کی وادیوں میں بڑی بڑی حکومتیں قائم کیں۔ اس زمانے میں تقریباً انہوں نے اپنے پہلے مسکن پنجاب کو فراموش سا کر دیا۔ آریہ اگرچہ دیہاتی تمدن رکھتے ہیں لیکن اپنے زمانہ شجاعت میں انہوں نے بڑے بڑے شہر بسائے۔ زمانہ شجاعت کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ اس دور میں آریاؤں نے یہاں کے مقامی باشندوں سے برسر پیکار ہو کر انہیں زیر کر لیا۔ آریہ اگرچہ آپس میں بھی لڑائیاں لڑتے تھے اور اس زمانہ میں چونکہ آئے دن جنگیں ہوتی رہتی تھیں جس کی بنا پر اس دور کو زمانہ شجاعت کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ یہ زمانہ واقعی آریاؤں کی شجاعت کا زمانہ تھا کیونکہ اس میں انہوں نے اپنے زمانے میں مردانگی اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ یہاں کے قدیم باشندوں کو نہ صرف بری طرح شکست سے دوچار کیا بلکہ انہیں ہمیشہ کیلئے جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ چونکہ یہ دور وید کے زمانے کے فوری بعد شروع ہوا۔ اس لیے بعض مورخین آخری ویدک زمانہ کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں ہندو ادب اور قوانین نے بہت زیادہ ترقی کی۔ مذہب میں مزید پیچیدگیوں اور قسم قسم کی رسومات کا اضافہ بھی شدید صورتحال اختیار کر گیا اور ہندو فلسفہ اپنے دور عروج پر جا پہنچا۔ اس عہد کی دو رزمیہ نظمیں رامائن اور مہا بھارت کو واحد تاریخی ماخذ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

رزمیہ نظمیں

رزم کے لفظی معنی لڑائی یا رن کے ہیں۔ اس سے رزمیہ بنا۔ جس کے معنی ہوئے جنگ کا میدان۔ اس بنا پر رزمیہ دور کو جنگ کا دور بھی کہا جاتا ہے۔ رزمیہ نظم جس میں کسی قسم کی تاریخی جنگوں کو ایک خوبصورت اور دلکش اسلوب میں بیان کیا گیا ہو۔ ہندو ادب کی مشہور رزمیہ نظمیں رامائن اور مہا بھارت ہیں۔ یہ دونوں نظمیں نہ صرف ہندوؤں میں ادبی اہمیت کی حامل ہیں بلکہ انہیں ہندو مذہب میں بھی بلند مقام حاصل ہے۔ نظم رامائن میں کوشل کے حکمران رام چندر جی کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں اور اسے اجودھیا کے ایک برہمن شاعر رشی والمیک نے تحریر کیا تھا۔ اس میں دکن پر آریائی حملوں سے متعلق حالات بھی درج کیے گئے ہیں۔ مہا بھارت کوروؤں اور پانڈوؤں کی باہمی مناقشت اور ان کے درمیان ہونے والی فیصلہ کن جنگ سے متعلق مکمل معلومات فراہم کرتی ہے۔ مہا بھارت کو رشی دیاس نے لکھا تھا لیکن ماہرین کے قول کے مطابق یہ دونوں تصانیف یعنی رامائن اور مہا بھارت اپنی ابتدائی اور اصلی شکل وصورت میں ہم تک نہیں پہنچیں کیونکہ ان کے انداز بیان سے اس بات کی صاف غمازی ہوتی ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف شعراء اور ادباء نے اپنی طرف سے اس میں بیش بہا اضافے کیے ہیں۔ یعنی زبردست تحاریف وترامیم ہوئیں۔ جہاں تک ان دونوں شہرہ آفاق نظموں کے زمانہ

تحریر کا تعلق ہے وی اے سمتھ کا نظریہ یہ ہے کہ یہ دونوں نظمیں 400 قبل مسیح سے 200 عیسوی کے درمیانی زمانے میں تحریر کی گئیں مگر ہندو مورخین کے نزدیک یہ دونوں نظمیں بہت زیادہ قدامت کی حامل ہیں۔

ہندوؤں کا یہ بھی خیال ہے کہ رامائن مہا بھارت سے بہت زیادہ قدیم ہے۔ وہ اس بارے میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ مہا بھارت میں رامائن کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے رامائن مہا بھارت سے پہلے کی تصنیف ہے۔ اسی سلسلے میں ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ رامائن کی کہانی نہایت آسان اور سادہ اسلوب میں ہے جبکہ مہا بھارت کی کہانی اس کے بالکل برعکس ہے یعنی رامائن کی کہانی کے مقابلے میں مہا بھارت کی کہانی بہت زیادہ پیچیدہ ہے۔ مہا بھارت تحریر کیے جانے کے زمانے میں لوگوں نے قدیم دیہاتی زندگی کی بجائے شہری زندگی کو اپنا لیا تھا جو سادہ دیہاتی زندگی کے مقابلے میں ہوشیار اور پر تکلف تھی۔

رام چندر جی

شری رام چندر جی وشنو کے اوتار تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اجودھیا (کوشل) کے چندر بنسی خاندان کے راجہ کی تین رانیاں تھیں۔ ایک رانی کا نام کوشلیا اور دوسری رانی کا نام سومترا اور تیسری رانی کا نام کیکئی تھا۔ ان کی اولاد اس طرح تھی:

(1) رام چندر
(2) لکشمن
(3) شتروگھن
(4) بھرت

ان میں سے رام اور لکشمن سوتیلے تھے۔ رام چندر کوشلیا کے بطن سے تھے جبکہ بھرت کیکئی سے تھے اور شتروگھن اور لکشمن سومترا کے بطن سے تھے۔

رام چندر کی سوتیلی والدہ یہ چاہتی تھی کہ اس کا بیٹا بھرت راجکمار بنے لیکن راجہ نے رام کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔ رانی کیکئی اپنی خواہش پوری نہ ہونے پر جھوٹ موٹ بیمار ہو گئی جس کے نتیجے میں راجہ اس کی طرف زیادہ مائل ہوا۔ آخر ایک دن اس نے راجہ سے وعدہ لیا کہ جو بات کہے گی کیا وہ پوری کرے گا۔ اس نے کہا کہ رام چندر جی کو فی الفور چودہ برس تک بن باس دے دیا جائے اور بھرت کو اتنے عرصے تک ولی عہد بنایا جائے۔ چنانچہ راجہ نے 14 برس کیلئے رام چندر کو بن باس دے دیا۔ رام نے نہایت فرمانبرداری سے اس بن باس کو قبول کر لیا اور وہ اپنی بیوی سیتا کے ہمراہ جنگلات کی خاک چھانتے ہوئے دکن کے علاقے ڈنڈاک میں جا مقیم ہوا۔

اسی دوران راجہ فوت ہو گیا۔ ان دنوں بھرت اپنے ننھیال میں تھا جب واپس آیا تو اسے سارا واقعہ سنایا گیا کہ رام چندر جی کو 14 برس کیلئے بن باس دے دیا گیا ہے۔ اسے بہت دکھ ہوا۔ وہ رام اور سیتا کو ڈھونڈنے ڈنڈاک کی طرف گیا اور آخر کار جب وہ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ لکشمن بھی موجود تھا۔ اس نے رام چندر کو واپس چلنے کو کہا تو انہوں نے کہا کہ میں وچن نبھاؤں گا اور 14 سال تک وطن واپس نہیں جاؤں گا۔ اس طرح انہوں نے ثابت کر دیا کہ ولی عہدی کے صرف وہی حقدار ہیں۔

بن باس کے دوران رام کی ملاقات لنکا کے راجہ کی بہن "سروپ نکھا" سے ہوئی جو دل و جان سے ان پر فدا ہو گئی اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے شادی کی پیشکش کی تو رام چندر نے ٹھکرا دیا۔

اب سروپ نکھا اپنے دوسرے بھائی راون کے پاس پہنچی جو کہ دیو کی مانند تھا جس کے دس سر اور بیس بازو تھے۔ سروپ نکھا نے راون کو رام چندر پر حملہ کرنے کیلئے کہا اور راون نے ایک خوفناک چڑیل کو ہرن کی شکل میں رام کی کٹیا کی طرف بھیجا۔ رام اپنی کٹیا میں موجود نہ تھا البتہ ان کی بیوی سیتا نے جب اس خوبصورت ہرن کو دیکھا تو اسے اس پر بہت پیار آیا۔ اتنے میں رام چندر جی آ گئے اور سیتا نے ان سے ہرنی کو پکڑنے کیلئے کہا اور وہ جس قدر ہرنی کے پاس جاتے وہ دور بھاگ جاتی۔ آخر کار رام چندر جی ہرنی کا تعاقب کرتے ہوئے بہت دور نکل گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوفناک چڑیل ہے۔

اسی اثنا میں لکشمن سیتا کے پاس پہنچا اور اس کے الفاظ سنے تو اسے محسوس ہوا کہ رام چندر جی کسی مصیبت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ لکشمن سیتا کو اکیلا چھوڑ کر رام کی تلاش میں روانہ ہوا۔

سیتا کو اکیلا پا کر راون ایک بیراگی کے روپ میں اس کے سامنے ظاہر ہوا اور اسے اپنے ہمراہ چلنے پر مجبور کیا۔ سیتا کے انکار پر راون دس سروں اور بیس بازوؤں والے دیو کی صورت میں سامنے آیا اور ایک ہی جھپٹے میں سیتا کو اٹھا کر فضا کی بلندیوں میں لنکا کی جانب مصروف پرواز ہو گیا۔

عقابوں کے بادشاہ نے سیتا کو بچانے کیلئے راون پر جھپٹا مارا لیکن راون نے اسے گھائل کر دیا۔ سیتا نے پرواز کرتے ہوئے بے شمار انسانوں کو دیکھا اور کچھ زیورات' کپڑے پھینکے۔

راون نے سیتا کو لنکا لے جا کر ایک وسیع و عریض باغ میں قید کر کے بے شمار چڑیلوں کو اس کی حفاظت پر مامور کر دیا۔

دوسری طرف لکشمن اور رام چندر اپنی کٹیا میں پہنچے تو سیتا کو نہ پا کر از حد پریشان ہوئے۔ وہ سیتا کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں پہنچے جہاں عقابوں کا بادشاہ زخموں سے نڈھال ہو کر گرا تھا۔ رام نے ایک طویل جنگ کے بعد راون کو شکست دی۔

اسی اثنا میں رام چندر جی کے بن باس کے چودہ سال بھی مکمل ہوتے ہیں۔ اب وہ اپنی بیوی اور بھائی کے ہمراہ واپس اجودھیا (کوشل) چلے آتے ہیں۔ رام چندر جی جب راجا بن جاتے ہیں تو لوگ انہیں ان کی چہیتی بیوی سیتا سے دور رہنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

سیتا پر راون کی محبت کا الزام لگایا جاتا ہے اور اسے رام کے قابل نہیں سمجھتا ہے۔ سیتا جیسر کوٹ کے ایک رشی کے ہاں پناہ لیتی ہے جہاں اس کے بطن سے لو اور کشن نامی دو بچے پیدا ہوتے ہیں۔ رشی والمیک نے یہیں رامائن تحریر کی۔ دونوں بچے ذی شعور ہوتے ہیں تو انہیں رامائن یاد کرائی جاتی ہے۔ کچھ دنوں بعد رام چندر کا سفید گھوڑا جو آزاد چھوڑ دیا گیا تھا رشی کی کٹیا میں پہنچ جاتا ہے اور وہ دونوں بھائی یعنی لو اور کشن کو رامائن گاتے ہوئے پاتا ہے۔ رام چندر جی سمجھ جاتے ہیں کہ یہ دونوں ان کے بیٹے ہیں۔ سو وہ اپنے دونوں بیٹوں اور اپنی بیوی سیتا کو واپس لے آتے ہیں۔ سیتا اجودھیا پہنچتے ہی انتقال کر جاتی ہے۔

سری کرشن جی

سری کرشن جی مہاراج دریائے جمنا کے کنارے آباد متھرا نامی شہر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام واسدیو اور والدہ کا نام دیوکی تھا۔ ان کا ماموں کنس متھرا کا راجہ تھا۔ ان کی پیدائش سے پہلے نجومیوں نے کنس کو بتایا کہ اس کی بہن دیوکی کا آٹھواں لڑکا اس کا قاتل ہوگا۔ اس پر راجہ کنس نے اپنے بہنوئی کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا لیکن اس نے وعدہ کر لیا کہ اس کے ہاں جب بھی لڑکا پیدا ہوگا وہ اسے قتل کرنے کیلئے کنس کے سپرد کر دیا کرے گا۔

راجہ کنس نے اپنی بہن دیوکی اور بہنوئی واسدیو دونوں کو اپنی زیر نگرانی اپنے محل میں نظر بند رکھا۔ دیوکی کے بطن سے سات" بیٹے پیدا ہوئے جو راجہ نے قتل کر دیئے۔ جب آٹھویں بیٹے یعنی کرشن جی پیدا ہوئے تو واسدیو نے انہیں ایک کپڑے میں لپیٹ کر چوری چھپے محل سے نکل کر اپنے ایک دوست نند جی کے پاس گوکل پہنچے اور کرشن کو اس کے سپرد کر دیا۔ نند جی کی بیوی جسودھا کے ہاں اتفاق سے اسی روز ایک بچی پیدا ہوئی۔ واسدیو اپنے دوست نند جی کی بچی کو کپڑے میں لپیٹ کر واپس محل آ گئے اور مشہور کر دیا کہ اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ کنس ان کے ہاں لڑکی کی پیدائش کی خبر سن کر مطمئن ہو گیا۔

نند جی گوالا قوم کے سردار تھے۔ انہوں نے کرشن کی خوب دیکھ بھال کی اور انہیں والدین کی محرومی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ کرشن جی اپنے ہمجولیوں کے ہمراہ گوکل میں گائیں چراتے رہے اور گوپیوں کے ساتھ ہنسی کھیل میں عمر کی منزلیں طے کرتے رہے۔

☆ سری کرشن ایک موحد انسان تھے۔ ایک دفعہ گوکل میں ایک بڑے یگ کی تیاریاں ہو رہی

تھیں کہ کرشن جی نے نند جی سے پوچھا کہ یہ انتظام کس لیے ہو رہا ہے؟ نند جی نے جواب دیا کہ ملکی رسم و رواج کے مطابق اندر دیوتا کیلئے قربانی پیش کی جائے گی تا کہ وہ خوش ہو کر بارش برسائے۔

کرشن نے جواب دیا۔

اندر کی پرستش ایک فضول کام ہے۔ انسان کی خوشی اور راحت کا سرچشمہ تو اس کے اپنے اعمال ہیں جس پر زندگی کا انحصار ہے۔

جب راجہ کنس (Kans) کو پتہ چلا کہ کرشن اس کا بھانجا ہے اور اس کی بہن دیوکی نے پیدائش کے وقت لڑکی بتا کر اسے دھوکہ دیا ہے تو وہ کرشن کے قتل کی تیاریاں کرنے لگا۔

کنس نے اکرور نامی شخص سے کہا جو کہ کرشن کا دوست تھا مجھے پتہ چلا ہے کہ کرشن میرا بھانجا ہے اسے محل میں لے کر آؤ تا کہ وہ شہزادوں کی طرح زندگی بسر کرے۔

جب کرشن دربار میں پہنچا تو کنس نے وہاں مکا بازی کا ایک مقابلہ تیار کر رکھا تھا اور مکا بازوؤں سے کہا تھا کہ موقع پا کر کرشن کو ہلاک کر دو۔

کرشن نے نہ صرف مکا بازوں کو ہلاک کر دیا بلکہ راجہ کنس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

تب لوگوں نے کرشن جی کو تخت پر بٹھا دیا۔

کرشن اپنی تخت نشینی ایک دوسرے راجہ اگرسین کو سونپ کر خود علم و ادب کی دنیا میں کھو گیا۔

کرشن کی عدم موجودگی میں راجہ جراسندھ نے جس کی دو بہنیں راجہ کنس کے عقد میں تھی؛ بہنوئی کی موت کا بدلہ لینے کیلئے متھرا پر چڑھائی کر دی۔ کرشن نے دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے شہر دوارکا تعمیر کروایا۔ کرشن جی کی فوج نے کئی بار شکست کھائی۔ بالآخر کرشن ایک بار ارجن اور بھیم کے ساتھ جراسندھ کے دربار میں پہنچا اور ایک مقابلہ میں جراسندھ بھیم کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا۔

تاریخی کتب میں کرشن کی موت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ وہ جنگل میں ایک درخت تلے آرام کر رہا تھا کہ کسی شکاری کا غلطی سے تیر آ لگا اور وہ ہلاک ہو گیا۔

سری کرشن جی نے خود کو وشنو کا اوتار بتلایا ہے اور وشنو ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ مجسمہ میں سیاہ یا نیلے رنگ کا نوجوان ہے۔ مرلی ہاتھ میں اور سر پر تاج ہے۔ لباس زرد ہے۔

رام چندر جی

اجودھیا (کوشل) کے چندر بنسی خاندان حکمران راجہ دسرتھ کی تین رانیاں تھیں۔ کوشلیا؛ سمترا اور کیکئی۔ ان تین رانیوں سے دسرتھ کے چار لڑکے پیدا ہوئے:

(1) رام چندر جی
(2) لکشمن

(3) شترو گھن

(4) بھرت

ان میں سے دو لڑکے لکشمن اور شترو گھن سمترا کے بطن سے تھے۔ رام چندر کوشلیا کے بطن سے اور بھرت کیکئی سے تھے۔ رام چندر جی بلحاظ عمر سب سے بڑے تھے اور انہوں نے اپنی راست بازی علم اور تدبر سے حکومت اور عوام میں زبردست مقبولیت حاصل کی ان کی شادی متھلا کے راجہ لنک کی خوبصورت ترین بیٹی سیتا سے بڑے دلچسپ انداز میں ہوئی تھی۔ وہ اس طرح کہ راجہ لنک نے چاروں اطراف یہ اعلان کرا رکھا تھا کہ رسم سوئمبر کے روز اگر کوئی بہادر جوانمرد شیوجی کی کمان چلہ پر چڑھا دے تو وہ انعام کے طور پر اپنی خوبصورت ترین بیٹی اسے دے دے گا۔ یعنی اس سے شادی کر دے گا۔ اس مقابلے میں رام چندر جی نے حصہ لیتے ہوئے کمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ پورا مجمع ان کی قوت بازو دیکھ کر ورطہ حیرت میں پڑ گیا۔ جبکہ حاسدوں کو منہ کی کھانی پڑی اور رام چندر کے گلے میں موتیوں کی مالا ڈال دی گئی اور جب دسرتھ کو اپنے بیٹے کی اس کامیابی کی اطلاع ملی تو مارے خوشی کے زمین پر سے اس کے پاؤں اُٹھ کھڑے ہوئے وہ فرط مسرت کے نشے میں چور لڑکھڑاتا ہوا وہاں پہنچا اور اپنے بیٹے کے ہمراہ راجکماری سیتا کو اجودھیا لے آیا۔ تمام شہر نے اس خوشی میں شرکت کی۔ ہر کوئی اس موقع پر مسرور تھا مگر رانی کیکئی کے سینے میں حسد کی آگ شعلہ زن ہو چکی تھی۔ تاہم اس نے خاموش رہنے کا فیصلہ کیا اُس نے سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رام چندر جی اپنی روز افزوں مقبولیت اور اس شاندار کامیابی کے بعد تاج وتخت کا وارث نہ بن بیٹھے۔ وہ یہ کسی طور بھی برداشت نہ کر سکتی تھی۔ وہ اس تخت و تاج کا حقیقی وارث اپنے بیٹے بھرت کو بنانا چاہتی تھی اور ہمیشہ اس تاک میں رہتی تھی کہ کہیں رام چندر جی بھرت سے بازی لے نہ جائے اس کے دل و دماغ میں نت نئے منصوبے بندھے رہتے تھے۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ اس دوران راجہ دسرتھ جو کہ اب بڑا ضعیف ہو چکا تھا۔ اپنی اس ڈھلتی ہوئی عمر اور روز افزوں ناتوانی کے باعث حکومتی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ امرائے دربار سے مشورہ کرنے کے بعد رام چندر جی کو اپنا ولی عہد بنانے کا اعلان کر دیتا ہے۔ اس اعلان سے سب سے زیادہ تکلیف راجہ دسرتھ کی حسین بیوی کیکئی کو پہنچتی ہے کیکئی بہت حسین و جمیل تھی۔ کیکئی اپنے ساحرانہ حسن کا جادو جگاتے ہوئے اپنے مکارانہ عشوؤں سے کام لیتی ہے وہ جھوٹ موٹ بیماری کا بہانہ بنا لیتی ہے۔ اور رات دن اس غم میں گھل جاتی ہے۔ راجہ دسرتھ جو کہ رانی کو بہت چاہتا ہے اس سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی اور آخر اس کا عشق اسے حسن کے چرنوں میں لے آتا ہے اس پر کیکئی اندر ہی اندر اپنی ممکنہ کامیابی پر انتہائی خوش ہو جاتی ہے راجہ دسرتھ رانی سے اس کی پریشان حالت کے بارے میں باز پرس کرتا ہے تو کیکئی اپنی اشک بھری آنکھوں سے اسے ایک پرانا

وعدہ یاد کراتی ہے جو گزرے دنوں میں اس نے رانی کے ساتھ کیا تھا۔ وہ وعدہ اس طرح ہوا تھا کہ کسی لڑائی میں دسرتھ زخموں سے انتہائی چور ہو گیا تھا اور رانی نے تیمارداری کی تھی اور جب ان زخموں سے راجہ نے نجات پائی تو اُس نے رانی کو یہ قول دیا تھا کہ رانی جب بھی کبھی اپنی دو خواہشات کا اظہار مجھ پر کرے گی تو میں اُن کو ضرور پورا کروں گا اور اب وقت آ گیا تھا کہ رانی اپنی دو خواہشات کا اظہار کرتی۔ اپنی پہلی خواہش یہ بتاتی ہے کہ فوری طور پر رام چندر جی کو 14 برس کے بن باس کا حکم سنایا جائے اور دوسری خواہش یہ کہ اس کے بیٹے بھرت کو تخت و تاج کا وارث مقرر کیا جائے۔

اپنی لاڈلی اور خوبصورت رانی کیکی کی دونوں خواہشات سن کر دسرتھ محسوس کرتا ہے کہ اس کے ارادوں کے بنے ہوئے تمام خوبصورت ایوانات جیسے یکسر مسمار ہو گئے ہوں۔ وہ رانی کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہے تو رانی مضبوط چٹان بن بیٹھتی ہے جب اس تمام بات کا علم رام چندر جی کو ہوتا ہے تو وہ بھی اپنے باپ کے وچن کی لاج رکھتے ہوئے کیکی کی خواہش کے سامنے اپنا سر جھکا دیتے ہیں اور چودہ برس کا بن باس قبول کر لیتے ہیں اور جب رام چندر جی کے بھائی لکشمن کو اس کی اطلاع ہوتی ہے تو وہ اپنے باپ کو کیکی کی خوفناک خواہشات پر عمل پیرا ہونے سے باز رکھنے کے لیے علم بغاوت بلند کرتا ہے مگر رام چندر جی یہ بن باس خوشی سے قبول کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد رام چندر بن باس کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ رام چندر جی کی بیوی سیتا اور لکشمن (جس کی شادی ارمیلا سے) بھی ان کے ہمراہ چلے جاتے ہیں تین ارکان پر مشتمل چھوٹا سا قافلہ اجودھیا سے پریاگ (الہ آباد) پہنچتا ہے۔ اس کے بعد بندھیل کھنڈ سے گزرتا ہوا دکن کے مشہور جنگلات ڈنڈاک کو اپنا مسکن بنا لیتا ہے۔ یہیں پر ہی یہ بن باسی دن رات اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔

ادھر راجہ دسرتھ کو اپنے دونوں لائق و فائق بیٹوں اور حسین و جمیل بہو سیتا کی جدائی کا غم لے کر ڈوب گیا اور بالآخر انتقال کر گیا۔ بھرت کو ان تمام حقائق سے کچھ آگاہی نہ تھی جب اس کو اپنے باپ کی وفات کا پتہ چلا تو وہ فوراً اجودھیا چلا آیا۔ یہاں پر اسے اہل دربار نے بتلایا کہ رام چندر جی تو بن باسی بن چکے ہیں۔ جب اسے ان حالات کی مکمل آگاہی ہوئی تو وہ اپنی ماں رانی کیکی کی ناعاقبت اندیش ہٹ دھرمی سے انتہائی پریشان ہوا۔ اس نے فی الفور دربار کے بڑے بڑے اہلکاروں کے ساتھ مل کر رام چندر جی کو تلاش کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے دور دراز علاقوں کے تمام جنگلات پامال کر ڈالے مگر رام چندر جی کا کچھ پتہ نہ چلا اور بالآخر بستی بستی جنگل جنگل پھرتے پھراتے وہ ڈنڈاک میں آ پہنچے۔ وہاں ایک ویران سی کٹیا نظر آئی تو اس میں رام چندر جی ایک بیراگی کے روپ میں نظر آئے۔

بھرت اور دیگر ارکان نے ان سے ہاتھ جوڑ کر ونتی کی کہ وہ واپس کوشل پہنچ کر حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں لیں مگر رام چندر جی کسی طور پر بھی اس پر رضا مند نہ ہوئے۔

آخر بھرت ناکام واپس لوٹنے کا فیصلہ کرتا ہے مگر واپس آ کر بھی وہ تخت شاہی پر خود کو متمکن ہونے کا اہل نہیں سمجھتا رام چندر جی کے جوتوں کو چتر شاہی کے نیچے رکھ کر ثابت کرتا ہے کہ مسند حکومت پر اصل حق رام چندر جی کا ہے اور خود حکومت کی باگ ڈور سنبھال لیتا ہے۔ اسی طرح اس کے حکومت کرتے کرتے جب چودہ سال کا بن باس پورا ہو جاتا ہے تو رام چندر جی واپس کوشل چلے آتے ہیں ان کے آ جانے پر بھرت کوشل کا تاج و تخت ان کے حوالے کر دیتا ہے اور خود امور سلطنت سے سبکدوش ہونے کا اعلان کر ڈالتا ہے۔

رام چندر جی کو چودہ سال بن باسی زندگی کے دوران بے انتہا مشکلات و مصائب سے پالا پڑا۔ اس دوران اسی جنگل میں لنکا کے راون کی خوبصورت بہن ''سروپ نکھا'' سے ملاقات ہوتی ہے۔ وہ جب رام چندر کے حسن کا نظارہ کرتی ہے تو انہیں اپنا دل دے بیٹھتی ہے اور ساتھ ہی انہیں اپنے ساتھ شادی کرنے کا کہہ دیتی ہے۔ مگر رام چندر جی شہزادی کی اس خواہش کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ ان کی طرف سے صاف اور کورا جواب سننے کے بعد ان بن باسیوں کے خلاف اس میں شدید غیظ و غضب در آتا ہے اور اس کے تن بدن میں انتقام کی آگ سلگنے لگ جاتی ہے اس کے اشتعال دلانے پر کھارا دیو اپنے بہت سارے ساتھیوں کے ہمراہ رام چندر جی پر حملہ بول دیتا ہے اور رام چندر جی اپنے موسلا دھار تیروں کی بوچھاڑ سے اس کے تمام ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ یہاں تک کہ کھارا دیو کو بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑ جاتے ہیں اس بے عزتی پر ''سروپ نکھا'' اپنے دوسرے بھائی راون کے پاس مدد کے لیے لنکا جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ راون بہت خطرناک دیوتا جو دس سر اور بیس بازو رکھتا تھا سروپ نکھا اپنے بھائی کی غیرت کو جوش میں لاتی ہے یہاں تک کہ راون ایک خوفناک شکل کی چڑیل کو ہرن کی صورت میں رام چندر کی کٹیا کی جانب بھیجتا ہے رام چندر اُس وقت کٹیا میں موجود نہیں ہوتے وہ جب شکار سے واپس آتے ہیں تو دیکھا کہ سیتا ایک درخت کے نیچے چھوٹی سی ہرنی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اِسے پکڑنے کے لیے کہتی ہے سیتا کی خواہش کی تکمیل کے لیے رام چندر جی آہستہ آہستہ جب ہرنی کے بالکل قریب چلے جاتے ہیں تو وہ ہرنی پھر اُتنی ہی دور چلی جاتی رام چندر اس کا تعاقب کرتے کرتے سیتا سے دور ہو جاتے ہیں بالآخر وہ اس کا شکار کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور تیر نکالتے ہیں مگر جب تیر چلاتے ہیں تو ہرنی غائب ہو جاتی ہے اور اپنی اصل خوفناک شکل میں نمودار ہو جاتی ہے جب رام چندر اُسے دیکھتے ہیں تو منہ سے ''او لکشمن'' اور ''سیتا'' کے لفظ نکلتے ہیں۔ چڑیل بھی یہی الفاظ ادا کرتی ہے اور پھر غائب اور دور ہو جاتی ہے۔ اسی اثناء میں لکشمن سیتا کے پاس

آ جاتا ہے اور لکشمن رام چندر کی مدد کو جاتا ہے لکشمن جیسے ہی باہر نکلتا ہے تو راون ایک بیراگی کے روپ میں سیتا کے پاس آ جاتا ہے اور اُسے اپنے ہمراہ چلنے کے لئے مجبور کرتا ہے لیکن سیتا انتہائی جرات سے کام لیتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے سے یکسر انکار کر دیتی ہے۔ اس صاف اور دوٹوک جواب پر راون کو بہت غصہ آ جاتا ہے اب وہ اپنے اصل روپ میں آ جاتا ہے اور خوفناک دیو بن جاتا ہے اور سیتا کو اُٹھا کر لنکا کی جانب فضا میں چلتا ہے جب سیتا نیچے کی طرف دیکھتی ہے تو اُسے بندر نما انسان نظر آتے ہیں اور سیتا اپنے زیور اور کچھ کپڑے ان کی طرف پھینکتی ہے کہ وہ یہ اطلاع رام چندر کو پہنچائیں بالآخر راون سیتا کو ایک وسیع و عریض باغ میں قید کرتا ہے اور چڑیل کو اس کی حفاظت کے لیے مقرر کر دیتا ہے جب لکشمن اور رام چندر سیتا کی تلاش میں نکلتے ہیں تو عقابوں کا بادشاہ زخمی ہوتا ہے وہ بتاتا ہے کہ راون سیتا کو لیکر چلا گیا ہے آخر کار بہت تکلیفوں اور مصیبتوں سے تھک ہار کر رام چندر جی اور لکشمن اُس باغ میں پہنچ جاتے ہیں جہاں راون سیتا کو قید کرتا ہے اور وہاں سیتا جب ہنومان کو دیکھتی ہے تو سخت تشویش میں مبتلا ہو جاتی ہے شاید یہ بھی کوئی راون ہے جس پر فوری طور پر وہ رام چندر کی وہ انگوٹھی پیش کرتا ہے جو رام چندر نے اسے بطور نشانی دی ہوتی ہے سیتا جب اُس انگوٹھی کو دیکھتی ہے تو فرط مسرت سے اس کی آنکھوں میں چمک سی آ جاتی ہے ہنومان رات کو وہیں ٹھہر جاتا ہے جبکہ جب رات ہوتی ہے تو اندھیرے میں وہ راون کے بہت سے سپاہیوں کو مار ڈالتا ہے جو اُس نے بطور نگران رکھے ہوتے ہیں اور رام چندر کو اطلاع کر دیتا ہے اور تھوڑی دیر میں ایک جوش و خروش کے ساتھ ایک بھرپور طاقت کا طوفان لنکا کی طرف بڑھتا ہے راستے میں بہت سی تکلیفیں آتی ہیں مگر اُنہوں نے وہ بھی دور کر دیں لوگ کہتے ہیں کہ (گلہری کی نرم و نازک کھال پر جو تین سفید لکیریں ہیں وہ رام چندر کی اُنگلیوں کے نشانات ہیں)

سرگیو! کا ایک بھائی بھی اس جنگ میں مارا گیا صرف کہا جاتا ہے کہ راون کو رام چندر نے اپنے ہاتھوں قتل کیا ہے آخر میں سیتا کو رام چندر دوبارہ حاصل کر لیتے ہیں اور ہنومان کے کہنے پر لنکا شہر کو نذر آتش کر دیا جاتا ہے۔ آج بھی ہندو لنکا کی اس شاندار فتح کو ایک یادگار کے طور پر ایک مناتے ہیں۔ جسے دسہرا کہا جاتا ہے۔

ہندوؤں میں دیوالی کا تہوار بھی اسی دن کی یادگار ہے۔ جلاوطنی کے چودہ برس کے بعد جب رام چندر جی اجودھیا واپس آتے ہیں تو بھرت بڑی خوشی کے ساتھ اجودھیا کا تاج و تخت ان کے سپرد کر دیتا ہے اور خود ایک نہایت تابع دار بھائی کی طرح انہی کے زیر سایہ اپنی زندگی گزارنے کا عہد کرتا ہے رام چندر جی کے ہاں دو بچوں نے جنم لیا ایک کا نام لو اور دوسرے کا کشن رکھا گیا۔ یہ وہی دو بچے ہیں جن سے دو راجپوت خاندانوں کی شاخیں چلتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ لو نے لاہور آباد کیا

اور راجہ کشن نے قصور کو آباد کیا۔ رامائن کے آخر میں ایک نہایت تلخ واقعہ بھی ملتا ہے۔ وہ یہ کہ سیتا جو کہ پاکیزہ عفت تھی جب اجودھیا آ جاتی ہے تو یہاں کے لوگ اس کے سر راون کی محبت کا الزام تھوپ دیتے ہیں اور ان لوگوں کے پرزور اصرار پر رام جی اسے محل چھوڑنے کا حکم سنا دیتے ہیں لہٰذا وہ باقی ماندہ زندگی گزارنے کے لیے جسیر کوٹ میں ایک رشی کے پاس چلی جاتی ہے یہیں یہ دو لڑکے پیدا ہوتے ہیں یعنی لو اور کشن اسی رشی نے جو والمیک تھا۔ رامائن لکھی تھی۔ جب یہ دونوں بچے ذرا بڑے ہوتے ہیں تو انہیں یہ رامائن یاد کرائی جاتی ہے۔

کئی سال گزرنے کے بعد رام چندر جی نے اشومید کی رسم میں اپنا سفید گھوڑا آزاد چھوڑا تھا یہ گھوڑا اسی رشی کی کٹیا میں چلا جاتا ہے اور دونوں لڑکے اس گھوڑے کو پکڑ لیتے ہیں کچھ سپاہی اس گھوڑے کی تلاش میں نکلتے ہیں لیکن کہیں بھی نام و نشان نہیں ملتا بالآخر رام چندر خود اس کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ جب وہ وہاں پہنچ جاتے ہیں اور دونوں لڑکے رامائن گاتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ میرے بیٹے ہیں رام چندر سیتا اور دونوں لڑکوں کو واپس لے آتے ہیں لیکن واپس جاتے ہی سیتا فوت ہو جاتی ہے والمیک کی رامائن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ کتاب اس زمانے میں تحریر کی گئی جب مہا بھارت کی جنگ کے تمام واقعات لوگوں کو بخوبی یاد تھے رامائن میں ایک روایت یہ ملتی ہے کہ رام چندر جی کے سوتیلے بھائی بھرت نے ٹیکسیلا کی بنیاد رکھی تھی اور اپنے ایک بیٹے تکسا کو تکسا شیڈ کے تخت پر متمکن کیا مگر ماہرین کے نزدیک یہ روایت مصدقہ نہیں محض قیاس ہے۔

کرشن چندر جی مہاراج:

کرشن سنسکرت زبان کا کلمہ ہے مفہوم ہے سیاہ رنگ والا۔ ہندوؤں کے تمام دیوی دیوتاؤں میں کرشن کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ قدیم ہندومت میں کرشن کا ذکر کہیں موجود نہیں ہے۔

البتہ مہا بھارت کی رزمیہ نظم میں کرشن کا کردار بہت نمایاں ہے۔ عقیدہ تریموری میں وشنو دیوتا کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ وہ انسانی روپ میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہا ہے اب تک وہ نو بار مختلف روپ میں آ چکا ہے۔ کرشن وشنو کے آٹھویں اوتار (Avtar) کے روپ میں سامنے آئے ہیں۔ یہ متھرا میں پیدا ہوا۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے علاقے کو راجہ کنس (Kans) کے ظلم و ستم سے بچانے کیلئے آیا تھا اس نے اپنی والدہ دیوکی (Oevari) اور والد واسو دیو کو بھی اس راجہ کے غیظ و غضب سے نجات دلائی۔ یہ راجہ کنس جو رشتہ میں کرشن کا چچا بھی تھا اسے خواب کی وجہ سے یہ خدشہ پیدا ہو چکا تھا کہ دیوکی کے بیٹوں میں سے ایک اس کی تباہی کا باعث بنے گا چنانچہ وہ سرکاری افسروں کی معرفت دیوکی کے بیٹوں کو ہلاک کروا دیتا ہے۔ جب ان کے ہاں آٹھواں بیٹا پیدا ہوا تو وہ بہت سیاہ رنگ کا تھا چنانچہ اس کا نام رنگ کی مناسبت سے کرشن رکھا گیا۔ ہندو روایت کے

مطابق اس کے والد کو غیبی تائید حاصل ہوئی اور اس نے اپنے بچے کو ایک چرواہے نند کی سپرد کر دیا اس چرواہے نے کسی نہ کسی طور بچے کو بادشاہ کے ظلم سے بچانے کا انتظام کر لیا کرشن کا زمانہ طفل بہت عجیب وغریب حکایات کا آئینہ دار ہے وہ بہت شرارتی ثابت ہوتے ہیں۔ مکھن چراتے' درختوں کو اکھاڑتے' سانپوں کو مارتے اور گوپیوں کے ساتھ کھیلنے میں خوشی محسوس کرتے تھے ہندو آرٹ میں کرشن کو اکثر وبیشتر گوپیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے اور ان کے جھرمٹ میں بانسری بجاتے دکھایا جاتا ہے اس کی تاویل وہ یہ کرتے ہیں کہ یہ انس اور محبت پوری طرح نوع انسان کے ساتھ ان کی گہری وابستگی کی علامت ہے جب کرشن جوان ہوئے تو انہوں نے راجہ کنس کے خلاف جنگ کی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حکومت کی باگ دوڑ خود سنبھال لی اور بعد میں تخت حکومت پر راجہ اگرسین کو بٹھا دیا جو کنس کے ہاتھوں قید سے دوچار تھا اور تخت کا اصلی وارث تھا۔

کرشن مہاراج کا وہ کردار جس کی وجہ سے انہیں اہمیت حاصل ہوئی۔ وہ مہا بھارت کے معرکے میں ظہور پذیر ہوا۔ جس میں انہوں نے فلسفہ کائنات کو بھی بیان کیا اس معرکے میں وہ ارجن کے رتھ بان کی حیثیت سے شریک ہوئے ارجن کے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے ان کو دور کیا۔ اس کے خاندان کی ہلاکت کی وجہ سے اسے جس مایوسی کا سامنا تھا اسے دور کرنے کی کوشش کی۔ حق پرستی کی تلقین کی اور ساتھ ہی اوتار ہونے کا دعوی کیا یہ معرکہ کوروں اور پانڈوں کے درمیان ہوا۔ اس لڑائی میں پانڈو مظلوم تھے۔ چنانچہ وہ کرشن کی مدد سے کوروں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ کرشن کے بارے میں یہ روایت بھی ملتی ہیں کہ وہ عمر بھر ظلم وستم اور ناانصافیوں کے خلاف سینہ سپر رہے ان کے وہ مواعظ جو ارجن کے نام تھے وہ بھگوت گیتا کے نام سے مشہور ہیں۔ ہندو اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں اور گیتا کو بہت بلند مذہبی مقام اور احترام حاصل ہے۔ کرشن سے بعض ایسے واقعات بھی منسوب ہیں جو مافوق الفطرت قوت کا مظہر ہے مثلاً یہ کہ انہوں نے ایک بیوہ کے بیٹے کو زندہ کر دیا اس قسم کی حکایات میں تاریخی شواہد کے اعتبار سے کہاں تک صداقت ہے یہ کسی کو معلوم نہیں اور نہ ہندو ان کے ثبوت کی سند کی ضرورت محسوس کرتے ہیں وہ تو سیدھی سی یہ بات جانتے ہیں کہ کرشن وشنو کے اوتار تھے جو بھگوان کی محبت اور شفقت کو انسانیت تک پہنچانے آئے تھے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے مطابق کرشن' وشنو کا اوتار تھے اور کرشن کی بطور وشنو تمام شمالی ہندوستان میں پرستش کی جاتی ہے ابتدا میں کرشن بھی رام چندر کی طرح گھستریوں کے ایک دیوتا تھے جو رزمیہ نظم مہا بھارت کے ابتدائی حصوں میں پاونڈووں کے حمایتی سردار کی حیثیت سے ظاہر ہوئے۔ وشنو دیوتا کے اوتار کی حیثیت سے انکی نمائندگی صرف بھگوت گیتا کے حصہ میں نمایاں کی گئی ہے جس میں وہ مذہبی وابستگی اور بھگتی کے طریق کار کو بیان کرتے ہیں۔ کرشن کی پرستش کے دو

زبردست مبلغین ولا بھا چیتانہ کا تعلق پندرھویں صدی کے اواخر سے ہے ولا بھا (Vallabha) کے پیروکاروں کی اکثریت آج بھی گجرات اور راجپوتانہ کے علاقوں میں پائی جاتی ہے اور ان کو ولا بھا چاریاز (Cheryas) کہتے ہیں۔ انیسویں صدی میں کرشن کے ایک با اثر پیرو کار سوامی نرائن گزرے ہیں جن کے پیروکاروں کا تعلق بھی گجرات کے علاقہ سے تھا کرشن کو گوپال اور گوپی ناتھ کے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے کرشتوں کے ان دو اوتاروں رام چندر اور کرشن میں سے موازنہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات مخصوص ہے کہ لوگوں کی مذہبی زندگی کے اندر دیوتا کیلئے ایک نئی روح پھونک دی ہندو روزانہ کرشن کی پوجا کرتے تھے اور ہری کے نام سے پکارتے تھے کرشن کو سیاہ یا نیلے رنگ کا نوجوان دکھایا جاتا ہے جس نے تاج پہن رکھا ہے اور بانسری بجاتا کرتا ہے جین مت کے پیروکار بھی اگرچہ مجموعی طور پر مورتی پوجا کے خلاف ہیں۔ تاہم وشنو کرشن اور لکشمی کی پوجا ان کے ہاں بھی مقبول ہے۔

چند ہندوانہ عقائد کا اسلامی رد

عقیدہ نیوگ

ہندو مفکر دیانند کے مطابق فلسفہ ء نیوگ یہ ہے کہ اگر کوئی ہندو عورت بیوہ ہو جائے تو وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی تاہم کسی غیر مرد سے تعلق قائم کر کے اولاد پیدا کر سکتی ہے۔ یا کوئی ایسی عورت جس کا شوہر بیمار ہے اور اس قابل نہیں ہے کہ وہ سنتان پیدا کر سکے تو وہ زیادہ سے زیادہ دس افراد تک جنسی تعلق رکھ کر اولاد کو جنم دے سکتی ہے یعنی اگر ایک مرد سے اولاد نہیں ہوئی تو وہ دوسرے کے پاس جا سکتی ہے اور پھر اسی طرح تیسرے کے پاس حتیٰ کہ حصول اولاد کیلئے زیادہ سے زیادہ دس مردوں تک رسائی حاصل کر سکتی ہے۔

اولاد پیدا ہونے کی صورت میں عقیدہ نیوگ کے مطابق وہ اولاد اُسی پہلے شوہر کی ہوگی جو بیمار ہے دائم المریض ہے یا بوڑھا ہے اس سلسلے میں مثال بھی پیش کی گئی ہے جو درج ذیل ہے وہ یہ ہے کہ جیسے کوئی کھیتی کسی ملازم کسان کو سیراب کرنے کیلئے دی جاتی ہے لیکن اُس کی فصل کا اصل حقدار کھیت کا مالک ہی ہوتا ہے۔

مفکر دیانند سوامی جی کے نزدیک عورت اس طریقے سے زیادہ سے زیادہ دس بچے پیدا کر سکتی ہے۔ تاہم چند شرائط بھی اس عقیدہ کے تحت وضع کی گئی ہیں اگر کوئی مرد دھرم کی خاطر ملک سے باہر ہو تو اُس کی پتنی آٹھ سال تک اُس کا انتظار کرے۔ اگر کوئی نیک نامی اور تحصیل علم کیلئے بیرون ملک گیا ہو تو اس کی دھرم پتنی چھ برس تک منتظر رہے اور اگر کوئی تلاش روزگار کے چکر میں اپنے علاقے سے باہر ہو تو اُس کی بیوی کو چاہیے کہ وہ تین برس تک اُس کا انتظار کرے۔ اور یہ مقررہ مدت اگر تجاوز کر جائے تو وہ عورت عقیدہ ء نیوگ کا سہارا لے سکتی ہے۔ ایسی صورت میں اصلی شوہر واپس آ جائے تو وہ نیوگ شدہ خاوند سے تعلق توڑ کر اپنے حقیقی شوہر سے تعلق قائم کرنے کی مجاز ہے۔

اس عقیدہ میں مرد کیلئے اجازت ہے کہ وہ بانجھ استری سے آٹھ سال تک تعلق رکھ سکتا ہے بدیگر صورت نیوگ کا سہارا لے سکتا ہے یا اولاد پیدا ہوتی ہے مگر زندہ نہیں رہتی تو دس سال تک انتظار کرے اور نرینہ اولاد سے محروم ہے تو گیارہ برس تک انتظار کر سکتا ہے۔عورت کے بدکلام یا بددماغ ہونے کی شکل میں شوہر اُس سے فوراً رھائی حاصل کر سکتا ہے اور کسی دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔

عورت شوہر کے ظلم اور ایذاء رسانی سے تنگ آ کر بھی راہ نیوگ حاصل کر سکتی ہے تاہم اولاد پہلے والے شوہر ہی کی متصور ہوگی عقیدہ نیوگ میں حاملہ عورت کے مرد کیلئے بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔

دین اسلام میں عقیدہ نیوگ کا رد

دین اسلام میں جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں عقیدہ نیوگ کا واضح اور یقین رد موجود ہے سورۃ النسا میں ارشاد پاک ہے:

وَاُحِلَّ لَكُم مَّاوَرَاءَ ذٰلِكُم اَن تَبتَغوا بِاَموَالِكُم مُّحصِنِينَ غَيرَ مُسٰفِحِينَ

(سورۃ النساء آیت 24)

ترجمہ: "اور جو اس کے سوا ہیں تمہارے لیے حلال ہیں۔اسطرح کہ تم اپنے مالوں سے ان کو نکاح میں لاؤ بغیر کسی شہوت رانی کے۔"

اس آیت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ عورت اور مرد کا جنسی تعلق صرف نکاح ہی سے جائز ہے اس کے سوا محض بدکاری ہے جس کی سزا کیلئے قرآن حکیم میں نص موجود ہے۔یعنی سو کوڑوں کی سزا۔

مادہ اور روح کے ازلی و ابدی ہونے کا عقیدہ

ہندو مفکر سوامی دیانند جی مادہ اور روح کو ازلی اور ابدی قرار دیتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ ازلی کسے کہتے ہیں۔سوامی دیانند جی اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ تین چیزیں ازلی ہیں۔

1- پرمیشور
2- جیو
3- پراکرتی

وہ ایک اور مقام پر پانچ چیزوں کو ازلی قرار دیتے ہیں یعنی پیدائش عالم پرمیشور، پراکرتی، اکاش اور جیو ازلی ہیں۔

رداز روئے اسلام

-1 اسلام دنیا و مافیہا کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق قرار دیتا ہے جبکہ مادہ اور روح بھی مخلوقات میں شامل ہیں۔

-2 اگر یہ مان لیا جائے کہ مادہ اور روح ازلی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا حقیقی مالک نہیں ہے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ ہر شئے کو اللہ تعالیٰ نے ہی بنایا ہے۔

سورہ البقرہ میں ارشاد ہے:

الله لا اله الا هو الحی القیوم لاتاخذه سنة ولانوم له ما فی السموات ومافی الارض من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه یعلم مابین ایدیهم وما خلفهم ولا یحیطون بشیء من علمه الا بما شاء وسع كرسیه السموات و الارض ولا یوده حفظهما وهو العلی العظیهم

(سورہ البقرہ: آیت: 255)

ترجمہ: ”اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کے ہاں سفارش کرے اس کے حکم کے بغیر وہ سب جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے (یعنی ان کا ماضی حال اور مستقبل) اور وہ اس کے علم میں سے کچھ نہیں پا سکتے مگر جتنا وہ دینا چاہے تمام آسمان اور ساری زمین اس کی کرسی کے اندر سمائے ہوئے ہیں اور وہ ان دونوں کی نگرانی سے نہیں تھکتا اور وہ بہت بلند اور بڑائی والا ہے۔“

-3 اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ”الصمد“ بھی ہے یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں۔ لیکن اگر روح اور مادہ کو ازلی مان لیا جائے تو اللہ الحی القیوم کو ان دونوں کا محتاج ہونا پڑتا ہے اور اگر مادہ اور روح نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ سراسر ناقابل یقین اور خام خیالی ہے۔

-4 اللہ قادر مطلق ہے اگر وہ مادہ اور روح کا خالق نہیں تو پھر قادر مطلق نہیں کہلا سکتا جو قرآن حکیم کے خلاف بات ہے اس لئے سورۃ الرعد کی آیت 16 میں ہے

قل الله خالق كل شیء وهو الواحد القهار

ترجمہ: ”کہہ دے اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ اکیلا ہے اور سب پر

غالب ہے۔"

اگر اللہ تعالٰی سب چیزوں کا خالق نہ ہو اور کچھ چیزیں اس کی خلق سے باہر ہوں اور وہی صفات رکھتی ہوں جو اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ ایک عام آدمی متکلمانہ یا عاقلانہ زاویے سے بھی سوچے تو یہی کہے گا نظام کائنات میں خلل واقع ہو جائے گا جس طرح ایک بادشاہت میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے پس ہندوؤں کا یہ عقیدہ کہ مادہ اور روح ازلی ہیں۔ باطلانہ عقیدہ ہے۔

عقیدہ تناسخ اور اسکا از روئے اسلام رد

تناسخ کو اواگون بھی کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے۔ گناہوں اور نیکیوں کے باعث بار بار مرنا اور جنم لینا یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اگر مر جائے تو روح کا حشر کیا ہوگا؟

اس کا جواب تین طرح سے دیا جا سکتا ہے۔

1- جسم کے ساتھ روح بھی ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائیگی۔

2- روح کو اپنے اعمال کے مطابق مختلف روپ بدلنا پڑیں گے۔

3- روح کو اپنے کرموں کی سزا و جزا بھگتنا پڑیگی۔

آریوں کا عقیدہ یہ ہے کہ روح کی تعداد محدود ہے اور اللہ پاک مزید روحیں پیدا نہیں کر سکتا۔

اپنشدوں کا خیال ہے کہ روح کو مرنے کے بعد دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے ایک راستہ دیوتاؤں کا جو دیوائین کہلاتا ہے جبکہ دوسرا آباء کا راستہ ہے جسے پترائین کہتے ہیں۔

مطالعہ سائنس یہ بتاتا ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے بلکہ کروڑوں سال پہلے دنیا میں صرف نباتات' جمادات اور حیوانات رہتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات' نباتات اور جمادات انسانی اعمال کا نتیجہ نہیں ہیں کیونکہ اگر انسان ان سے پہلے ہوتا تو وہ زندہ نہ رہ سکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانی ہے۔ یہ وہ فیض ہے جس کے تحت اللہ عزوجل نے انسان کی ضرورت کو اس کی پیدائش سے پہلے پیدا کیا تا کہ انسان کو کوئی دقت پیش نہ آئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر شے چاند' سورج' ستارے' نباتات' حیوانات اور جمادات سب کچھ انسان کی پیدائش سے قبل پیدا کر دیا گیا تھا۔ اسلام میں تناسخ اور آواگون کا کوئی تصور نہیں ہے۔

سورۃ الانبیا آیت 95 میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وحرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لایرجعون

ترجمہ: "اور حرام ہے اس بستی پر جن کو ہم نے ہلاک کر دیا کہ وہ لوٹ کر آئیں۔"

ایک جرمن پروفیسر میکس میلر یہ بھی لکھتا ہے کہ وید میں کہیں تناسخ کا ذکر نہیں ہے روح کا علاج اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ میں کریں گے جس طرح کوئی شخص بیمار ہو جاتا ہے تو اُسے اُس وقت تک ہسپتال میں رہنے دیا جاتا ہے جب تک وہ تندرست نہیں ہو جاتا یہی حال روح کا ہوگا۔ روح کو پاک صاف کرنے کے لئے جنت یا دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مکمل طور پر پاک و صاف ہو جائے تو پھر اِسکو اپنے مستقل مقام یعنی جنت میں داخل ہونے دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو مالک یوم الدین کہتے ہیں یہاں ملک کی بجائے مالک کا لفظ اس وجہ سے استعمال ہوا ہے کہ مالک لامحدود اختیارات کا حاکم ہوتا ہے جسے چاہے مار دے جسے چاہے معاف کر دے اپنی اسی صفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہگاروں کو معاف کر سکتے ہیں۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کسی گناہگار شخص کے گناہ معاف نہیں کر سکتا تو یہ اسکی صفت مالکیت کے خلاف ہے۔

پس ہندوؤں کا یہ عقیدہ کہ روح اس وقت تک شکلیں بدل بدل کر زمین پر آتی رہتی ہے جب تک اسے مکتی یا نرواں نہیں مل جاتا۔ دین اسلام کے حوالے سے مکمل طور پر باطلانہ اور بے بنیاد ہے۔

چند ہندوستانی فلسفے:

فلسفہ یونان کے بعد ہندوستانی فلسفہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اہل چین تو سرزمین ہند کو "ارض حکمت" کے نام سے جانتے تھے۔ اس مُلک میں بے شمار مذاہب نے جنم لیا اور لاتعداد مذاہب نے دم توڑا۔ بہت سے فلسفہ ہائے اور عقائد عروج بام تک پہنچے۔ ان فلسفوں میں دس زیادہ مشہور ہوئے جن کا ذکر حسب ذیل ہے۔

فلسفہ ہندومت:

اس فلسفہ کی چیدہ چیدہ باتیں یہ تھیں۔ رنج کن وجوہ کی بنا پر ملتا ہے۔ بے بسی اور مجبوری کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟ ان سے کس طرح محفوظ رہا جا سکتا ہے؟ کیا جان مادی شے ہے یا نہیں؟ زندگی کی حدود و قیود کہاں تک ہیں؟ موت کیونکر آتی ہے؟ کیا موت سے فرار ممکن ہے۔ اشیا کی اصل حقیقت کیا ہے؟ وغیرھا وغیرھا۔ ہندوستان کے مفکرین اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ نجات صرف علم ہی سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یا نجات حاصل کرنے کے لئے صرف علم ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ عمل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ہندوستانی فلسفہ بت پرستی سے شروع ہو کر توحید تک پہنچتا ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ کوئی خدا کی ہستی کا قائل ہے تو کوئی انکاری ہے۔ ہندی فلسفہ میں ادنیٰ فکر سے اعلیٰ کفر تک کا فلسفہ موجود ہے۔

فلسفہ جین مت:

اس فلسفہ کا اصل بانی دسبہ دیو نام کا ایک مفکر ہے۔ مگر اس کے دور کے حالات ہمیں تاریخ میں نہیں ملتے۔ صاو پرو رومان نے اس فلسفہ کو رائج کیا۔ اس کی بنیادی حقیقتیں تین ہیں۔ کیا ہماری دنیا کی کوئی حقیقت ہے؟ وجود کی کتنی قسمیں ہیں؟ جاندار بے جان درست ایمان اور نیک عمل بہت ضروری ہے۔ اس فلسفہ کے مفکرین کا خیال ہے کہ معرفت ایک گوہر ہے۔ اور جان سے جدا نہیں۔ حقیقت واحدہ کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی گوہر اور دوسری عرض۔ یہ دونوں صورتیں فانی ہیں۔ جنسی عقیدہ رکھنے والے مفکرین تغیر اور ثبات کو حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ صحیح عقل، درست ایمان اور نیک عمل کو زندگی کے تین بلند مرتبہ اور قیمتی جوہر مانتے ہیں۔ اور انہیں تری رتنہ کا نام دیتے ہیں۔ فلسفہ جین مت میں خدا کا تصور کہیں موجود نہیں ہے۔ وہ انسانی اعمال کو ہی خدا مانتے ہیں۔ وہ گزری ہوئی زندگی کو موجودہ زندگی کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ اور حالیہ زندگی کو آنے والی زندگی کی بنیاد تصور کرتے ہیں۔

فلسفہ بدھ مت:

یہ فلسفہ زیادہ تر گوتم بدھ کی تعلیمات پر مشتمل ہے اور اس کا زمانہ 600 ق م تک کا مانا جاتا ہے۔ گوتم بدھ کی پیدائش ہندوستان میں اسی زمانہ میں ہوئی تھی۔ اس لیے یہ فلسفہ گوتم بدھ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ فلسفہ جس نے ہندوستان سے باہر بہت ملکوں اور قوموں پر اپنا اثر ڈالا۔ اپنے طبعی خواص کی بدولت بڑی تیزی سے پروان چڑھا۔ اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اپنی نفسانی خواہشات کو قتل کرنا اور دکھی انسانیت کی خدمت کرنا۔ اس فلسفہ کی رو سے دکھ سکھ کو زندگی میں لازم و ملزوم ٹھہرایا گیا ہے انسان کو پہنچنے والے دکھ اس فلسفہ کی رو سے اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں انسان کی نجات بھی اس کے اعمال پر منحصر ہے۔ البتہ نجات حاصل کرنے کے لئے ترک خواہشات نفسانی لازم ہے۔ نجات صرف پاک عقیدہ پاک ارادہ پاک گفتگو پاک روزی پاک رفتاری پاک کوشش پاک توجہ اور پاک تصور سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ فلسفہ گوتم بدھ میں مجردات کو چھوڑ کر محسوسات پر بہت زور دیا جاتا ہے اسکی تعلیم کا خلاصہ صرف تین باتوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

1- کرم یا عمل
2- قانون تغیر یا بے ثباتی
3- نجات

اس فلسفہ کی اہم بات یہ ہے کہ اس کے مفکرین روح کو نہیں مانتے۔

فلسفہ نیایہ:

اس فلسفہ کا بانی گوتم بدھ نام کا ایک مفکر ہے۔ مگر یہ گوتم بدھ ہرگز نہیں ہے۔ اس نے اپنے افکار کو نیایہ سوترا نامی کتاب کی شکل میں محفوظ کر کے چھوڑا ہے۔ جو پانچ جلدوں میں ہے۔ اس فلسفہ کی

بنیاد استدلال پر محیط ہے۔ یہ فلسفہ اسلامی فلسفہ علم الکلام سے مماثلت رکھتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محض تخیل اور تصور ہی سے حقیقت سے آگاہی ممکن نہیں۔ بلکہ حقیقت تک رسائی کے لئے درج ذیل وسائل اور تجویزوں کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اس فلسفہ کی بنیاد مندرجہ ذیل چار نکات پر ہے۔

1- محسوسات

2- استدلال

3- کلمات (گفتار حکماء)

4- موازنہ و تطبیق

فلسفہ نیایہ میں منطق کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے

(1) بیان (2) ثبوت (3) ثابت شدہ نفوس مسئلہ (4) سابقہ حقیقت کا بیان سے ربط (5) نتیجہ

جن مسائل پر فلسفہ نیایہ کے مفکرین نے تحقیق اور سوچ بچار کی ہے وہ یہ ہیں جان، نفس، اجسام، حواس خمسہ، عقل، حرکت، نواقص ذہن، تناسخ، رنج و خوشی کے احساس کا نتیجہ جسمانی و روحانی مصائب اور جمیع آلام سے نجات۔ فلسفہ نیایہ کے مفکرین کے نزدیک جان ایک جوہر ہے۔ جو نا قابل فنا ہے۔ وہ نفس کو بھی جوہر مانتے ہیں اور اسے بھی نا قابل شکست گردانتے ہیں۔ جبکہ مادی دنیا یا جسم کی تقسیم ذیل کے طریقہ سے کرتے ہیں۔

(1) عناصر اربعہ (2) آسمان (3) زمان (4) مکان

اس فلسفہ کے مفکرین کے مطابق اجسام ذرات سے مرکب ہیں۔ بذات خود حقیقت وجود سے بے بہرہ ہیں۔ جسم نفس اور حواس کا تعلق اسطرح بیان کرتے ہیں۔

1- جان ایک جوہر ہے جس کی صفت عقل یا علم ہے۔ جب اس کا نفس سے تعلق پیدا ہوتا ہے۔ تو اس پر علم کی روشنی پڑتی ہے۔

2- نفس علم کی روشنی سے زندہ ہو جاتا ہے۔ اور حواس کو روشنی پہنچاتا ہے۔

3- حواس نفس کے نور سے روشن ہوتے ہیں۔ اور چیزوں کو تابانی بخشتے ہیں۔

اس فلسفہ میں خدا کو علت اجسام اور نگہبان قرار دیا جاتا ہے۔ اور وہی اشیاء کو نیست و نابود کرنے والا ہے۔ لیکن یہ خدا کسی شے کو عدم سے وجود میں نہیں لاتا بلکہ موجودات کو صرف ترتیب اور صورت بخشتا ہے۔

فلسفہ سانکھیہ:

یہ بہت پرانا فلسفہ ہے اس کا زمانہ 800 سے 550 ق م بیان کیا جاتا ہے۔ یہ کپیلا نامی

فلاسفر کی فکری کاوشوں کا نتیجہ ہے اس فلاسفر نے اپنی تمام فکرات وساسو نام کی کتاب میں جمع کیے ہیں۔ جو دیکھنے میں تو مختصر سی ہے۔ مگر بہت ہی مشکل ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ بھی کپیلا نے خود لکھا ہے۔ بعد میں اس کے ایک شاگرد جس کا نام آسودی تھا نے اس خلاصے کی شرح لکھی۔ اس شرح کی شرح اس کے ایک شاگرد پنکا سیکھا نے لکھی تھی۔ فلسفہ سامکھیہ کی بنیاد دو حقائق پر انحصار کرتی ہے۔

(1) روح یا پروشہ (۲) پراکرتی یا وہ قوت جو عالم بادیات کی علت اتصال ہے۔ فلسفہ سامکھیہ میں علت اور معلول کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسے انفرادیت بھی کہا جاتا ہے۔ روح یا پروشہ غیر متغیر ہے یہی وجہ ہے کہ پراکرتی کی مانند ظاہری شکل میں متغیر نہیں ہوتی۔ بے حس مادے کی چیزیں بدبھی وغیرہ کی طرح اس سے ملتصق رہتی ہیں۔ اس لیے وہ باحس ہو جاتی ہیں اور غیر عامل معلوم ہونے لگتا ہے اس فلسفہ کے مفکرین اور پیروکار روح کو نہ علت مانتے ہیں اور نہ ہی معلول بلکہ اسے صرف ایک علم کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ جو ہمیشہ پراکرتی کے ساتھ ساتھ رہتی ہے اور روح کا یہ ساتھ دینا پراکرتی کی تاریک فضا اور بے شعوری کو علم کے نور سے روشن کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے پراکرتی میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اس حرکت کے پیدا ہونے سے جو کچھ نکلتا ہے۔ اس سے اشیاء جنم لیتی ہیں۔ الاور کائنات کا ظہور ہوتا ہے۔ علت معلول سے بہت زیادہ لطیف ہے اور ہر وقت معلول پر محیط رہتی ہے۔ مولانا رومی نے اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا۔

صورت از بے صورتی آمد بروں

بازشد انا الیہ راجعون

اس کو ایک اور طریقہ سے بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ یعنی لطافت کثافت سے مبدل ہوئی۔ اس طرح کثافت سے لطافت پیدا ہوتی ہے۔ گویا لطافت بے لطافت جلوہ پیدا نہیں کر سکتی تو عناصر اجسام پیدا ہوتے ہیں۔ یہی عناصر جو ہر بن کر قوت پیدا کرتے ہیں۔ اور پھر قوت پراکرتی بن جاتی ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ متواتر چلتا رہتا ہے۔ روح ایک ذات ہے اگرچہ مادی تغیرات سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن اصل میں جداگانہ حیثیت رکھتی ہے اور مادی تغیرات کا اس پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوتا۔ فلسفہ سامکھیہ کے منکرین خدا پر قطعاً یقین نہیں رکھتے۔ البتہ بعد میں آنے والے اتنا اقرار کرتے ہیں کہ خدا خالق نہیں مگر مخلوق کی نگرانی اور حفاظت ضرور کرتا ہے جبکہ یہ فلاسفر روح ہی کو حقیقی، ابدی اور ازلی قرار دیتے ہوئے اسے ہر عیب سے منزہ تصور کرتے ہیں۔

فلسفہ یوگ:

اس فلسفہ کے بانی کا نام پنجلی تھا۔ بعض جگہوں پر ان کا نام پتنجلی بھی لکھا ہوا ملتا ہے۔ اس فلسفہ نے زیادہ تر فلسفہ سامکھیہ کی تائید کی ہے۔ اس فلسفہ کی پہلی کتاب کا نام یوگ سوتر تھا۔ لیکن کہیں

اس کتاب کا نام پتنجلی سوتر بھی لکھا ہوا ملتا ہے۔ ابتداء میں یہ وادی سندھ سے ابھرا لیکن اس قدر مقبول ہوا کہ ہندوستان سے باہر نکل کر اس نے کئی مذاہب کو متاثر کیا ہے۔ اس فلسفہ میں ان کی ایک حقیقت پاک آواز ہے اور یہ بے عیب ہے اس میں کسی قسم کا کوئی نقص یا عیب نہیں۔ جان نے عقل نفس اور حواس کے ذریعہ جسم کے ساتھ اتصال کیا ہوا ہے۔

اور اس اتصال کی وجہ سے عارضی طور پر اپنی خصوصیات کھو دیتی ہے۔ عقل کو پراکرتی کی اول معلوم کہتے ہیں۔ اس پراکرتی پر ایک عنصر جو ستوہ کہلاتا ہے محیط ہے ستوہ کی خاصیت یہ ہے کہ پاک اور روشن ہے اسی وجہ سے عقل بھی آئینہ کی مانند شفاف اور روشن ہے۔ عقل کی مادی روشنی جان کی روشنی سے ایک الگ چیز ہے۔ عقل پراکرتی سے ملی ہوئی ہے اسی لیے اس میں علم نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ جبکہ یہ جان کی حقیقی قرابت دار ہے۔ اس لیے علم کے نور سے منور رہتی ہے اور عالم اور معلوم ایک جان ہیں اور جان میں حرکت نہیں ہے۔ یہ غیر متحرک ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر بھی واقع نہیں ہوتا۔ عقل سے متصل صورتوں سے گزرنے سے منعکس ہو کر متحرک ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لینی چاہیے۔ جان کو چاند سمجھو تو جس طرح چاند جاری اور بہتے ہوئے پانی میں اپنے عکس کی صورت میں تیزی سے متحرک نظر آتا ہے۔ یا بادلوں میں چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بالکل یہی حالت جان کی ہے۔ فلسفہ یوگ میں ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ دم کشی کا سبق سکھاتا ہے۔ یہ مشکل اور سخت ترین عبادت و ریاضت ہے یہ ایک دھیان مراقبہ یا سادھی ہے اور تصور کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ جب کوئی انسان اس بلند ترین مقام کو پالتا ہے۔ تو صرف خدا واحد کے خیال میں غرق ہو جاتا ہے۔

اس مرتبہ کو پا لینے کے بعد انسان فوق البشر بن جاتا ہے اور اسے ملکوتی صفات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس فلسفہ کا نصف العین ارتکاز اور تصور ہے۔ جب تک یہ حاصل نہ ہو جائیں حقیقت سے آگاہی نہیں ہوتی جو تبدیلیاں عقل میں ظاہر ہوتی ہے۔ انہیں اطوار قلب یا ذہنی کیفیات کہا جاتا ہے۔ ان کی تعداد شمار سے باہر ہے مختصر ان کی وضاحت حسب ذیل ہے جان جب چیزوں کو عقل کی تختی پر دیکھتی ہے تو اسے گمان ہوتا ہے کہ وہ متحرک ہے اور اسے اشتباہ ہوتا ہے کہ وہ ابھی ماں کی کوکھ سے پیدا ہوئی ابھی بچہ کی حالت میں ہے اب جوان ہو گئی اور آخر میں مر بھی گئی ہے۔ لیکن یہ سب باتیں درست نہیں ہیں کیونکہ نہ تو اس کا آغاز ہوتا ہے اور نہ ہی انجام۔ اسے اشتباہ ہوتا ہے کہ وہ ابھی ماں کی کوکھ سے پیدا ہوئی ابھی بچہ کی حالت میں ہے۔ فلسفہ یوگ اس سے بچنے کے لیے تین حقیقتیں بتاتا ہے۔ جنہیں اصل کہتے ہیں۔

1- جسم کی صحت

2- تفکر توبہ اور مراقبہ

3- تحمل برداشت اور ان کی متعلقات

جب تک انسان اپنے آپ کو ان تمام باتوں کا عادی نہیں بنا لیتا۔ اسے حقیقت حاصل نہیں ہوتی اس کے علاوہ تیسری اصل میں یہ بھی ہے کہ آزادی ارادہ گفتگو اور رفتار و کردار کو بھی پابند رکھا جائے۔ اس کے علاوہ تیسری اور ہر کام میں سچائی اختیار کی جائے یہاں تک کہ انسان کے خیالات بھی بھٹک نہ پائیں۔ چوری سے اجتناب کیا جائے کسی کا حق غصب نہ کیا جائے۔ کسی سے بخشش نہ لی جائے کیونکہ یہ خیرات یا رشوت کہلاتی ہے۔ فلسفہ یوگ میں انسانوں کو یہ بھی تاکیداً سکھایا جاتا ہے کہ وہ اپنے جسم کی صفائی پاکیزگی کا حد سے زیادہ خیال رکھیں۔ نشت کے طریقے سیکھیں تاکہ سچے دل سے ذکر و فکر کر سکیں۔

فلسفہ ویدانت:

یہ فلسفہ ہندوؤں کے تمام مذاہب میں شامل ہے یہ اسلامی عقیدہ اور فکر کے علاوہ مسیحی عقیدہ فکر سے بھی ملتا جلتا ہے۔ اس کا ویدوں کی تعلیم سے زیادہ تعلق ہے۔ اس فلسفہ میں مذہبی رسوم پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ فلسفہ ویدانت فکر اور عرفان کا اخلاق سکھاتا ہے اور روحانی بناتا ہے۔ ہندو اسے تصوف کہتے ہیں۔ ایسا کہنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس فلسفہ کے افکار حکمت اور دیانت سے حل کر رہے ہیں۔ اس فلسفہ میں تزکیہ نفس پر بحث کی گئی ہے۔ نیز برہمناس میں بھی وید کی بیان کردہ رسوم کی تشریح تفصیل کے ساتھ قلمبند کی گئی ہے۔ اس فلسفہ کے پیروکار اور مفکرین وید برہمناس اور پانی اشد کو الہامی کتابیں مانتے ہیں۔ وید کی نظم دنیا بھر میں قدیم نظم مانی جاتی ہے۔ جبکہ دوسری دونوں کتب بعد کی تحریر ہیں۔ جب ان کا مطالعہ کیا جائے تو بھی ان کی ترتیب سے کام لیا جاتا ہے۔ جب اس فلسفہ کے پیرو جوانی میں قدم رکھتے ہیں۔ تو وید کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ادھیڑ عمر میں برہمناس پڑھی جاتی ہے اور آخری یعنی بڑھاپے میں پانی اشد پڑھتے ہیں۔

فلسفہ ویدانت کا روح سے متعلق نظریہ:

اس فلسفہ میں روح کو حقیقت مانا جاتا ہے۔ جس میں شعور قائم ہے۔ لیکن یہ شعور اس کی لازمی خاصیت نہیں۔ فلسفہ سانکھیہ کے مفکر روح کو ہی شعور مانتے ہیں لیکن تعلیم یہ دیتا ہے کہ روحوں کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ یعنی لامحدود ہے۔ فلسفہ ویدانت نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ روح بذات خود نہ صرف شعور ہے بلکہ تمام ذی حس موجودات میں بھی ایک ہی ہے۔ روح اور خدا ایک ہی ہیں سوائے اس بات کے کہ روح جہل سے مخمور ہو کر دنیا میں آتی ہے اور مصیبتوں میں گھر جاتی ہے اور مصیبتوں اور دکھوں سے نجات جہالت کو دور کر کے حاصل ہوتی ہے اور اصل حقیقت کو پہنچ جاتی ہے۔

فلسفہ میماسیہ:

اس فلسفہ کا بانی جے منی نام کا ایک مفکر ہے۔اس فلسفہ کو علم الکلام کی حیثیت حاصل ہے اور وید کی حقانیت اور عظمت کو علم الکلام ہی ثابت کر دکھاتا ہے وید کو ازل سے ابد تک قائم رہنے والی تسلیم کرتا ہے۔ جو سب سے قدیم ترین ہے۔فلسفہ میماسیہ کے مفکرین یہ نہیں مانتے کہ وید کو خدا نے لکھا۔ بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ خود بخود درشیوں کی زبانوں پر جاری ہو گئے تھے۔انہوں نے انہیں مرتب کیا۔ ان کو الوہیت کا مقام و مرتبہ دیتے ہیں۔اس فلسفہ کے پیروؤں کا کہنا ہے اس پر بلا حیل و حجت و چوں چرا عمل کیا جائے وید کے گیتوں کو وہ اندر دیوتا مترہ دروتہ اشون اور اگنی کی بخشش سمجھتے ہیں یعنی ان کا تعلق ان دیوتاؤں سے ہے اور انہیں مظاہر قدرت اور آسمانی تارے سمجھتے ہیں۔اس فلسفہ میں خدا کا کوئی وجود نہیں بلکہ روح اور کائنات میں رائج قانون ہی ازلی و ابدی مانتے ہیں۔اس کے مفکرین نے وید کو بہت ہی بلند و بالا مقام و مرتبہ دے رکھا ہے۔یہاں تک کہ اوپر ذکر کیے گئے۔

دیوتا بھی وید کے آگے ماند پڑ جاتے ہیں۔یہ اپنی عبادت کو دیوتاؤں کی عبادت سے بھی اہم اور زیادہ خیال کرتے ہیں۔ان کے نزدیک دیوتا اتنی ہمت نہیں رکھتے جتنی وہ رکھتے ہیں ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جن شعرا نے وید کے گیت گائے یا لکھے ہیں وہ ان کے رائج کرنے والے ہیں۔نہ کہ خشتم ان کا کہنا ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی نیک پاک کیوں نہ ہو اس کی بات میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی نقص ضرور ہوتا ہے۔جبکہ وید ازلی و ابدی ہیں۔جملہ نقائص اور خامیوں سے پاک ہیں اگر کوئی شک کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی عقل کا شک ہے نہ کہ وید کا ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر انسان کی عقل درست اور فطرتی استعداد صحیح ہو تو اسے سب کچھ درست محسوس ہوگا۔اسی لیے وہ اپنے قدماء مفکرین کے فرامین اور اخذ شدہ نتائج کو سو فیصد درست اور سچ مانتے ہیں۔ان سب سے بڑھ کر احکامات وید کو سچ مانتے ہیں اور ان کے مطابق عمل کرتے رہنے پر بھی زور دیتے ہیں۔جن مذہبی رسومات کا وید میں ذکر ہے۔انہیں اسی طرح ادا کرنا چاہیے۔جس طرح کرنے کا حکم وید میں ہے۔اسکے علاوہ نیاز اور قربانی بھی دیتے رہنا چاہیے جن کاموں اور اعمال کے کرنے سے وید مخالفت کرتے ہیں۔ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔اگر وید کی پیروی نہ کی جائے گی تو انسان آسمانی برکت اور بہشت میں داخلے سے محروم رہے گا۔ان مفکروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ وید کا علم روح اور جسم کے اتصال کا پابند ہے جونہی روح جسم سے الگ ہو گی۔تو علم بھی پابندی سے آزاد ہو جائیگا۔کیونکہ روح کا مطلب حیات ہے اور زندگی کی عقل ذیل کے وسائل کی مرہون منت ہے۔اس فلسفہ کے ماننے والے قربانی نیاز یا مذہبی رسوم دینے کا مطلب دیوتا کو خوش کرنا نہیں مانتے بلکہ صرف اور صرف وید کا حکم سمجھتے ہوئے بجالاتے ہیں کیونکہ یہ وید کا حکم ماننا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔اس کے نتیجے سے انہیں کچھ غرض نہیں ہوتی۔فلسفہ میماسہ

میں سب سے بڑی خوش بختی ابدی حرکت اور بہشت جاوید خیال کرتے ہیں۔

وہ لوگ یہ بھی مانتے ہیں کہ احکامات وید پر عمل کرنے سے روح پاک ہو جاتی ہے۔ روح کا معلومات سے کسی قسم کا تعلق یا واسطہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے مرنے کا کوئی دکھ بھی نہیں ہوتا اور اسی بات میں اس کی صفت حیات مخفی ہے۔ یہ بھی اس لیے کہ وہ خود ہی ایک ذات ہے۔

فلسفہ شنکر اچاریہ:

اس فلسفہ کے بانی کا نام شنکر اچاریہ تھا۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شنکر اچاریہ نویں صدی میلادی میں حیات تھا۔ جبکہ کچھ اس سے بھی قدیم بیان کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ مشرق میں قدامت کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ شنکر اچاریہ حقیقت کو یگانہ مانتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ کسی شے کو حقیقی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ ہر چیز کو دو پہلو بتاتے ہیں۔ ایک کو ظاہر کا نام دیتے ہیں۔ جبکہ دوسرے کو باطن کہتے ہیں۔ جو کچھ بھی انسان اپنے حواس خمسہ کی بدولت محسوس کرتا ہے۔ وہ صرف خیالی اور وہوم ہوتا ہے۔ اپنی اس بات کی وضاحت وہ سحر (صبح) سے کرتے ہیں۔ جو روز روشن کی طرح روشن ہوتی ہے مگر دن نہیں ہوتی۔ حقیقت گو ازلی و ابدی ہوتی ہے لیکن وہ ہر لحہ کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ کبھی بادلوں کی کثرت اس کے جمال کو ڈھانپ لیتی ہے اور کبھی اس کے جمال کی چمک بادلوں کو بھی ماند کر دیتی ہے۔ کثرت نمائی یا سایا ایک نقش خیالی کی طرح حقیقت ازلی صفات میں سے ایک ہے جب ہم کثرت میں وحدت کا دیدار کرتے ہیں۔

تو یہ ہماری جہالت کا حجاب ہوتا ہے اور ہمیں اس حجاب کے بارے کچھ بھی علم نہیں ہوتا۔ کہ یہ کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کیسے آیا ہے؟ لیکن حق الیقین کی وجہ سے جانتے ہیں کہ یہ (حجاب) ہے اور ہمیں اس نے اپنے قبضہ میں کیا ہوا ہے۔ جب یہ حجاب ہماری آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جائیگا تو ہم حقیقت کو بے حجابانہ دیکھ سکیں گے۔ فلسفہ شنکر اچاریہ کے پیروصوفیائے اسلام کی طرح نظریہ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ہمیں اپنی زندگی ذیل کے طریقے سے گزارنا ہے۔

1- بزرگان سلف کا مکمل اور غور کے ساتھ مطالعہ کریں اور اس وقت تک کسی استاد کامل سے اس کی شرح سیکھتے رہیں۔ جب تک استاد خود نہ کہہ اٹھے کہ تم نے میری بات خوب اچھی طرح سن اور سمجھ لی ہے۔

2- اپنے حواس اور حیوانی نفس کو کلی طور پر رحمانی نفس کے حوالے کر دیں۔

3- عشق حقیقی اور آزادی کے علاوہ رہبانیت اختیار کریں۔

فلسفہ رامانوج:

فلسفہ رامانوج فلسفہ شنکر اچاریہ کی ضد ہے یہ فلسفہ کائنات کی موجودات کو حقیقت گردانتا ہے۔ بھگتی عشق و محبت کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ فلسفہ رامانوج کے مفکرین مادہ اور روح کو حقیقت یگانہ خیال کرتے ہیں۔ روح کو باشعور مانتے ہیں جبکہ مادہ کو بے شعور بیان کرتے ہیں۔ خدا سے متعلق ان کا نظریہ ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے اور تمام صفات کا مالک ہے دانا اور طاقت والا ہے۔ مادہ اور روح کا مالک بھی وہی ہے عبادت اس کی کرنی چاہیے۔ روح کو نہ تو خدا مانتے ہیں اور نہ اسی سے ملتی جلتی کوئی شے۔

موت آتی ہے تو جسم فنا ہو جاتا ہے اور روح آزاد ہو کر پرواز کر جاتی ہے اور اپنی مرضی اور جبلت سے جس جسم میں چاہتی ہے داخل ہو جاتی ہے۔ روحیں لاتعداد ہیں اور یہ تصور عقل کی انتہا ہے اس لیے اس کو آنو کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں بہت زیادہ عقل والی جوہر قائم رہتے ہیں اور اعمال کی وجہ سے جسم اختیار کر لیتے ہیں۔ جس وقت یہ جسم اختیار کرتے ہیں۔ گویا جسم کی جیل میں اکر قید ہو جاتے ہیں۔ جب آزاد ہوتے ہیں تو جسم کی قید ختم ہو جاتی ہے۔ جسے موت کا نام دیا جاتا ہے۔ روح محدود ہے جبکہ خدا لامحدود ہے روح میں جب خدائی صفات پیدا ہو جاتی ہیں تو خودنمائی ضروری ہو جاتی ہے۔ جیسے لوہے کو بہت زیادہ گرم کیا جائے تو روشنی دینے لگ جاتا ہے لیکن رہتا لوہا ہی ہے۔ فلسفہ رامانوج اسلام کے فلسفہ تصوف سے کافی ملتا جلتا ہے لیکن ان کی بنیادیں الگ الگ ہیں۔ ہمیں یہ بات بھی ماننا پڑتی ہے۔ صوفیائے ہندوستان ہندوؤں کے فلسفہ ویدانت اور ترکیب ریاضت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ ذرا ویدانت اور تصوف کا اتصال تو دیکھیں۔

1- امتیاز سچ اور جھوٹ

2- نفسانی خواہشات کے خلاف جنگ

3- ضبط نفس و حواس

4- عشق

شاید یہی وجہ ہے کہ بھگوت گیتا کی حکمت و ریاضت ہند کا نچوڑ کہا جاتا ہے۔ جو نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اب چند باتیں اسلامی فلسفہ سے متعلق پیش ہیں۔

1- اسلام میں تعلیمی فلسفہ کی بنیادیں اسلامی فلسفہ حیات کے اصولوں پر کھڑی کی گئی ہیں۔ اس کی کوئی الگ حیثیت نہیں اس کے علاوہ یہ حیات انسان اور کائنات کے اسلامی تصورات کی ہی نمائندگی کرتا ہے۔

2- اسلامی نظریہ اگرچہ نہ صرف فطری اور سائنسی حس ہے بلکہ ارکان اسلام پر ایمان رکھتے ہوئے اسلامی مقدمات کو مدلل طریقہ سے طاقتور اور پکا کرتا ہے۔
3- فلسفہ اسلامی کو ہر ظاہری پر تفصیلی اور استدلالی نظر آتا ہے لیکن مرکزی طور پر یہ روایتی اور قدیم اصولوں پر قائم ہے۔
4- اسلامی فلسفہ کی نظر میں کائنات اور عالم اقدار کی الگ الگ نمایاں شاخیں ہیں۔
5- جو فلسفہ مندرجہ بالا شاخوں کی وجہ سے جنم لیتا ہے وہ ایمان اور استدلال کی بے نظیر اور عمدہ امتزاج کی ترجمانی کرتا ہے۔
6- فلسفہ اسلامی میں ایمان زندگی اور کائنات کے یقینی مآخذ قرآن اور حدیث ہیں۔
7- فلسفہ اسلامی میں انسان اور کائنات کی خلقت بامقصد ہے اور وہ مقصد ہے انسان کی شخصیت میں صفات رحمانی کا پیدا کرنا۔

اسلامی فلسفہ کے کچھ بنیادی اصول بھی ہیں۔

1- حقیقتِ مطلق .... خدا کی وحدانیت کا قانون۔
2- حقیقت زندگی کون و مکان اور انسان کے علاوہ اقدار مقرر کرنے میں قرآن و حدیث کو بنیادی مقام حاصل ہے۔
3- اسلامی کلی نظریہ میں ہر قسم کی تعلیم مذہبی اور روحانی مقاصد کے ماتحت ہوتی ہے۔
4- اسلامی تعلیم کے دو مقاصد ہیں۔ (1) حسنات دنیا (2) حسنات آخرت
5- تعلیمی تنظیم کی بنیاد زندگی اور کردار کے سلسلہ میں اسلام کے پیش کردہ اصولوں خصوصاً اخوت اور مساوات پر قائم کی گئی ہے۔
6- بچوں کی تعلیم کی تمام ذمہ داری اور اس کا اختیار والدین کو دیدیا گیا ہے۔ وہی اس کا جواب بھی دیں گے۔
7- پیشہ ورانہ اور عملی پہلوؤں کو بے شک زندگی کے ہر شعبہ میں روشناس کرایا گیا ہے۔ مگر روحانی اور اخلاقی پہلوؤں پر بہت زیادہ توجہ دلائی گئی ہے۔ کسی اور پر اتنی توجہ نہیں دی گئی۔
8- نظام تعلیم میں عدم مرکزیت پر بھی زور دیا گیا ہے لیکن اس میں ردو بدل بھی ہو سکتا ہے۔
9- ہر قسم کے توہمات اور روایات سے چھٹکارا اور رہائی حاصل کرنا۔
10- زندگی کی مختلف مذہبی و غیر مذہبی صورتوں کی تکمیل کے پیش نظر درسگاہ کا نصاب تیار

کرنا بھی ضروری ہے۔

11- مساویانہ انداز فکر و عمل

12- علم حاصل کرنے سے ذوق و تحقیق کے جذبہ کا پایا جانا۔

13- عوام کی دلچسپی کی نئے سرے سے تعمیر کرنا۔

14- تعلیم کو عام کرنے کا نظام قائم کرنا۔

15- بہتر اسلامی اور دنیاوی تعلیم کے حصول کے لیے مسجد کو بطور تعلیمی ادارہ کے استعمال کرنے کی اجازت۔

فلسفہ اسلامی کی رو سے نظریہ حیات:

1- حقیقت مطلق کا مکمل علم حاصل کرنا ممکن نہیں خداوند کریم حقیقت مطلق ہے تمام صفات جیسے خالق، مالک، رزاق وغیرہ صرف اس کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔ وہ قادر مطلق اور لامحدود ہے اسی لیے انسان کے عقلی اور حسی علم کے احاطہ میں نہیں آتا۔

2- حقیقت مطلق واحد ہے۔ وحدہ لا شریک ہے عالم الغیب ہے زندہ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا صاحب حکمت ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء اسی کے حکم کی منتظر اور محتاج ہیں۔

3- حقیقت مطلق یعنی خدا کو زوال نہیں جبکہ دیگر تمام اشیاء فنا ہو جانے والی ہیں۔ دنیا میں پائی جانے والی کسی شے کو قیام نہیں یہ زندگی بھی عارضی ہے اور محدود مدت تک کے لیے ہے۔ دنیا کی ہر چیز عالم مثال میں پائی جاتی ہے۔

4- حقیقت کائنات اور انسان با مقصد ہیں یہ مقصد انسان کے اندر صفات الہیہ پیدا کر کے اسکی تکمیل کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کا واضح اشارہ آیت الکرسی تیسرے پارے میں سورۃ البقرہ آیت 255 میں موجود ہے۔

5- حقیقت مطلق یعنی اللہ تعالی کا علم تمام کائنات کے علوم پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

فلسفہ اسلامی کی رو سے نظریہ علم:

فلسفہ اسلامی کے نقطہ نظر کی رو سے نظریہ علم کو جاننے کے لیے انسان کو ایمان و یقین کے ارتقائی درجات سے واقف ہونا لازمی ہے۔ جبکہ یقین باللہ کے درج ذیل تین مدارج ہیں۔

(1) استخراجی علم (2) مشاہداتی علم (3) تجرباتی علم

استخراجی علم وہ ہوتا ہے جس میں آدمی مقلد ہی رہتا ہے اور یہ علم کا سب سے کمتر درجہ ہوتا ہے۔ جبکہ تجرباتی علم اور مشاہداتی علم بلند مرتبہ ہوتے ہیں۔ اور علم صحیہ کی قریب ترین صورت ہے۔ امام غزالی نے تعلیمی فلسفہ کے لیے تین درجات وضع کیے ہیں جنہیں تعلیم میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اسلامی فلسفہ کی رو سے نظریہ اقدار:

چونکہ کائنات کا وجود میں آنا ایک بامقصد عمل ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے تحت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بھی نظریہ اقدار کی اسلامی تعلیم میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔

1- تمام اقدار میں روحانی اور غیر روحانی عناصر موجود ہیں۔

2- یہ تمام اقدار انفرادی اجتماعی اور سماجی حیثیت کی حامل ہیں۔

3- یہ اقدار انسان کو جہاں رب العالمین سے ملاتی ہیں۔ وہاں اپنے بھائی بندوں سے بھی ملاتی ہیں۔

4- انسانیت کی عظیم ترین قدر شخصیت کی تکمیل ہے جس کا مطلب ہے صفات الیہ سے فائدہ۔

تحریک برہما سماج

پہلا دور برہما سماج کا قیام (1828)

دوسرا دور دیوندر ناتھ ٹیگور کی اصلاحات (1842 - 1865)

تیسرا دور کیشب چندر سین کی اصلاحات (1838 - 1894)

برہما سماج کا قیام:

رام موہن رائے برہما سماج کے بانی نے اگست 1828ء میں برہما سبھا کے نام سے ایک نئی مذہبی جماعت کی بنیاد رکھی۔ بعد میں اس کا نام برہما سماج رکھا گیا۔ رام موہن رائے بہت بڑا عالم فاضل تھا۔ اس نے ہندی وسنسکرت کے علاوہ عربی اور فارسی کی تعلیم بھی پائی تھی۔

ان مقامی زبانوں کے علاوہ اس نے انگریزی، فرنچ، لاطینی اور عبرانی کا بھی مطالعہ کیا۔ اس کا ذریعہ معاش سرکاری ملازمت تھا۔

39 سال کی عمر میں وہ ملازمت چھوڑ کر کلکتہ میں مذہبی خیالات کی اشاعت میں مصروف ہو گیا۔ اس نے مذہبی کتب کا سنسکرت سے بنگالی اور انگریزی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔

اس نے فارسی زبان میں ایک کتاب توحید پر لکھی اور اس کا دیباچہ عربی زبان میں تحریر کیا۔

1830ء میں اس نے اپنی کتاب "یسوع کے احکام" بنگالی زبان میں لکھی۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت سے انکار کیا۔ اس کتاب کی اشاعت پر "سیرامپور کے مشنریوں" نے اس کی بے حد مخالفت کی اور بحث و مباحث کا بازار ہو گیا۔

1831ء میں رام موہن رائے وکالت کی تعلیم کے لیے انگلستان چلا گیا اور 1833ء تک وہیں مقیم رہا۔ 1833 میں وہ برسٹل روانہ ہو گیا۔ اور وہیں بخار کے مرض میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ اس کی قبر "آرنوزویل" کے قبرستان میں موجود ہے۔

نظریات و افکار:

رام موہن رائے بُت پرستی کا مخالف تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں اس نے بت پرستی کے خلاف بنگالی زبان میں پمفلٹ شائع کرنے شروع کر دیے تھے۔ وہ مورتی پوجا کا شدید مخالف اور توحید کا قائل تھا۔ ذات پات کا شدید دشمن تھا۔

برہمن ہونے کے باوجود مساوات انسانی کا علمبردار تھا۔ اسی کی کوششوں سے ستی (Sati) جیسی ظالمانہ اور عورت کے حقوق کی نفی کرنے والے رسم بند ہوئی۔ پڑھے لکھے ہندو رام موہن رائے کے خیالات و نظریات سے بہت متاثر تھے۔ وہ کثرت ازواج اور بچپن کی شادی کا بھی مخالف تھا۔

برہما سماج کا دوسرا دور:

رام موہن رائے کی موت کے بعد دیوندر ناتھ ٹیگور برہما ساج کا سربراہ بنا۔ چونکہ بارہ سال تک یہ جماعت کسمپرسی کی حالت میں رہی۔ رام موہن رائے نے جو روح پیدا کی تھی وہ مرتی جا رہی تھی کہ 1842 میں مہاشی دیوندر ناتھ ٹیگور (رابندر ناتھ ٹیگور کے والد) نے اس جماعت کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

دیوندر ناتھ کی پرورش اور تربیت کسی فرقے یا مذہبی دباؤ میں نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے ان میں تنگ نظری پیدا نہیں ہوئی تھی۔ 1839ء میں تتو وابودھنی سبھا کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی اس کی دوسری سالگرہ کے موقع پر دیوندر ناتھ نے کہا۔ انگریزی تعلیم کی اشاعت کے باعث اب ہم جاہلوں کے مانند لکڑی اور پتھر کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش نہیں کر سکتے۔ 1844ء میں وہ برہمو ساج میں شامل ہو کر ہندو ازم کی تجدید کرنے لگے۔ انہوں نے اس تحریک کی خدمت کے لیے ایک مطبع شروع کیا اور ایک رسالہ جاری کر دیا۔ دیوندر نے برہما ساج کے ہر رکن کے لیے لازمی قرار دیا کہ وہ رکنیت اختیار کرتے ہوئے حلف دے گا۔ کہ

1- وہ بُت پرستی سے پرہیز کرے گا۔
2- وہ اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر اس کی عبادت کرے گا۔
3- وہ وہی کام کرے گا جو اللہ کو پسند ہے۔

نظریات و افکار:

دیوندر ناتھ ٹیگور ویدوں کو ہر قسم کی غلطیوں سے پاک نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے متعلق فرماتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ تمام انسان جن میں ادنیٰ طبقے کے لوگ بھی شامل ہیں۔ ایک خالق کی پرستش کریں۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا وہ اسی طرح کرتے رہیں۔ لیکن جو یہ نہیں کر سکتے

ان کو اس امر کی آزادی ہو کہ وہ کوئی آسان طریقہ اختیار کر لیں۔ جس کے مطابق وہ خدا کے دھیان میں مگن ہو سکیں۔ ہندوؤں کے لیے زہد و ریاضت مندر اور عبادت کے مخصوص طریقے غیر ضروری ہیں۔ چونکہ عبادت کی مخصوص شکل و صورت کی ضرورت نہیں بلکہ روحانی جذبے کی ضرورت ہے۔ گناہ سے بچنا اور خدا سے معافی ہی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ خدا کے بارے میں حصول علم کے ذریعے دو ہیں۔ فطرت اور وجدان اس کے لیے اور کوئی کتاب مستند نہیں۔ دیوندر نے عبادت کے لئے ایک طریقے کو بیان کیا۔ جس کو براہم پاس کہا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک بت پرستی خلاف عقل و فہم تھی۔ وہ ویدوں کو بھی خالی از نقص نہیں جانتا تھا۔ برہمو سماج والوں کو عبادت کا کوئی بھی طریقہ اختیار کرنے کی آزادی تھی۔

برہما سماج کا تیسرا دور:

کیشب چندر سین 1857ء میں سماج میں شامل ہوئے تھے۔ دیوندر ناتھ نے کیشب چندر کو کلکتہ سماج کا خادم مقرر کیا۔ دونوں نوجوان برہمو سماج کی ترقی اور نوجوانوں کی تربیت میں کوشاں رہے۔ ٹیگور کے ساتھ ہی برہمو سماج کی قیادت میں کیشب چندر سین کا بھی بڑا حصہ تھا۔

سین سماج کے دوسرے معروف نظریات کی اشاعت کے علاوہ بیواؤں کی شادی پر بڑا زور دیا۔ بت پرستی کے علاوہ توحید خداوندی کا حامی تھا۔ اس نے مختلف ذاتوں بلکہ فرقہ کے درمیان شادی بیاہ کا اصول قائم کیا۔ بعد میں ٹیگور کے ساتھ اس کے کچھ اختلافات ہو گئے اور سماج دو حصوں میں بٹ گئی۔ سین نے سماج کے نظام اور عقائد کو مزید وسعت دی اور ہر مذہب کے لوگوں پر اس کے دروازے کھول دیئے۔

مشرقی ممالک کے علاوہ بعض مغربی ممالک بلکہ امریکہ میں بھی برہمو سماج کی تبلیغ ہوئی اور سین نے خود مغربی ممالک کے دورے کیے۔ برہمو سماج کی تحریک ایک آزاد خیال فلسفیانہ قسم کی تحریک تھی۔ اس میں توحید الٰہی پر زور دیا جاتا تھا۔ اس تحریک کا لب لباب حسب ذیل ہے:

نظریات و افکار:

1- وہ ذات پات کے دستور کا مخالف تھا۔
2- بچپن کی شادی کے دستور کا شدید مخالف تھا۔
3- بیواؤں کی دوسری شادی کو رواج دینا چاہتا تھا۔
4- مختلف فرقوں میں باہم شادیوں کا زبردست حامی تھا۔
5- خدا کی توحید کا قائل تھا۔

6- نجات کا ذریعہ عبادت کو قرار دیتا تھا۔

7- فطرت کو مذہبی کتاب قرار دیتا تھا۔

8- فطرت کو ہی حکمت و دانش کا ذریعہ کہتا تھا۔

9- اس کے نزدیک عبادت کا مدعا دلوں کی پاکیزگی تھا۔

برہما سماج کے بنیادی عقائد:

رام رائے موہن دیوندر ناتھ اور کیشب چندر سین نے زندگی بھر جن نظریات و افکار کی اشاعت کی اس سے برہما سماج کے چند بنیادی عقائد اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

1- اصلی اور ابدی ایک رب برتر ہے۔ اس کی شان میں جو کہے تھوڑا ہے۔ وہ نیک اور رحیم ہے۔

2- وہ مبارک اللہ سراسر روح ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی شکل اور شبیہ نہیں۔

3- صرف اس کی پرستش اور اطاعت سے اس دنیا میں اور آنے والے وقت میں خوشی حاصل ہوتی ہے۔

4- بندگی اور ستائش اس کی پرستش ہے اور نیکی اور بھلائی کرنا اس کی عبادت اور اطاعت ہے۔

انسان کی روح جب تک گناہوں سے پاک نہ ہو اور عنایات ایزدی شامل نہ ہو۔ تب تک وہ آواگون کے چکر میں پھرتی رہتی ہے۔

برہمو سماج کے بعض خیالات اور عقائد مسلمانوں کے بنیادی عقائد سے کچھ ملتے جلتے ہیں۔

برہمو سماج اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ضرور قائل ہیں لیکن الہام قبولیت دعا اور خوارق کے منکر ہیں۔

برہما سماج کا طریقہ عبادت:

برہما سماج کا طریقہ عبادت چار حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

1- اپنشدوں کی عبارت کو دہرایا جاتا جو سنسکرت زبان میں ہوتے تھے۔ انہیں صرف برہمن ہی پڑھتا تھا۔

2- اپنشدوں کا ترجمہ بنگالی زبان میں سنایا جاتا تھا۔

3- خطبہ یا وعظ بنگالی زبان میں دیا جاتا تھا۔

4- رام موہن رائے اور ان کے دوستوں کی کہی ہوئی موحدانہ نظموں کو سنسکرت یا بنگالی زبان میں پڑھا جاتا تھا۔

برہما سماج کے نتائج واثرات:

برہما سماج کی تحریک نے ہندوؤں پر جو اثرات مرتب کیے ان کا خلاصہ نکات کی صورت میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

1- مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا جانے لگا۔
2- تعلیم یافتہ ہندو دیگر ادیان کی تعلیمات کو قبول کرنے لگا۔
3- بت پرستی اور دیگر مشرکانہ رسوم کے خلاف نفرت اور بے زاری میں اضافہ ہوا۔
4- عقیدہ توحید نے ہندوؤں پر فروغ پانا شروع کر دیا۔
5- ہندومت میں پہلی بار عوامی سطح پر مل کر عبادت کرنے کا رجحان ظاہر ہوا۔
6- ہندومت کی نفرت انگیز اور ظالمانہ رسومات کے خلاف اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا۔

آریا سماج:

جنوبی ہند کے ذریعے ہندومت نے اسلامی اثرات قبول کیے۔ مشرقی علاقے سب سے پہلے عیسائیت اور اسلام سے متاثر ہوئے۔ برہما سماج کے پیروکاروں نے ان الہامی مذاہب کے اصول کو اپنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے طریقہ عبادت بھی ان ہی لوگوں سے لیا۔

شمالی ہند میں ان رجحانات کے خلاف زبردست ردعمل ہوا ایک فرقہ ایسا پیدا ہو گیا جس نے لوگوں کو ویدک دھرم کی طرف دعوت دی اور ویدوں کے اس اضافے کو برہمنوں نے ختم کر دینے کی کوشش کی۔

یہ فرقہ آریہ سماج کہلایا۔ اس فرقہ کا قیام ہندی عوام کو عیسائیت سے بچانے کے لیے عمل میں لایا گیا۔ ہندو مصلحین نے اس امر کو شدت سے محسوس کیا۔

اگر ہندو دھرم کو عیسائیت سے محفوظ رکھنا ہے تو صرف ایک ہی صورت ہے کہ ہندو عقائد و اعمال میں بنیادی اصلاح کی جائے اور بالخصوص ایسی چیزوں کو جن کے باعث عوام ہندومت سے بد ظن ہو کر عیسائیت قبول کر رہے ہیں۔ جلد از جلد ختم کر دیا جائے۔ مثلاً ذات پات کی تفریق بیواؤں کی شادی کا ممنوع ہونا وغیرہ۔

دیانند نے اپنے خیالات کی اشاعت کی غرض سے ملک کے طول و عرض کا دورہ کیا۔ دیگر مذاہب کے علما سے زبردست مناظرے کیے۔ متعدد کتابیں لکھیں جن کی تعداد انیس ہے ان میں زیادہ تر ویدوں کی تفسیریں اور دیگر مذاہب پر تبصرے ہیں۔

آریا سماج کا مرکز پنجاب کا علاقہ تھا۔ اس فرقے نے ہندوستانی سیاست کو بے حد متاثر

کیا۔ سیاسی خودمختاری کا نظریہ اسی فرقے کی جانب سے پیش ہوا۔ اسطرح یہ فرقہ سیاست کے میدان میں بھی عیسائیوں کا حریف ثابت ہوا۔ اس مذہب کے پیرو آج بھی پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ہندوستان کی آبادی کا تقریباً پانچواں حصہ ہیں۔

آریا ساج کی تعلیمات:

سوامی جی نے ہندوؤں کے کل شاستروں کو سوائے چار وید کے مسترد کر دیا اور ویدوں کی مروجہ شرحوں پر شدید نکتہ چینی کی اور ان کے بے شمار مطالب کے ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے برہمنوں کے اس خیال کی دھجیاں اڑا دیں کہ وید صرف برہمن پڑھ سن سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا ویدوں کے علم کا دروازہ ہر آدمی کے لیے کھلا ہے اور ذات پات کی تمیز پر خاص ضرب لگائی۔ انہوں نے بت پرستی اور متعدد دیوتاؤں کی پوجا ویدانت کے مسئلہ وحدت وجود اور اوتار کے مسائل کو نا قابل قبول قرار دیا۔ اور اگنی وایو جل سورج چاند وغیرہ کی طرح طرح سے تاویلیں کیں۔ اگرچہ آریا ساج ایک خدا کے پرستار ہونے کے مدعی ہیں۔

ساج کے ممبر بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہر ممبر ساج کو اپنی آمدنی کا ایک فیصد دے اور دس اصولوں کو قبول کرے۔ پہلے تو خدا اور ویدوں کی صفات کے متعلق ہیں۔ چھ اصولوں کا تعلق اخلاقی چلن سے ہے اور دس اصولوں کو ذاتی معاملات میں آزادی دینا ہے لیکن کسی ممبر کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ ساج کے مفاد میں مخل ہو۔

آریہ ساج کے تین معرکۃ الارا نظریات ہیں جن کی رو میں مسلمان علماء نے بہت کچھ لکھا ہے۔ پہلا نظریہ ہے کہ مادہ اور روح اللہ کی طرح ازلی اور ابدی ہے اور غیر مخلوق ہیں۔

دوسرا نظریہ تناسخ ہے۔ تیسرا نظریہ نیوگ ہے۔ ان تینوں نظریات اور عقائد سے متعلق بحث گزر چکی ہے۔ آریا ساج کی تعلیمات کو فرقوحار نے اپنی کتاب میں خاصی اہمیت دی ہے۔ ان تعلیمات کو اس کتاب سے نکات کی صورت میں یوں اخذ کیا جاتا ہے۔

1- خدا ہر چیز کا مالک ہے

2- صحیح علم کا جامع اللہ کی ذات ہے۔

3- خدا رحمٰن و رحیم ہے۔ سچا عادل ازلی ابدی حاضر اور غیر فانی ہے۔ اس لیے اس کی عبادت جائز ہے۔

4- علم کی صحیح کتابیں وید ہیں۔ آریا ساج کا فرض ہے کہ وہ ویدوں کو پڑھے اور ان کی تعلیم دے۔

5- جھوٹ کی مذمت کرنی چاہیے اور سچ کہنے پر آمادہ کرنا چاہیے۔

6- ہر کام میں خیر یعنی اچھائی اور شر یعنی برائی کو ملحوظ رکھا جائے۔

7- لوگوں کے ساتھ ہر حال میں بھلائی کرنا آریا ساج کا بنیادی مقصد ہے۔

8- ہر فرد کی خوبیوں کی قدر کرنی چاہیے۔

9- ہر ایک کے ساتھ عدل کرنا چاہیے۔

10- ہر ایک سے محبت کا سلوک روا رکھنا چاہیے۔

11- اپنی خوش حالی میں دوسروں کو شریک کرنا چاہیے۔

12- ذاتی نیکی پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے بلکہ معاشرتی بہبود میں حصہ لینا چاہیے۔

سوامی دیانند کی سرگرمیوں خیالات اور کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب بالخصوص اسلام کے شدید مخالف ہیں۔ انہوں نے مذاہب عالم کا رد نہایت دکھ بھرے انداز میں کیا ہے۔

اسلام اور ہندومت کے تقابلی پہلو

اس میں شک نہیں کہ انسان کی تخلیق لاتعداد مرئی اور غیر مرئی عناصر کا ایک ایسا متشکل امتزاج ہے جس کے رموز کا کشف عقل انسانی کو بتدریج حیرت میں ڈالتا جا رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ انسان کی تقویم (Structure of Human) لاکھوں عناصر کا مرکب ہے مگر آدم سے لے کر آج تک دنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی یا سائنسدان کسی ایک عنصر کی اجزائے ترکیبی کر کے اس پر حتمی رائے قائم نہیں کر سکا۔

دماغ اس تقویم کا چیف آرگن ہے جس کے لاکھوں عوامل ہیں جو ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں ہزاروں بار ٹوٹ پھوٹ کر غیر معینہ زاویے بناتے ہوئے غیر متوقع اشکال اختیار کر جاتے ہیں۔ سائنس ان تمام معاملات کو ہنوز سمجھنے سے قاصر تو ہے لیکن وہ جانتی ہے کہ کائنات کے چار عناصر پانی، آگ، ہوا اور مٹی اور ان کے ثانوی لوازمات انسانی بناوٹ پر ہر وقت اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہ انسان جس میں کبھی شیر سی بہادری ہے تو کبھی مینڈھے جیسی بزدلی کبھی کبوتر سی معصومیت ہے تو کبھی لومڑ جیسی چالاکی۔ کبھی نہایت نرم خو ہے تو کبھی نہایت غصیلات۔ کبھی خاموش ہے تو کبھی رنگیلا کبھی شوخ ہے تو کبھی شرمیلا۔ کہیں منت ساجت پر اتر آتا ہے تو کبھی ضد کا پہاڑ بن جاتا ہے۔ یہ کبھی خائف ہے تو کبھی نڈر کبھی معمولی چوٹ سے گھبرا جاتا ہے تو کبھی بلا حیل و حجت موت کو بھی گلے لگا لیتا ہے۔

انسان کی انہی کیفیات کو فطرت کا نام دیا گیا ہے اور یہی وہ کیفیات ہیں جنھوں نے انسانی دماغ میں نشوونما پا کر مظاہر قدرت کو منعکس کر کے ایک ایسی حقیقت کو جنم دیا ہے جس نے مشاہدہ اور تفکر جیسی منازل طے کرتے کرتے ایک انتہائی منزل تک رسائی حاصل کر لی ہے جسے بعد ازاں "مذہب" کا نام دیا گیا ہے۔ ابتداء میں کسی علاقہ یا سرزمین پر چند لوگوں کا ایک جیسا کلچر اپنا لینا ایک

فطری عمل تھا۔ پہاڑی علاقوں کی اقوام اور میدانی علاقوں کے لوگوں کے رہن سہن اور بود و باش میں فرق تھا تاہم فطری ضروریات مشترک تھیں۔ پیاس نے انسان کو دریا کا راستہ دکھایا تو بھوک نے خوراک کی ترغیب دلائی۔ لوگوں کی نظر میں کھیتوں اور پھلدار درختوں کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ سورج کے کارناموں نے لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ ایسی ہی ایک کیفیت میں ایک انسان نے کسی پھلدار درخت سے اپنی بھوک مٹائی اور ہاتھ اٹھا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ دیکھنے والوں نے اس انسان کی تقلید کی اور پھر یہ انداز ایک رسم کی شکل اختیار کر گیا اور اسی انداز کو پوجا' عبادت اور مذہب جیسے ناموں سے موسوم کر دیا گیا بعد میں یہ انداز ایک باقاعدہ صنعت کی شکل میں سامنے آیا۔

انسائیکلوپیڈیا آف ورلڈ ریجنز میں انسانی سہن سہن کی ابتدائی عکاسی ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

تاہم تمام مذاہب کے جملہ اعتقادات کا اشتراک ڈھونڈنے کے بعد اس نتیجہ پر آسانی پہنچا جا سکتا ہے کہ مذہب کی جامع تعریف کیا ہے۔ پس "مذہب انسان کے ایک ایسے بے قابو احساس کا نام ہے جس میں روحانی اور غیر مرئی اعلیٰ قوتوں کے وجود کا اعتراف اوران کی پرستش شامل ہوتی ہے۔

انگریزی ادب کے مشہور مصنف ای۔ ایم۔ فورسٹر (Edward Morgan Forster) اپنے ایک مضمون وٹ آئی بلیو (What I Believe) میں لکھتے ہیں:

"مذہب ایک ایسی غیر مرئی قوت کا نام ہے جو ہر انسان کو غیر فطری امور' ظلم و جور اور زیادتیوں سے روکتا ہے اور اگر یہ قوت پس پردہ نہ ہو تو انسانی معاشرہ جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزارنے لگے۔"

وہ مزید لکھتے ہیں کہ حیات بعد الممات اور روز قیامت جزا اور سزا کا تصور ایسے پہلو ہیں جنہوں نے انسانی معاشرہ کو ایک مضبوط رسی سے باندھ رکھا ہے۔

تاریخ مذاہب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ انسان کی بنیادی ضروریات نے مذہب کی وجودیت کو ہوا دی۔ ابتداء میں جن عناصر نے مذہب کا آمیزہ بنایا ان میں ارواح پرستی' اکابر پرستی اور مظاہر پرستی جیسی رسوم سامنے آئیں۔

یہاں تک کہ صوبہ آذربائیجان میں زرتشت (Zoroaster) نے جنم لیا۔ اس عظیم ہستی نے عوام الناس کو ایک ہستی اعلیٰ کا تصور دیا اور خود ایک مذہبی رہنما کے طور پر سامنے آیا۔ بالعکس تمام دین اسلام تو نزول آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی کرہ ارض پر اتر آیا تھا۔ آیات قرآن حکیم اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

مندرجہ ذیل سطور میں ہم دین اسلام کا ہندومت کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کرنے جا رہے

ہیں۔ ایک طرف تو ان دونوں کا تقابل کسی زاویے سے متوازن نہیں ہے دوسری جانب اسلام واحد دین الٰہی ہے جسے اللہ قادر مطلق نے ہر دین پر خواہ وہ سامی ہو یا غیر سامی غالب قرار دیا ہے۔

اور

جاء الحق و زھق الباطل

کہہ کر دیگر ادیان کو منسوخ قرار دیا ہے۔

سورہ الفتح میں ارشاد ہے:

وھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (سورہ الفتح)

ترجمہ: "اور وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے دیگر دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین برا مانیں۔"

مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں دین اسلام کی برتری اور فضیلت دیگر ادیان پر غالب آ جاتی ہے اور سورہ المائدہ میں ان الفاظ میں فرمادیا گیا کہ:

و رضیت لکم الاسلام دیناً

"اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام پسند کر لیا ہے۔"

دنیا کے تمام مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد دین اسلام کی سب سے بڑی اور امتیازی خصوصیت یہ سامنے آتی ہے کہ یہ دین فطرت کے اصولوں پر مبنی ہے اور فطرت کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔

جبکہ دیگر مذاہب ماوراء العقل اور غیر فطری ہیں۔ اسلام معاشرتی، ثقافتی، تہذیبی، معاشی، سماجی الغرض ہر اعتبار سے فطری تقاضے نبھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ کوئی مذہب یہ کہتا ہے کہ زمین پر رینگنے والے حشرات کا بھرپور خیال رکھنا چاہیے اور ہاتھ میں کوئی چھڑی نما چیز ہو جس سے زمین پر قدم رکھنے سے پہلے ان کو ہٹایا جائے۔ اس طرح صرف سو میٹر کا فاصلہ طے کرنے میں گھنٹوں لگ جائیں گے اور اس پر طرہ یہ کہ سرکا رخ مسلسل زمین کی طرف رہے گا۔ پھر اس مذہب کیلئے لباس کا رنگ بھی مشروط ہے۔

یہ تمام امور غیر فطری اور انسانیت سے ہٹ کر ہیں۔ ایک اور غیر فطری مذہب کا عقیدہ ہے کہ مردے کو دفنانا نہیں چاہیے کیونکہ مٹی پاک اور انسان ناپاک ہے اور نہ ہی آگ میں جلانا چاہیے کیونکہ آگ ایک مقدس ہستی ہے۔ پس اس مذہب کے پیروکار مردے کو ایک بلند مینار کے اوپر رکھ کر پرندوں کیلئے خوراک کا سامان مہیا کر دیتے ہیں۔

دین اسلام سے ہٹ کر دیگر مذاہب کا مفصل مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان سب میں جابجا غیر فطری عوامل موجود ہیں۔ یہودیت، مسیحیت، ہندومت، جین مت یا بدھ مت یہ تمام بڑے مذاہب ایک انسانی معاشرے کو فطری تقاضوں پر چلانے سے قاصر ہیں۔

ہندومت میں عورت کا مقام دور جاہلیت کی عورت کے مقام سے مختلف نہیں تھا۔ وہاں واد البنات کا رواج تھا تو ہندو معاشرے میں ستی (Sati) جیسی گھناؤنی رسم عام تھی۔ جاہلی دور میں اگر ایلاء کا رواج تھا تو ہندومت میں نیوگ کا قانون مرغوب تھا۔

علاوہ ازیں افریقی مذاہب یا کئی دیگر مذاہب میں غیر فطری رسوم پائی جاتی ہیں، پس دین اسلام کو دنیا کے تمام ادیان و مذاہب پر فوقیت اسی بنا پر حاصل ہے کہ یہ دین فطری ہے فطرت کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ہر مذہب کا پیرو اپنے مذہب کے بعد اسلام کا نام لیتا ہے۔ جیسے ہندو کہتے ہیں ہندومت ہو یا اسلام یا کہتے ہیں ہندو مسلم سکھ عیسائی سب انسان ہیں۔ اس طرح عیسائی لوگ جب مذاہب کا تذکرہ کرتے ہیں تو مسیحیت، اسلام، یہودیت، ہندومت اور بدھ مت کی ترتیب باندھتے ہیں۔

دین اسلام فطرت کے تمام تقاضوں پر پورا اترتے ہوئے ستی اور نیوگ جیسی گھناؤنی رسومات کو رد کرتا ہے اور عورت کو نہایت اعلیٰ مقام پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ جتنے حقوق اسلام نے عورت کو دیئے ہیں کسی اور سامی یا غیر سامی مذہب نے نہیں دیئے۔

اسلام عین دین فطرت ہے کی وضاحت و توثیق کیلئے حکم الٰہی ہے:

فاقم وجهك للدين حنيفا فطرت الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لايعلمون ○ منيبين اليه واتقوه و اقيموا الصلوة ولا تكونوا من المشركين ○ من الذين فرقوا دينهم و كانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون

ترجمہ: "پس (اے نبیؐ اور نبیؐ کے پیروکارو) یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو۔ قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ (قائم ہو جاؤ اس بات پر) اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور نماز قائم کرو اور نہ ہو جاؤ ان مشرکین میں سے جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ بنا لیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں ہر ایک گروہ

کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی میں مگن ہے۔" (سورہ الروم: آیت 30 تا 32)

اس آیت کریمہ میں نہ صرف دین اسلام کو غالب و فائق اور الدین القیم قرار دیا ہے بلکہ یہ واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ صرف اور صرف اسلام ہی فطری اور راست دین ہے۔

کیونکہ کوئی دین' مذہب' قانون یا ضابطہ اس وقت تک کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا جب تک وہ عوام کی امنگوں اور خواہشات پر پورا نہ اترے اور لوگوں کے ان کلیدی تقاضوں کو نہ چھوئے جن کا براہ راست تعلق ان کے نازک دلوں اور حساس دماغوں سے ہوتا ہے۔ اسلام جیسے راست اور فطری دین کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے غار حرا کی دیواروں سے لے کر بیت اللہ میں رکھے بتوں کی توڑ پھوڑ تک اقراء باسم ربک الذی خلق سے لے کر اذا جاء نصراللہ والفتح کی گونج تک یا سفر طائف سے لے کر فتح مکہ کے موقع پر ابو سفیان کی بوکھلاہٹ تک یہ مذہب دور دور تک حقوق و فرائض' آئینی احکامات و قوانین اور ہر قسم کے عقائد و عبادات اور بالخصوص اوامر و نواہی کے تمام بنیادی تقاضے پورے کرتے ہوئے کہیں بھی غیر فطری نظر نہیں آتا۔

مولانا ابوالاعلیٰ المودودی تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

"نوع انسانی کا اصل دین وہی دین فطرت ہے' یہ دین مشرکانہ مذاہب سے بتدریج ارتقاء کرتا ہوا توحید تک نہیں پہنچا ہے جیسا کہ قیاس و گمان سے ایک فلسفہ مذہب گھڑ لینے والے حضرات سمجھتے ہیں بلکہ اس کے برعکس جتنے مذاہب دنیا میں پائے جاتے ہیں یہ سب کے سب اس اصلی دین میں بگاڑ آنے سے رونما ہوئے ہیں اور یہ بگاڑ اس لئے آیا ہے کہ مختلف لوگوں نے فطری حقائق پر اپنی اپنی نو ایجاد باتوں کا اضافہ کر کے اپنے الگ دین بنا ڈالے اور ہر ایک اصل حقیقت کے بجائے اس اضافہ شدہ چیز کا گرویدہ ہو گیا جس کی بدولت وہ دوسروں سے جدا ہو کر ایک مستقل فرقہ بنا تھا۔ اب جو شخص بھی ہدایت پا سکتا ہے وہ اس طرح پا سکتا ہے کہ اس اصل حقیقت کی طرف پلٹ جائے جو دین حق کی بنیاد تھی اور بعد کے ان تمام اضافوں سے اور ان کے گرویدہ ہونے والے گروہوں سے دامن جھاڑ کر بالکل الگ ہو جائے ان کے ساتھ رابطہ کا جو رشتہ بھی وہ لگائے رکھے گا وہی دین میں خلل کا موجب ہوگا۔" (تفہیم القرآن' ج:3' ص 755)

جہاں تک الدین القیم کا دیگر ادیان منسوخہ و موضوعہ سے تقابل کا تعلق ہے اس کیلئے ہمیں اس بات کی تسلی کر لینا چاہئے کہ اس بے عدیل و لاثانی دین کا تقابل عقلی اعتبار سے جائز ہے۔ اس نکتہ کے سلجھاؤ کیلئے ہم قرآن حکیم کی متعلقہ آیات کی طرف رجوع کرتے ہیں جن سے اس

بات کی نشاندہی ہو جاتی ہے کہ یہ مقارنت کس حد تک درست ہے۔

ارشاد رب العالمین ہے:

وان من امة الا خلا فيها نذير (سورہ الفاطر: 24)

"یعنی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔"

اور ایک موقع پر فرمایا گیا:

ولكل امة رسول فاذا جاء رسولهم (سورہ یونس: 47)

ترجمہ: "ہر امت کیلئے ایک رسول ہے پھر جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آ جاتا ہے تو اس کا فیصلہ پورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور اس پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا۔"

مولانا مودودی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"امت کا لفظ یہاں محض قوم کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ایک رسول کی آمد کے بعد اس کی دعوت جن جن لوگوں تک پہنچے وہ سب ان کی امت ہیں نیز اس کیلئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ رسول ان کے درمیان زندہ موجود ہو بلکہ رسول کے بعد بھی جب تک اس کی تعلیم موجود رہے اور ہر شخص کیلئے یہ معلوم کرنا ممکن ہو کہ وہ درحقیقت کس چیز کی تعلیم دیتا تھا اس وقت تک دنیا کے سب لوگ اس کی امت ہی قرار پائیں گے۔" (تفہیم القرآن ج 2، ص 690)

اللہ رب العالمین کی ارسال الانبیاء اور انزال الکتب سے مراد انسانیت کی تہذیب و تحسین اور ایک معاشرہ کی اصلاح کیلئے ایک ہادی اور رہنما کی ضرورت ہے۔ اسی بنا پر جیسا کہ حدیث مبارک سے ثابت ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مختلف اقوام کی اصلاح اور انہیں صراط مستقیم پر ڈالنے کیلئے بھیجے گئے۔ پس اسی طرح غیر سامی مذاہب میں اور ہر وہ خطہ جہاں کثرت سے لوگ آباد ہوں ان سب کی زندگیوں کو بہتر بنانے کیلئے رہنما بھیجے گئے جیسا کہ سورہ البقرہ میں آتا ہے:

و انزل معهم الكتاب بالحق (سوہ البقرہ: آیت: 213)

"اور ان کے ساتھ سچائی والی کتاب اتاری۔"

مندرجہ بالا آیات اس حقیقت کی بالصراحت نشاندہی کرتی ہیں کہ کسی علاقہ میں جب ایک قوم میں بے راہ روی، جور و ظلم، زیادتی، بے انصافی اور حق تلفی جیسی برائیاں عام ہو جاتی ہیں تو انہی لوگوں میں سے اللہ تبارک و تعالیٰ کسی ایک کو حق و ہدایت کی روشنی عطا کرتا ہے تاکہ وہ وہاں کے لوگوں کا مزاج درست کر کے انہیں سیدھی راہ دکھائے۔ اس فلسفے کی روشنی میں دنیا کے ہر چھوٹے بڑے

علاقے میں خواہ وہ آسٹریلیا ہو یا انڈونیشیا' امریکہ ہو یا افریقہ ہر جگہ مذاہب پیدا ہوئے۔ ان میں برصغیر میں بدھ مت' جین مت اور ہندو مت بڑے پیمانے پر سامنے آئے اور معاشرہ کی اصلاح اور فلاح و بہبود کیلئے اخلاقی اور مذہبی کتب و رسائل اور مختلف قصص و حکایات بھی اس کا حصہ بن گئے۔

تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر مذہبی رہنما کی تعظیم و تکریم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

سورہ البقرہ میں ہے:

امن الرسول بما انزل الیه من ربه و المومنون کل من امن بالله و ملئکته و کتبه و رسله لانفرق بین احد من رسله

ترجمہ: ''رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اس پر اتارا گیا اور تمام مومنین اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں (اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے یعنی ہم تمام رسولوں کو مساوی الرتبہ سمجھتے ہیں۔''

تاہم قرآن حکیم میں دین اسلام کی فوقیت اس طرح بھی ثابت کی گئی ہے کہ دیگر ادیان کی مذہبی کتابوں میں بہت جلد تبدل و تحریف کا عمل شروع ہو گیا اور لوگوں نے من پسند عقائد رائج کر لیے۔ اپنی اپنی خصائل و طبائع کے مطابق نئے نئے مذاہب بنا لئے تاکہ اپنے خاندانوں اور قبائل کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچایا جا سکے اور ایسی ایسی رسوم ایجاد کر لیں جن سے ذاتی مفادات کا زیادہ سے زیادہ اکتساب ہو سکے۔

سورہ البقرہ میں ہے:

افتطمعون ان یؤمنوا لکم وقد کان فریق منهم یسمعون کلام الله ثم یحرفونه من بعد ما عقلوه وهم یعلمون

(سورہ البقرہ: آیت: 75)

ترجمہ: ''اے مسلمانو! اب کیا ان لوگوں سے تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ یہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔''

پس مندرجہ بالا قرآنی استدلال کی روشنی میں ذیلی سطور میں الدین القیم الاسلام کا ہندو مت کے ساتھ اجمالی تقابل پیش کیا جاتا ہے۔

(1) دین اسلام اور ہندومت کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ان دونوں کے عقائد و عبادات میں کہیں اشتراک نظر نہیں آتا۔

محمد مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں:

"ہندو مذہب کا بانی کوئی ایک فرد نہیں زردشت' موسیٰ اور عیسیٰ کی مانند میں کوئی ایسی شخصیت نہیں ملتی جس کو ہندوؤں کا رہنما قرار دیا جا سکے یا جس کو اس مذہبی نظام میں مرکزی اہمیت حاصل ہو۔ اس طرح ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو بھی کسی ایک شخصیت کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ زمانہ مابعد میں بعض ممتاز مذہبی اشخاص منظر عام پر آئے لیکن ہندو مذہب کے ابتدائی مدارج پر لاشخصیت کا ٹھپہ لگا ہوا ہے چونکہ ہندوؤں کے مذہبی نظام کی تشکیل میں لاتعداد کا حصہ ہے اس لئے اس میں کوئی واحد عقیدہ' مذہبی قانون یا رسوم و شعائر کی کوئی یکسانیت نہیں ملتی۔ عقائد کی گونا گونی طریق عبادت کے اختلافات اور معبودوں کی کثرت کے باعث یہ مذہب ایک گنجان جنگل کی طرح معلوم ہوتا ہے جس میں ہزاروں راستے نکلتے ہیں لیکن کوئی راستہ صاف اور سیدھا نہ ہو۔"

(حوالہ اسلام اور مذاہب عالم از محمد مظہر الدین صدیقی' صفحہ نمبر 5)

مندرجہ بالا بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندومت کا کوئی باقاعدہ مذہبی رہنما نہیں اور اس حقیقت کا اعتراف خود اس مذہب کے پیروکاروں نے بھی کیا ہے جبکہ قرآن حکیم کی متعدد آیات یہ واضح کرتی ہیں کہ اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ صرف اور صرف ایک ہے جیسا کہ سورہ اخلاص میں فرما دیا گیا۔ دوئی یا ثنویت کا رد کرتے ہوئے قرآن حکیم کی سورہ الانبیاء (آیت 22) میں ہے:

لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا

"یعنی اگر اس زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔"

مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں ہندومت کے عقیدہ تریمورتی اور وشنو اور شیو کے مقتضی امور کی تقسیم کی تردید ہو جاتی ہے۔

(2) اللہ رب العالمین نے ایک قوم کیلئے بہت سے انبیاء یا کم از کم ایک رسول بھیجا جیسا کہ سورہ یونس کی آیت (47) میں فرمایا گیا کہ:

ولکل امۃ رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم

لیکن ہندومت کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کا کوئی مستقل' پائیدار یا تسلیم شدہ ہادی نہیں ہے۔ اگر کوئی ہے تو اس کے وجود اور اس کے احکامات اور فرامین میں اس کے اپنے ہی گھر والوں میں الی الغایت اختلاف رائے موجود ہے۔ ان کے ہاں لاکھوں مذہبی رہنماؤں کا تصور موجود ہے' ان میں ویدوں کے چار سو چودہ (414) رشی' تریمورتی کے اوتار اور لاتعداد دیوی' دیوتا' رسول' نبی' ہادی یا مذہبی رہنما کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

تاہم دین اسلام کی آفاقیت کا عالم یہ ہے کہ اس میں ایک ہی رسول ہے اور وہ رسول محمد بن عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف ہندومت کے مذہبی رہنماؤں پر ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں پر غالب ہے۔ نبی اسلام شان لولاک کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کا پیغام پوری دنیا کیلئے ہے۔ اللہ رب العزت والا اکرام کا ارشاد ہے:

وما ارسلنك الا رحمة للعلمين (سورہ الانبیاء: آیت: 107)

دنیا کے تمام عوام الناس کیلئے اللہ رحمٰن و رحیم کی طرف سے یہ پیغام ایک تحفہ سے کم نہیں کیونکہ یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ اے محمدؐ ہم نے تجھے تمام جہانوں کیلئے نبی یا رسول بنا کر بھیجا یعنی وما ارسلنک الا رسولاً للعالمین بلکہ رحمتہ للعالمین کے کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔

علاوہ ازیں ہندومت کے مقابل دین اسلام ایک اللہ اور ایک رسول کا ہی داعی ہے۔

دینی کتب

ہندومت میں ویدوں کو مذہبی کتب مانا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ مہابھارت' گیتا' شاستر' اپنشد' پران' برہما اور رامائن کا شمار بھی مذہبی کتب میں ہوتا ہے۔ یعنی تقابلی اعتبار سے مذہبی کتاب ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ اور ان کی تعداد اور صداقت کے بارے میں بھی خود ہندوؤں میں اختلاف موجود ہے۔

پنڈت جواہر لعل نہرو ویدوں کے موضوعی (Fabricated) مواد کو ان الفاظ میں یاد کرتے ہیں:

"بہت سے ہندو ویدوں کو الہامی خیال کرتے ہیں میرے نزدیک یہ بڑی بدقسمتی ہے کیونکہ اس طرح ان کی سچائی ہم سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ وید صرف مختلف ادوار کی معلومات کا ذریعہ ہیں۔"

مسٹر گوندداس لکھتے ہیں:

"ہندومت میں ایک ہندو کیلئے ایشور اور مذہبی کتابوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ علاوہ ازیں دیگر اعتقادات کی تکذیب کرنے سے بھی کوئی ہندو اپنے مذہب سے

خارج نہیں ہو جاتا۔"

مندرجہ بالا بیان کسی دلچسپی سے خالی نہیں کیونکہ ان کے ہاں کسی خالق کائنات، کسی مذہبی رہنما یا ایسی مذہبی کتابوں کا تصور ہی موجود نہیں تو ایک ہندو اپنے مذہب سے کس طرح خارج ہو جائے گا۔

بقول مصنف ہذا ایک مذہبی کتاب دوسری مذہبی کتاب کے بیانات کی تردید کرتی نظر آتی ہے جیسا کہ بھگوت گیتا ویدوں کی تردید کرتی ہے۔

بالعکس تمام دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کے ہر قسم کے عقائد و احکامات نہایت مضبوط اور ٹرانسپر نٹ ہیں۔ ایک بیان بھی سورہ الفاتحہ سے لے کر والناس تک کہیں تبدل یا تحریف کا شکار نہیں۔ کوئی عقیدہ کسی دوسرے عقیدے سے متشاکل نہیں۔ اگر کہا کہ اللہ ایک ہے تو وہ ہر جگہ ایک ہی ہے اگر کہا کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں تو اس کی کہیں تکذیب نہیں۔ جزا و سزا کا تصور جیسا پیش کیا گیا ویسا ہی رہا۔

ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر بیان کرتی نظر آتی ہے۔ جب اللہ نے خود کو احد اور واحد کہا تو لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا کہہ کر اس وحدانیت کی عقلی دلیل پیش کی۔ رازق و فاطر کہا تو فبای الاء ربکما تکذبان کہہ کر اس بات کی توثیق فرمائی اگر خود کو رب العالمین کہا تو سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر 12

له مقاليه السموت يبسط الرزق لمن يشاء

کہہ کر اپنی ربوبیت کی مہر ثبت کی۔

اور بالحقیقت قرآن حکیم کے خصائص میں سے ہے کہ یہ کتاب ایک فطری معاشرہ کی تشکیل و تکمیل کیلئے ہے۔ اس میں بیان کردہ تمام اوامر و نواہی اور تمام علوم پوری دنیا کیلئے شمع ہدایت ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان هو الا ذكر للعلمين

ترجمہ: "یعنی یہ ذکر (قرآن) تمام جہانوں کیلئے ہے۔

(یہاں یہ ذکر بمعنی نصیحت، خبر، کتاب حق اور راہ ہدایت کے استعمال ہوا ہے)

(سورہ یوسف: 104، سورہ ص: آیت: 87، سورہ التکویر: 27)

سورہ بنی اسرائیل میں قرآنی تعلیمات کی توضیح ان شاندار الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ غور کریں:

ان هذا القرآن يهدي للتي هي اقوم (سورہ بنی اسرائیل: 9)

ترجمہ: ”بے شک یہ قرآن ایسے طریقے کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔“

قرآن حکیم کی آفاقیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ المہیمن الرقیت نے اٹھائی ہے جیسا کہ سورہ الحجر کی آیت 9 میں ارشاد ہے قرآن حکیم کی اٹل عظمت اور برتری مندرجہ ذیل آیت سے ثابت ہوتی ہے:

قل لئن اجتمعت الانس و الجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لایاتون بمثلہ و لو کان بعضھم لبعض ظھیرا

ترجمہ: ”کہہ دو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تمام انسان اور جن اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ ایک اور قرآن بنا لیں گے تو وہ ایسا قرآن ہرگز نہ بنا سکیں گے۔ خواہ وہ اس کیلئے ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔“

(سورہ بنی اسرائیل: آیت 88)

(3) ذات پات کا امتیاز

ہندومت نے انسانوں کو مختلف درجات میں منقسم کر دیا۔ کسی کو اعلیٰ درجہ دے کر آسمان پر چڑھا دیا اور کسی کو انسانیت سے گرا کر حیوانوں سے بھی بدتر بنا دیا۔ ان کو برہمن، کھشتری، ویش اور شودر جیسی غیر فطری ذاتوں میں تقسیم کر دیا اور صرف یہی نہیں منوسمرتی میں لکھا ہے کہ:

”شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے اس کا وہی عضو کاٹ دیا جائے اور اگر برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو کمر پر داغ لگا دیا جائے۔“ (منو: 2: 281)

اس کے برعکس اسلام نے ذات پات اور درجہ بندی کی تقسیم ختم کر کے تمام انسانوں کو مساوات کی ایک لڑی میں پرو دیا اور سب کیلئے یکساں حقوق و فرائض کا ایک ضابطہ حیات فراہم کیا۔ سورہ آل عمران میں ہے:

و اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعدآء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا O (آل عمران: 103)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔“

مندرجہ بالا آیت میں نعمت کا لفظ دو دفعہ استعمال ہوا ہے جس سے اللہ رحمٰن و حکیم کی بے پناہ شفقت اور مہربانی کا اظہار ہوتا ہے۔

قرآن حکیم نے ہندومت کے فرسودہ اور گھناؤنے ذات پات کے نظام کو باطل قرار دیا اور

اسلامی معاشرت کی فلاح کیلئے مساوات اور بھائی چارے کا بہترین تصور پیش کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم

''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو۔''

قرآن حکیم نے ایک معاشرت میں توازن' برابری اور مساوات کیلئے باہمی تعاون' میل جول' احساس ہمدردی' صدقہ' خیرات' مالی امداد اور زکوٰۃ جیسے خالص تصورات پیش کیے اور ذات پات کی اونچ نیچ کے تمام غیر فطری ہندوانہ عقائد کو باطل قرار دیا۔

(4) عورت کا مقام

ہندو دھرم میں عورت کو بمشکل انسانوں میں شمار کیا جاتا تھا یا ودوں اور منو کے قوانین سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک عورت اور معمولی جانور میں کوئی فرق نہیں تھا۔

رگوید منڈل 10 سوکت 95 میں لکھا ہے:

''عورتوں کے ساتھ محبت نہیں ہو سکتی ان کے دل دراصل بھیڑیوں کی بھٹ ہیں۔''

منو کے قوانین میں ہے لڑکی باپ کی جائیداد کی وارث نہیں' عورت اور شودر دونوں جائیداد سے محروم ہیں۔ خلع کی ممانعت ہے' عقد ثانی جائز نہیں' ایک عورت کو جوے میں ہارا جا سکتا ہے بلکہ یہاں تک کہ اگر لڑکیاں موجود ہوں تو لڑکا پیدا کرنے کیلئے نیوگ کا استعمال جائز ہے اور خاوند کی وفات کے بعد عورت کو ستی (Sati) ہونا پڑے گا۔

اس کے علاوہ ہندو دھرم میں عورت کو نہایت نچلی سطح پر رکھا گیا ہے۔ مگر دین اسلام نے عورت کو نہایت اعلیٰ درجے پر پہنچایا اور ایک معاشرتی اور عائلی زندگی کے اعتبار سے اسے نہایت عزت و احترام سے نوازا۔

اسلام نے ماں' بہن' بیٹی اور بیوی کے روپ میں عورت کو جائیداد میں حصہ دیا اور اس کو حقوق و فرائض سے نوازا۔ جبکہ ہندو مت میں عورت کے پاس صرف فرائض ہیں حقوق نہیں ہیں۔ اسلام نے عورت پر اٹھنے والا ہر جائز اور ناجائز ہاتھ روکا۔ اس پر ظلم کو جرم قرار دیا۔ ہندو معاشرہ میں عورت معاشرے کا حصہ نہیں جبکہ اسلامی معاشرہ اسے ایک خود مختار فرد بناتا ہے۔ بالغ ہونے کے بعد عورت مرضی سے شادی کر سکتی ہے اور خاوند کی وفات اور مذکورہ عدت کے بعد دوسری شادی کر سکتی ہے لیکن ہندو دھرم میں عورت کی مکتی اور نجات کا واحد حل یہ ہے کہ وہ جیتے جی اپنے پتی

پر مرتی رہے اور اس کی موت کے بعد خود کو آگ میں زادہ جلا کر راکھ کر لے۔"

اسلام جیسے آفاقی اور عالمگیر دین نے عورت کو نہ صرف اعلیٰ مقام عطا کیا بلکہ الگ پہچان دی ایک وقار عطا کیا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ماں کیلئے ارشاد فرمایا:

الجنة تحت اقدام الامهات

اسلام نے عورتوں کے حقوق و فرائض اور دیگر معاملات مثلاً نکاح' اولاد' طلاق' عدت اور وراثت وغیرہا کے احکامات کو مفصل بیان کیا ہے۔

ہندومت میں تعدد ازدواج (Polrgamy) چند زنی اور چند شوئی کا بڑے پیمانے پر رواج تھا اور اس کیلئے کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔ برہمن کیلئے یہ نہایت پن کا کام خیال کیا جاتا تھا بلکہ جدید ہندومت میں آج بھی برہمن جتنی بیویاں چاہے رکھ سکتا ہے۔

دین اسلام نے عورتوں کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے اس کی حد چار تک مقرر کر دی اور اس پر بھی العدل بین الازواج کی لائن کھینچ کر فرما دیا۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رباع
فان خفتم الا تعدلوا فواحدة (سورہ النساء: آیت 3)

ترجمہ: "پس جو عورتیں تمہیں پسند آ جائیں ان میں سے دو دو' تین تین اور چار چار سے نکاح کر لو لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کافی ہے۔"

قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات عورتوں کا اعلیٰ مقام واضح کرتی ہیں۔

سورہ البقرہ کی آیات نمبر: 223' 231' 232' 235' 236

سورہ النساء کی آیات نمبر: 3' 4' 7' 11' 15' 19' 22' 24' 32' 43' 75' 127' 129' 176

سورہ المائدہ کی آیت نمبر 1 اور سورہ المجادلہ کی آیت نمبر 2

مسئلہ نیوگ

ہندو دھرم میں مختلف زاویوں سے بدکاری کو جائز قرار دیا گیا ہے لیکن دین اسلام نہ صرف اس فعل شنیع کو باطل اور منسوخ کرتا ہے بلکہ اس پر حد بھی مقرر کرتا ہے۔

اللہ المقسط والمانع کا حکم ہے:

الزانی و الزانية فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة
ولا تاخذکم بهما رافة (سورہ النور: آیت 2)

ترجمہ: ''بدکار مرد اور بدکار عورت ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے۔''

سورہ بنی اسرائیل میں بدکاری کو عمل فاحش کہا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

ولا تقربوا الزنی انه کان فاحشة وساء سبیلا

ترجمہ: ''اور بدکاری کے نزدیک نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ۔'' (سورہ بنی اسرائیل: 32)

(5) بت پرستی

اصنام پرستی کی ابتداء ہندوستان کی زمین پر کیسے اور کب شروع ہوئی اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے تاہم ایران، شام، مصر، فلسطین اور حجاز کے علاقے بھی اصنام پرستی سے محفوظ نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر بت تراش تھے اور فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ انہی سلاسل کے بندھن میں ہندوستان کی زمین پر بت پرستی کا وجود میں آنا کوئی حیرت کی بات نہیں۔

سید امیر علی لکھتے ہیں:

''وشنو کے اوتار واسو دیو کرشن کی پوجا پاپ دھونے کیلئے اور شو کی پتنی جسے پاربتی، بھوانی، کالی، مہا کالی، چنڈا، درگا اور دیگر کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے کی پوجا انسانیت سوز رسموں کے ساتھ کی جاتی ہے۔

تاہم ہندوستان میں بت پرستی کی ایک طویل تاریخ ہے، اسلام نے بت پرستی کی رسم کو باطل قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ آیت۔

وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۝

(سورہ بنی اسرائیل: 81)

پڑھتے جاتے اور جس بت کی طرف اشارہ فرماتے وہ گرتا جاتا تھا حالانکہ ان بتوں کو لوہے سے جوڑ کر مضبوط کیا گیا تھا۔

اور سورہ الانعام میں بت پرستی کو کھلی گمراہی کہا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

و اذقال ابراھیم لابیه اٰزر اتتخذ اصناما اٰلھة انی ارٰىك وقومك فی ضلل مبین (سورہ الانعام: 74)

ترجمہ: ''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا تم بتوں کو معبود مانتے ہو

بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔"

سورہ الانبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بت پرستی کی استدلالی اور منطقی شکست کیلئے کافی ہے۔ یہ واقعہ آیت نمبر 52 سے لے کر آیت نمبر 67 تک بیان کیا گیا ہے۔ ذیل میں آیات کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:

"اور جب اس نے (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہا یہ مورتیاں کیا ہیں جن کے آگے تم آسن مارے بیٹھے ہو۔ بولے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا۔ کہا بے شک تم اور تمہارے باپ دادا سب کھلی گمراہی میں ہو۔ بولے کیا تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا یونہی کھیلتے ہو۔ کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں اور مجھے اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا بعد اس کے کہ تم پھر جاؤ پیٹھ دے کر پس اس (ابراہیم) نے ان (بتوں) سب کو چورا چورا کر دیا سوائے ایک بت کے جو ان سب کا بڑا تھا کہ وہ (لوگ) شاید اس سے کچھ پوچھیں۔ بولے کس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا بے شک وہ ظالموں میں سے ہے۔ ان میں سے کچھ بولے ہم نے ایک نوجوان لڑکے کو انہیں برا کہتے سنا جس کا نام ابراہیم ہے بولے اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شاید وہ گواہی دیں۔ بولے کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا بلکہ ان (بتوں) کے اس بڑے (بت) نے کیا ہوگا۔ پس ان (گرے ہوئے بتوں) سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہیں پس وہ اپنے دلوں کی طرف پلٹے اور اپنے آپ سے کہنے لگے بے شک تم ہی ستمگار ہو۔ پھر وہ اپنے سروں کے بل اوندھائے گئے کہ تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں۔ (پس حضرت ابراہیم نے) کہا پس تم اللہ کے سوا ایسے (معبودوں) کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ کسی چیز کا فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں۔"

(6) ازدواجی تفریق

منو کے قانون میں معاشرتی بندش کئی حوالوں سے سامنے آتی ہے' دولت و ثروت اور ذات پات کے اعتبار سے اس تقسیم کا اثر شادی بیاہ کی رسوم پر بھی نظر آتا ہے' اگر اونچی ذات کی کنیا' نچلی ذات کے آدمی سے نکاح کرتی ہے تو ارتکاب جرم میں ذات آڑے آتی ہے اور سزا سفلی ذات کو دی

جاتی ہے البتہ ایک ذات کے مرد اور عورت بدکاری کا عمل کرتے ہیں تو ذات پات کو دیکھتے ہوئے ان کیلئے کوئی سزا نہیں۔ منو کے قانون میں ہے کہ سفلی ذات کی عورت اعلیٰ ذات کے مرد سے شادی نہیں کر سکتی اور نہ ہی اعلیٰ ذات کی عورت سفلی ذات والے مرد سے شادی کر سکتی ہے۔

بالعکس ہذا اسلام نے ازدواجی قوانین کی عوامی امنگوں کے مطابق اجازت دے کر معاشرتی حسن کی اعلیٰ مثال قائم کی اور ہر قسم کی معاشرتی' لسانی اور علاقائی درجہ بندی سے بالاتر ہو کر کنواری' مطلقہ اور بیوہ کیلئے مساوات کے بل بوتے پر ازدواجی قوانین وضع کیے۔ ہندو دھرم کے متقابل دین اسلام میں ازدواجی امتیازات کیلئے مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ نہایت مفید ہے ان سے اسلامی ازدواجی قوانین کی افادیت واضح ہو جاتی ہے۔

(1) سورہ البقرہ: آیات: 221' 230' 232

(2) سورہ النساء: آیات: 3' 6' 22' 25' 27

(3) الاحزاب: آیات: 50' 53

(4) النور: آیت: 24

(5) الممتحنہ: آیت: 10

(7) ہندومت یا ہندو دھرم

اکثر ہندی کتابوں میں ہندوؤں کے مذہب کیلئے مت کا شبد استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہندی لغات میں شردھا' وشواس اور عقیدہ درج ہے جبکہ درم کیلئے پنتھ اور مذہب کا ارتھ لکھا ہے۔ یعنی حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس کے پیروؤں کو خود صحیح جانکاری نہیں ہے کہ ہم جس گاڑی کے مسافر ہیں وہ کوئی پرانی بس ہے یا ریل گاڑی۔

بنارس یونیورسٹی کے گوونداس اپنی کتاب ہندوازم (Hinduism) میں لکھتے ہیں:

"اگرچہ سب سے پہلے اس بات کا تعین کر لینا چاہئے کہ ہندومت کسے کہتے ہیں اور اس کا منبع کیا ہے؟ لیکن جنہوں نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس کا جواب نہایت مایوس کن ہے۔ ہندومت کی تعریف (Definition) ممکن نہیں وہ اس لئے کہ اس کی حدود غیر متعین ہیں۔"

پنڈت جواہر لعل نہرو اپنے مذہب کی تعریف (Definition + Praise) میں کچھ یوں رطب اللسان ہیں:

"ہندومت ایک عقیدہ و مذہب کی حیثیت سے مبہم' غیر مرتب اور کثیر الاضلاع ہے وہ تمام انسانوں کیلئے ہر طرح کی چیز ہے اس کی تعریف بیان کرنا یا مفہوم کے اعتبار

سے یہ کہنا کہ یہ مذہب ہے یا نہیں مشکل سے ہی ممکن ہے۔“

پس تقابلی اعتبار سے دین اسلام ایک مکمل اور خالص دین ہے۔ (قرآن عظیم میں دین کا لفظ چوراسی (84) بار استعمال ہوا ہے جبکہ مذہب اور عقیدہ کا لفظ ایک بار بھی استعمال نہیں ہوا۔ اس عقلی نہج پر ہمیں مذہب اسلام کے بجائے دین اسلام کی ترکیب استعمال کرنا چاہیے۔)

سورہ الروم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لايعلمون

(سورہ الروم: 30)

دین اسلام زندگی کے ہر شعبہ پر سیر حاصل معلومات مہیا کرتا ہے جس کا ملخص ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جیسا کہ سورہ المائدہ میں اعلانیہ فرما دیا گیا۔ اس کے برعکس ہندومت کے مہان مذہبی رہنما مہاتما گاندھی اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

”اگر مجھ سے کہا جائے کہ ہندو مذہب کی تعریف بیان کروں تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ یہ عدم تشدد کے ذریعے ایک سچائی کی تلاش کا نام ہے۔“

دیکھا جائے تو تقابلی اعتبار سے ہندومت کی تعریف نامکمل اور کھوکھلی ہے۔

(8) انسانی قربانی

اس وقت دنیا میں تین سے زائد مذاہب رائج ہیں لیکن سوائے ہندومت کے انسانی قربانی کا تصور کسی الہامی کتاب میں نہیں ملتا۔ ہندوؤں کی مذہبی کتاب برہما میں انسانی قربانی کا ذکر بار بار آیا ہے جبکہ اسلام نے اس کو باطل قرار دے کر صرف جانور کی قربانی کو جائز قرار دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ ایک روشن مثال ہے۔ تفصیلات کیلئے دیکھئے:

(1) سورہ البقرۃ: آیت 49

(2) سورہ ابراہیم: آیت 14

(3) سورہ الصافات: 37

(8) گائے کی پوجا

یہ عجیب بات ہے کہ ہندومت انسان کو رذیل اور گھٹیا خیال کرتا ہے اور گائے جو کہ ایک جانور ہے اس کی پوجا کا پرچار کرتا ہے۔ شودروں کے اعضاء کاٹتا ہے، بیویوں کو جوئے میں ہارنے کی ترغیب دیتا ہے، ان کو زندہ آگ میں جلاتا ہے لیکن ایک گائے کی پوجا کا اپدیش دیتا ہے یہ منطقی استدلال کسی بھی دھرم کی غیر فطری راہوں کو منکشف کرتا ہے اور مع ذلک اس کی تکذیب و بطلان کرتا

ہے۔

قرآن حکیم میں جانوروں کے حلال و حرام پر جامع معلومات ملتی ہیں۔ سورہ المائدہ میں ہے:

احلت لکم بهيمة الانعام (سورہ المائدہ: 1)

ترجمہ: "تمہارے لئے بے زبان مویشی حلال کر دیئے گئے۔"

(تفصیلات کیلئے دیکھئے البقرہ: 168، سورہ الحج: 30، المائدہ: 4، 96، وغیرہ ذلک مستند تفاسیر کا مطالعہ کیجئے۔)

(9) عقیدہ تناسخ

ہندوؤں کے نزدیک تناسخ سے مراد بار بار مرنے اور بار بار جینے کا ایک سلسلہ ہے۔ اسے جونی چکر، آواگون اور آواگمن کے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔ کہتے ہیں برہما نے جو روحیں پیدا کیں ان کی تعداد محدود ہے اس لئے اس نے ہر روح کو اس کے پاپوں کی وجہ سے آواگون کے چکر میں ڈال رکھا ہے۔ تاہم ان چکروں سے نکلنے کیلئے نجات کے طریقے بھی وضع کئے گئے ہیں۔ اس عقیدہ کے تحت انسانی روح پانی، پودوں یا ستاروں کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور بسا اوقات بارش کے قطروں کی صورت میں زمین پر واپس آ جاتی ہے۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ سراسر باطل اور فرسودہ ہے بلکہ عقلی اور منطقی اعتبار سے بھی جھوٹا ہے۔

دین اسلام نے ایک خالق کا تصور دیا جو حی و قیوم ہے اور جو ہر شے پر قادر ہے۔

سورہ البقرہ کی یہ آیت منطقی اعتبار سے کس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ارشاد ہے:

كيف تكفرون بالله و كنتم أمواتا فاحيا كم ثم يميتكم ثم يحييكم ثم اليه ترجعون (سورہ البقرہ: 28)

ترجمہ: "بھلا تم اللہ کا کیسے انکار کر سکتے ہو حالانکہ پہلے تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مار دے گا اور پھر زندہ کرے گا پھر تم اس کی طرف لوٹ جاؤ گے۔"

اور سورہ الملک میں زندگی اور موت کے فلسفے کی وضاحت اس طرح کی:

الذي خلق الموت و الحيوة ليبلوكم ايكم احسن عملا

ترجمہ: "وہ ذات جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ کس نے زیادہ اچھے کام کیے۔" (سورہ الملک: 1)

اسلام عقیدہ تناسخ کا رد کرتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث یا فقہی علوم میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

سورہ الجاثیہ میں ہے:

قل الله يحييكم ثم يميتكم ثم يجمعكم الى يوم القيامة

ترجمہ: "کہہ دو کہ اللہ تم کو زندگی دیتا ہے پھر تمہیں مار دیتا ہے اور پھر قیامت کے دن تم سب کو (اپنے پاس) اکٹھا کر لے گا۔" (الجاثیہ: 26)

عقیدہ تناسخ کی تردید کیلئے قرآن حکیم کی یہ آیت ملاحظہ کریں:

كل نفس ذائقة الموت و نبلوكم بالشر و الخير فتنة و الينا ترجعون (سورہ الانبیاء: 35)

ترجمہ: "ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم اچھے اور برے اعمال کے لحاظ سے تمہاری آزمائش کریں گے اور تم نے تو پھر ہماری طرف ہی لوٹنا ہے۔"

مندرجہ بالا تمام قرآنی استدلالات سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان پیدائش سے پہلے معدوم تھا۔ اللہ قادر مطلق وحی و قیوم اسے عدم سے وجود میں لایا اور پھر وجود سے عدم میں لوٹا دے گا اور پھر اپنے رحمت کے دربار میں ان سب کو جمع کرے گا۔

پس عقیدہ تناسخ عقلی اور نقلی دونوں اعتبار سے معطل اور مکذب ہے۔

(10) عمومی ایک چھا

اسلام نے جس طرح تعداد ازدواج کو معاشرتی تقاضوں کے تحت محدود کیا ہے اس طرح اس پر بھی حد لگائی ہے کہ کوئی عورت ایک سے زیادہ شوہر رکھے تاہم ضرورت کے تحت طلاق یا خلع کا سہارا لے سکتی ہے مگر ہندو دھرم میں ایسا نہیں ہے۔

مہابھارت میں لکھا ہے کہ:

"دروپدی کے پانچ شوہر تھے اور پانچوں شوہروں میں سے پانچ بیٹے پیدا ہوئے۔ روایت ہے کہ جب دروپدی کے باپ نے پانچ خاوندوں کا سن کر افسوس کا اظہار کیا تو مہرش ویاس نے کہا اے راجہ! افسوس نہ کر ایک عورت اور انیک شوہر ویدک دھرم ہے۔" (حوالہ: مہابھارت: ادھیائے نمبر 197)

پرانوں کی ایک روایت میں ہے کہ نرپسی کنیا سے ایک ساتھ ساتھ رشیوں نے بیاہ کیا اور دس برہمن بھائیوں نے ایک ہی عورت سے بیاہ رچایا۔

مہاتما گاندھی نے ایک بار اپنے اخبار ہریجن (مورخہ 4 اگست 1948ء) میں لکھا تھا۔

کہ دروپدی کے پانچ خاوندوں سے مراد روح کا حواس خمسہ کے ساتھ تمسک ہے۔

مسٹر گوونداس کے بیان کے مطابق:

"ہندوؤں کے مذہبی رہنما بسا اوقات اپنے ہی بنائے ہوئے عقیدے سے پھر جاتے ہیں مثلاً ایک طرف ویدوں کی تعظیم کرتے ہیں تو دوسری طرف گیتا ان کی تکذیب کرتی ہے۔"

مہابھارت میں وشنو کے اوتار کرشن جی قسم کھاتے ہیں کہ وہ جنگ میں ہتھیار کا استعمال نہ کریں گے مگر بعد میں اپنی سوگند توڑ ڈالتے ہیں۔ اچھوت بلا اعتراض گائے کا گوشت کھا جاتے ہیں۔

گووندداس مزید لکھتے ہیں: کھانے پینے میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں ایک چیز کسی کے ہاں حلال ہے تو وہی چیز دوسروں کے ہاں حرام۔ ہندو دھرم میں کوئی رسم مستند نہیں۔ کوئی قوانین غیر مہذب اور ناشائستہ ہیں۔ پوجا پاٹ کا نظام بھی یکسر متزلزل ہے۔ اعلیٰ ورن کیلئے کوئی اور دیوتا ہے تو سفلی ذاتوں کیلئے دوسرا دیوتا۔ اکثر دیوی اور دیوتا شیطانی قوتوں کی تقسیم کرتے ہیں۔

چنانچہ اس طویل ایک چھا (تقابل) کے آخر پر پنڈت جواہر لعل نہرو کے شبدوں پر ہی اکتفا کرنا چاہئے جنہوں نے ہندو دھرم کی واضح تعریف بیان کی۔ لکھتے ہیں:

"ہندومت کے دائرہ میں لامحدود متضاد خیالات اور رسوم داخل ہیں اور اکثر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندومت پر صحیح معنوں میں مذہب کا اطلاق نہیں ہوتا۔"

پس پنڈت جی نے جو بھی لکھا ہے انہوں نے دیوانہ پن میں نہیں بلکہ ہندو دھرم کا قریبی مشاہدہ کرنے کے بعد پورے ہوش وحواس سے لکھا ہے اور واقعی درست لکھا ہے آخر وہ بھارت کے یونہی وزیراعظم تو نہیں بنے۔

بدھ مت

بدھ مت

تعارف

ایک مشہور مغربی محقق کے بقول آج بیسویں صدی میں بدھ کے ماننے والوں کی تعداد 50 کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ بعض لوگوں نے بدھ مت کو مذہب کے بجائے ایک فلسفہ قرار دیا ہے کیونکہ کوئی مذہب اس وقت تک مذہب قرار نہیں پاتا جب تک اس میں خدا کا تصور موجود نہ ہو۔ تاہم جین مت ایک تغیراتی مذہب کہلاتا ہے کہ یہ کئی بار بدلا ہے اور ہندو مذہب والوں نے بدھ مت اور جین مذہب کو بدعتی قرار دیا ہے کیونکہ ان دونوں نے برہمنوں کے علم وحکمت کا انکار کیا ہے۔

بدھ مت سے پہلے ہندوستان کی مذہبی حالت

مظاہر پرستی اور فرضی دیوتاؤں کی پوجا عام تھی۔ شجر، حجر، نباتات اور حیوانات کی پرستش ہوتی تھی۔ ہندو معاشرہ ذات پات کے غیر فطری ظالمانہ نظام میں منقسم تھا جس میں برہمن سب سے اونچی ذات تھی۔ کیونکہ برہمن خدا کے منہ سے پیدا ہوا تھا۔ اس لئے کوئی گناہ اسے ناپاک نہیں کر سکتا تھا۔ اسے حکومت اور قانون کی حمایت حاصل تھی۔ اس کے برعکس نچلی ذاتیں اور غیر آریائی نسلیں نیم حیوانی ذلت آمیز زندگی گزارنے پر مجبور تھیں اور ان کے کوئی انسانی حقوق نہ تھے۔ دینی علوم ان کیلئے شجر ممنوعہ تھے۔ الغرض پورا مذہب پیچیدہ عقائد اور فلسفیانہ موشگافیوں کا مجموعہ تھا۔ جو عام انسانوں کی فہم سے بالا تھا۔ کرم کا غیر فطری عقیدہ اور تناسخ کا بے ثبات فلسفہ اس کی مثالیں ہیں۔ جو کوئی علم وحکمت کی بات کرتا تھا لوگ اسے بھگوان، دیوتا اور ایشور مان لیتے تھے۔ ان کے حلقہ ارباب میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کی باتوں کو علاقے میں پھیلایا جاتا تھا۔ بعد میں آنے والے لوگ ان کی پوجا شروع کر دیتے تھے اور پھر ان کی تعلیمات کو مذہب کا نام دے دیا جاتا تھا۔ اس طرح ایک نیا مذہب جنم لے لیتا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق ہندوستان اور چین میں ہزاروں مذاہب پیدا ہوئے

اور ختم ہو گئے۔

اخلاقی حالت

ہندو معاشرے میں اخلاق نام کی کوئی شے نہیں پائی جاتی تھی اس لیے مذہب کے نام پر زنا کاری اور جنسی آزادی عام تھی۔ جنسی اعضاء لنگ اور یونی تک کی پرستش کی جاتی تھی۔ نیوگ کا نظریہ رائج تھا۔ مذہبی طبقہ میں بھی قمار بازی' شراب خوری اور سود خوری عام تھی۔ عورت کو کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ ویدوں کی تعلیم عورت کو احمق' بے وفا' دھوکے باز اور ناقابل اعتبار قرار دیتی تھی۔ قمار بازی میں بیویوں تک کو داؤ پر لگایا جاتا تھا۔ زندگی کے ہر مرحلے میں وہ کسی کی ملکیت قرار پاتی تھیں۔ الغرض اخلاقی حالت ناقابل بیان اور ناگفتہ بہ تھی۔

معاشرتی حالت

معاشرہ ذات پات اور اونچ نیچ میں بٹا ہوا تھا۔ برہمنوں اور اونچی ذات والوں کو تمام حقوق حاصل تھے۔ اس کے برعکس شودروں کی زندگی حیوانوں سے بدتر تھی۔ علم کے دروازے ان پر بند تھے اور تو اور اگر وہ غلطی سے وید کا کلام سنتے تو سیسہ پگھلا کر ان کے کانوں میں ڈالا جاتا تھا۔ عورت مرد کی غلام تھی۔ خودکشی کی رسم عام تھی۔ بچپن میں شادی کا رواج تھا۔ وراثت میں عورت کا کوئی حق نہیں تھا الغرض ظلم و ستم اور ناانصافی معاشرہ میں عام تھی۔

سیاسی حالت

بادشاہت اپنے تمام بڑے اختیارات کے ساتھ موجود تھی۔ راجہ اور بادشاہ کو خدا کا نائب تصور کیا جاتا تھا اور اس کی اطاعت خدا کی طرح کی جاتی تھی۔ ہندوؤں کا مشہور قانون ساز لکھتا ہے کہ

> ''بادشاہ اگر نابالغ بچہ بھی ہو تو اسے یہ خیال کر کے کہ یہ بھی ایک انسان ہے حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیے بادشاہ فی الواقع انسان کی شکل میں خدا ہے۔''

بدھ کے حالات زندگی

سنسکرت میں بدھ کے معنی عارف اور نور کے ہیں یعنی ایسا آدمی جسے معرفت الٰہی حاصل ہو گئی ہو اور دنیا کی حقیقت اس پر آشکار ہو گئی ہو۔ بدھ مہاراج کا شمار دنیا کے عظیم روحانی پیشواؤں میں ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کی تاریخی شخصیت میں کسی کو کلام نہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ بدھ مہاراج کی ابتدائی زندگی مخفی ہے کیونکہ مذہبی رہنماؤں کی ابتدائی زندگی اکثر عوام کی نگاہوں

سے اوجھل ہوتی ہے بلکہ دوسرے لفظوں میں ان کا زمانہ عروج لوگوں کے سامنے ہوتا ہے اسی طرح مہاتما بدھ سے متعلق جو ہمیں معلومات میسر آتی ہیں بہت کم ہیں۔

پیدائش

وہ مہاراج جنوبی نیپال میں ہمالیہ کے دامن میں بنارس سے سو میل کے فاصلے پر کپل وستو کے نزدیک لمبنی (Lambini) میں 563 قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سدھونا تھا جو ساکیہ (Sakya) قوم کی ایک چھوٹی راج دھانی کے راجہ تھے۔

تاریخ میں 547 کہانیاں ان کی ولادت سے متعلق مشہور ہیں۔ جن میں گوتم کی پیدائش کو ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً وہ کبھی پرندہ بھی رہے۔ ولادت سے پہلے ان کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک سفید ہاتھی ان کے جسم میں داخل ہو رہا ہے۔ دریاؤں کا کھارا پانی میٹھا ہو گیا ہے۔ بدھ مہاراج نے پیدا ہوتے ہی چلنا شروع کر دیا۔ اس قسم کے معجزات کا ذکر ان کے حالات میں ملتا ہے۔ بدھ کی والدہ ساتویں دن ہی فوت ہو گئی۔ بچے کی حفاظت اور پرورش کا فریضہ اس کی خالہ نے لے لیا جو سدھونا کی دوسری بیوی تھی۔ گوتم کے والد کو سادھو نے یہ بتایا تھا کہ اگر یہ لڑکا گھر سے باہر نہ نکلے تو ایک بڑا بادشاہ بنے گا۔ ورنہ اسے جنگلوں کی خاک چھاننا ہو گی اور وہ ایک عظیم روحانی رہنما ہو گا۔ اس پیش گوئی کے تحت راجہ نے ایک بڑے محل میں بچے کیلئے آرائش اور عیش و آرام کے سامان بہم پہنچائے۔ ایک قریبی ریاست کے راجہ کی بیٹی یشودھرا سے اس کی شادی کر دی تا کہ ازدواجی زنجیر اسے ترک دنیا کی طرف مائل نہ کرے لیکن بدھ روایات کے مطابق گوتم بدھ کو چار نظارے ہوئے جنھوں نے ان کی طبیعت کو بدل کر رکھ دیا۔

چنانچہ پنڈت رادھا کرشن لکھتے ہیں:

> "چار مرتبہ جب وہ اپنے محل سے باہر نکلا تو عام کہانی کے مطابق وہ ایک بوڑھے آدمی سے ملاقاتی ہوا اور محسوس کیا کہ وہ خود بھی ضعیفی اور مجبوری کا شکار ہو سکتا ہے۔ ایک بیمار کو دیکھا تو محسوس کیا کہ وہ خود بھی بیمار ہو سکتا ہے۔ ایک مردے کو دیکھا تو محسوس کیا کہ ایک دن اس کا بھی یہی حشر ہو گا۔"

پہلے تین نظارے

پہلے تین نظاروں سے دنیا کی بے ثباتی کا اظہار ہوا جبکہ سادھو کو دیکھ کر اس کی طبیعت از حد متاثر ہوئی کہ دنیا کے فکر و غم سے آزاد اپنے خیالات میں مگن ایک کامیاب زندگی کا نشان بنا ہوا ہے۔ نتیجتاً 29 برس کی عمر میں گوتم نے جوان بیوی اور نومولود بچے کو سوتے ہوئے چھوڑا اور جنگل کی راہ لی۔

گوتم نے ایک برہمو استاد کی شاگردی اختیار کی۔ لیکن شانتی حاصل نہ ہوئی۔ ارویلا (ایک جگہ کا نام) کے نزدیک ایک گاؤں میں اسے پانچ برہمن ملے۔ گوتم ان میں شامل ہو گیا اور اپنے جسم کو مسلسل بھوک سے یہاں تک فنا کیا کہ چھاتی کی ہڈیاں ابھر آئیں۔ چھ برس اسی طرح مجاہدے اور تعذیب نفس میں گزارے لیکن سکون کا راستہ میسر نہ آیا۔ انجام کار گیا کے مقام پر درختوں کے ایک جھنڈ میں بیٹھ گئے اور گیان دھیان کے گہرے سلسلے میں غرق ہو گئے۔

بدھ تنظیم

چنانچہ مہاتما بدھ تبلیغ کیلئے نکلے تو سب سے پہلے انہیں وہی پانچ سادھو ملے جو انہیں چھوڑ گئے تھے۔ اب یہ لوگ اس سے مل کر بہت خوش ہوئے اور بڑے عقیدتمند بن گئے۔ اس طرح بدھ تنظیم کا آغاز ہوا جسے بدھ سنگ کہتے ہیں۔

اس کے بعد بہت سے لوگ بدھ کی تنظیم میں شامل ہوتے چلے گئے۔ ابتداء میں ان کی تعلیم کو کھشتریوں نے قبول کیا لیکن رفتہ رفتہ برہمن بھی آنے لگے۔ شروع میں نئے آنے والے کو سنگ میں شامل ہونے کی اجازت خود بدھ مہاراج دیتے تھے جب تعداد بڑھنے لگی تو اپنے عقیدت مندوں کو بھی اجازت دے دی کہ وہ بھی لوگوں کو سنگ میں شامل کرتے چلے جائیں۔

مذہب کی تبلیغ

شروع میں ان کا یہ معمول تھا کہ خشک موسم میں 9 مہینے وہ اور ان کے ساتھی دھرم کی تبلیغ میں گزاریں اور برسات کے 3 مہینے ایک جگہ اکٹھے ہو کر باہمی خدمت اور تعلیم و تربیت میں بسر کریں۔

تنظیم کے اصول

(1) زرد کپڑے پہننا
(2) سر منڈوانا
(3) کشکول رکھنا
(4) ہر روز کچھ وقت گیان دھیان میں گزارنا (Meditation)
(5) تین پناہیں
 (1) میں بدھ میں پناہ لیتا ہوں
 (2) میں دھرم میں پناہ لیتا ہوں
 (3) میں سنگ میں پناہ لیتا ہوں

خواتین کی شمولیت

شروع شروع میں اس تنظیم میں صرف مردوں کو لیا جاتا تھا۔عورتوں کے اصرار کے پیش نظر آخر کار بدھ مہاراج نے انہیں بھی اجازت دے دی لیکن انہوں نے فرمایا کہ اگر عورتوں کو تنظیم میں نہ لیا جائے تو ست دھرم زیادہ دیر چلتا۔

اہل خانہ

اس کے بعد بدھ کے بہت سے عزیز و اقارب بھی اس تنظیم میں شامل ہو گئے۔جن میں ان کی بیوی یشودھرا بھی شامل تھی۔ان شامل ہونے والوں میں بدھ کے ایک رشتہ دار تھے جو ان کے انتہائی مخلص تھے۔ان کا نام "انند" تھا اور یہ بدھ کے خادم خاص تھے۔

بدھ مہاراج کی وفات

بدھ کی وفات کے وقت بدھ کے آخری الفاظ یہ تھے:

"اے راہبو! میں تمہیں مخاطب کرتا ہوں کہ دنیا کی ہر شے فنا ہونے والی ہے۔اس لئے پورے لگن کے ساتھ اپنے مشن میں مشغول ہو جاؤ۔"

تعلیم وتفریق

بدھ مہاراج نے بہت سی اخلاقی قدروں کو واضح کیا۔تیز شراب کے استعمال پر بھی بحث ہوئی اور یہ بھی سوال پیدا ہوا کہ خیرات میں خودبخود ملنے والا سونا اور چاندی وصول کیا جانا چاہئے یا نہیں۔تفریق کا یہ عمل جب ایک دفعہ شروع ہوا تو کہاں رک سکتا تھا۔آئندہ 300 برس میں 18 فرقے تیار ہو گئے جو بدھ دھرم کی تشریح اپنے نقطہ نگاہ سے کرنے لگے۔

اشوک اور بدھ مت

اگر قدرت ایک زبردست شخصیت سے اس کی تائید نہ کرواتی تو بدھ مت برباد ہو گیا ہوتا۔یہ شخصیت راجہ اشوک ہندوستان کے مشہور راجہ چندر گپت موریہ کے پوتے کی تھی۔چندر گپت نے سارے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تھا۔تبلیغ کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ اس نے چٹانوں پر کتبوں کی صورت میں شفقت بھرے اعلانات کھدوائے۔جن میں سے ایک مغربی محقق کی تحقیق کے مطابق اب بھی 35 کی تعداد میں موجود ہیں۔گویا کہ اس بات کو 2300 برس ہو گئے ہیں۔

چنانچہ اس کے عہد میں دھرم کی شیرازہ بندی کے لئے 250 قبل از مسیح میں تیسری بدھ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دھرم کی ازسرنو تنظیم کا منصوبہ تیار کیا گیا۔اشوک نے بدھ دھرم کی تعلیم کو عالمی سطح پر پیش کرنے کا اہتمام کیا۔اس بنا پر اشوک کو بدھ دھرم کا سرپرست ثانی خیال کیا جاتا ہے۔

بدھ مذہب کے مشہور فرقے

ھنایانہ بدھ دھرم

ھنایانہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں بڑا پہیہ۔ یا Great Cart یا Great Vehical تاہم ہنایانہ مکتب فکر والے خود کو School of Elders اکابرین کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس فرقے کا مرکزی نشان بھکشو ہے۔ بھکشو کا مقصود حیات نروان کا حصول ہے۔ جب کہ مہایانہ مکتب فکر والے اپنی روحانی تعمیر کو روک کر خدمت خلق میں مصروف رہتے ہیں اور دوسروں تک نیکی کی تعلیمات کو پہنچاتے ہیں۔

جنوبی اور شمالی بدھ دھرم

ہنایانہ مکتب فکر سیلون' لنکا' برما' سیام' کمبوڈیا' اور لاؤس میں رواج پذیر ہوا۔ چونکہ یہ سب علاقے جنوبی ایشیا میں ہیں اسی مناسبت سے ہنایانہ مکتب فکر والوں کو جنوبی بدھ دھرم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ سب شمالی علاقے ہیں اس کی بنا پر انہیں شمالی بدھ دھرم کہا جاتا ہے۔

مہایانہ بدھ مت

راجہ کنشک نے اپنے زمانہ میں کئی غیر ملکی نظریات کو بدھ مت میں داخل کر لیا اور اس جدید مذہب کا نام ''مہایان'' بڑی گاڑی رکھا۔ یعنی اس بڑی گاڑی میں سوار ہو کر کثیر تعداد میں نروان کا سفر کر سکتے ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہنایانہ کے مقابلے میں یہ لوگ خود کو برتر سمجھتے ہیں اور مہایانہ کہتے ہیں جس کا مقصود ہے ''حصول سعادت کا اعلیٰ ذریعہ۔''

مہایانہ مکتب فکر کے درجات

عام طور پر تین درجات ہیں:

(1) منشی

(2) بدھی

(3) دھیانی

منشی بدھ

منشی بدھ سے مراد وہ پیشوایان مذہب ہیں جو دکھی انسانیت کے نجات دہندے بن کر آئے۔

بدھی ستو

یعنی یہ وہ بزرگ ہیں جو تدریجا کمال تک پہنچتے ہیں۔ ان کے دینی ادب کے حوالے سے دو آدمی جو خود گوتم بدھ اور جدھی ستو ہیں کو کامل خیال کیا گیا ہے۔

دھیانی بدھ

یہ دھیان یا معرفت کے لوگ ہیں اور یہ فکر کی گہرائیوں میں ڈوبے رہتے ہیں اور ان میں سب سے بڑا مکتب فکر دلائی لامہ کہلاتا ہے۔

بدھ مذہب کا دینی ادب

زبانی روایات

گوتم کے زمانے میں عام طور پر کتابیں نہیں لکھی جاتی تھیں بلکہ اہم مذہبی تعلیمات کو منظوم صورت میں حفظ کرا دیا جاتا تھا۔

اشوک اور تحریری کتب

اشوک کے زمانے میں ایک بدھ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پہلی بار یہ فیصلہ کیا گیا کہ بدھ کی تعلیمات اور عقائد کو کتابی شکل میں پیش کیا جائے۔

رتنک پتا کا (3 ٹوکری) (Pitaka)

ان کی تصنیف پہلے اور زبان میں تھی بعد میں اس کا بنگالی میں ترجمہ ہوا اور پھر پالی میں

ترجمہ ہوا۔

(1) وینہ پتاکا

ان میں پہلی ٹوکری کو Vinaka کہتے ہیں جو ان کے شاگرد پالی وہند نے مرتب کی۔ اس میں راہبانہ تنظیم کے اصول وقواعد بیان کئے گئے ہیں۔

(2) ستاپتاکا (Suttas)

دوسری کو ستاپتاکا کہا جاتا ہے جو بدھ کے عقائد واخلاقی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اسے ان کے شاگرد انند نے ترتیب دیا۔

(3) ابھی دھماں (Abhi Dhamma)

تیسری کو ابھی دھماں کہا جاتا ہے اور یہ متکلمانہ بحثوں وفلسفہ پر مشتمل ہے۔ دھمپت یا دھمپو جس کے معنی نیکی کا راستہ ہیں پر نفی ذات پر اور عفو و درگزر پر اس کتاب میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے جس کی ایک مثال یہ ہے:

"He abused me. He struck me. he overcame me. he robbed me. in those who harbour such thoughts. hatred will never cease."

یعنی

"اس نے مجھے گالی دی۔ اس نے مجھے زدوکوب کیا اس نے مجھے لوٹ لیا
جن لوگوں کے دلوں میں ایسے خیالات جاگزیں رہتے ہیں وہاں نفرت کبھی نہیں مٹ سکتی۔"

اس کے برعکس اسلام میں قصاص کا حکم ہے لیکن گالی کے بدلے گالی دینا بہتر نہیں۔ دھمپت کا انداز گیتا کی طرح ہے۔ اس کا زمانہ غالباً وہی ہے جو گیتا کا ہے۔

گوتم بدھ پر ہندومت کا اثر

گوتم کا خیال ہے کہ جونہی کوئی جاندار مرتا ہے تو وہ ایک نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے جس میں خوشگواری یا ناگواری اس کے سابقہ اعمال کی بنا پر ظہور میں آتی ہے۔ گوتم کی تعلیمات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

1۔ احکام عشرہ

یہ تعداد میں دس ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(1) وہ کسی جاندار کو قتل نہ کرے گا۔

(2) چوری کا مرتکب نہ ہوگا۔

(3) زنا کے قریب نہ جائے گا۔

(4) جھوٹ نہیں بولے گا۔

(5) نشہ آور اشیاء سے اجتناب کرے گا۔

(6) دوپہر کے بعد کھانا نہ کھائے گا۔

(7) رقص و سرود اور موسیقی سے دور رہے گا۔

(8) ہار، خوشبو وغیرہ کا استعمال نہیں کرے گا۔

(9) کسی آرام دہ جگہ پر نہ بیٹھے گا اور نہ سوئے گا۔

(10) سونے اور چاندی کے قریب نہ جائے گا۔

توبہ کا تصور

اسی بنا پر بدھ مت میں عبادت و قربانی کے علاوہ توبہ کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ انسان اگر اپنی زندگی کو بنیادی طور پر تبدیل کر لے تو ان گناہوں سے اپنا دامن بچایا جا سکتا ہے۔

خدا کا تصور

الغرض مہاتما بدھ نے عوام الناس کو روح، آتما اور دیوی کے چکر میں نہیں ڈالا۔ نہ وحدت الوجود کا پیچیدہ فلسفہ پیش کیا بلکہ اس کے برعکس اخلاقیات کا ایک سادہ، واضح، آسان اور قابل عمل ضابطہ پیش کرنے پر اکتفا کیا۔ بدھ مت کی مقبولیت اور وسیع اشاعت کے مندرجہ ذیل اسباب تھے:

(1) گوتم بدھ کی شخصیت

مہاتما بدھ کی اپنی زبردست شخصیت اس دھرم کی اشاعت کا موجب بنی۔ خدمت خلق کا جذبہ اور دکھی انسانیت سے محبت...... یہ سب امور عوام الناس کیلئے باعث کشش تھے کیونکہ انسان کا اعلیٰ کردار اس کے مشن اور مذہب کو مقبول بنا دیتا ہے۔

(2) ذات پات کا خاتمہ

بدھ مت ذات پات کی غیر فطری تقسیم کے خلاف تھا۔ مہاتما بدھ نے عوام کو یہ راہ دکھائی۔

مہاتما بدھ نے نیک اعمال پر زور دیا اور کہا کہ پیدائش اور ذات پات سے انسان اعلیٰ اور افضل نہیں بنتا۔

"آدمی اپنے اعمال سے برہمن ہوتا ہے۔ پیدائش سے نہیں' حسب نسب سے کوئی برہمن نہیں ہوتا بلکہ برہمن وہ ہے جو راست کار ہو۔ وہی مبارک اور سعادت مند ہے۔"

شاہی پرستی

تاریخ شاہد ہے کہ مذہب کی اشاعت اور ترویج میں سیاسی طاقت اور حکومتی سرپرستی کو بڑا دخل رہا ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے:

الناس علی دین ملو کھم

"یعنی جیسا راجہ ویسی پرجا"

چونکہ بدھ مت کو ہر دور میں راجاؤں اور مہاراجاؤں کی سرپرستی حاصل رہی اس لیے یہ بڑے پیمانے پر ہندوستان میں اپنے پاؤں جمانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہندوستان کے مشہور بادشاہ اشوک اعظم نے بدھ مت کی ترویج میں زبردست کردار ادا کیا اور اسے ہندوستان کے علاوہ بہت سے ملکوں میں پھیلایا۔

(5) تبلیغی اور عالمی مذہب

بدھ مت میں ہر شخص بلالحاظ ذات پات شامل ہو سکتا تھا۔ مذہبی لحاظ سے تمام انسان برابر تھے۔ اس میں مرد اور عورت کی بھی کوئی تمیز نہ تھی بلکہ ہر شخص کو حق حاصل تھا کہ اس مذہب کی ترویج و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے اور اپنے مسائل اپنے مذہبی رہنما کے آگے بیان کرے۔

زوال کے اسباب

(1) بنیادی تعلیمات سے انحراف

ہر مذہب اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک وہ اپنے بنیادی اصولوں کو برقرار رکھتا ہے دیگر مما لک میں بدھ مذہب محویت مذہب کے ساتھ مکس ہو گیا۔ اس طرح یہ مذہب ہر ملک کے ساتھ منسلک ہو گیا۔ ہر جگہ کا بدھ مذہب دوسری جگہ کے بدھ مذہب سے علیحدہ نظر آنے لگا۔

(2) فرقہ بندی

بدھ مذہب بھی پہلے دو فرقوں بعد ازیں اٹھارہ فرقوں میں بٹ گیا۔ جیسا کہ ہون سنگ کہتا ہے:

"بدھ مت میں 18 فرقے پیدا ہو چکے تھے اس وقت انیسویں صدی میں بھی بدھ مذہب میں اتحاد پیدا نہیں ہوا جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق پر بتاتا ہے اور شاکیہ منی کی اصل تعلیم کے مورث ہونے کے دعویدار ہیں۔"

(تمدن ہند' صفحہ 289)

(3) برہمنیت میں ترمیم

سری نواسی راما سوامی میں رقمطراز ہیں

"عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کی اس دوڑ میں برہمن مذہب کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے خاموشی کے ساتھ بدھ مذہب کی بیشتر باتیں لے لیں۔ ایک اور وجہ شاہی پرستی سے محرومی ہے اس کی وجہ سے وہ جلد زوال کا شکار ہو گئے۔"

(4) دیگر مذاہب سے مقابلہ

بدھ مت کا جب دوسرے مذاہب سے مقابلہ اور تصادم ہوا تو بدھ مت کا ڈھیلا ڈھالا نظام پسپا ہو گیا۔ خصوصاً اسلام کے مقابلے میں بدھ مت ہر لحاظ سے شکست کھا گیا۔ اس سے اسلام کا ریلا اس زوال پذیر ملاوٹی مذہب کو بہا کر لے گیا۔

بدھ مت کے پیروکاروں کی زیادہ تعداد چین' برما' نیپال' تبت' بھوٹان اور سری لنکا میں آباد ہے۔ ان کی تعداد میں بڑا اختلاف ہے۔ احمد عبداللہ کی تحقیق کے مطابق 15 کروڑ اکتالیس لاکھ ستاون ہزار ایک سو چھہتر (154157176) لوگ اس مذہب سے وابستہ ہیں۔

مہائی بدھ مت

کنشک نے اپنے عہد میں ایک مجلس بلائی اور ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی جس کا نام مہایان یعنی بڑی گاڑی رکھا جس سے مراد یہ تھی کہ اس بڑی گاڑی میں سوار ہو کر بہت سے افراد تروان تک سفر کر سکتے ہیں۔ مہائی فرقہ کے نزدیک بدھ کا جسم نہ تھا بلکہ وہ بالاتر از انسان تھے۔ ساکیہ منی کبھی دنیا میں مجسم نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنا اوتار اور ظل دنیا میں ڈالا۔ بدھ خود ہی خدا ہے بلکہ ابدی اور ازلی خدا ہے۔ یہ اوتار بدھی اور علم کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے اور بدھی بھی خود تین صورتوں میں ظاہر ہوئی اور وہ صورتیں یہ ہیں:

(1) بدھی کے ظہور کی پہلی صورت دھرم کایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عارضی نمو کے پیچھے ایک دائمی اور غیر فانی شے موجود ہے لیکن دھرم کایا جب خود کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو کوئی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

(2) بدھی کے ظہور کی دوسری صورت راے نرمان کایا ہے۔

(3) بدھی کے ظہور کی تیسری صورت سمبھوک کایا ہے۔ جس کے لفظی معنی جسم رحمت کے ہیں۔ وہ رحمت کی قوت ہے جو بدھی میں جاگزین ہے۔ لود گوتم کی معرفت اس کے مقتدیوں میں کام کرتی رہتی ہے۔ یہ قوت بدھ دھرم کی محافظ قوت کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ فرقہ بدھی ستو (Bodhisative) کو ہی زندگی کا بلندترین نصب العین قرار دیتا ہے۔ یعنی ایک شخص نجات کیلئے پختہ ہونے کے باوجود اسے قبول کرنے سے انکار کر دے تا کہ دوسروں کو نجات حاصل کرنے میں مدد بہم پہنچا سکے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نیک اعمال کو دوسروں کے نام منتقل کرنے کی عظیم قربانی دینے تک تیار ہے۔ لہٰذا اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بدھی ستیوا کے اختیار میں ہے کہ دوسروں کو مال گناہ سے بچانے کیلئے وہ نیابت کا کام بھی کر سکتا ہے۔ یہ فرقہ نجات بالایمان پر عقیدہ رکھتا ہے۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بدھی ستیوا آسمان سے مفلوک الحال مصیبت زدہ لوگوں کی طرف نظر رکھتے ہیں اور ان کو ہر قسم کی مصیبت اور غم سے نجات دلاتے ہیں۔ ان کی اس کریمانہ عادت کو مہا کرونا (Maha Karuna) کہا جاتا ہے۔ وہ لوگوں کو حصول نجات کے طریقوں سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔ جن پر چل کر وہ نروان حاصل کر سکیں۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ گوتم ہی بدھی ستیوانہ تھے بلکہ آپ سے پہلے بھی بے شمار بدھ ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ گوتم بدھ نے بھی یہی تعلیم دی ہے چنانچہ دکاستا میں بدھ کا فرمان ان الفاظ میں درج ہے:

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس دنیا میں ہر زمانہ میں ایک تتھاگت پیدا ہوتا ہے جو کہ عالم کل مکمل طور پر نیکی اور حکمت پروری عالمین کی حکمتوں سے مسرور دیوتاؤں اور انسانوں کا استاد بابرکت وجود اور ایک بدھ کے مقام پر فائز وہ اس کائنات کے اسرار کو مکمل طور پر سمجھنے اور اسے روبرو دیکھنے والا ہوتا ہے۔ اس جہان کے اوپر جو عالمین ہیں یعنی ملائکہ شیاطین اور برہما کی اقالیم وہ ان سب کو جانتا ہے اور نیچے کی دنیاؤں کو جن میں برہمن نیک لوگ شہزادے اور عوام بستے ہیں ان سے بھی وہ

واقف ہے۔ تب وہ اس علم سے دوسروں کو بھی مستفیض کرتا ہے۔ ایک شخص نے بدھ سے کہا اے آقا! آپ جیسا عارف دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ یہ سن کر بدھ نے جواب دیا! اے ساری پتر تم مبالغہ کرتے ہو۔ تم ان ہادیوں کے بارے میں جو پہلے ہو چکے ہیں یا جو آئندہ پیدا ہوں گے یا جو اب موجود ہیں کیا جانتے ہو۔ صرف لاعلمی کی وجہ سے تم میری اس قدر تعریف کرتے ہو۔ پھر فرمایا میں ہی ایک بدھ نہیں ہوں جو زمین پر مبعوث ہوا ہوں اور نہ میں آخری بدھ ہوں۔ وقت مقررہ پر ایک دوسرا بدھ دنیا میں مبعوث ہوگا۔ بدھ مت والوں نے تین بدھستواؤں کو تسلیم کیا ہے اور ان کی پرستش کی جاتی ہے۔"

(1) میٹریا (Maitreya)

جس کے معنی رحم کے ہیں۔ مہایان کے عقیدے کے مطابق گوتم پانچ ارب سٹرسٹھ کروڑ سال کے بعد دنیا میں پھر آئیں گے اور اپنے عقائد اور تعلیمات کی اشاعت کریں گے۔ میٹریا کے بہت سے پتھر کے بت بنائے جانے لگے۔ اس کی مورتی اس طرح بنائی جاتی کہ ایک موٹا تازہ آدمی ہے جو ہنس رہا ہے۔ تمام آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں گل دستہ ہے جس کا ہر پھول ایک ہزار سال کو ظاہر کرتا ہے۔ جو گوتم نے جود و کرم اور رحم دلی کے کاموں میں گزارے ہیں۔ اور یہ دنیا میں آنے کے بعد لوگوں میں تقسیم کیے جائیں گے۔

(2) اولوکیسٹواں (Avalokistesvara) اولوکیٹا (Avalokata)

یہ سب سے زیادہ مکرم و محترم بدیستوا ہے۔ جس کی عبادت دور دراز علاقوں میں کی جاتی ہے۔ اولوکیٹوا رحم اور مہربانی کا مجسمہ ہے۔ انسانیت کو مصائب کے چنگل سے نجات دلانے کیلئے ہر وقت سرگرم عمل ہے۔ جو شخص اس پر کامل بھروسہ اور اعتماد جما لیتا ہے وہ اس کی خبر گیری اور مدد کرنے میں بڑی سے بڑی مصیبت سے دوچار ہونے کیلئے تیار رہتا ہے۔ اولوکیسوارا کی پوجا برصغیر ہندو پاک میں تیسری سے بارہویں صدی تک عام تھی۔ تبت میں اسے دلائی لامہ کا نام دے دیا گیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔ چین کے لوگ اس سے بہت بعد میں روشناس ہوئے ہیں۔ آٹھویں صدی عیسوی سے قبل چین میں اس کی پرستش کے آثار نہیں ملتے۔ یہاں اس کو نسوانی شکل میں ظاہر کیا گیا۔

(3) منجوسری (Menjusri)

اس کے لفظی معنی حیرت انگیز اور زبردست کے ہیں۔ یہ عقل کا مجسمہ ہے۔ اس کی بھی مورتی تیار کی جانے لگی۔ اس کی پیشانی پر پانچ بل دکھائے جاتے ہیں۔ جن سے گوتم کی عقول خمسہ کا

اظہار مطلوب ہوتا ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے۔ کبھی گوتم بدھ کا نواں پیشرو کہا جاتا ہے اور کبھی ان کا لاڈلا اور محبوب شاگرد اور پیارا بیٹا بتایا جاتا ہے۔ اس کو بدھی ستواؤں میں ہمیشہ تفوق حاصل رہا ہے۔

بدھی ستوا کے عقیدہ کے نتائج واثرات

(1) اس عقیدہ نے بدھ مذہب میں شرک کو جنم دیا۔ گوتم بدھ کو ازلی اور دائمی خدا بنا دیا اور اس کے ساتھ اور بھی بے شمار اوتار ہیں جو انسانوں کو مصیبت کے چنگل سے نجات دلاتے ہیں اور راہ مستقیم کی ہدایت دیتے ہیں۔

(2) نروان کو حاصل کرنے کیلئے نیک اعمال کے بجائے بدھی ستواؤں پر عقیدہ ہی کو کافی سمجھا جانے لگا۔ اس طرح عمل کی جگہ بے عملی نے لی۔

(3) بدھ مت میں عبادت کا کوئی ظاہری طریقہ رائج نہیں تھا۔ اس عقیدہ نے عبادات کے ظاہری طریقے مقرر کر دیئے۔ بدھی ستوا معبود بن گئے۔ خانقاہیں مندر بن گئیں اور تختیاں پیدا ہونے لگیں۔ بدھی ستوا کی ولادت اور وفات کے دن شان و شوکت سے منائے جانے لگے۔ اس دن عبادت اور مقررہ رسوم ادا کی جاتی تھیں۔

(4) بدھی ستوا کو بدھ کا مظہر قرار دیا اور بدھ کو اعلیٰ حقیقی شے قرار دیا جو دوسری دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ دھیان بدھ (Dhyan Bhudha) ہے۔ جس سے پانچ دھیانی بدھی ستوا پیدا ہوئے۔ ہر دھیانی بدھ اور بدھی ستوا کے مقابلہ میں ایک نسوانی ہستی کے عقیدہ نے جنم لیا اور یہ دعویٰ کیا گیا کہ ہر بدھی ستوا کیلئے اس دنیا میں ایک انسانی بدھ موجود ہے۔

(5) اخلاقی اور عملی تعلیم کی جگہ دقیق اور بعید الفہم فلسفہ نے لے لی۔ گوتم کے خیالات کی تشریحات وتوضیحات کی جانے لگیں۔ مثلاً گوتم بدھ کے نزدیک انسانی وجود مصائب وآلام سے گھرا ہوا ہے اور اس میں تین چیزیں شامل ہیں

(1) رنج والم

(2) عارضی ہونا یا انیکا (Annica) یعنی دنیا فانی ہے اور کسی چیز کو قرار نہیں۔

(3) غیر حقیقی ہونا یا اناتھا (Anatha) یعنی تمام چیزیں غیر حقیقی ہیں کیونکہ اگر وہ حقیقی ہوتیں تو پردہ فنا میں نہ جاتیں۔

ان معقولات کی تشریح میں وہ کچھ کہا گیا ہے اور لکھا گیا ہے جو احاطہ تحریر سے باہر ہے۔

سب سے زیادہ بحث تیسری صفت اناتھا یا غیر حقیقی ہونے پر کی گئی ہے۔ اناتھا کا مفہوم سنیا تا (Sunyata) بیان کیا گیا۔ جس کے معنی خالی ہونے کے ہیں۔ یعنی دنیا کی تمام چیزیں صفات سے خالی ہیں۔ اور دنیا ویسی نہیں جیسی کہ ہم دیکھتے ہیں۔ ایک طبقہ کا عقیدہ یہ ہو گیا کہ دنیا کا وجود صرف ہمارے ذہن میں ہیں۔ خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اب گوتم کی بتلائی ہوئی صفات کی جگہ تین اور صفتوں نے لے لی۔ وہ صفتیں یہ ہیں:

(1) خالی ہونا سنایا (Sunya)

(2) بے صفت ہونا انِی متھا (Animitha)

(3) بغیر خواہش کے ہونا اپر انہیلا (Aprnihala)

ہنا ئنا (Hyna Yana) فرقے کے عقائد

ہنا ئنا یانا جنوبی فرقے کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ نہ آتما ہے نہ پیر ماتما ہے یعنی خدا ہے نہ روح بھکونا اپنی تصنیف بدھ ازم میں لکھتا ہے اس کے مہا ئنا کے خلاف ہنانا کا فرقہ خدا اور الہام دونوں کا منکر ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے ک بدھ انسان تھا۔ انسان کی طرح پیدا ہوا تھا۔ انسان کی طرح زندہ رہا اور مرا گو وہ انسان تھے۔ پر ایک غیر معمولی صفات کا حامل تھا جو بدھوں کی اصطلاح میں اچار یہ منش کہلاتا ہے۔

اس فرقے کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مستقل ہستی کا نظریہ ایک فریب محض ہے۔ ہستی بے ربط اور عارضی عناصر سے وجود میں آئی اور خواہش سے ہی قائم ہے۔ ان کے عقیدے کی رو سے نروان کا مطلب ان عارضی عناصر کو مٹانا اور خود کو مکمل طور پر پیر فنا کرنا ہے۔ یعنی مطلق نیستی یہ فرقہ نجات کیلئے عمل اور خود اعتمادی پر بہت زور دیتا ہے۔ پری نبھان ستا میں بدھ کا قول ہے تم خود اپنے جزیرے بنو اور خود اپنے لیے پناہ لو۔ دوسروں میں پناہ تلاش نہ کرو۔

بدھ فرقوں میں فساد اور اختلاف کی وجوہات

(1) بدھ فرقوں میں اختلاف اور فساد کی وجہ پالی زبان ہے جس میں یہ صحیفے لکھے گئے ہیں۔ اس زبان کے قواعد اس قدر مہمل ہیں کہ ہر ایک عالم اپنے خیال کے مطابق تشریح و توضیح کر سکتا ہے۔

(2) بدھ تعلیمات کی توضیح اور حفاظت کیلئے سو سو سال کے وقفہ کے بعد تین مجلسیں منعقد ہوئیں۔ پہلی تین مجالس کے وقت اگرچہ رسم الخط موجود تھا لیکن بدھ کی تعلیم کو احاطہ تحریر میں بہت ہی کم لایا گیا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بدھ کی تعلیمات کو

کتابی صورت میں لانے کا کام بدھ کے ایک طویل عرصے کے بعد کیا گیا۔ پتا کا راجہ اشوک کے زمانے میں بھی لکھی ہوئی موجود نہ تھی۔ کیتھ کہتا ہے کہ اشوک کے دو سو سال بعد ستاپتا کا احاطہ تحریر میں آئی بلکہ اس کا ایک حصہ دوسری صدی مسیحی میں مکمل ہوا۔ تاریخی طور پر بھی یہ بات ثابت ہے کہ ہندوستان میں ایک ہزار سال کا پرانا نسخہ کوئی موجود نہیں۔

مسٹر اے برنل (A. Burnel) جس نے سب سے پہلے بدھ مت کے قدیم نسخوں کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ اس کا یہ فیصلہ ہے کہ ہندوستان میں آج کل ایک ہزار سال کا پرانا نسخہ کوئی نہیں ہے۔ بلکہ 500 سال کا بھی پرانا کوئی نسخہ نہیں ہے۔ گوتم بدھ نے جو فرمایا تھا کہ میرے بعد پانچ چیزیں گم ہوں گی ان میں سے ایک اس کی تعلیم کا گم ہونا ہے۔ چنانچہ بدھ کہتے ہیں کہ ایک وقت بدھ راجہ اعلان کرے گا۔ جسے بدھ کی چار سطریں یاد ہوں وہ ہاتھی پر لدے ہوئے سونے کے ڈبے میں بند 1000 روپیہ حاصل کرے۔ مگر شہر میں تین چار مرتبہ منادی کے بعد بھی کوئی بدھ نہ لے سکے گا۔

ہنا ئنا اور مہا ئنا فرقوں کے عقائد پر تنقید

اسلامی نقطہ نگاہ سے مروجہ بدھ مت میں بے شمار قابل اعتراض باتیں شامل ہو گئی ہیں۔ سنیا ئنا یعنی جنوبی بدھ مت ہستی باری تعالی وجود روح اور وحی الہام کا منکر ہے۔ مہا ئنا فرقہ نے بدھ کو ہی خدا قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ دوسرے بہت سے دیوتاؤں کی پرستش لازمی قرار دے دی ہے۔ ہر جگہ بدھ مت نے مقامی توہم پرستی اور رسوم کو بھی اپنے اندر جذب کر لیا ہے۔ اس طرح مروجہ بدھت مت رسوم بت پرستی اور بزرگوں کے تبرکات کی پرستش اور رہبانیت کا مجموعہ بن کر رہ گیا۔ جو سراسر منفیانہ طرز عمل ہے۔ خدا روح حیات بعد الموت سے انکار فنائے مطلق کو نروان قرار دینا اور رہبانیت یہ زندگی سے فرار ہے۔ اس عمل سے نہ تو انفرادی اصلاح ہوتی ہے اور نہ سماجی فلاح اور اسلام نہ صرف ان غلط عقائد کی اصلاح کرتا ہے بلکہ کامل نظریہ حیات پیش کرتا ہے جو انفرادی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح اور فلاح کا ضامن ہے۔ اسلام کے نظریات پر بحث اسلام کے عنوان کے ضمن میں آئے گی۔

بدھ پرستی

گوتم بدھ کے انتقال کے بعد جب رسوم میت ادا کی جا چکیں تو ان کے جسم کی راکھ ہڈیاں دانت اور بال وغیرہ محفوظ کر لیے گئے۔ انہیں گنبد کی وضع میں بڑا کی عمارتوں میں رکھا گیا۔ جنہیں استوپ کہتے ہیں۔ سیلون کے استوپ داگوبا اور برما وغیرہ میں یہ پیگوڈ کہلاتے ہیں۔ ایشیا میں لاکھوں

استوپ ہیں چونکہ بہتوں میں بت مقدس تحریریں یا مناجائیں رکھی گئی ہیں۔ استوپوں کا طواف کیا جاتا ہے۔ ان پر پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ یہ گویا بدھ کے آثار جسم کی پوجا ہے۔ اس طرح کی پوجا نیز استوپوں کا تعمیر کرانا' حفاظت کرنا' بدھ کا دھیان کرنا' بھکشوؤں کو کھلانا یہ سب باتیں موجب ثواب ہیں اور نروان کے حصول میں مدد دیتی ہیں۔

بدھ مت کی اشاعت اور ماحول کے مطابق تبدیلیاں

ہر ملک میں جہاں جہاں بدھ مت پھیلا ہوا ہے وہاں کے عقائد اور روایات بدھ مت کا جزو بنتے چلے گئے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اپنی توسیع کے دوران وہ بڑے تغیرات سے گزرا اور بعض اوقات تو اس میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہوئیں لیکن اس طرح بحیثیت مجموعی بدھ مت دراصل ایک مذہب کے بجائے مذاہب کا خاندان ہے۔ عملاً اس نے مقامی مذاہب و عقائد کے ساتھ مصالحت کے ذریعہ اپنا راستہ پیدا کیا۔

اکثر اوقات اس طرح مختلف عقائد میں امتزاج کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس میں بدھ مت کے خصوصی و امتیازی عنصر کا پتہ چلانا مشکل ہے۔ مزید برآں چین اور جاپان جیسے ممالک میں بدھ مت کے بیشتر پیروکار ساتھ ساتھ اپنے اصل قومی مذاہب کے بھی وفادار تھے۔ جس کے باعث یہ معلوم کرنا دشوار ہوتا تھا کہ بدھ مذہب کے معنی کیا ہیں۔ چین کی قوم پرست حکومت کی وزارت اطلاعات کی رائے یہ ہے چین کا بدھ مذہب جو ہندوستان سے پہلی صدی کے بعد داخل ہوا تھا اصل بدھ مذہب سے بہت کم مشابہت رکھتا ہے۔ متعدد مقامی قصص روایات' رسوم اور فرائض کا بدھ مذہب میں اضافہ کر دیا گیا۔ تاکہ اس کو گہرا چینی رنگ دیا جا سکے۔ بدھ مذہب جزیرہ نمائے ملایا خصوصاً جزیرہ جاوا میں بھی شائع ہو گیا جہاں بدھ مذہب کی ایک عظیم ترین یادگار بوربوڈوئر (Borbodoer) پائی جاتی ہے۔ اس عظیم الشان عمارت کے آثار دراصل پتھروں پر سوال و جواب کے ذریعے مذہبی تلقین کا ایک نادر نمونہ ہے جس کی ہر جماعت میں بھگتوں کو ایک نئی چیز کی تعلیم ملتی تھی۔ ان جزائر میں بدھ مذہب ان ہندو نو آبادکاروں کے ذریعے پہنچا۔ جن کی بڑی تعداد ظاہر ہے کہ ان علاقوں سے آئی تھی جہاں بدھ مذہب مہایانا بدھ مت اور ہندو مذہب کا مخلوط مجموعہ تھا۔ گو ہیانا بدھ مت کی خصوصیات بھی بالکل معدوم نہیں ہیں۔ اسلام کی آمد اور اشاعت نے بدھ مت کو بتدریج یہاں سے محو کر دیا۔ ہندوستان میں اس کی داستان یہ ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ہندوستان میں ناگرجنا اور اسنگا کے زمانہ سے بدھ مت کے عقیدۃ میں زبردست احیاء ہوا تھا۔ اس کے بعد ہندو اور بدھ فلسفہ میں جو فرق تھا وہ بتدریج دھندلا ہو گیا اور مصنف لکھتا ہے بدھ مذہب نے بہرحال ایک آزاد مذہب کی حیثیت سے اپنے لیے مقام پیدا کر لیا اور کئی صدیوں تک ہندوستان کے بڑے حصہ کا غالب مذہب رہا لیکن وہ بھی بالآخر ہندو مذہب

سے گھل مل گیا۔ ہندوستان کی تاریخ میں ایک زمانہ ایسا تھا کہ برہمنی اور بدھ دیوتاؤں میں اس درجہ میل ہو گیا کہ خود محققین بھی اس زمانے کے مندروں کی بمشکل تفریق کر سکتے ہیں اور اسی مندر کو کبھی بدھسٹ کہتے ہیں اور کبھی برہمنی یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایک ہی زمانہ کی عمارتوں میں بدھ اور برہمنی مندر ایک دوسرے کے پہلو میں نظر آتے ہیں۔ اگر ہم اپنے مخیلہ کو اس قدیم زمانے تک پہنچائیں جب کہ برہمنی اور بدھ مذہب آپس میں شیر و شکر ہو رہے تھے اور ان میں التباس پیدا ہوتا ہے تو ہماری سمجھ میں بخوبی آ سکتا ہے کہ اس زمانہ کے بادشاہ اپنے روپیہ کو ان دونوں مذاہب کی یادگاروں میں ایسی فیاضی سے صرف کرتے تھے جیسے یورپ کے ازمیہ متوسط میں کوئی بادشاہ مختلف عیسائی فرقوں کے گرجوں کی تعمیر کراتا تھا۔ نیپال میں اس کی داستان سنئے بس نیپال کا ملک بدھ مذہب کے قدیم گہواروں میں سے ہے اور یہ مذہب یہاں دو ہزار سال سے رائج ہے۔ اگرچہ اس ملک کے ہندوستان سے علیحدہ ہونے کے سبب یہاں بدھ مذہب قائم رہ گیا لیکن یہ علیحدگی مذہب کو اس تغیرات سے نہ بچا سکی جو اس میں برہمنی مذہب کی ہمسائیگی کی وجہ سے وقوع میں آئیں۔ اور انہوں نے بالآخر اسے برہمنی مذہب میں ضم کر دیا۔ نیپال میں جو حالت بدھ مذہب اور برہمنی مذہب کی ساتویں صدی میں تھی وہ اس وقت بھی موجود ہے یعنی یہ علیحدہ تو ہیں لیکن ان دونوں میں وہ اتحاد اور ایک دوسرے کی رواداری پائی جاتی ہے جو اس وقت تمام ہندوستان میں تھی اور جو بدھ مذہب کے ختم ہو جانے کے ماقبل کی حالت تھی۔ اس وقت نیپال میں مندر دیوتا اور مذہبی مراسم ایسی موجود ہیں جو دونوں فرقوں میں مشترک ہیں۔

مختلف ممالک میں بدھ مذہب کی اشاعت کی تاریخ

ہندوستان میں اشاعت

بدھ مذہب اپنی سادہ اور اخلاقی تعلیم کی وجہ سے ہندوستان میں تیزی سے پھیلنا شروع ہو گیا۔ اس مذہب کو قبول کرنے کیلئے ہر کس و ناکس کیلئے دروازہ کھلا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین سو قبل مسیح یہ مذہب پورے ہندوستان شالی ہند پر غالب آ گیا۔ پھر اس کے بعد دو بدھی بادشاہوں اشوک اور کنشک کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ اشوک نے اس کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس کی اشاعت کیلئے باہر مبلغ بھیجے۔ ستونوں اور کتبوں پر تعلیم کی اشاعت کی۔ بے شمار برہمن اور راہب اس مذہب میں داخل ہو گئے۔ ان کو اس مذہب سے پوری واقفیت حاصل نہ تھی اس وجہ سے بدھ مت میں بداعتقادیاں پھیلنا شروع ہو گئیں۔ اشوک نے ان بداعتقادیوں کو دور کرنے اور تعلیم کی تصحیح کیلئے تیسری کونسل طلب کی۔

اشوک کے بعد کنشک نے اس مذہب کو اور بھی ترقی دی۔ اس نے بدھوں کی چوتھی کونسل

منعقد کرائی جس میں مذہبی کتب لکھی گئی۔ آٹھویں صدی عیسوی تک ہندوستان کے کونے کونے میں یہ مذہب پھیل گیا۔ اس کے بعد تنزل اور ادبار کا شکار ہوا۔ جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

تبت

تبت میں بدھ مت ساتویں صدی عیسوی میں پہنچا۔ سرانگ سان گیمپوہ (Srong Tsan Gampo) نامی راجا کی ذاتی مساعی سے یہ مذہب تبت میں پھیلا۔ اس نے ایک وفد ہندوستان میں بھیجا۔ مہایانی نظریات تبت میں مقامی رنگ کے ساتھ قبول کر لے گئے۔ ابتدائی سو سال میں تبت کے باشندے اس مذہب کی طرف راغب نہ ہوئے۔ اس کی ایک وجہ تو انہیں اپنے قدیم مذہب بونپا (Bonpa) سے بڑی عقیدت تھی۔ دوم ان کو مہایانی عقائد کا سمجھنا مشکل تھا۔ البتہ آٹھویں صدی عیسوی میں ہندی مبلغین کی ایک جماعت تبت میں گئی۔ اس نے مذہب کی خوب اشاعت کی۔ یہی وجہ ہے کہ تبتی بدھ مت میں ہندی بدھ مت کے زیادہ اثرات ہیں۔ تبتی مہایان زندہ بودھوں پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ سب سے بڑے پروہت کو لاما یعنی علم اعلیٰ کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے کہ گوتم کی روح ان لاماؤں میں حلول کر گئی ہے اور ان کو ارواح خبیثہ پر دور کرنے پر قادر تصور کیا جاتا ہے۔ لوگ ان کو اپنے گھروں میں دعوت دیتے ہیں اور وہ اپنے جادو منتر سے بد ارواح کو گھروں سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لاما کے عہدہ تک پہنچنے کیلئے کئی عہدوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلا عقیدہ امیدواروں کا ہوتا ہے۔

دوسرا عہدہ نو آموز راہب (Getsul) کا عقیدہ ہوتا ہے۔ تیسرا عہدہ مکمل راہب (Gensne) کا عہدہ ہوتا ہے۔ پانچواں عہدہ صدر راہب (Khanpo) کا ہوتا ہے۔ یہی کہلاتا ہے ان کی خواہشات ہی قانون کا درجہ رکھتی ہیں۔

چین

چین کے ایک کے بادشاہ ووٹی (Wuti) نے 123 ق م میں ہوکرپنگ (Hokuping) کی زیر کمان ایک فوجی تاتاری حملہ آوروں کو پسپا کرنے کیلئے ترکستان کے سرحدی علاقوں میں بھیجی۔ یہ فوج ترکستان کے علاقہ میں گھس گئی اور واپسی پر گوتم کا سونے کا مجسمہ ساتھ لے گئیں۔ اس طرح چین کے لوگ دوسری صدی قبل مسیح کے اواخر میں بدھ مذہب سے روشناس ہوئے۔ اہل چین خود ایک اعلیٰ تہذیب اور ثقافت کے مالک تھے۔ وہ باہر کی کسی تہذیب اور مذہب کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔ اہل چین کے مذہب کے عناصر آبا پرستی تھے۔ وہ ایک ایسے مذہب کو کیسے قبول کر سکتے تھے جو راہبانہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہو۔ جادو اور علم النجوم میں مہارت رکھنے والے تعلیم یافتہ طبقہ نے اس مذہب کی شدید مخالفت کی کیونکہ بدھ مذہب کو اس قسم کی باتوں سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ اس نئے مذہب کی کامیابی کو اپنی عزت اور وقعت کیلئے خطرے کا باعث تصور کرتے تھے۔

گوتم تلاش حق میں

راج گڑھی مگدھ کی سلطنت کا دارالخلافہ تھا۔ خوبصورت اور دلکش وادی میں پانچ پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ ان پہاڑوں کے غاروں میں چند یہود درویش رہتے تھے۔ گوتم ان کے پاس گیا۔ ایک اتر نامی فقیر کا مرید ہو گیا۔ جب اس فقیر کی محبت تسکین حاصل کی دولت میسر نہ آئی تو ایک عابد و زاہد فقیر ادرک نامی کے پاس گیا۔ ان دونوں درویشوں نے ہندو مذہب کا فلسفہ سکھایا۔ اس کے بعد گوتم نے نفس کشی کیلئے چلوں اور ریاضتوں کا قصد کیا۔ ازویل کے جنگل میں چھ سال تک سخت ریاضتیں اٹھائیں۔ جسم کانٹے کی طرح سخت ہو گیا لیکن نور قلب میسر نہ آیا۔ ان ریاضتوں اور مشقتوں کے اٹھانے کے بعد ان کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی۔ بالآ خرغشی کے دورے پڑنے لگے۔ تھوڑے عرصے کے بعد بے ہوشی اور سکر دور ہوا۔ آپ نے دیکھا ان کے جسمانی ریاضتوں اور مشقتوں کی وجہ سے نور قلب میسر نہیں آرہا ہے۔ آپ نے نفس کشی ترک کر دی اور کھانا پینا شروع کر دیا۔

اس وجہ سے مرید آپ سے الگ ہو گئے اور گوتم کو چھوڑ کر بنارس چلے گئے۔ گوتم گوہر مقصود کی تلاش میں پھرنے لگا۔

ہندو درویشوں کی محبت نے بھی اطمینان قلب نہ بخشا۔ ریاضتوں اور مشقتوں سے بھی دلی راحت میسر نہ آئی۔ اس بے اطمینانی کی حالت میں کوئی فیصلہ نہ کر پایا اور اس درویشانہ اور فقیرانہ زندگی میں ہی حیران و سرگرداں پھرتا رہا۔

اس حالت میں ایک روز ایک نا کتخدا دہقان لڑکی کی نظر گوتم پر پڑی۔ گوتم کو شکستہ حال دیکھ کر پوچھا اے فقیر کیا آپ بھوکے ہیں۔ اور آپ میرے ہاتھ سے کھانا تناول کریں گے۔ گوتم نے سر اٹھا کر دیکھا اور کہا اے بہن تمہارا نام کیا ہے۔ مہاراج میرا نام سوجات ہے۔ گوتم نے کہا ہاں میں بھوکا ہوں لیکن یہ تو بتاؤ تمہاری غذا میری بھوک کو تسلی دے سکے گی۔

لڑکی یہ نہ سمجھ سکی کہ اس درویش کی بھوک سے کیا مراد ہے؟ اور کس قسم کی تسلی چاہتا ہے۔

لڑکی نہایت محبت اور شفقت سے کھانا لائی۔ گوتم نے ایک بھیڑ کے نیچے بیٹھ کر تناول کیا۔ سوجات چلی گئی۔ گوتم سارا دن اس درخت کے نیچے اللہ کو یاد کرتا رہا۔

پہلی آزمائش

شیاطین نے مختلف وسوسوں سے گوتم کو ان کے مقصد حیات اور مطمح نظر سے الگ کرنے کی کوشش کی لیکن گوتم شیاطین کے وسوسوں پر غالب آ گیا۔

دوسری آزمائش

گوتم کو حوروں کے جم غفیر نے اپنے گھیرے میں لے لیا اور گوتم کو محبت آمیز سرگوشیوں اور وعدوں سے اللہ سے غافل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ وہ گوتم کو کہتی تھیں۔

ادھر آؤ! ذرا تو انہیں دیکھ لے تیرا مکھڑا تو پورا چاند ہے لیکن یہ بھی نئی کنول کے پھول سے کم نہیں۔ ان کی آوازوں کو سن کیسی پیاری اور دل سے نکلتی ہیں۔ ان کے دانت ایسے سفید ہیں جیسے برف یا چاندی ان کی مثل جنت میں بھی ملنا مشکل ہے۔ اس دنیا میں تجھے بھلا یہ کہاں ملے گی۔ یہ تو ایسی حسین ہیں کہ بڑے بڑے دیوتا بھی ان کی خوبصورتی پر مرتے ہیں۔ گوتم نے ان بد روحوں کو یہ جواب دیا یہ جو شکلیں میرے سامنے کھڑی ہیں نہایت ہی مکروہ ہیں۔ ان کے اندر کیڑے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ تو بالکل جلنے والی ہیں اور دکھ درد سے بھری ہوئی ہیں۔ میں دو چیزیں حاصل کروں گا جو جاودانی ہیں۔ جیسے عقل مند مانتے ہیں اور جن سے تمام آسودگی ہاتھ لگتی ہے۔

ان روحوں نے پھر کہا تو کیوں اتنی فکر کرتا ہے۔

گوتم نے جواب دیا:

ہر ایک مخلوق میں گناہ ہے جس نے اپنے آپ کو ہوس سے پاک کیا وہ اس بات کو جانتا ہے۔ انسان کی شہوت نفسانی کی مثال تلوار یا تیر یا نیزے یا استرے کی ہے جس پر شہد لگا ہوا ہے۔ ان کی مثال سانپ کے سر یا دہکتی ہوئی آگ سے ہے اور میں ان کو خوب جانتا ہوں۔"

کتاب کہتی ہے:

"وہ اس مخلوق کو نہ محبت کی نگاہ سے دیکھتی تھی نہ غضب کی نگاہ سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ سمندر خشک ہو جائیں گے۔ آفتاب اور ماہتاب زمین پر گر

پڑیں گے لیکن وہ گوتم جن تینوں عالم کے گناہوں کو دیکھ رہا تھا ہرگز عورتوں کے قبضہ میں نہیں آئے گا۔"

تیسری آزمائش

اس کے بعد ملک شیاطین نے گوتم کو تمام جہانوں کی حکومت دینے کا وعدہ کیا۔ بشرطیکہ وہ علم و معرفت کو خیرباد کہہ دے۔ ملک الشیاطین بولا:

"میں تمام دنیا میں نفسانی شہوات کا بادشاہ ہوں۔ تمام دیوتا اور تمام انسان اور حیوانات میرے تابع ہیں اور میرے حکم پر چلتے ہیں۔ اٹھ تو میری اقلیم میں ہے اپنی آواز مجھے سنا۔"

شاکیا منی (گوتم) نے جواب دیا:

"اگر تو شہوات نفسانی کا بادشاہ ہے تو ہوا کر دنیا پر تو تیری حکومت نہیں ہے۔ مجھے غور سے دیکھ میں ہوں بادشاہ قانون کا۔ اگر تو شہوات کا بادشاہ ہے تو بری راہ نہ چل تو کچھ بھی کر میں ضرور تیری آنکھوں کے سامنے علم حاصل کر لوں گا۔"

جب گوتم ان تینوں آزمائشوں میں پورا اترا تو غیب سے یہ دلنواز آواز آئی۔ دیوتا اسے موتیوں کا ہار نشان اور پرچم دے رہے تھے اور اس پر پھول اور چندل کے چورے کی برسات کر رہے تھے۔ وہ شادیانے بجا رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے۔

"یہ جواں مرد! دشمن کی فوج نے تمہارے درخت کا محاصرہ کرنے کے بعد بالآخر شکست پائی۔ اس مقام پر اس بہترین کرسی پر آج تجھے عرفان شہوات نفسانی سے خالی حاصل ہوگا اور تجھے بدھ کی ساری حکومت ملے گی کیونکہ تو نے اپنی شریں کلامی سے شیطان کی فوج پر فتح پائی ہے۔"

اب گوتم کو اپنے نفس امارہ پر مکمل فتح حاصل ہوگئی۔ وہ راستہ مل گیا جس کی تلاش تھی۔ وہ شربت کا فور مل گیا جس کے لیے کام کام دہن پیاسے تھے۔ جس کے پینے سے روحانی منزلیں جلد طے ہوگئیں اور اللہ کا دیدار ہوگیا۔ جس کیلئے روحانی آنکھیں ترس رہی تھیں۔ محبوب کا شیریں کلام سننے کیلئے کان برسوں سے بے تاب تھے۔ گویا زندگی کا عقدہ کھل گیا اور جوہر مقصود مل گیا۔ عرفان اور روشنی حاصل کرنے کے بعد گوتم بدھ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے دین دارو میں نے اس طرح رنج و غم کی مصیبت کو اس کے غیر متناہی ہونے کو اور اس کے دور کرنے کے طریقے کو سیکھا ہے۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ خواہش نفسانی کی کیا مصیبت ہے۔ دنیوی زندگی اجل کی کیا مصیبت ہے اور ان کل

مصیبتوں سے انسان کیونکر بچ سکتا ہے۔ یہ مصیبتیں کس طرح غائب ہو سکتی ہیں۔"

دراصل گوتم کو یہ معراج تھا جو تمام خدا کے بندوں کو ہوا کرتا ہے۔ جس طرح خدا کے مراتب ہوتے ہیں اس طرح ان کے معراج کے مراتب ہیں۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے تمام محبوبین کے سرتاج ہیں اس طرح آپ کو معراج ہوا تھا۔ وہ سب سے اعلیٰ تھا۔ جس کی نظیر روحانی دنیا میں نہ ملتی ہے نہ ملے گی۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

"اور یقیناً ان نے اپنے آپ کو ایک اور مرتبہ پر دیکھا۔ سدرۃ المنتہٰی کے پاس۔ اس کے قریب جنت ہے جب سدرہ پر پرچھائیاں چھا رہی تھیں اس مقام پر بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کج نہ ہوئی اور نہ حد سے بڑی بڑی نشانیاں کو دیکھا۔"

ان آیات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معراج کا ذکر ہے۔ جب آپ کی روح نوری جسم کے ساتھ تمام روحانی بلندیوں کو طے کرتے ہوئے دیدار الٰہی سے شرف یاب ہوئی۔

بڑ کے درخت بدھوں کے نزدیک ایک مقدس درخت ہے۔ اب تک اس بڑ کے نیچے جلسے اور اجتماع ہوتے تھے۔ تھیوصوفی والوں نے بھی اس طریقے کو اپنا لیا ہے۔ ہندوؤں میں بھی بڑ کے درخت مقدس خیال کیے جاتے ہیں۔ جن کے نیچے دیوتا استراحت کرتے ہیں۔ بیری کے درخت کو بھی بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ جو شخص ان بیری کے بیر کھاتا ہے وہ واپس کبھی نہیں لوٹتا وہ آرام وسکون اور راحت کا مقام ہے۔

مبشرانہ زندگی کا آغاز

گوتم مسرت کے عالم میں اس درخت کے نیچے سے اٹھتے اور طمانیت قلب کا الٰہی نسخہ ساتھ لے کر راج گڑھی کی طرف چل پڑے تاکہ ان لوگوں کو بھی اس نسخہ سے اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال کر سکیں۔ سب سے پہلے اپنے دونوں استادوں کی طرف روانہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ اس فانی دنیا سے کوچ کر چکے ہیں۔ وہاں سے بنارس کی طرف چلے۔ راستہ میں ایک پرانے دوست سے ملاقات پر یوں گفتگو ہوئی:

"اپک) گوتم سے میں دنیا کی تمام اخلاقی اور روحانی طاقتوں پر قادر ہو گیا ہوں اور میں نے نفس امارہ کی سرکش اونٹنی کو ذبح کر دیا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مجھے دائمی راحت حاصل ہو گئی۔ اپک (گوتم سے) اب کس طرف جا رہے ہو۔

گوتم (اپک سے) بنارس

اپک (گوتم سے) کس غرض سے؟

گوتم (اپک سے) لوگوں کو وہ طریقہ بتانے کیلئے جس پر چل کر وہ ابدی اور حقیقی

راحت حاصل کر سکتے ہیں لیکن ایک نے سنی ان سنی کر کے دوسرا راستہ اختیار کر لیا اور گوتم بنارس کی طرف چل دیئے۔"

چند روز بعد گوتم ہرن بن میں جا پہنچے۔ یہ بن بنارس سے شمالی جنوب میں واقع ہے۔ وہاں گوتم کے پانچ بڑے مرید رہتے تھے۔ جب گوتم نے نفس کشی ترک کر دی تھی یہ پانچوں مرید حلقہ عقیدت سے الگ ہو گئے تھے۔ پانچوں نے گوتم کی طرف ذرا بھی توجہ نہ دی۔ گوتم کی قلبی نور پوشی نے ان کی مخالفت کو دھواں کر دیا اور کافی دیر تک مریدوں سے گفتگو ہوتی رہی۔ آخرکار حق کے قبول کرنے سے ان کا سینہ کھل گیا۔

سب سے پہلے مسن کندنیا حلقہ ارادت میں شامل ہوا۔ بعد ازاں دوسرے بھی حلقے عقیدت میں شامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ گوتم ہرن بن میں مقیم رہے اور لوگوں کو ابدی اور حقیقی نجات کا پیغام پہنچاتے رہے۔ اس پیغام کے پہنچانے میں امیر غریب عالم جاہل کسی کی تفریق نہ تھی۔ امراء میں سب سے پہلے اس پیغام کو امیر کبیر نوجوان نے قبول کیا۔ اس کا نام یاس تھا پھر اس کے ہمراہیوں کی ایک جماعت شامل ہو گئی۔ اور اس کے ماں باپ اور اس کی بیوی سب بدھ مت میں شامل ہو گئے۔

ہرن بن پہنچنے کے تین ماہ بعد گوتم نے اپنے تمام مریدوں کو جمع کیا جن کی تعداد ساٹھ کے قریب تھی۔ ان سب کو مختلف اطراف میں نجات ابدی کی خوشخبری کا پیغام پہنچانے کیلئے بھیجا۔ فقط یاس اپنے والدین کے پاس بنارس میں مقیم رہا۔

اردیل کے جنگل میں تین بھائی فقیرانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کی عام شہرت تھی۔ بے شمار شاگرد ان کے پاس جا کر رہا کرتے تھے۔ بادشاہ اور عمائدین ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ گوتم ان کے پاس گیا اور دوسرا وعظ اگنی دیا (The Fire Sermon) گوتم نے انسانی احساسات کو ہوس غضب، فریب اور نفرت کی دہکتی ہوئی آگ کا آلہ قرار دیا اور یہ بتایا کہ ایک دانش مند آدمی ہوس کی آگ بجھا کر دکھ اور کرب کی جڑیں دل سے باہر نکال پھینک سکتا ہے۔

ایک بھائی حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا اور بعد ازاں اس فقیر کے تمام شاگرد اور پیروکار گوتم کی غلامی میں آ گئے۔ اس طرح گوتم کی شہرت عام ہو گئی۔ دور نزدیک سے لوگ گوتم کو دیکھنے کیلئے آتے تھے اور اپنا پیغام ان تک پہنچاتے تھے۔ دن بدن پیرووں کی تعداد بڑھ گئی اور لوگ زیادہ سے زیادہ آنا شروع ہو گئے۔ بے شمار آدمی آپ پر ایمان لے آئے۔ گاؤں شہروں سے لوگ بڑی تعداد میں آپ کے پاس آتے تھے۔

اس عرصے میں گوتم کے والد نے پیغام بھیجا کہ کپل دستور آؤ اور ایک دفعہ اپنا دیدار کرا جاؤ۔ یہ پیغام حاصل کرنے کے بعد گوتم اپنے مریدوں کے ساتھ کپل دستور روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ

کر شہر کے باہر ایک جھاڑی میں ڈیرا ڈال لیا۔ ان کے والد اپنے رشتے داروں کو ساتھ لے کر ملنے آئے لیکن ان کی درویشانہ اور سادہ زندگی کو دیکھ کر خوش نہ ہوئے۔ گوتم اور ان کے مریدوں کے کھانے کا بھی بندوبست نہ کیا۔ اگلے دن گوتم نے شہر کے گھر گھر سے بھیک مانگنا شروع کی۔ جب بادشاہ کو اس بات کا علم ہوا تو ان کو بہت ملال ہوا۔ گوتم کے پاس گیا کہ وہ اس حرکت سے رک جائے۔ گوتم نے اپنے والد کو اپنے فلسفہ کی تبلیغ کی لیکن اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ باپ نے آپ کے ہاتھ سے کاسہ فقیری لے لیا اور قصر شاہی میں لے آیا اور اس کی بہت تکریم کی۔ گوتم کی بیوی ان کے پاس نہ آئی اور کہا اگر ان کے دل میں میرے لیے کچھ بھی عزت ہے تو وہ خود چل کر میرے پاس آئیں گے۔ اس دن اس نے اپنے خاوند کو مردہ سمجھ کر تمام عیش و آرام ترک کر دیا۔ دن میں صرف ایک دفعہ کھانا کھاتی اور سارا دن چٹائی پر لیٹی رہتی۔ گوتم جب شہر میں داخل ہوا تو آپ کو سارا علم ہو چکا تھا۔ گوتم بدھ مذہب کا کوئی پیرو عورت کو اپنا جسم چھونا یا چھونے دینا روا نہ رکھتا تھا تاہم گوتم دو مریدوں کو ساتھ لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا۔ بیوی نے اپنے خاوند کو زاہدانہ لباس میں دیکھ کر ان کے قدموں کو آ لیا۔ گوتم نے فرقہ اناث کیلئے ایک حلقہ اپنے مذہب میں قائم کیا۔ ان کی بیوی جسودھالا بدھ کے حلقے ارادت میں داخل ہو کر پہلی گوشہ نشین بیراگن ہوئی۔

پندرہ روز تک گوتم شہر کے باہر رہا۔ وہ بھی ایک جھاڑی میں اور آپ کے تمام رشتے داروں اور دوستوں کی دعوت میں شریک ہوتا رہا اور اپنا وعظ لوگوں تک پہنچاتا رہا۔

ایک دن گوتم کی بیوی نے اپنے بچے رہل کو عمدہ کپڑے پہنائے۔ جب گوتم محل کے پاس سے گزرا تو ماں نے بیٹے کو کہا۔ دیکھو تمہارا باپ جا رہا ہے ان کے پاس جاؤ اور اپنا ورثہ طلب کرو۔ بیٹا گوتم کے پاس گیا اور ورثہ طلب کرنے لگا۔

گوتم نے اس وقت تو کوئی جواب نہ دیا اور جب دعوت سے فارغ ہو کر واپس اپنے ٹھکانہ کی طرف جانے لگا تو بیٹا بھی پیچھے ہو لیا۔

گوتم نے راج گڑھی کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ اس تبلیغی دورہ میں بہت سے رشتے دار اور اہل وطن آپ کے حلقے ارادت میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے چار شخصیتوں کا ذکر ضروری ہے۔ انند دیوت ان کے رشتے کے بھائی تھے۔

اپالی قوم کا نائی اور نردوہ ان کا ہم وطن تھا۔ انند عمر بھر ان کے ساتھ رہا۔ دیودت ان کا مدمقابل ہو گیا۔ اپالی حجام ان کے گروہ کا بڑا نامور پیشوا بنا۔ انردوہ بدھ مذہب کی حکمت نظری کا عالم ہوا۔

موسم برسات کے اختتام پر گوتم بدھ راج گڑھی سے چل کر سلطنت کوسل کے پایہ سلطنت

سراوستی کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں ایک متمول سوداگر رہتا تھا۔ جس نے گوتم بدھ اور ان کے مریدوں کیلئے ایک وسیع جنگل مخصوص کر دیا۔ یہاں بڑے بڑے وعظ اور مناظرے ہوئے۔

یہاں آپ کی تبلیغی مساعی کا تیسرا سال ختم ہوتا ہے۔ چوتھے سال سے چالیسویں سال تک گوتم کی تبلیغی مساعی بہت کم ملتی ہے لہٰذا جو بھی مساعی پراگندہ طور پر کتب میں موجود ہے اُن کو لکھ دیا جاتا ہے۔

چوتھے برس گوتم مہابن میں مقیم رہا۔ ایک نٹ کو اپنے حلقہ مریدی میں شامل کیا۔

پانچویں سال وہ اپنے باپ سے ملاقات کرنے کیلئے دستو گئے۔ پہنچنے پر اُن کا والد فوت ہو گیا۔ ان کی نعش کو جلا کر واپس آ گئے۔

ان کی بیوی اور سوتیلی ماں ساتھ آئی۔ ان کے ساتھ چند اور بھی عورتیں تھیں۔ ان کو گروہ میں داخل کر لیا گیا۔

چھٹے برس گوتم راج گڑھی میں واپس آیا۔ ساتویں برس ایک دشمن نے ایک عورت چچی نامی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ گوتم پر زنا کاری کا الزام لگائے مگر اس کی فریب کاری کا پردہ چاک ہو گیا۔

آٹھویں برس گوتم کپل دستو کے قریب ایک پہاڑ پر سے گزرا وہاں چند تنے آدمیوں کو اپنے حلقہ میں داخل کر کے کبی کو چلا گیا۔

نویں برس بدھ مذہب کی جماعتوں میں اختلاف اور انتشار رونما ہو گیا۔ گوتم بدھ نے اس انتشار اور اختلاف کو دور کرنے کیلئے کوشش کی۔ آپ کی کوشش بار آور ثابت نہ ہوئی۔ اس وجہ سے تمام مریدوں کو چھوڑ کر بارلباک کے جنگل میں چلا گیا۔

دسویں برس قرب و جوار کے کسانوں نے ان کے لئے ایک جھونپڑا تیار کیا جس میں گوتم نے برسات کاٹی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے۔

اختلاف کرنے والوں نے آپ کو ڈھونڈ لیا۔ آپ سے معافی طلب کی' توبہ کی۔ آپ نے ان کے قصور کو معاف کر دیا۔ اپنے مریدوں کو ساتھ لے کر راج گڑھی چلے گئے۔

گیارھویں برس گوتم بدھ نے چند مشہور آدمی اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لئے۔ اور مگدھ اور کوسل کے ملکوں میں تبلیغی فریضہ سرانجام دیا۔

بارھویں برس ایک لمبا تبلیغی سفر اختیار کیا اور جس مقام پر سے گزرے وہاں وعظ کرتے تھے۔

چودھویں برس گوتم سراوستی میں رہے اور اپنے بیٹے کو کپل وستو کی طرف روانہ کیا۔

پندرہویں برس کپل دستور کے باہر ایک جنگل میں ڈیرہ لگایا۔ اپنے چچا زاد بھائی موہاتم جو ان کے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا تھا۔ وعظ کیا۔ اس کے علاوہ اور بھی وعظ کیے جن میں یہ بتایا کہ راست بازی کو صدقات اور راست بازی پر فضیلت حاصل ہے۔

سولواں برس مقام الاوکی میں بسر کیا۔ اور اپنا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ سترہویں برس راج گڑھی کی طرف گئے اور وہاں موسم برسات گزارا اور کسی سرہتی کی میت پر وعظ کیا۔ اب گوتم بدھ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب تک کسی بھوکے آدمی کو کھانا نہ کھلا لیتے اس کو وعظ نہ سناتے۔

اٹھارہویں برس چلیا میں جا کر ایک جولاہے کو جس کی لڑکی مر گئی تھی وعظ سنایا اور برسات کا موسم گزار کر راج گڑھی آ گیا۔

انیسویں برس گوتم بدھ نے مگدھ کے راستے سے سفر اختیار کیا۔ جس گاؤں سے گزرتے وہاں وعظ سناتے۔ ایک مرتبہ ایک ہرن کو پھندے میں پھنسا ہوا دیکھ کر اس کے پاس گئے۔ اس کے آگے گھاس چرنے کو ڈالی۔ شکاری بہت ناراض ہوا اور ان کو مارنے کے درپے ہوا مگر گوتم نے اپنا وعظ سنایا تو وہ اپنا پورا خاندان لے آیا اور ان کا مرید بن گیا۔

بیسویں برس دیہات اور قصبات میں وعظ سنائے۔ چلیا کے جنگل میں ایک مشہور ڈاکو انگولی مل نے اپنے لطف و عنایت کے برتاؤ سے جادہ حق کی طرف لائے اور حلقہ ارادت میں شامل ہونے کی رغبت دلائی۔

اکیسویں برس سے پینتالیسویں برس تک گوتم بدھ کے حالات بالکل پردہ کتمان میں ہیں۔ اس کی وجہ تو یہ ہے کہ ایک سال کے حالات دوسرے سال کے حالات ملتے جلتے ہیں۔ تذکرہ نویسوں نے ان مشابہ حالات کو احاطہ تحریر میں لانا پسند نہ کیا۔

گوتم بدھ عورتوں کی بہت تکریم کرتا تھا۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستوات نے اس مذہب کیلئے اپنی جان و مال کو وقف کر دیا۔

گوتم بدھ کا وعظ کرنے کا طریقہ

گوتم بدھ کا وعظ کرنے کا طریقہ نرالا تھا۔ روایت ہے کہ ایک جوان لڑکی کا نام گسا گوتمی اس کی شادی ایک امیر آدمی کے اکلوتے بیٹے کے ساتھ ہوئی تھی۔ جس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ وہ لڑکا ابھی بچہ ہی تھا کہ موت نے اسے گھیر لیا۔ وہ جوان عورت بچہ کو گود میں لیئے ہر درویش کے گھر گئی۔ ان سے دعا مانگتی جس سے اس کا بچہ زندہ ہو جاتا تو کیا ہے۔ اس پر ایک درویش نے کہا میرے پاس اس کا علاج تو نہیں لیکن میں تمہیں ایک ایسے درویش کا نام بتا سکتا ہوں جس کے پاس اس کا علاج ہے۔

اس عورت نے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا اس کا نام گوتم بدھ ہے۔ وہ عورت اپنے بیٹے کو گوتم بدھ کے پاس لے گئی۔ گوتم بدھ نے کہا۔ ہاں اس کے پاس علاج ہے۔ اس زمانے میں یہ طریقہ تھا جو مریض ہوتا وہی مرض کی جڑی بوٹی لاتا تھا۔ گوتم نے کہا کہ سرسوں کے دانے ایسے گھر سے لاؤ جس کا کوئی آدمی نہ مرا ہوا ہو۔ عورت گھر گھر جاتی سرسوں کے دانے مانگتی اور پوچھتی ان کا کوئی آدمی مرا ہوا تو نہیں ہے۔ ہر گھر سرسوں کے دانے دینے کو تیار ہو جاتا۔ جب وہ پوچھتی تو لوگ کہتے ان لوگوں میں سے ایک نہ ایک ضرور مرا ہوا ہوتا۔ جب وہ عورت گوتم بدھ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ گوتم بدھ نے کہا لائی ہو سرسوں کے دانے۔ عورت نے کہا سرسوں کے دانے تو ہر گھر سے مل رہے تھے لیکن کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا کوئی فرد بھی نہ مرا ہوا ہو۔ اس پر گوتم بدھ نے کہا تم نے دیکھا کوئی گھر ایسا نہیں جو موت کے پنجے سے بچا ہوا ہے۔ عورت نے لڑکے کو جنگل میں دفن کیا اور گوتم بدھ کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔

گوتم نے اپنے وعظ کا آغاز کیا اور کہا کہ ہر چیز فانی ہے۔ اس عورت کے دل پر گوتم بدھ کے خیالات ایسے مرتسم ہوئے کہ وہ فوراً حلقہ عقیدت میں شامل ہو گئی۔

دوسری روایات ہے کہ ایک آدمی اپنے کھیتوں سے فصل کاٹ کر گھر آ رہا تھا کہ گوتم بدھ اپنی جھولی لے کر اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور کہا میری جھولی میں کچھ ڈالو۔ اس آدمی نے کہا میں تو سارا دن محنت کرتا ہوں اپنا پسینہ بہاتا ہوں تب جا کر یہ گندم حاصل ہوئی۔ تم بھی میری طرف دیکھا اپنا پسینہ بہایا کرو اور فصل کو حاصل کرو۔ تب فقیر نے کہا سنو ایمان میرا تخم ہے جس کو میں بوتا ہوں اور نیک کاموں کی بارش ان کو سرسبز اور شاداب بناتی ہے۔ عقل و حیا ان کے پرزے ہیں اور میرا دل اسے چلاتا ہے۔ مذہبی قانون میرے ہل کا دستہ ہے۔ شوق اور سنجیدگی میرا پسینا ہے۔ محنت میرا ہل ہے اور محنت اور سعی میرے بیل ہیں۔ میں اس طرح پھل اگاتا ہوں اور لوگوں کو کھلاتا ہوں۔ جن سے ان لوگوں کی بیماری دور ہو جاتی ہے اور لوگ مجھے یاد کرتے ہیں۔

دیودت کی دشمنی

گوتم بدھ جب انیسویں سال کا موسم برسات سراوتی گزار کر سکھر (قلعہ کرکس) کی طرف آئے وہاں سے امباپلی کی طرف چلے۔ آپ نے دوسرے درویشوں سے کہا ہم تین سال بعد اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے۔ تم اپنے ایمان کا خیال رکھنا ثابت قدم رہنا یہ میری نصیحت ہے۔

بیماری سے ذرا فاقہ ہوا تو کشتی نگر کی طرف روانہ ہوئے۔ پاوی پہنچ کر چند افراد نے دعوت کی۔ وہاں سے کھانا کھا کر یا فارغ ہو کر وہاں سے چل دیئے۔ دریائے ککشت کے کنارے پہنچ کر ان کو تھکان اور پیاس محسوس ہوئی۔ اپنے مرید سے پانی منگوا کر پیاس بجھائی۔ ندی میں سے غسل کیا اور

پھر وہاں سے چل دیے۔ وہاں پہنچ کر موت کے آثار نظر آنے لگے۔

مریدوں کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ جب سے گوتم نے سنسار چندا سے کھانا کھایا ہے اس وقت سے بیمار ہو گئے ہیں۔

جب یہ الفاظ گوتم بدھ نے سنے تو اپنے پیارے مرید انند سے کہا میری موت کے بعد چندا سنسار کے پاس جانا اور کہنا گوتم کہتا ہے کہ اس کو کھانا کھلانے کا بدلہ اگلے جہان میں ملے گا۔

جن لوگوں نے کھانا کھلایا ہے ان میں سے چند لوگوں پر رحمت زیادہ ہو گی۔ ایک سوجات جس نے معرفت حقیقی حاصل ہونے سے قبل درخت دانش کے نیچے کھانا کھلایا تھا دوسرا چندا جس نے موت سے پہلے کھانا کھلایا گوتم درختوں کے جھنڈ کے نیچے بیٹھ گئے۔ اپنی زندگی کے بارے میں باتیں شروع کر دیں۔ جب انند نے دیکھا کہ ان کا معلم ہمیشہ کیلئے ان سے جدا ہو رہا ہے تو وہ مارے غم کے بیہوش ہو جاتا تھا اور رو رو کر اپنے غم کو بھلانے کی کوشش کرتا۔ جب گوتم بدھ نے انند کی اضطرابی کیفیت دیکھی تو بلا کر کہا:

"اے باوفا مرید تم سے مجھ کو بہت قربت حاصل رہی ہے اور تم ہمیشہ میرے فلسفے پر ثابت قدم رہے ہو۔"

گوتم پھر دوسرے مریدوں کی طرف متوجہ ہوا اور اللہ کے سامنے ان کی صفات گنوائیں۔

اب گوتم کی حالت خراب ہونے لگی۔ مریدوں نے تیمارداری میں اپنی محبت اور خلوص کے پیمانے انڈیل دیے۔ تمام رات تیمارداری میں گزاری۔ نصف رات کے قریب ایک برہمن آیا۔ انند نے استاد کی حالت خراب دیکھ کر ملاقات کی اجازت نہ دی۔ جب گوتم بدھ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے فلاسفر کو اپنے پاس بلایا اور اس سے سب کچھ سنا۔ گوتم نے کہا اب مباحثہ کا وقت نہیں ہے میں اپنا فلسفہ بیان کر دیتا ہوں۔ اس کو غور سے سنیں۔ وہ آپ کی ہدایت کا موجب ہوں گے۔ گوتم نے کہا دیکھو برہمن حقیقی نجات طہارت اور تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

برہمن کے چلے جانے کے بعد گوتم نے انند کو بلایا اور کہا میرے مر جانے کے بعد لوگوں تک تعلیم کو پہنچانا اور اس مشن کو جاری رکھنا۔

اس کے بعد گوتم بدھ ایک یا دو گھنٹے تک خاموش رہے پھر مریدوں کو پاس بلایا اور کہا اگر کوئی شک وشبہ ہے تو دریافت کر لے لیکن سب کی زبانیں مارے غم کے خاموش تھی۔ کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا اور ان سب کے آنسو دریا کی طرح بہہ رہے تھے۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا اے درویشو! دنیا فنا ہونے والی ہے اس لئے تمہیں چاہیے کہ اپنے جذبات پر فتح پا کر حقیقی نجات حاصل کرو۔

یہ گوتم بدھ کے آخری الفاظ تھے۔ وہ اسی (80) سال کی عمر میں 488 میں کسی نارا نامی مقام پر گورکھپور کے علاقے میں اپنی سالگرہ والے دن وفات پا گئے۔

مریدوں میں گروہ بندی

گوتم بدھ نے مریدوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ پہلا گروہ درویشوں کا تھا اور دوسرا گروہ دنیا داروں کا۔ دونوں کو عمل کی تعلیم دی۔

درویشوں کے گروہ میں داخل ہونے کیلئے حسب ذیل شرائط تھیں:

(1) وہ کسی متعدی مرض اور عوارض ذی نوائب میں مبتلا نہ ہو۔

(2) کسی کا غلام اور مقروض نہ ہو۔

(3) داخلہ سے قبل والدین کی رضا مندی حاصل کر لی ہو۔

(4) داخلہ سے پہلے سائل کو سر منڈوانا پڑتا ہے اور نارنجی رنگ کے کپڑے پہن کر گوشہ نشینی اختیار کرنا ہوتی ہے۔

(5) شراب پینے والا کبھی درویشی میں شامل نہیں ہو سکتا۔

(6) حصول رزق کیلئے در در پھرنا پڑتا ہے۔ بھیک مانگنے کا طریقہ تھا کہ سائل دروازے پر جا کر کھڑا ہوتا۔ گھر والے جھولی میں ڈال دیتے تو لے لیتا ورنہ آگے چلا جاتا۔ جب کھانے کیلئے کافی ہو جاتا تو قیام گاہ کی طرف چل دیتا۔

(7) صبح صادق اٹھ کر خانقاہ میں جھاڑو دینا ہوتا تھا پھر گوشہ میں جا کر قلب کی طہارت کیلئے اللہ کی عبادت میں مصروف ہونا ہوتا تھا۔

(8) خانقاہوں میں رہنا اور سادہ زندگی گزارنی ہوتی تھی۔

درویشوں کے تین کام ہوتے تھے:

(1) علم حاصل کرنا

(2) دنیا والوں کو تعلیم دینا

(3) نجات کے حصول کیلئے محنت کرنا

درویشوں کے مشاغل

صبح صادق کے وقت اٹھنا خانقاہ میں جھاڑو لگانا اور پھر ہاتھ منہ دھو کر شہر کی طرف نکل جانا اور کھانے پینے کی چیزیں اکٹھی کر کے واپس آنا اور پھر خانقاہ کے آگے ڈال دینا اور پھر لکھنا پڑھنا شروع کر دینا اور عبادت کر کے پھر تھوڑی دیر آرام کر کے شام کو یعنی غروب آفتاب تک پھر خانقاہ پر

جھاڑو لگا دینا اور پھر اپنے علم کو گھر گھر پھیلانا۔ سب لوگوں کو اس کی تعلیم دینا۔

دنیا داروں کے کام

دنیا داروں کے تین کام تھے:

(1) درویشوں سے علم سیکھنا

(2) فرائض خانہ داری ادا کرنا

(3) زاہدوں کی خورد و نوش کا بندوبست کرنا

تعلیمات بدھ

گوتم بدھ نے دونوں گروہوں کیلئے علیحدہ علیحدہ تعلیم دی ہے۔ درویشوں کے گروہ کیلئے جو قانون منضبط کیا تھا وہ چھ حصوں میں منقسم تھا:

(1) چار سرگرم مراقبے

(2) چار کوششیں

(3) چار دینداری کے راستے

(4) پانچ اخلاقی طاقتیں

(5) سات دانشیں

(6) آٹھ اعلیٰ طریقے

ان میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

چار دینداری کے راستے

(1) دیندار بننے کی خواہشیں

(2) دیندار بننے کیلئے ضروری جدوجہد

(3) دیندار بننے کیلئے ذہن کی مکمل تیاری

(4) دیندار بننے کیلئے تحقیقات

پانچ اخلاقی طاقتیں

(1) ایمان

(2) ہمت

(3) حافظہ

(4) تصور

(5) الہامی (باطنی دانش)

سات دانشیں

(1) ہمت

(2) حافظ

(3) تصور

(4) تحقیقات کتب مقدس

(5) نشاط

(6) استراحت

(7) سلیم الطبعی

آٹھ اعلیٰ طریقے

(1) صدق وعقیدت

(2) صدق وارادت

(3) راست گوئی

(4) راست بازی

(5) حلال روزی

(6) عزم مصمم

(7) سچی توجہ

(8) صادق تصور

یہ درمیانی راستہ چار خاص اصولوں سے نکالا گیا ہے یعنی

(1) تکلیف

(2) اسباب تکلیف

(3) خواہشات سے اپنے آپ کو بچانا

(4) طریقہ انسداد تکلیف

(i) انسانی زندگی دکھوں اور مصائب سے مملو ہے۔

(ii) ان دکھوں کا سبب خواہشات ہے۔

(iii) خواہشات سے اپنے آپ کو بچایا جا سکتا ہے۔

(iv) اس کیلئے نہ تو سخت ریاضت کی ضرورت اور نہ ہی عیش پرستی کی بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

طریق مذکور میں چار مرحلے آتے ہیں

پہلا مرحلہ:

جب چار ارفع اور اعلیٰ اصول تکلیف' اسباب تکلیف' انسداد تکلیف اور طریقہ انسداد تکلیف معلوم ہو جاتے ہیں تو وہ فلسفہ بدھ کا پیروکار بن جاتا ہے۔

ان اصولوں کا علم حسب ذیل ذرائع سے ہوتا ہے:

(1) نیکوں کی صحبت

(2) قانون مذہبی کا سننا

(3) تحقیقانہ غور وخوض

(4) نیکی کی مشق کرنا

دوسرا مرحلہ

جب انسان نفس امارہ اور غلط قسم کی دینی رسوم سے نجات حاصل کر لیتا ہے اس مرحلے میں شہوانی جذبات اور مغالطہ کافی حد تک دور ہو جاتے ہیں۔

تیسرا مرحلہ

اس مرحلے میں دل سے دنیا کی خواہشات میل اور نفس پرستی حسد' بغض کافی حد دور ہو جاتا ہے۔

چوتھا مرحلہ

یہ وہ مرحلہ ہے جب انسان کو مکمل طور پر گیان اور معرفت حاصل ہو جاتا ہے۔ طمانیت قلب کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

دنیا داروں کے واسطے دلپذیر اخلاقی نصائح

گوتم بدھ نے اپنے پیروکاروں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جو درج ذیل کام سرانجام دیتے ہیں:

(1) کسی جانور کو قتل نہ کریں

(2) نہ خود چوری کریں نہ دوسروں کو چوری کرنے دیں

(3) زنا کاری نہ کریں

(4) ہر قسم کے دروغ گوئی سے اجتناب کریں

(5) مسکرات اور منشیات کے استعمال سے خود بھی پرہیز کریں اور دوسروں کو بھی کہیں کہ ان کا استعمال نہ کرے

(1) والدین کے فرائض

(1) والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو برے کاموں سے بچائیں۔

(2) نیکی کرنا سکھائیں۔

(3) علوم وفنون کی تعلیم دلائیں۔

(4) لڑکوں کیلئے شریف بیویاں لائیں۔

(5) اور لڑکیوں کیلئے شریف خاوند کی تلاش میں رہیں۔

(6) ورثہ اور ترکہ دیں۔

اولاد کے فرائض

(1) والدین کی مدد کریں۔

(2) لازمی فرائض خانہ داری ادا کریں۔

(3) ان کے مال واسباب کی حفاظت کریں۔

(4) ان کے نیک کاموں کی پیروی کریں۔

(5) ان کی وفات کے بعد بھی ان کو تعظیم سے یاد کریں۔

شاگرد کے فرائض

(1) شاگرد اپنے استادوں کی تعظیم کریں۔

(2) شاگرد کو کبھی بھی استاد کے برابر نہیں کھڑا ہونا چاہیے۔

(3) ان کے نائب کی طرح کام کریں۔

(4) ان کے حکم کو مانیں۔

(5) ان کی حاجات کو رفع کریں۔

(6) ان کے پندو نصائح اور تعلیم پر پوری توجہ کریں۔

استاد کے فرائض

(1) شاگردوں کو ایسی تعلیم دیں جو بآسانی یاد رکھ سکیں۔
(2) اچھی باتیں سکھائیں۔
(3) انہیں عقل و شعور کی تعلیم دیں۔
(4) ان کے والدین سے اچھی طرح پیش آئے۔
(5) انہیں خطروں سے محفوظ رکھیں۔

شوہر کے فرائض

(1) بیوی سے عزت کے ساتھ پیش آئے۔
(2) اس کے ساتھ ثابت قدم رہے۔
(3) اس پر مہربانی رکھے۔
(4) دوسرے سے عزت کرائے۔
(5) مناسب کپڑے اور زیورات دے۔
(6) اس کی خواہشات کا خیال رکھے۔

بیوی کے فرائض

(1) امور خانہ داری کو بہتر طور پر سرانجام دے۔
(2) خاوند کے رشتہ داروں کی عزت کریں۔
(3) خاوند کی عدم موجودگی میں اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔
(4) کفایت شعاری سے کام لے۔
(5) تمام کام عقل اور ہوشیاری سے سرانجام دے۔

دوستوں کے فرائض

(1) ان کو تحائف اور ہدیہ دے۔
(2) شائستگی کے ساتھ بات کرے۔
(3) برابری کا سلوک کرے۔
(4) اپنی خوشی میں شریک کرے۔
(5) دوست کی عدم موجودگی میں اس کے مال و اسباب کی حفاظت کرے۔

(6) خطرے کی حالت میں اس کو پناہ دے۔
(7) غربت اور برے دنوں میں اس کا ساتھ دے۔
(8) اس کے اہل وعیال کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے۔
(9) تنہائی میں اس کی حفاظت کرے۔

آقا کے فرائض

(1) ملازمین کی طاقت کے مطابق ان سے کام کروائے۔
(2) ان کو مناسب کھانا اور مزدوری دے۔
(3) لطف وکرم کے ساتھ پیش آئے۔
(4) کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائے۔
(5) کبھی کبھی انہیں چھٹی دے دیا کرے۔

ملازمین کے فرائض

(1) آقا کی دل و جان سے عزت کرے۔
(2) جب آقا آئے تو کھڑے ہو جائے۔
(3) جب آقا سوئے تو اس کے بعد نوکر کو سونا چاہیے۔
(4) آقا جو بھی تنخواہ دے اسے ہنس کر قبول کر لے۔
(5) خندہ پیشانی سے کام کرے۔
(6) آقا کو اچھے کلمات سے یاد کرے۔

دنیا داروں اور دینداروں کے فرائض

(1) دنیا دار دینداروں کی محبت کے ساتھ اطاعت وعزت کرے۔
(2) ان کی ضرورتوں کو رفع کرے۔

دینداروں کے فرائض

(1) نیک کاموں کی ہدایت کریں۔
(2) برے کاموں سے روکیں۔
(3) انہیں مذہب کی تعلیم دیں۔
(4) ان کے شکوک رفع کریں۔

(5) انہیں حقیقی نجات کا راستہ دکھائیں۔

(6) ان پر مہربانی کی نظر رکھیں۔

بدھ مت کی تعلیم کا مرکزی نقطہ

بدھ مت کی تعلیم کا مرکزی نقطہ نروان کا حصول ہے۔ گوتم بدھ کے نزدیک ہر برائی کی جڑ خواہش نفسانی ہے۔ جب کوئی اپنی تمام خواہشات کو مار کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب ہوتا ہے۔ گوتم بدھ اس حالت کا نام نروان رکھتا ہے۔

خدا سے متعلق گوتم بدھ کا عقیدہ

جب گوتم بدھ کو درخت کے نیچے بدھ کا رتبہ ملا تو وہ پکار اٹھا:

"اے کالبد خاکی کے بنانے والے جب تک میں نے تمہیں نہیں پایا تھا مجھے بہت سی حیات و ممات میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ وہ سب سے درد انگیز حالتیں تھیں لیکن اب میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔"

ایک دفعہ گوتم بدھ نے فرمایا:

"جب کوئی حق کو قبول کرے پاک صاف زندگی گزارے بے حد محبت بھرا دل رکھے اور جو سب تک بلا تفریق پہنچے وہی برہما کے وصال کو حاصل کرنے کے قریب ہے۔"

کسی نے گوتم بدھ سے پوچھا کیا آپ برہما کے دیش کو جانتے ہیں۔ اس نے جواب دیا ہاں برہما کو میں جانتا ہوں۔ ویسٹھا (Vasettiha) یعنی برہما کے دیش اور اس تک پہنچنے کا راستہ میں جانتا ہوں۔ بالکل اس طرح کوئی خود اس میں داخل ہو چکا ہو اور اس کو لے کر پیدا ہو جائے۔

فرشتوں سے متعلق عقیدہ

گوتم دیوتاؤں یعنی فرشتوں کا قائل تھا۔ بدھ لٹریچر میں دیوتاؤں کا ذکر اکثر آتا ہے۔ ودھا سنا میں ہے سموت اعلیٰ دیوتاؤں سے معمور ہیں۔ سب سے اوپر برہما کا عرش اور اس کے ساتھ کئی دیوتا ہیں۔

ایک سورگی دیوتا جس کا چہرہ روشن اور لباس برف کی مانند تھا۔ ایک برہمن کی شکل میں گوتم کے پاس آیا اور اخلاقیات سے متعلق چند سوال کیے۔ جواب پا کر سلام کیا اور غائب ہو گیا۔

ایک موقع پر گوتم کہتا ہے میرے مذہب میں پورے جوش و خروش سے کام کرنے والے کو

یاد کرنے کی وجہ سے میری مملکت کے طول و عرض میں وہ لوگ جو دیوتاؤں سے اپنا تعلق چھوڑ چکے تھے پھر دوبارہ دیوتاؤں سے اپنا رشتہ جوڑ لیا ہے۔ یہ ان کی جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

قیامت کے متعلق عقیدہ

گوتم قیامت کا قائل تھا۔ بادشاہ کے پوتے اور پوتوں کے پوتے بھی دھرم کی پابندی کو تا قیامت یاد رکھیں گے۔ میری اولاد اور جانشین اگر تا قیامت میرا اتباع کریں تو وہ قابل ستائش کام کریں گے لیکن جو اس فرض کا ایک جزو بھی ترک کر دے گا۔ وہ خارج از عقیدہ مانا جائے گا۔

حیات بعد الموت

گوتم کے دریافت یافتہ کتبوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیات بعد الموت کا قائل تھا۔ ایک کتبہ پر لکھا ہے:

"میں اپنی مساعی سے اور اپنے کام کی رفتار سے کبھی مطمئن نہیں رہتا کیونکہ میں ساری دنیا کی خبر گیری اپنے لئے مقدس سمجھتا ہوں تا کہ میں کچھ لوگوں کیلئے اس دنیا میں خوشی کا باعث بن سکوں تا کہ یہ لوگ دنیا میں بہشت حاصل کر سکیں۔"

عام رسومات اور تقریبات اس دنیا سے ختم ہو جاتے ہیں لیکن دھرم کے اطوار و عادات وقت کی قید سے آزاد ہیں۔ اگر کوئی شخص اس دنیا میں دھرم کی غایت کو حاصل نہ کر سکے تو کوئی بات نہیں آنے والی دنیا اسے غیر منقطع انعام سے نوازے گی۔ لیکن اگر کوئی اس غرض و غایت کو اس دنیا میں ہی پا جاتا ہے تو وہ اس دنیا میں ہی کعبہ مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور سب سے زیادہ انعام پانے والا ہے۔

اشوک کے مذہب میں سے ایک عقیدہ آخرت کے لوگوں کے بارے میں تھا۔ جس کا بار بار اس کے کتبوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا اس بات پر بھی اعتقاد تھا کہ آئندہ جہان میں سورگا یا خوشی و طمانیت اس دنیا میں دھرما پر عمل کرنے کے باعث ہی مل سکتی ہے۔ وہ بہشت کو ابدی خیال کرتا تھا اور نتیجہ روح کو غیر فانی یعنی غیر منقطع روحانی انعام کے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ بیان کردہ قدروں کے مطابق گوتم آئندہ جہان کو انتہائی نقطہ عروج اور زندگی کا مقصد سمجھتا تھا۔

نتائج یا کرم سے متعلق عقیدہ

موجودہ بدھ مت کا ہندو ازم سے متاثر ہو کر یہ عقیدہ سامنے آتا ہے کہ روح کو نروان حاصل کرنے کیلئے نتائج کے چکر میں سے گزرنا پڑتا ہے۔

ڈاکٹر لادھا لمود مکرجی لکھتے ہیں:

''اشوک اپنے ستونی فرمان چہارم میں گناہوں کی بخشش سے متعلق اپنے عقیدہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ایسا مجرم جس کو موت کی سزا دی گئی ہو وہ روزہ رکھ کر اگلی دنیا میں خوشی و مسرت حاصل کرسکتا ہے۔''

چنانچہ اشوک ستونی کتبہ چہارم میں کہتا ہے:

''میں نے بھی حکم دے دیا کہ ایسے مجرموں کو جنہیں سزائے موت دی گئی ہے انہیں تین دن کی مہلت دی جائے اس مدت میں یا تو ان کے رشتے دار راج یوگوں سے رحم کی درخواست کر کے ان کی سزا معاف کرالیں یا وہ روحانی موت سے بچنے کیلئے خیرات کریں گے اور روزے رکھ کر عاقبت کے لئے تیار ہوں گے۔

میری خواہش ہے کہ قید کی حالت میں بھی وہ آخرت سدھارنے کی کوشش کریں۔

اور میری تمنا ہے کہ میری رعایا میں مذہبی امور کی پابندی ضبط نفس اور سخاوت خوب ترقی کرے۔

دیوتاؤں کے محبوب بادشاہ کی جتنی مساعی ہے وہ آخرت کیلئے ہے تاکہ بہت سے لوگ اس قید سے آزاد ہو جائیں جس کو گناہ کہتے ہیں لیکن یہ امراء و غرباء دونوں کیلئے مشکل ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ سخت ریاضت کریں۔

کی مقبولیت کا راز

(1) بدھ ایک شاہی خاندان کا فرد تھا۔ معاشرہ کو سیدھا راستہ دکھانے کیلئے میدان عمل میں آیا۔ لوگوں کے دکھوں میں شریک ہوا۔ ان کی ذہنی پستیوں کو دور کرنے کیلئے ہمت بندھائی۔ شاہی خاندان کا فرد ہونا پھر خود عالم اور عامل ہو کر لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف بلانا عوام میں مقبولیت کا ایک بڑا سبب ہے

(2) بدھ نے جس وقت اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا اس وقت تمام ہندوستانی معاشرہ ذات پات کی لعنت کے نیچے دبا ہوا تھا۔ برہمن باوجود بداعمالیوں کے ایک مقدس وجود تصور کیا جاتا تھا۔ شودر باوجود نیک ہونے کے معاشرے میں دھتکارا ہوا خیال کیا جاتا تھا۔ وہ ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ قانون میں اس کیلئے کوئی دادرسی نہ تھی۔

عورت کی بھی کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ لڑکی کی پیدائش بدشگون تصور کی جاتی تھی۔ لڑکے کو آسمانی نور سمجھا جاتا تھا۔

گوتم ہندوستان کا پہلے مذہبی رہنما ہے جس نے ذات پات کی تقسیم کے خلاف اور

عورت کی عزت کو برقرار رکھنے کیلئے آواز اٹھائی اور ایسے مذہب کی بنیاد ڈالی جس میں ہر ذات کا آدمی اور عورتیں شامل ہو سکتی ہیں اور ان کے برابر حقوق تھے اور یہ اعلان کیا کہ آدمی اپنے اعمال سے برہمن ہوتا ہے پیدائش سے نہیں۔

(3) ہندوستان میں مکتی حاصل کرنے کیلئے بے معنی تپسائیوں اور سخت قسم کی ریاضتوں کا رواج تھا۔ ہندوستان کے جنگل میں بے شمار سادھو رہتے تھے جو نروان حاصل کرنے کیلئے اپنے جسموں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے۔ پہلے گوتم نے ان ریاضتوں پر عمل کیا لیکن حقیقی نروان حاصل نہ کر سکا۔ آخر کار نور قلب حاصل کرنے کیلئے ان بے معنی ریاضتوں کو ترک کر دیا اور ایسا راستہ اختیار کیا جس سے نفسانی خواہشات جو دکھوں اور مصیبتوں کا ذریعہ ہے کا خاتمہ ہو جائے اور جس راستے پر گوتم بدھ نے خود چلنے کی تلقین کی وہ درمیانی راستہ تھا۔ اس راستے پر چلنے سے نہ تو اس وقت کی مروجہ ریاضتوں میں گزرنا پڑتا تھا اور نہ اتنی سہولت اور تن آسانی تھی کہ آدمی کو اپنی خواہشات ختم کرنے کیلئے کسی قسم کی قربانی کرنا پڑتی۔

(4) گوتم بدھ کی بعثت سے قبل تمام ہندوستان ظاہری رسومات اور مابعد الطبیعاتی نظریات' موشگافیوں میں الجھا ہوا تھا۔ مقدس گنگا میں ایک اشنان تمام گناہوں کے دھونے کیلئے کافی سمجھا جاتا تھا۔

گوتم بدھ نے ان ظاہری رسوم اور الجھنوں سے نکال کر ایک ایسی سیدھی سادی اخلاقی تعلیم پیش کی جس کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان تھا۔

(5) بدھ مذہب کی کامیابی کا ایک بڑا سبب اس وقت کے امراء اور راجاؤں کا اس مذہب کو قبول کر لینا ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مذہب کی اشاعت اور ترویج میں سیاسی طاقت کو بھی کافی دخل ہے۔ حکومت روم میں جس وقت قسطنطین نے عیسائی مذہب قبول کیا اس وقت عیسائیت تمام ملک میں پھیل چکی تھی۔

بدھ کی تعلیمات کی تدوین

بدھ مذہب کی موجودہ تعلیمات چھٹی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک مرتب ہوتی رہیں۔ اس دوران میں چار مجالس منعقد ہوئیں۔ جس میں باہمی غور و خوض اور نظر و فکر کے بعد تعلیمات کو مرتب کیا گیا۔

پہلی مجلس

گوتم بدھ کی وفات کے فوراً بعد راج گڑھ کے مقام پر پانچ سو رہنماؤں کی ایک مجلس قائم ہوئی۔ وہاں گوتم بدھ کی طرف سے تعلیم دی جاتی تھی تا کہ وہ گوتم بدھ کی تعلیمات ضبط تحریر میں لائے۔ اپامی نے رسوم و اخلاق سے متعلق تمام تعلیمات کو منضبط کیا۔

دوسری مجلس

گوتم بدھ کی وفات سے ایک سو سال بعد ویسائی کے مقام پر منعقد ہوئی۔ چنانچہ دس نکات طے کیے گئے۔ جن کو ضبط تحریر میں لایا گیا۔

تیسری مجلس

تیسری مجلس 224 ق م میں اشوک اعظم نے پاٹلی پتر میں منعقد کی۔

چوتھی مجلس

راجہ کنشک کے عہد میں اس کی زیر سرپرستی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ اس مجلس کے ارکان نے کم و بیش گوتم کی تمام تعلیمات کو تحریری شکل دے دی۔ راجہ کنشک سن عیسوی کی پہلی صدی کے اختتام پر سندھ، کابل، کشمیر اور قندھار وغیرہ کا حکمران بتایا جاتا ہے۔ اسی دور میں بدھ مت سری لنکا اور نیپال تک جا پہنچا۔ سری لنکا میں پرانے دیوتاؤں کی پوجا گوتم بدھ کے تبرکات کے ساتھ ساتھ آج تک رائج ہے۔

بدھ مت کے زوال کے اسباب

بدھ مت میں اب تک جتنا تغیر و تبدل آیا ہے اس کا سب سے اساسی سبب دوسرے علاقوں کے عقائد و روایات کا غلبہ ہے۔ یہ مذہب جہاں بھی گیا اپنی اصلیت کھو کر ایک نئی شکل میں سامنے آیا۔ کوئی بھی تحریک یا مذہب اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب تک وہ اپنے اصولوں اور بنیادی عقیدوں سے نہیں ہٹتا لیکن بدھ مت کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔

یہ مذہب بھی کنفیوشزم اور زرتشتیت کی طرح اپنی اصلیت کھو بیٹھا جس کی وجہ سے یہ زوال کا شکار ہو گیا۔

ہندوستان میں بدھ مت نے برہمنی عقائد سے مفاہمت کی پھر آہستہ آہستہ برہمنی عقائد بدھی عقائد پر غالب آ گئے اور بدھی فلسفہ بتدریج دھندلانے لگا۔ اسی طرح چین، جاپان، نیپال، لنکا، برما اور دیگر ممالک میں بدھ مت مقامی مذاہب کے عقائد سے مصالحت کے ساتھ پھیلا۔ آخر کار

بدھ مت مقامی مذاہب میں ضم ہو گیا۔

دوسرا سبب

اس مذہب میں کثرت سے فرقے جنم لینے لگے۔ ہوئین نسانگ اپنے وقت میں اٹھارہ مختلف فرقوں کا ذکر کرتا ہے۔ جن پر اس قدر گرما گرمی سے مباحثہ ہوا کرتا تھا کہ ان کی آواز سمندر کی موجوں کی طرح دور سے آتی تھی۔ اس وقت انیسویں صدی میں بھی بدھ مذہب میں جہاں اعتقادات کے لحاظ سے اتحاد پیدا ہوا نہ اعمال کے لحاظ سے۔ دو بڑے فرقے موجود ہیں۔ ایک جنوبی اور دوسرا شمالی۔ جن میں سے ہر ایک اپنے تئیں حق پر بتلاتا ہے۔

تیسرا سبب

برہمنی مذہب نے کسی حد تک ان باتوں کو چھوڑ دیا۔ جن کی وجہ سے لوگ ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس طرح بدھ مت نے ان باتوں کو اپنا لیا جن کی وجہ سے لوگ ان کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

سری نواس جاری اور راما سوامی آئینگر ''ہسٹری آف انڈیا'' میں لکھتے ہیں:

> ''عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کی اس دوڑ میں برہمن مذہب کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے خاموشی اور آہستگی کے ساتھ بدھ مذہب کی بہت سی باتیں لے لی تھیں۔ یہاں تک کے عوام کے سامنے اس کی تبلیغ کے طریقوں کو بھی اختیار کر لیا تھا۔''

پرانوں کے دیوتاؤں کی پوجا کیلئے بہت سے نئے مندر بنائے گئے اور نہایت شاندار جلوس اور رعب ڈالنے والے تہواروں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

ذات کی سختیاں ڈھیلی کر دی گئیں۔ برہمن پروہت بھی اس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کیلئے کوشش کرتے تھے کہ حکمرانوں کو گوترا عطا کریں۔

تمدن ہند 290 عیسوی

کے بعد اس میں کسی کو تعجب نہ ہونا چاہئے کہ حکمران ہندو مذہب کی ترقی کیلئے پوری کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ وشنو' شیوا' چندی اور سوریہ وغیرہ کے ادیان بہت پھیل گئے اور عام ہو گئے۔

اسلام اور بدھ مت کے کلیدی عقائد کا تقابلی جائزہ

مہاتما بدھ نے جب اپنے ماحول میں دکھوں اور گناہوں کا طوفان بیکراں موجیں مارتا ہوا

دیکھا تو ان کے شفیق دل میں عوام کی اصلاح کا جذبہ موجزن ہوا۔ اپنے تمام آرام اور آسائش کو خیر باد کہہ کر دکھوں اور گناہوں کا حقیقی علاج معلوم کرنے کیلئے گھر سے نکل پڑے۔ آخر کار ایک بڑ کے درخت کے نیچے گیان نصیب ہو گیا اور لوگوں کی اصلاح کیلئے میدان میں نکل پڑے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے عرب کی فضا میں فسق و فجور بدکاری اور جہالت کے بادل منڈلاتے دیکھے تو آپؐ بستر راحت سے اٹھ کر غار حرا میں چلے گئے۔ مخلوق خدا کیلئے رو رو کر دعائیں مانگیں۔ بالآخر وہ دن آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی اصلاح کا بوجھ آنحضرتؐ کے کندھوں پر ڈال دیا۔

اس حکم خداوندی کے تحت دن رات ایک کر کے لوگوں کو فسق و فجور اور گناہوں کی دلدل سے نکالنے کی سعی کی اور اس کوشش تمام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا ہے:

لعلك باخع نفسك الا يكونوا مومنين

ترجمہ: اے محمدؐ! شاید تو اپنے آپ کو ہلاک کر دے گا کہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

(سورہ الشعرا: آیت نمبر 3)

مہاتما بدھ راجہ کے بیٹے تھے۔ مخلوق خدا کی ہدایت کی خاطر تاج شاہی چھوڑا۔ رسول کریمؐ اگرچہ ابتداً بادشاہ نہ تھے لیکن جب آپؐ نے شرک اور گناہوں کے خلاف آواز نکالی تو اہل مکہ نے مل کر آپ کے سامنے بادشاہت پیش کی کہ ان کے بتوں کے خلاف آواز بلند نہ کریں لیکن آپؐ نے بادشاہت کو ٹھکرا دیا اور تبلیغ حق کی خاطر ہر قسم کے مصائب اور تکلیفیں جھیلیں۔

حق غالب آ گیا اور باطل پاش پاش ہو گیا اور آپؐ اسلامی ریاست کے مقتدر اعلیٰ بن گئے تو اس اقتدار کے وقت بھی نہ شاہی تاج پہنا' نہ محل بنوایا اور نہ سونا چاندی گھر میں جمع کیا۔ بلکہ اس کے برعکس ہر نوع کی شان و شوکت کو خیر باد کہہ کر تمام بادشاہی آداب کو خاک میں ملا دیا۔

تیسری مماثلت

گوتم بدھ کو بڑ کے درخت کے نیچے روحانی معراج نصیب ہوا۔ آپؐ تمام بلندیوں کو تیزی سے طے کرتے ہوئے ایسے مقام ارفع تک پہنچ گئے جہاں نہ کوئی اس مقام پر پہلے پہنچا اور نہ اب کوئی پہنچ سکے گا۔

بدھ مت وقت کے ساتھ ساتھ تحاریف و تراميم کا شکار ہوتا رہا اور اس کے پیروکار دوسرے مذاہب کے محاسن لے کر ان سے اپنے مذہب کو سجاتے اور چمکاتے رہے۔

گوتم کا بڑ کے شجر تلے بیٹھ کر مرتبہ معراج کو پہنچنا کسی صورت بھی حضور پرنور علیہ الصلوۃ والسلام کی مافوق السموات معراج سے مماثلت نہیں کھاتا۔ ایسی معراج جس کا کوئی ثانی ہے اور نہ کوئی

ہو سکتا ہے۔

گوتم نے فقط ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر بھوک کی سختی کو جھیلا اور کچھ عرصہ بھوکا رہنے کے بعد نروان حاصل کیا جس کا نام معراج رکھ دیا گیا۔ بالعکس تمام اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کو راتوں رات آسمانوں کی سیر کرائی۔ اس واقعہ کو سورہ الاسراء اور سورہ النجم میں بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد رب العالمین ہے:

سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصا لے گئی۔'' (سورہ الاسراء: آیت نمبر 1)

اس سورہ کا دوسرا نام بنی اسرائیل بھی ہے۔

اسی طرح سورہ النجم میں ارشاد ہے:

وھو بالا فق الاعلی O ثم دنا فتدلی O فکان قاب وقسین آؤ ادنی O فاوحی الی عبدہ ما اوحی O ماکذب الفوا دماری O افتمرونہ علی مایری O ولقد راہ نزلۃ اخری O عند سدرۃ المنتھی O عندھا جنۃ الماوی O اذ یغشی السدرۃ ما یغشی O مازاغ البصر و ماطفی O لقد رای من ایت ربہ الکبری O

ترجمہ: ''اور وہ آسمان بریں کے بلند کنارہ پر تھا پھر وہ (جلوہ) نزدیک ہوا اور خوب نزدیک اتر آیا تو اس (جلوے) میں اور محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پس وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑا کرتے ہو اور انہوں نے وہ جلوہ دوبارہ دیکھا سدرہ منتہی کے پاس اس کے پاس جنت ماوی ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا آنکھ کسی طرف نہ پھری اور نہ حد سے بڑھی بس اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر کی طرف صعود کیا تو انتہائی قرب درجہ تام کو پہنچ گئے اور آپ میں اور اللہ رب العزت میں کوئی پردہ نہ رہا۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص ایک صاف اور وسیع شیشہ میں اپنا منہ دیکھ کر

اس شکل کو اپنی شکل کے مطابق خیال کرتا ہے۔

اس ارفع مقام کے ساتھ آپؐ کے علم کے کمال کا بھی ذکر ہے کہ آپؐ علم کے اس انتہائی مقام پر پہنچ گئے جہاں اولین اور آخرین کا علم منتہی ہو جاتا ہے۔ کتب التفاسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ:

سدرہ سے مراد وہ مقام ہے جس سے آگے کسی مخلوق کا قدم نہیں جا سکتا۔

گوتم بدھ نے برہمنوں اور برہمن کتب کے غلط عقائد اور رسوم کی تردید کی اور لوگوں کے مذہبی اجارہ داروں کی غلامی سے نجات دلائی اور ان کو یہ تعلیم دی کہ انہیں خود ہی ریاضت کرنی چاہئے۔

رسول کریمؐ نے بھی ان تمام بدعات اور غلط عقائد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جو مذاہب عالم کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ اسی طرح کاہنوں' راہبوں اور برہمنوں کی اجارہ داری کا خاتمہ کیا اور ہر آدمی پر مذہبی علوم کا سیکھنا لازمی قرار دیا۔ آپؐ کی مشہور حدیث ہے:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔"

اسلام اور بدھ مت کی تعلیم میں مماثلت و امتیاز

گوتم بدھ نے رسوم مذہبی اور عبادات کو بغیر اصلاح نفس کے عبث اور بے سود ٹھہرایا ہے۔ اس کے پیغام کا مرکزی نقطہ بھی تزکیہ نفس ہے مگر وہ اس ریاضت کو بطریق احسن فکری اور فطری اعتبار سے عوام الناس میں رائج کرنے میں ناکام رہا۔ اس کے متقابل قرآن مجید نے بھی اسلامی عبادات کی غرض و غایت تقویٰ اور اصلاح نفس کو قرار دیا ہے۔ ارشاد رب العالمین ہے:

ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر

"یعنی نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔"

(سورہ العنکبوت: آیت نمبر 45)

حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رسول کریمؐ کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

"بتاؤ تو سہی اگر کسی کے دروازے کے سامنے سے نہر بہتی ہو اور اس میں وہ دن رات پانچ مرتبہ وضو کرے کیا اس کے جسم میں میل رہ جائے گا۔"

صحابہ نے جواب دیا:

"یا رسول اللہؐ نہیں۔"

آپ نے فرمایا کہ:

"اس شخص کا بھی حال ہے جو دن رات میں پانچ دفعہ نماز پڑھتا ہے اس کے دل پر

گناہوں کی میل نہیں رہ سکتی۔"

روزہ کا حکم دیا تو فرمایا:

لعلکم تتقون

"تا کہ تم متقی بن جاؤ۔"

رسول کریمؐ نے فرمایا:

"تو روزہ رکھے تیرے کان بری باتوں کو سننے سے اجتناب کریں۔ تیری نظر ایسی چیز پر نہ پڑے جو برائی کا محرک ہو۔ تیری زبان اکل حرام سے بچے۔ اور ہر عضو اللہ کے احکام کے تابع ہو اور ممنوعہ امور سے اجتناب کرے۔"

قرآن حکیم میں حرص و ہوس سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

افرء یت من اتخذ الٰھہ ھولہ و اضلہ اللّٰہ علی علم و ختم علی سمعہ و قلبہ و جعل علی بصیرہ غشوۃ فمن یھدیہ من بعد اللہ افلا تذ کرون O

ترجمہ: "بھلا دیکھو اسے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود ٹھہرا لیا اور اللہ نے اسے (اس کے) علم پر ہی گمراہ کیا اور اللہ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے گا تو کیا تم غور نہیں کرتے۔" (سورہ الجاثیہ: آیت نمبر 23)

گوتم بدھ نے حرص و ہوس کو تمام تکالیف اور مصائب کا منبع قرار دیا ہے۔ اس وجہ سے اس نے اپنے متبعین کو حرص و ہوا کی سرکش اونٹنی ذبح کرنے کی تعلیم دی۔

قرآن مجید نے بھی اسی تعلیم کو نہایت عمدہ رنگ میں بیان فرمایا:

ارشاد الٰہی ہے:

فاما من طغی الحیوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی و اما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی (سورہ النازعات: آیت 37 تا 41)

ترجمہ: "جس نے سرکشی کی ہو اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ہو پس اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو سفلی خواہشات سے روکا اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔"

دوسری جگہ آتا ہے:

المال و البنون زينة الحيوة الدنيا و الباقيات الصالحات خير عند ربك ثوابا و خير املا O

"یقیناً مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ تیرے رب کے پاس تو باقی رہنے والے نیک اعمال ہی بہترین ثواب کی چیزیں اور انہی کی آرزو بہتر ہے۔"

گوتم بدھ نے ہشت پہلوارہ کی تعلیم دی ہے۔ یعنی صدق' عقیدت' صدق ارادت' راست گوئی' اکل حلال' عزم مصمم' سچی توجہ اور صادق تصور۔ یہ تعلیم معناً اسلام کی روح سے اتفاق کرتی ہے لیکن عملاً اس کے تقاضے پورے نہیں کرتی جیسا کہ آبگینہ اسلام میں نظر آتا ہے۔

اسی طرح گوتم بدھ نے سرقہ' زنا کاری' نشہ آور چیزوں' رقص و سرود کی محفلوں اور جانداروں کو اذیت دینے سے منع فرمایا کیونکہ یہ امور سچی راحت کے حصول میں حائل ہیں۔ اسلام بھی ان باتوں کو سختی سے منع کرتا ہے۔

بدھ مت کی معاشرتی تعلیم یعنی والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض' شاگرد اور استاد کے حقوق و فرائض' دین داروں اور دنیا داروں کے حقوق و فرائض پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔

گوتم بدھ کی تعلیم اور بعثت کی غرض حصول نروان ہے اور نروان اس حالت کا نام ہے جسے اطمینان قلب کہا جاتا ہے۔ یہ حالت ارضی خواہشات کو ختم کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اسلام بھی اطمینان قلب اور حقیقی معرفت حصول کی راہیں بتاتا ہے۔ اطمینان قلب کے حصول کی راہوں کو متعین کرنے میں دونوں مذاہب میں اختلاف آئے گا جس کا ذکر آگے ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

يايتها النفس المطمئنة ارجعى الى ربك راضية مرضية فادخلى فى عبادى و ادخلى جنتى

ترجمہ: اے نفس! اطمینان یافتہ اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ اللہ تجھ سے راضی ہوا اور تو اللہ سے سو تو میرے بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

(سورہ الفجر: آیت 27 تا 30)

یہ وہ مرتبہ ہے جب انسان تمام ارضی خواہشات اور سفلی جذبات سے نجات پا جاتا ہے۔ اس کے دل میں ہر قسم کی برائیوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر نیک عمل کی طرف اس کا قدم تیزی سے بڑھتا ہے۔ اس کی روح آستانہ الوہیت پر ایسے گرتی ہے جیسا کہ اوپر سے پانی گرتا ہے اور بندہ اللہ سے ایسا اتصال پیدا کر لیتا ہے کہ اس کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

اولئك كتب فى قلوبهم الايمان و ايدهم بروح منه

ترجمہ: انہی کے دلوں کے اندر (اللہ نے) ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔" (سورہ المجادلہ: آیت نمبر 22)

وزينة فى قلوبكم و كره O اليكم الكفر و الفسوق و العصيان اولئك هم الراشدون فضلا من الله و نعمة و الله عليم حكيم (سورہ الحجرات: آیت نمبر: 7)

ترجمہ: "اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دی ہے اور کفر فسق اور نافرمانی کو تمہارے نزدیک مکروہ کر دیا ہے۔ یہی بھلائی کی راہ پر چلنے والے ہیں۔ اللہ کا فضل اور احسان ہے اور اللہ خوب جاننے والا اور خوب حکمت والا ہے۔"

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ جب حقیقی گیان اور معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو انسان ہر قسم کی برائی اور بے حیائی سے نفرت اور ہر قسم کی نیکی سے محبت کرتا ہے۔

اس مضمون کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بھی بیان کیا ہے:

قد افلح من زكها و قد خاب من دسها

"جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے گناہوں کی آلودگی سے اپنے نفس کو ملوث کیا وہ ناکام و نامراد ہو گیا۔"

(سورہ الشمس آیت نمبر: 9-10)

گوتم بدھ نے ویدوں کی غیر مذہبی قربانیوں سے انکار کیا اور کہا کہ کوئی انسان محض دیوتاؤں کے حضور قربانی گزارنے سے نہ نیک بن سکتا ہے اور نہ خدا کو راضی کر سکتا ہے۔ یہ رسم وحشیانہ ہے۔ خدا کو راضی کرنے کیلئے نیک اعمال بجا لانے چاہئیں۔ رسول کریمؐ نے بھی ان تمام وحشیانہ رسوم اور قربانیوں کو ختم کیا جو بتوں کے نام پر کی جاتی تھیں۔ گوتم نے بھی اعمال صالح میں فرمایا اللہ تعالیٰ نفس کی سرکش اونٹنی کو ذبح کرنے سے خوش ہوتا ہے۔

گوتم بدھ نے ویدوں کی غیر معقول تعلیم کے الہامی ہونے سے انکار کیا چنانچہ ان کے اپنے الفاظ ویدوں کے متعلق یہ ہیں:

"چونکہ وید زمانے کے لحاظ سے غلط ہے خدا کی نشانیوں سے خالی اور خلاف عقل ہے اس لئے وہ خدا کا کلام نہیں۔"

"یہ وید صداقت سے خالی اور مشکوک ہیں۔ بھوس کی مانند ہیں نہ ان میں کوئی اصلیت ہے اور نہ ان کی کوئی صداقت۔"

''بدھ نے ویدک قربانیوں کو رد کیا اور نہایت مضبوطی سے اعلان کیا کہ ویدوں کی تعلیم محض حماقت ہے۔''

''وید کا پڑھنا' پروہتوں کو نذر دینا' دیوتاؤں کو قربانیاں دینا' سرد تپ اور ازیں قبیل ریاضتیں درازی عمر کیلئے کرنا' یہ انسان کو پاک نہیں کرتیں اور نہ توہمات سے باہر نکالتی ہیں۔''

''جب ان کی ایسی بدفعلیاں دیکھیں تو ایک سخت غضب ناک شاستروں کی مذمت کرنے والا بدھ یا جین مت رائج ہوا۔''

قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ دیگر الہامی کتابوں میں تحریف وترمیم کا عمل جاری رہا اور اہل کتاب نے اپنی من پسند آیات' زبور' تورات اور انجیل میں پروڈالیں تا کہ ان کے فسق و فجور کا سلسلہ جاری رہے اور وہ دوزخ کی لپٹوں سے محفوظ رہیں۔

سورہ البقرہ آیت 79 میں ارشاد ہے:

یکتبون الکتاب باید یمم ثم یقولون ھذا من عند اللہ

ترجمہ: ''(اہل کتاب) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف ہے۔''

بدھ اور اسلام کی تعلیمات میں یہ مماثلت واضح طور پر پائی جاتی ہے کہ انہوں نے دیگر مذاہب کی غیر انسانی اور غیر فطری رسومات کی مذمت کی ہے۔

بدھ مت پر اسلام کی غالبیت

گوتم بدھ کی تعلیم کا مرکزی نقطہ حصول نروان ہے۔ اسلام بھی نروان جیسی حکمت کے حصول کی تعلیم دیتا ہے لیکن دونوں مذاہب کے طریقہ حصول میں اختلاف ہے۔ بدھ مت کا طریقہ غیر فطری ہے اور اسلام کا طریقہ عین فطرت کے مطابق ہے۔

بدھ مت کہتا تھا کہ نروان اپنے جذبات کو مٹا دینے اور اپنی خواہشات اور تمام دنیاوی تعلقات کو ترک کر دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یہ تو رہبانیت کی تعلیم ہے اور اسلام رہبانیت کا شدید مخالف ہے۔ کیونکہ رہبانیت انسان کو انسان سے دور کر دیتی ہے اور ایک سماجی اور معاشری زندگی کا مقصد ختم کر دیتی ہے۔ رسول کریمؐ فرماتے ہیں:

لا رھبانیة فی الاسلام

''یعنی اسلام میں ترک دنیا جائز نہیں۔''

اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انسانوں کو جذبات' قویٰ اور استعدادیں عطا کی ہیں ان کو

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کرے۔ بیوی اور بچوں کے حقوق ادا کرے۔ انسانی معاشرت اور تمدن کے تمام حقوق پورا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے جو جذبات اور قویٰ انسان کے اندر ودیعت کیے ہیں ان کو فنا کرنا خدا کی منشاء کے خلاف ہے بلکہ ان کا جائز استعمال نہ کرنا نقصان دہ ٹھہرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت قدوسیت کے خلاف ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوائے شہوانی عطا فرمائے ہیں تو اس کا یہ منشاء نہیں کہ ان قویٰ کو فنا کر دیا جائے۔ ان کو فنا کرنا فطرت کے خلاف' علم بغاوت اٹھانا ہے اور نسل انسانی کی بقا کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ اسی طرح دوسرے جذبات اور قویٰ کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ نے حکمتیں رکھی ہیں۔

پس جو مذہب ان جذبات اور قویٰ کو فنا کرنے کی تعلیم دیتا ہے وہ فطری مذہب نہیں ہو سکتا۔ فطری مذہب وہی ہو سکتا ہے جو تمام انسانی جذبات اور قویٰ کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو جذبات انسانی کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اسلام میں نجات کے ذریعے

پہلا ذریعہ: اللہ تعالیٰ پر ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شرک سے اجتناب کیا جائے اور ہر کام میں اسی کو مقدم سمجھا جائے اور اسی کی رضا مقصود ہو۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے جو انسان غیر اللہ کا سہارا ڈھونڈتا ہے وہ کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

له دعوة الحق و الذين يدعون من دون الله ولا يتجيبون لهم بشى ء الا كباسط كفيه الى الماء ليبلغ فاه وما هو ببالغه وما دعاء الكافرين الافى ضلال

ترجمہ: "یعنی دعا کرنے کے لائق صرف خدا ہی ہے جو لوگ اس کے غیروں کو پکارتے ہیں وہ ان کو کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی پانی کی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے بیٹھا رہے تا کہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے لیکن پانی اس کے منہ تک کبھی نہ پہنچ سکے گا۔ اور کافروں کی پکار تو بس بھٹکتی پھرتی ہے۔" (سورہ الرعد: آیت نمبر 14)

دوسرا ذریعہ

انسان بالطبع حسین چیز کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔ اس کے مشاہدہ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت تمام غیر اللہ کے بندھنوں اور زنجیروں کو کاٹ کر اس سے کامل اتصال پیدا کرتی ہے۔ انسان کو نروان اللہ تعالیٰ سے کامل اتصال سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی بہت سی صفات حسنہ بیان کی ہیں تا کہ اس کا حسن انسان کے دل کو اس کی طرف مائل کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانے سے بھی انسان منزل حقیقی تک پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ محبت کی محرک دو چیزیں ہیں احسن اور احسان۔ اللہ تعالیٰ نے احسانی صفات قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں۔ جن کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں ہے۔

سورۂ فاتحہ کے آغاز میں چار احسانی صفات بیان کیگئی ہیں۔ ربوبیت' رحمانیت' رحمیت اور مالکیت۔ اسی طرح قرآن مجید میں اپنے احسانات بار بار جتلائے ہیں۔ ارشاد ہے:

وان تعدو انعمة الله لا تحصوها

''یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گنا چاہو تو ہرگز شمار نہیں کر سکو گے۔''

(سورہ ابراہیم: آیت: 34)

تیسرا ذریعہ

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

ادعونی استجب لکم

''تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔''

(سورہ غافر: آیت نمبر 60' اس سورہ کا دوسرا نام المومن بھی ہے۔)

روحانی انعامات حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ دعا ہے۔ اور دعا اس وقت کارگر ثابت ہوتی ہے جب انسان اپنی زندگی اور اپنی تمام قوتوں کو اللہ کے راستے میں وقف کر دیتا ہے اور قرآن کی اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے:

قل ان صلاتی ونسکی و محیای و مماتی لله رب العلمین

''کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ کیلئے ہے۔ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔'' (سورہ الانعام: آیت: 162)

اسلامی نقطہ نظر سے دعا کرنا اپنے اوپر ایک موت وارد کرنا ہوتا ہے۔ جب انسان کی ارضی خواہشات اللہ کی محبت کی آگ میں بھسم ہو جاتی ہیں اور انسان کے آستانہ روح پر پانی بہہ نکلتا ہے جب انسان پر یہ حالت وارد ہو جاتی ہے تو وہ اس وقت نروان اور نجات کی مستحکم چٹان پر کھڑا ہوتا ہے۔ شیطان اس آدمی کو گناہوں کے راستہ پر چلانے سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے۔ یہی نجات کی پہلی سیڑھی ہے۔

چوتھا ذریعہ: توبہ استغفار

توبہ لغت عرب میں رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔اسی وجہ سے قرآن مجید میں خدا کا نام تواب ہے۔یعنی بہت رجوع کرنے والا۔اس کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان اپنے کردہ گناہوں سے دستبردار ہو کر کامل صدق و وفا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔اوراس کے دست استعانت کو پکڑ کر اپنے فضل و کرم کی چادریں لپیٹ دیتا ہے۔

توبہ کیلئے تین شرائط ہیں:

(1) اقلاع

یعنی توبہ کرنے والا اپنے دل سے خیالات فاسدہ کو دور کر دے کیونکہ خیالات فاسدہ ہی افعال بد کا محرک ہوتے ہیں۔عمل سے پہلے تصور جنم لیتا ہے۔ وہ تصور عمل کیلئے راستہ ہموار کرتا ہے۔ جب ایک انسان اپنے دل کو خیالات فاسدہ سے پاک کرے گا تو اس سے افعال شنیعہ سرزد نہیں ہوں گے۔

(2) ندم

یعنی اپنے کیے پر حقیقی پشیمانی اور ندامت اختیار کرنا۔ جب انسان اپنے حقیقی کیے پر ندامت اور پشیمانی اختیار کرتا ہے تو اس سے مزید خصائل رذیلہ سرزد نہیں ہوتے کیونکہ ندامت کی روح ایسی ضرب ہے جو انسان کو مزید لغزشوں سے بچاتی ہے۔

(3) عزم

یعنی آئندہ کیلئے مصمم ارادہ کر لینا کہ پھر ان افعال ردیہ اور اعمال فاسدہ کی طرف رجوع نہیں کرے گا جو اس سے پہلے سرزد ہو چکے ہیں۔ جب بندہ اس عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو سچی توبہ کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔

(4) استغفار

غفر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرے کہ بشریت کی کمزوری ظاہر نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں استغفار کے معنی استمداد اور استعانت کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں استغفار اور توبہ کرنے والوں کیلئے تاکید کی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

و استغفر لذنبك و للمومنين و المومنات

ترجمہ: "یعنی خدا سے درخواست کر کہ وہ تجھے بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے۔
اسی طرح مومن مرد اور مومن عورتوں کو بھی محفوظ رکھے۔ (سورہ محمد: آیت: 3)
دوسری جگہ آتا ہے:

و ان استغفرو اربکم ثم توبو الیه

ترجمہ: "یعنی تم اپنے پروردگار سے استغفار کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔"

(سورہ ھود: آیت نمبر: 3)

استغفار اور توبہ دو ایسی شمعیں ہیں جن کی روشنی میں انسان اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہوں پر آسانی سے چل سکتا ہے۔

پانچواں ذریعہ: مجاہدہ

قرآن مجید میں آتا ہے:

و الذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا

ترجمہ: "اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔"

وہ لوگ جو نروان اور نجات حاصل کرنے کیلئے پوری پوری کوششیں کرتے ہیں ہم ان کو جادۂ صواب پر چلا کر نروان اور نجات کے وارث کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سعی تبلیغ کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ نروان اور نجات حاصل ہو جائے۔ یہ قانون قدرت کے ہی خلاف ہے۔

چھٹا ذریعہ: استقامت

اگر انسان ہر قسم کے مصائب اور تکالیف میں گھر جائے' کوئی بھی مونس و معاون نہ ہو اس حالت میں بھی اس کی زبان اور اس کے جوارح سے کسی قسم کی بے چینی و اضطراب ظاہر نہ ہو بلکہ مصائب کے کڑوے گھونٹ آب شیریں سمجھ کر پی جائے۔ اس کے چہرے پر انبساط اور بشاشت کی ہی لہریں دوڑیں۔ تو اسی وجدان کا دوسرا نام استقامت ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقامو تتنزل علیھم الملئکة الا تخافو او لا تحزنو او ابشرو ابالجنة التی کنتم توعدون نحن اولیاء کم فی الحیوة الدنیا

و فی الاخرۃ

ترجمہ: "یعنی وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر استقامت اختیار کی یعنی ہر قسم کی تکلیف اور آزمائش کے وقت ثابت قدم رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو۔ جنت اور دائمی خوشی کی بشارت پاؤ جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ ہم دنیا اور آخرت کی زندگی میں تمہارے دوست ہیں۔" (سورہ حم السجدہ: آیت نمبر 30)

(اس سورہ کا دوسرا نام "فصلت بھی ہے: سورہ نمبر 41)

پس نجات حاصل کرنے کیلئے استقامت نہایت ضروری امر ہے۔ حدیث مبارک میں آتا ہے

قل امنت باللہ ثم استقم

"یعنی تو کہہ دے کہ میں ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم ہو جا۔"

ساتواں ذریعہ: راست بازوں کی صحبت

قرآن مجید میں آتا ہے:

کونو مع الصادقین (سورہ توبہ: آیت: 119)

ترجمہ: یعنی ان لوگوں کی صحبت اور معیت اختیار کرو جو قول و فعل میں سچے ہیں۔

انسان بالطبع نمونہ کا محتاج ہے۔ جب انسان نیک اور راست بازوں کی صحبت اختیار کرے گا تو لازماً اپنی زندگی صادقین کی زندگی میں ڈھالے گا۔

آٹھواں ذریعہ: اکل حلال

خوراک کا انسان کے اخلاق پر نہایت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے حلال و حرام سے متعلق احکام بیان کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے جو انسان کی روحانی زندگی کیلئے سزائے موت ہیں۔ مثلاً اسلام نے سور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا کیونکہ یہ جانور نجاست خور اور حد درجہ کا گندہ اور بے غیرت ہے۔ اس جانور کا گوشت حیاء کو کم کرتا ہے۔

اسی طرح اسلام نے مردار کھانے سے منع فرمایا ہے۔ مردار کا کھانا صرف طبی نقطہ نگاہ سے مضر نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی لحاظ سے بھی مضر ہے۔

قرآن مجید میں حلال اور طیب کھانے سے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

یایھا الرسل کلوا من الطیبات و اعملوا صالحا

ترجمہ: "پاک اشیاء کھاؤ اور نیک عمل بجالاؤ۔" (سورہ المومنون: آیت:51)

قرآن مجید کا طرز استدلال یہ ہے کہ نبیوں کو مخاطب کیا جاتا ہے اور مراد سب متبع ہوتے ہیں۔ اس آیت سے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حلال اور طیب اشیاء کھاؤ اس کے بعد نیک اعمال بجالانے کا حکم ہے۔

گوتم بدھ نے دیندار گروہ کیلئے یہ ضروری ٹھہرایا کہ وہ خانقاہوں میں زندگی بسر کریں اور اپنی شکم پری کیلئے شہر میں جا کر دربدر پھر کر بھیک مانگتے پھریں۔ اسلام اس تعلیم کا شدید مخالف ہے اور ہر شخص کیلئے کام کرنا ضروری قرار دیتا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

ان ھذا کان لکم جزاء و کان سعیکم مشکوراً

"یہ تمہارا بدلہ ہے اور تمہاری کوشش کی قدر کی جائے گی۔"

(سورہ الدھر: آیت:22)

(سورہ کا دوسرا نام انسان بھی ہے یہ سورہ نمبر 76 ہے)

قل یقوم اعملوا اعلی مکانتکم انی عامل

ترجمہ: "اے میری قوم اپنی طاقت کے مطابق عمل کرتے جاؤ میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔" (سورہ الانعام: آیت 135)

رسول کریمؐ نے بھی محنت کرنے کی ترغیب دی ہے اور بھیک مانگنے کی مذمت کی ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں:

"کوئی شخص اس سے بہتر روٹی نہیں کھاتا جو وہ اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھاتا ہے۔"

"اگر تم میں سے ایک شخص رسہ لے اور ایندھن کا ایک گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لے آئے اور پھر اسے فروخت کر دے جس سے اللہ اس کی عزت بچائے تو یہ اس کیلئے بہتر ہے۔"

گوتم بدھ کا دل جب دنیا کے آلام و تکالیف کو دیکھ کر اچاٹ ہوا تو وہ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر رات کی تاریکی میں جنگلوں کی طرف چلے گئے اور ریاضتوں میں لگ گئے۔ اس معاشرتی بندھن کو ایک آن میں توڑ دیا۔ جو خاوند اور بیوی کو ایک مقدس رشتے میں منسلک کرتا ہے۔

اسلام اس عمل کی ہرگز تعلیم نہیں دیتا بلکہ اسلام ایک مرد پر بحیثیت خاوند اور بحیثیت باپ

ہونے کی ذمہ داری عائد کرتا ہے جن کا پورا کرنا ہر لحاظ سے ضروری ہے۔ اسلام نے مردوں کو عورتوں کا نگران اعلیٰ قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

الرجال قوامون علی النساء

ترجمہ: "یعنی مرد عورتوں کے سرپرست ہیں۔" (سورہ النساء: آیت 34)

پھر عورت کے نفقہ کیلئے آئینی طور پر مرد کو پابند ٹھہرایا۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

لینفق ذو سعہ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتاہ اللہ

ترجمہ: "چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر اس کی روزی تنگ ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا۔" (سورہ الطلاق: آیت 7)

جب ایک مرد کسی عورت سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ آئینی طور پر عورت کے نان نفقہ کا پابند ہو جاتا ہے۔ اگر مرد کوئی کوتاہی کرے تو عورت اس مرد سے عدالت کی معرفت بھی خرچہ لے سکتی ہے۔

عورتوں سے حسن سلوک سے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے:

وعاشروھن بالمعروف

ترجمہ: "عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔" (سورہ النساء: آیت 19)

رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

خیر کم خیر کم لاھلہ و انا خیر کم لاھلی

ترجمہ: "تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل خانہ کے حق میں بہتر ہے میں اپنے اہل کے حق میں تم سے بہتر ہوں۔"

اولاد کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے:

قد خسر الذین قتلوا اولاد ھم سفھا بغیر علم و حرموا مارزقھم اللہ افتراء علی اللہ قد ضلوا وما کانوا مھتدین

ترجمہ: "بے شک وہ گھاٹے میں ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے لاعلمی میں قتل کر دیا اور جو اللہ نے ان کو رزق دیا تھا اس کو اللہ پر افتراء کر کے حرام کر دیا۔ یقیناً وہ گمراہ ہیں اور وہ کبھی ہدایت نہ پا سکیں گے۔" (سورہ الانعام: آیت 140)

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اولاد کی اچھی تربیت نہ کرنا اولاد کے قتل کے برابر ہے۔

رسول کریمؐ نے بعض صحابہؓ کے اس عمل کو ناپسندیدگی سے دیکھا جو دنیا کے تمام کام کاج چھوڑ کر عبادت میں مصروف ہو گئے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے:

لا رھبانیتة فی الاسلام

ترجمہ: ''یعنی اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں۔''

حضرت عثمان بن مطعون کو مخاطب کر کے فرمایا:

ان اللہ ابد لنا بالرھبانیة المنیفتة السمحة

ترجمہ: ''ہمیں اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کے بجائے آسان اور خالص ابراہیمی دین عطا فرمایا ہے۔''

قرآن مجید میں آتا ہے:

و رھبانیة ابتد عوھا ما کتبنھا علیھم

ترجمہ: ''انہوں نے رہبانیت کو ازخود اختیار کر لیا ہے ہم نے ان پر رہبانیت عائد نہیں کی۔''

اگر بدھ مت کا معاشرتی زندگی کا نظام دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تو کوئی بھی بدھ مت کی تعلیم کو پسندیدہ نگاہ سے نہ دیکھے گا اور نہ کوئی گوتم بدھ کے نقش قدم پر چلے گا۔ اب تو بدھ کے اس اصول کے خلاف بدھوں کو بھی شادی کرنا پڑتی ہے۔

تجدید بدھ مت کی تحریک

چین میں بدھ مت کی تجدید کی تحریک شروع ہوئی۔ اس کا بانی لوییو ننگ (LO HWEINENG) تھا۔ اس نے ووڈی کیان (WU-WDI-KIAN) فرقے کی بنیاد رکھی۔ یہ فرقہ سولہویں صدی میں بہت طاقتور بن گیا۔ اس فرقہ میں شامل ہونے والے عموماً ادنیٰ طبقہ کے لوگ تھے۔

یہ فرقہ گوتم کی مورتی کی پرستش کا شدید مخالف تھا۔ دل کی طہارت حاصل کرنے کیلئے مراقبہ پر ایمان رکھتے تھے۔

ان میں کن مو (KIN-MU) دیوی کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ اس سے متعلق ان کا یہ رویہ ہے کہ وہ روحوں کی ماں ہے اور وفات کے بعد جنت کی وارث بنائے گی اور اس دنیا میں اس پر ایمان رکھنے والوں کو مصائب و آلام سے نجات ملتی ہے۔ بدھ مت چین سے کوریا پہنچا۔ ڈیڑھ سو سال کے اندر اندر یہ مذہب خوب جاپان میں پھیل گیا۔ کوریا سے مبلغ جاپان آئے۔ انہوں نے شاہ جاپان کو بدھ مت کی تبلیغ کی اور ان کو تحفہ کے طور پر متبرک چیزیں بھی دیں۔ جاپان میں ابتداء میں شنٹو مذہب نے

بدھ مت کی بہت مخالفت کی۔ آخر ایک شہزادہ شوٹو کو ڈیشو ا (SHOTU KU DAISHU) نے اس نووارد مذہب کو قبول کر لیا۔

بدھ مت جاپان میں ۱۸۶۸ء تک سرکاری مذہب رہا۔ اس کے بعد یہ حیثیت شنٹو مذہب کو حاصل ہو گئی۔ جاپان میں بدھی خانقاہیں اور معابد نہایت ہی خوبصورت بنائے گئے ہیں۔ جن میں بے شمار مورتیاں پڑی ہوئی ہیں اور ان کی پوجا کی جاتی ہے۔

زین بدھ مت (Zen Budhists)

جاپان میں زین بدھ مت رائج ہے۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہبی کتب کے ذریعے حق وصداقت تک رسائی نہیں ہو سکتی' بلکہ انسان کے اندر ہی ایک ایسی طاقت مضمر ہے جو حق اور صداقت کی طرف لے جاتی ہے۔

اس استعداد کو ابھارنے اور عمل میں لانے کیلئے یوگ اور سادہ زندگی ضروری ہے۔ یہ لوگ وجدان کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس فرقہ کی یہ تعلیم ہے کہ کامیابی کی صورت میں نہ تو اتنا خوش ہونا چاہیے اور نہ ہی ناکامی کی صورت میں زیادہ مایوس ہونا چاہیے۔

زیادہ خوشی اور زیادہ مایوسی دونوں حالتیں انسان کو راہ مستقیم سے ہٹا دیتی ہیں اور حق کے حاصل کرنے میں مانع ہیں۔ ان دونوں حالتوں میں پروقار رہنا چاہیے۔ ان فرقہ کے عقائد اور اعمال میں بہت ہم آہنگی ہے۔ اس وجہ سے لوگ اس فرقے کو اچھی طرح سے دیکھتے ہیں۔

نیپال

بدھ مت نیپال میں دو ہزار سال سے رائج ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ خود شاکیامنی وہاں گئے۔ نیپال بدھ مت کا قدیم گہوارا ہے۔ اس میں بہت سی پرانی کتب دستیاب ہیں۔

نیپال کے بدھ مت میں شرک کی آمیزش

نیپال کے بدھ مت میں تین دیوتاؤں کی پرستش سکھائی گئی ہے۔ اول آدھی بدھ: یہ سب سے بڑا خدا ہے اس سے مراد روح ہے۔ دوم دھرم: جس سے مراد مادہ ہے۔ تیسرا سنگھ: جس سے مراد خارجی دنیا ہے جو روح اور مادہ کے ملاپ سے پیدا ہوئی ہے۔

ان دیوتاؤں کے علاوہ اور بھی برہمنی مذہب کے بہت سے دیوتا ہیں۔ جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ مثلاً وشنو' شیو' گنیش' لکشمی وغیرہ

نیپال کے بدھ مت میں روح سے متعلق وہی عقیدہ ہے جو برہمنی مذہب کا ہے یعنی ارواح آدھی بدھ سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان تناسخوں کی تعداد اور ان کی نوعیت کا دارومدار انسان کے افعال پر ہے۔

نیپال میں برہمنی مذہب کا بدھ مت پر اتنا اثر ہوا ہے کہ دونوں عبادت گاہوں میں دونوں فرقوں کے دیوتا ملے جلے ہیں۔ مذہبی حکایات' روایات اور رسوم ایک جیسی ہیں۔ ان میں یہ فرق کرنا مشکل ہے کہ ان میں بدھ مت والے کونسے ہیں اور برہمنی کون ہیں۔

برما

برما میں بدھ مت مذہب برہمنی دیوتا کے ساتھ گیا۔ مسٹر ویلر جو کہ برما میں ایک برٹش عہدہ دار تھے لکھتے ہیں کہ "برما کے بدھسٹ ویدی دیوتاؤں میں علی الخصوص اندر اور برہما کی بھی پرستش کرتے تھے۔

برہما کا بادشاہ اپنے دربار میں ہمیشہ برہمنوں کو رکھتا تھا۔ اور وہی صاحب لکھتے ہیں کہ کوہ النامی کے موالی مثل خواتین ویدی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں۔

لنکا

لنکا کے باشندے ہنایان فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ گوتم بدھ کے تبرکات کے ساتھ وہاں بے شمار مورتیوں کی پوجا کا رواج ہے۔ یہ مورتیاں لنکا میں پلما کہلاتی ہیں۔
ان مورتیوں کے رکھنے کیلئے خوبصورت عمارتیں بنائی گئی ہیں۔ جن کو وہرا (VI HARA) کہا جاتا ہے۔

وہرا کے علاوہ لنکا میں ڈاگوبا یا ڈاگوب (DAGOBA) خاص اہمیت کا حاصل ہے۔
ڈاگوبا کے معنی ہیں۔ ایسا روضہ جہاں استخوانی یادگار محفوظ رکھی جاتی ہے۔ ڈاگوبا ایک پتھر کا ڈبہ ہوتا ہے جس میں ایک ہڈی کا چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سونے کے پترے' چند انگوٹھیاں' مورتیاں' تسبیح کے دانے اور تاگا اور دو چراغ ہوتے ہیں۔
یہ چیزیں گوتم سے منسوب کی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم وہ دانت ہے جسے گوتم کا بتلایا جاتا ہے۔

اسلام اور بدھ مت

(تقابلی آئینے میں)

بدھ مت دنیا کے ان چند مذاہب میں سے ہے جو مافوق الفطری موجودات کے منکر ہیں اور جن کے نزدیک انسان کو اپنی اخلاقی زندگی میں کسی ماورائی اور مافوق الفطری (Metapbysical) ہستی کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں۔ بدھ براہ راست خود سے خطاب کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ خود ہی اپنا نجات دہندہ اور مصلح ہے۔

دراصل بدھ کی اساسی تعلیم یہ تھی کہ انسان کی روحانی نجات نہ تو اعلیٰ ہستی کی توفیق سے ہوتی ہے اور نہ اس کی بخشش یا مہربانی کا نتیجہ ہے بلکہ یہ خود انسان کی اپنی جدوجہد، قوت ارادی اور اخلاقی کشمکش کا حاصل ہوتی ہے۔

مہاتما بدھ نے اپنے پیروؤں پر یہ واضح کر دیا تھا کہ اس کی تعلیم کا کوئی باطنی اور پراسرار پہلو نہیں ہے اور نہ وہ ان اخلاقی معلموں اور روحانی پیشواؤں میں سے ہیں جو مٹھی بند کر کے عام لوگوں سے بہت سی باتیں پوشیدہ رکھتے ہیں۔

بدھ مذہب تخلیق عالم کی کوئی توجیہہ نہیں کرتا اور نہ اس امر کی تشریح کرتا ہے کہ دنیا میں موت اور گناہ کا سلسلہ کیوں شروع ہوا۔ وہ اس تصور سے بھی خالی ہے کہ دعاؤں اور عبادات کے ذریعے انسان روحانی مصائب سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو یہ امید نہیں دلاتا کہ انہیں کسی دنیاوی یا دینی معاملے میں خدا یا دیوتاؤں یا کسی اور مافوق الفطرت ہستی کی تائید حاصل ہو سکتی ہے۔

مہاتما بدھ نے اپنے پیروؤں پر یہ بھی واضح کر دیا کہ کوئی انسان یا دیوتا دوسرے انسانوں کی نجات کا واسطہ نہیں بن سکتا' ہر شخص کو اپنے نفس پر خود فتح حاصل کرنی ہو گی۔ ہر آدمی اپنے گناہوں کا خود ہی ارتکاب کرتا ہے اور اس کو خود ہی ان کی پاداش بھگتنی پڑتی ہے۔ اگر انسان گناہوں سے بچتا ہے تو خود اپنے عمل اور کوشش سے۔ اس کے نفس کی صفائی اور پاکیزگی اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

کوئی دوسرا اس کا تزکیہ نہیں کرسکتا۔

بدھ مت انسان سے خود اعتمادی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ انسان اپنی کوشش اور جدوجہد سے زندگی کی بلند ترین منازل تک پہنچ سکتا ہے۔ وہ نہ صرف یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان سے خارج کوئی قوت نہیں جس کا وہ سہارا لے سکے' بلکہ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اگر انسان اپنے نفس پر خود فرماں روائی کرنی سیکھ لے اور اپنے جذبات و خواہشات پر قابو پا لے تو خارج کی کوئی قوت اس کی مدمقابل نہیں ہو سکتی۔

مہاتما بدھ کے نزدیک انسان اپنے اندر کسی مستقل جوہر کی تلاش نہیں کرسکتا کیونکہ وجود انسانی اسباب کے ایک تسلسل پر قائم ہے' ہر چیز کا وجود کسی نہ کسی سبب کا مرہون منت ہے۔ اگر یہ سبب نابود ہو جائے تو وہ چیز بھی فنا ہو جائے گی جو سبب کے ذریعے قائم ہے۔ پانی کی سطح پر امواج کیوں نظر آتی ہیں؟ محض ہوا کے باعث اگر ہوا نہ ہو تو امواج بھی نابود ہو جائیں۔ اسی طرح کوئی نفس یا خودی ایسی نہیں جس کا وجود اسباب سے بالکل بے نیاز اور قائم بالذات ہو۔ اس لیے انسان کا یہ سمجھنا غلط ہے کہ اس کی اپنی کوئی مستقل ہستی ہے۔ اسی طرح اس کی یہ روش بھی درست نہیں کہ وہ ساری کائنات کو اپنی خودی کے نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کرے پھر اگر تمام اشیاء و موجودات اسباب پر قائم ہیں تو اس سے لازماً یہ امر مستنبط ہوتا ہے کہ کوئی وجود غیر مشروط نہیں اور نہ تنہا اپنے بل پر قائم رہ سکتا ہے۔

بدھ مت کو انفرادیت کے وجود سے انکار نہیں' لیکن اس کے نزدیک انفرادیت ایک ذہنی التباس ہے انسان قدرتاً یہ سمجھتا ہے کہ وہ کائنات سے ایک علیحدہ ہستی ہے۔ نیز وہ دوسرے انسانوں اور موجودات سے ممیز ہے۔ اسے اس امر کا بھی یقین ہوتا ہے کہ وہ ان تمام انسانوں سے جو ماضی میں گزر چکے ہیں یا مستقبل میں پیدا ہوں گے ایک علیحدہ وجود رکھتا ہے اور اس کا نفس انفرادی اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کو لازماً بقائے دوام کی نعمت سے سرفراز کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے وہ اس نفس کی حفاظت اور تسکین کے ذرائع مہیا کرتا ہے۔ بدھ مت کا نظریہ یہ ہے کہ اس قسم کے تمام خیالات بے حقیقت ہیں۔ انسان کائنات میں وہی مقام رکھتا ہے جو بلبلہ پانی میں جس طرح موج دریا سے الگ نہیں اسی طرح انسان کائنات اور دیگر مخلوقات سے جدا نہیں ہو سکتا۔

قدیم ویدک مذہب میں مادی خواہشات کی تسکین کو مقصود حیات قرار دیا گیا تھا۔ اسی کے ساتھ اس مذہب میں دوزخ کا بھی ایک ہلکا سا تصور پایا جاتا ہے۔ جوں جوں ہندوستانی ذہن میں کرما اور تناسخ کے عقیدے جڑ پکڑتے گئے اور دوزخ کے تصور میں بھی تبدیلی ہوتی گئی۔ چنانچہ اب انہیں عارضی مقامات تصور کیا جاتا تھا جہاں سے روح پھر دنیا میں ایک نئے جسم کے ساتھ واپس ہوتی ہے۔

بدھ مت نے جنت و دوزخ کے بجائے نروان کا عقیدہ پیش کیا جو ایسی حالت ہو گی کہ اس میں انسانی نفس بالکل فنا ہو جائے گا' جیسے چراغ جلتے جلتے بجھ جاتا ہے لیکن بدھ مت کے عام پیروؤں نے فنائے کامل کے اس تصور کو بھی قبول نہیں کیا۔

نروان کس حالت کا نام ہے؟ اس پر بدھ مت کے علماء میں اتفاق رائے نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کرما یا پیدائش کے لامتناہی سلسلے کا اختتام ہے۔ یہ ایک انسان کی پرسکون راحت ہے جس کو دوبارہ جنم لینا پڑے گا۔ بعض لوگوں کے خیال میں یہ ہماری موجودہ زندگی کی ایک حالت ہے جب کہ ہمارا اخلاقی ارتقاء اس درجے پر پہنچ جائے کہ ہمارے اندر کوئی جذبہ اور خواہش باقی نہ ہو۔ نروان کو فنائے کامل بھی کہا جا سکتا ہے لیکن بدھ مت کے پیرو فنائے کامل کے تصور کا انکار کرتے ہیں جس طرح وہ اس امر کا انکار کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسانی روح کو بقا ہے۔ غالباً یہ کوئی درمیانی حالت ہے جو نہ تو کامل نیستی ہے اور نہ کامل ہستی۔

بدھ مت کے نزدیک ایک لعنت ہے جس سے انسان کو بچ کر نکل جانا چاہئے۔ بدھ مت کے پیروؤں کا عقیدہ ہے کہ انسان ایک لامتناہی مدت سے موجود ہے اور زندگی کا یہ سفر صرف پیدائش سے شروع نہیں ہوا بلکہ پیدائش سے قبل عرصہ دراز سے جاری تھا۔ اس لیے اسے اس عقیدے سے بڑی تسکین ہوتی ہے کہ بالآخر سفر ختم ہونے کو ہے۔ بہر حال نروان کا تصور واضح نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مہاتما بدھ نے اس بارے میں اپنے شاگردوں اور عقیدت مندوں کے سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا کہ آیا موت کے بعد کوئی زندگی ہو گی یا نہیں۔ غالباً مہاتما بدھ کا سب سے زیادہ مکمل جواب یہ تھا۔

> ''میرے شاگردو! ایک حالت ایسی بھی ہو سکتی ہے جس میں نہ زمین ہو اور نہ پانی' نہ ہوا ہو اور نہ روشنی' نہ لامحدود مکان ہو اور نہ لامحدود زمانہ' جس میں نہ کوئی ہستی ہو اور نہ کوئی خلقت' جس میں نہ کوئی تصور ہو اور نہ ان کا کامل فقدان' جس میں نہ یہ دنیا ہو اور نہ کوئی دوسری دنیا۔ ایسی حالت میں نہ تو کوئی شے وجود میں آ سکتی ہے اور نہ کوئی چیز فنا ہو سکتی ہے' نہ کوئی علت باقی رہے گی نہ معلول' نہ کوئی تبدیلی اور حرکت ہو گی اور نہ کسی جمود اور ٹھہراؤ کا امکان ہو گا۔''

بدھ مت میں اعتقادات اور عبادات کا کوئی نظام بھی نہیں پایا جاتا۔ اس نے نہ دعاؤں کی تلقین کی' نہ روزہ اور نماز کی' نہ ہی اس نے نجات اور مغفرت کا کوئی تصور پیش کیا اور نہ جنت و دوزخ اور ثواب و عذاب کی پیش گوئی کی۔ مہاتما بدھ نے زندگی اور کائنات کے بارے میں کوئی بات بتانے سے انکار کیا۔ اسی طرح آئندہ زندگی کے متعلق بھی انہوں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ ان کا سارا زور

اخلاقی تربیت اور نفس کشی پر تھا۔ اس لیے بدھ مت ایک اخلاقی نظام تو ضرور ہے لیکن دینیاتی نظام نہیں۔

بدھ مذہب میں خدا کا تصور

ان تصریحات کے باوجود یہ دعویٰ کرنا غلط ہوگا کہ مہاتما بدھ نے خدا کا انکار کیا یا انہوں نے مادے کو کائنات کی بنیاد قرار دیا۔ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ اپنے پیروؤں سے دہریت اور تشکیک کے متوقع تھے' نہ ہی ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایسے اہم اور فیصلہ کن امور کے بارے میں بالکل خالی الذہن اور لاعلم ہیں۔ بحیثیت ایک بدھ یا روشن ضمیر انسان کے ان کا مقصد یہ تھا کہ پیرو مصائب دنیوی سے نجات حاصل کرنے میں کسی خارجی طاقت کا سہارا نہ لیں بلکہ اپنے اندر اعتماد ذات پیدا کریں۔

بدھ مت کے ہنایانا فرقے میں خدا کا جو تصور آراستہ کیا گیا ہے وہ گوتم بدھ کے مقاصد اور ذہنی رجحان کا پوری طرح آئینہ دار ہے۔ اس سلسلے میں ہنایانا فرقے نے عقائد کا کوئی باقاعدہ نظام پیش نہیں کیا۔ اس کی کتابوں میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کو عام نظریات کا علم پہلے ہی سے ہے اور یہ نظریات نہ تو دہریت پر مبنی ہیں اور نہ تشکیک پر بلکہ اعلیٰ ہستی کے یقین پر۔ چنانچہ ہنایانا فرقے کی مذہبی کتب میں دو تصورات یکجا ملتے ہیں۔ اولاً دیوتاؤں اور دیویوں کے بارے میں۔ یہاں وہ تمام اصنامی افسانے موجود ہیں جن پر قدیم ہندو کثرت پرستی مبنی تھی۔ دوئم ایک خالق کائنات کا تصور بھی ملتا ہے جو تمام ذیلی طاقتوں پر غالب ہے۔ دیوتاؤں اور دیویوں کی صفات کا موقع اس طرح آراستہ کیا گیا ہے کہ گویا وہ تمام بشری کمزوریوں سے ملوث ہیں' ان پر بڑھاپا اور موت طاری ہو سکتی ہے' وہ کرما کے قانون اور تناسخ کے چکر سے بھی آزاد نہیں' ان کے اندرونی جذبات بھی پائے جاتے ہیں جن کے نتائج انہیں بھگتنے پڑتے ہیں اور ان کا سب سے بڑا دیوتا برہما بھی کائنات کی ہیئت ترکیبی سے لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ جس طرح ان کی قدرت و طاقت محدود ہے' اسی طرح ان کا علم بھی محدود ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کوئی دیوتا یا دیوی بدھ کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ صرف انسان ہی ہے جو اپنی کوشش و محنت اور صبر و استقلال سے بدھ بن سکتا ہے۔

حصول نروان یا معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار

دین اسلام جس مقام پر یا جس نہج پر تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے اس کا قریب قریب مفہوم نروان کا حصول ہے لیکن تعلیمات بدھ میں نروان جن منازل یا مراحل میں پرواز کرتا دکھایا گیا ہے وہ واضح طور پر ہر نوع کی معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار کا نام ہے اور یہ فرار غیر فطری اور غیر منطقی سلاسل

کیلئے نئی راہیں کھولتا ہے۔

بلاشبہ اسلام نے غور و فکر، عبادت و ریاضت اور حصول تقویٰ کی تعلیم دی ہے لیکن فطری حدود اور عقلی زوایہ کو پار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی۔

اسلام نے رہبانیت اور ترک دنیا کی بھی مذمت کی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عائلی زندگی کی بہتری کیلئے فرمایا:

لا رهبانية فى الاسلام

یعنی اسلام میں رہبانیت نام کی کوئی چیز نہیں۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کا ارتکاز نروان ہی ہے جیسا کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے بھکشوؤں سے انہوں نے ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی کہ بس مجھے نروان ملنے ہی والا ہے۔ دنیا کا عام شہری بھی جب کائنات کے رنگین امتزاجات کو دیکھتا ہے تو اسے زندگی کا مقصد سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ اس کے برعکس گوتم اپنے اہل خانہ کو چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جاتا ہے اور معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار حاصل کر لینے کو اطمینان قلب سے موسوم کرتا ہے جو کہ معقولی اعتبار سے کسی طور بھی مستند قصد نہیں۔

فقر اور ذریعہ معاش

محنت کر کے رزق حلال حاصل کرنا کسی بھی فرد کی تعظیم و تکریم میں اضافہ ہے اور ارشاد نبویؐ ہے:

الكاسب حبيب الله

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تجارت جیسے معزز پیشہ سے وابستہ تھے۔ اسلام میں گداگری کی بھی شدید مذمت کی گئی ہے۔ بدھ کی تعلیمات میں یہ ہے کہ ان کے پیروؤں کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو خانقاہوں میں مسدود کر لیں اور اگر بھوک لگے تو شہروں میں جا کر محض شکم سیری کیلئے بھیک مانگیں۔

پس جہاں تک بدھ مت کی تعلیمات کا تعلق ہے وہ نہایت محدود اور ناکافی ہیں۔ بدھ اصلاح نفس اور نروان کا پرچار کرتے کرتے دیگر بے شمار سماجی، معاشی، سیاسی، عائلی اور مذہبی ذمہ داریوں سے چشم پوشی کرتے پایا جاتا ہے۔ حالانکہ جہاں اسلام نے معرفت الٰہی کا پیام دیا ہے ساتھ ساتھ وہاں دنیاوی اور سائنسی امور کی طرف بھی توجہ مبذول کروائی ہے جیسا کہ سورہ الرعد میں ارشاد ہے:

اللّٰه الذى رفع السموت بغير عمد ترونها (سورہ الرعد: 2)

ترجمہ: ”اللہ (قدرت والا ہے) جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کھڑا کر دیا۔“

اور دیکھا جائے تو پوری سورہ الرعد سائنسی اور فکر معلومات کا خزینہ ہے جس سے اللہ قادر مطلق کی عظمت و کبریائی ٹپکتی ہے۔

سورہ البقرہ میں دین اسلام کے اکمال واتمام کے متعدد پہلو حسب ذیل آیت میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ارشاد ہے:

"نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مونہہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی (یا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے' قیامت پر' فرشتوں پر' آسمانی کتابوں پر' انبیاء پر اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر رشتے داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں' سوال کرنے والوں اور غلاموں پر اپنا مال خرچ کرے اور وہ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور جو لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کر لیں اور تنگدستی' بیماری اور قتال میں صبر کرنے والے ہوں تو پس یہی لوگ سچے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو تقویٰ (اللہ کا خوف) کے پابند ہیں۔"

قرآن حکیم کی یہ آیت نہایت جامع المفاہیم' فصیح و بلیغ' پرمعنی اور پوری انسانی زندگی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور میں سمجھتا ہوں گوتم بدھ کی اسی سالہ زندگی کی تعلیمات پر غالب ہے۔

وہ دھرم بھی کیا دھرم ہے جو اصلاح وفلاح کا پرچار تو کرے لیکن اس کا کوئی منشور واضح نہ ہو۔ نیکی کا مشورہ تو دے لیکن نیکی کی راہیں متعین کرنے سے قاصر ہو' ایک عمارت بنانے کا خواہاں تو ہو لیکن فن تعمیر سے نا آشنا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ بدھ کی تعلیمات اور اسلامی تعلیمات میں چند اقدار مشترک ہیں اور وہ اقدار دنیا کے تقریباً ہر مذہب میں اخلاقاً طبعاً یا فطرتاً پائی جاتی ہیں۔ مثلاً کسی کی تکلیف دیکھ کر نمناک ہونا یا کسی کا دکھ دیکھ کر غمناک ہونا' عائلی اور معاشرتی رشتے اور خوشی کے لمحات میں خوش ہونا یہ تمام فطری تقاضے ہیں مگر اسلام اور بدھ مت کے بنیادی عقائد میں فرق ہے۔ جیسے اللہ واحد کا تصور مبہم ہے پھر مذہبی رہنما کا تصور بھی واضح نہیں۔ مذہبی کتاب جامع اور مکمل نہیں اور بت پرستی کی وسعتوں کا اندازہ ہی نہیں۔ اس وقت سری لنکا' نیپال' برما' تبت' تھائی لینڈ' ویت نام' چین' منگولیا' کوریا اور جاپان میں بدھ مت کا غلبہ ہے اور ایک اندازے کے مطابق تھائی لینڈ کے ہر بدھی گھرانے کے اندر ایک بت خانہ ہے اور گھروں کے اندر بتوں کی تعداد اس ملک کی آبادی سے زیادہ ہے۔

زرتشتیت

زرتشتیت

(ZOROASTERISM)

ایام زرتشت:

زرتشت کے حالات و ایام سے متعلق زیادہ تر معلومات انکی مذہبی کتاب اوستا (Avesta) سے ہی حاصل کی گئی ہیں اُنکی تاریخ پیدائش اور زمانے کے بارے میں محققین میں اختلاف رہا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے:

"Zoroaster (Zarathushtra) was a priest of a certain ahura (Avestan equivalent of Sanskrit asura) with the epithet mazda, "wise," whom Zoroaster mentions once in his hymns with "the [other] ahuras." Similarly, Darius I (522-486) and his successors worshipped Auramazda (Ahura Mazda) "and the other gods who exist" or "Ahura Mazda, the greatest god." The two historically related facts are evidently parallel: on both sides the rudiments of monotheism are present, though in a more elaborate from with the prophet Zoroaster.

It has not yet been possible to place Zoroaster's hymns, the Gathas, in their historical context. Not a single place or person mentioned in them is known from any other source. Vishtaspa, the prophet's protector, can only be the namesake of the father of

Darius, the Achaemenid king. All that may safely be said is that Zoroaster lived somewhere in eastern Iran, far from the civilized world of western Asia, before Iran became unified under Cyrus II the Great. If the Achaemenids ever heard of him, they did not see fit to mention his name in their inscriptions nor did they allude to the beings who surrounded the great god and were later to be called the amesha spentas, or "bounteous immortals"-an essential feature of Zoroaster's doctrine."

زرتشت کا کلام:

زرتشت نے اپنی زندگی کا طویل زمانہ حقیقت اعلیٰ کی جستجو اور اس سے وصال حاصل کرنے کی تمنا میں گزارا۔ حقیقت اعلیٰ کی جستجو میں اُن کے جوش و جذبہ کا اندازہ اُن کے اس کلام سے ہوتا ہے مثلاً

"خداوندا! میرا تجھ سے یہ سوال ہے مجھے سچ سچ بتا دے۔ وہ ذات قدیم کون ہے جو پیدائش کے ذریعے حقیقت کی خالق ہے؟ وہ کون ہے جس نے سورج اور ستاروں کے راستے مقرر کیے ہیں؟ وہ کون ہے جس نے بلند پہاڑ کھڑے کیے ہیں۔"
یہ مجھے معلوم کرنا ہے اور ان کے علاوہ کچھ اور بھی میرے سوال ہیں۔

زرتشت کی جوانی:

زرتشت جب جوان ہوا تو اس سے معجزات کا ظہور ہو چکا تھا۔ وہ جادوگری کا سخت دشمن تھا کیونکہ وہ اسے شرک سمجھتا تھا۔ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہتا تھا۔ غریبوں کی مدد کرتا تھا اور خیرات و صدقہ بھی کرتا تھا غرض وہ بہت پرہیز گار انسان تھا۔ وہ دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تھا۔

آتش پرست پارسیوں کے نزدیک جب زرتشت تیس برس کے ہوئے تو انہیں معراج ہوئی۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

جب زرتشت ایران میں داخل ہوا تو وہ ایک دن دریا کے کنارے آیا جس کا نام اوستا (Avesta) میں واپتی بیان کیا گیا ہے۔ اس نے نہا دھو کر پاک ہو کر کپڑے پہنے اور عبادت میں مشغول ہو گیا اتنے میں سب سے بڑا فرشتہ بہرام ظاہر ہوا اور پوچھا؟ آپ اس دنیا سے کیا چاہتے ہیں؟ زرتشت نے جواب دیا مجھے

رضائے الٰہی کے علاوہ کسی چیز کی خواہش نہیں اور میرا دل راستی کے سوا کسی چیز کا طالب نہیں اور میں جانتا ہوں تو مجھے صراطِ مستقیم دکھائے گا یہ جواب سن کر فرشتے نے کہا: "آیئے اور اپنے خدا کے پاس چلیے اور جو مانگنا ہے خدا سے مانگیں پھر بہرام کے کہنے پر زرتشت نے اپنی آنکھیں بند کیں اور جب کھولیں تو اپنے آپ کو روشن مینو یعنی جنت میں پایا۔ وہاں اُس نے ایک محفل دیکھی جس کے نور سے اُسے اپنا سایہ نظر آیا۔ اس سے چوبیس قدم کے فاصلے پر ایک اور نورانی انجمن (محفل) تھی جہاں حور عبادت میں مشغول تھی۔ فرشتوں نے بڑے تپاک سے زرتشت کا استقبال کیا اور زرتشت نے بھی مرعوب دل کے ساتھ نماز ادا کی اور سوال کیا کہ زمین پر سب سے اچھا کون ہے؟ جواب ملا "جو سچائی کو پسند کرتا ہو۔ دوسرا وہ جو صراطِ مستقیم پر چلے اور برائی سے آنکھ چرانے والا ہو۔ تیسرا وہ جو آگ پانی اور جانداروں پر مہربان ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ایسے ہی لوگ دوزخ سے بچ کر جنت میں جاتے ہیں"

پس پھر نے اُس جنت اور دوزخ دیکھے پھر حور و قصور اور فرشتے دیکھے پھر زرتشت نے یزداں سے پوچھا "لوگ تیری حمد و ثناء کیسے کریں؟ ان کا قبلہ کون ہو؟ جواب ملا "مخلوق کو آگاہ کر کہ میری عبادت سے مقدس اور منور شے کوئی نہیں۔

معراج سے واپسی:

معراج سے واپسی پر زرتشت نبوت و رسالت کے کام میں ہمہ تن مشغول ہو گیا۔ کسی دور میں ان پر مایوسی کی کیفیت بھی آئی تو اس کا یہ کلام کچھ یوں ہے۔

"میں کس سرزمین کا رخ کروں اور کہاں جائے فرار اختیار کروں؟ میرے خاندان اور قبیلہ نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔" نہ تو ملک اور نہ ہی گاؤں کے ظالم حکمرانوں سے مجھے کوئی امید ہے۔ اس صورت حال میں خدا وندا! میں کس طرح تیری تائید و نصرت حاصل کروں۔

پھر اپنی عمر کے بقیہ سینتیس (37) سال مذہب کی اشاعت میں صرف کیے۔ ایران کے ایک بڑے حصے اور خاص طور سے مشرقی ایران میں ان کے مذہب کے ماننے والوں کی ایک بڑی جماعت پیدا ہو گئی زرتشت اپنے عبادت خانے کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے:

"Zoroaster's silence on Mithra is not easy to interpret. Since this god was closely associated with Varuna in India and with Varuna's likely substitute in Iran.

Zoroaster can hardly have ignored one-half of this divine pair without a definite purpose. Otherwise, it might be presumed that Mithra was included in the formula "Mazda and the [other] ahuras"; however, Mithra is called in the Later Avesta (non-gathic) an ahura: so is Apam Napat, a fire or brightness in the waters, corresponding to the Vedic Apam Napat. As for verethraghna (the entity or spirit of victory), it seems that since he took over the function of Indra, who was a daeva, he could not be called an ahura: but in order to mark his belonging to the world of ahuras he was called ahuradata, "created by an ahura."

It is in the framework of the religion of the ahuras, hostile to the cult of the daevas, that Zoroaster's message should be understood. He emphasized the central importance of his god, the wise Ahura, by portraying him with an escort of entities, the powers of all the other gods, in any array against the forces of evil.

It is in the framework of the religion of the ahuras, hostile to the cult of the daevas, that Zoroaster's message should be understood. He emphasized the central importance of his god, the wise Ahura, by portraying him with an escort of entities, the powers of all the other gods, in any array against the forces of evil.

The moral daulism expressed in the opposition Asha-Druj (truth-falsehood) goes back at least to Indo-Iranian times, for the Veda knows it too, as rta-druh, although the contrast is not as sharply defined as in the Avesta. Between these two principles, the Twin Spirits made an ominous choice, the Bounteous One becoming in thought, words, and deeds a partisan of Asha, ashavan, while the other became dregvant, partisan of the Druj. After them it was the daevas' turn: they all chose wrongly. Ever since, the deavas have tried to corrupt man's choice also."

زرتشت مذہب کی مقدس کتاب:

زرتشت کی اس کتاب کا نام اوستا ہے۔ژند اضافی حالت ہے جس کے دو معنی ہیں۔ژند کا ایک معنی وہ زبان جو ایران میں رائج تھی اور دوسرا معنی کسی بات کی شرح یا وضاحت تاہم ژند کا شمار اب مردہ زبانوں میں ہوتا ہے باقی حصہ قدیم ایرانی کتابوں کا مجموعہ ہے ہر ایک کا دعوی تھا کہ اصلی اوستا صرف اسی کے پاس ہے اور دوسروں کی اوستا جعلی ہے۔ ہر فرقے کی اوستا دوسرے فرقوں کی اوستا سے مختلف تھی۔ شاہ ایران آرٹکسی الیس (Artaxeues) نے ان اختلافات کو مٹانے کے لیے (قریب 450 ق۔م میں) ایک عظیم الشان کونسل منعقد کی۔ جس میں سے سات مقدس نمائندے منتخب کیے۔اوستا میں لکھا ہے:

> ''اِن سات لوگوں میں سے ایک مقدس نوجوان اردوادیرف نامی کے سامنے شراب کے تین پیالے رکھے گئے۔ اس نے انہیں پیا اور اس کے بعد ایک لمبی اور گہری نیند سو گیا جب وہ بیدار ہوا تو اس نے بتایا کہ اُس نے آسمانوں کی سیر کی یہاں اُس کی دیوتاؤں سے ملاقات ہوئی۔

ژند اوستا کے علاوہ ان کے ہاں سب سے زیادہ مشہور مجموعہ کتب و ساتیر ہیں اور بعض جواہر ریزے ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ اس مذہب کی اصلی اور حقیقی تعلیم پاکیزہ تھی اور حیات بعد الممات کا عقیدہ۔ جنت اور دوزخ۔ فرشتوں کی ہستی کا اعتراف۔ وحی کا اقرار اس کے نہایت اساسی نکات تھے۔اوستا کے پانچ حصے ہیں۔

-1 پاستا: وہ حصہ جو قربانی کی دعاؤں پر مشتمل ہے۔

-2 گاتھا: مذہبی قصائد کی کتاب ہے۔
جو دوسرے حصوں سے ممتاز حیثیت کی مالک ہے

-3 وسپرڈ: اس میں خدا کی حمد و ثنا بیان ہوئی ہے۔

-4 ونڈیداؤ: اس میں ارواح خبیثہ سے مقابلہ کرنے کی تدابیر ہیں۔

-5 ازشٹ: اس میں اکیس بھجن ہیں جن میں فرشتوں اور قدیم ایران کے بہادروں کی مدح بیان کی گئی ہے۔

اوستا کی تکمیل چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی جس کے پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس مذہب نے ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد موجودہ صورت اختیار کی ہے۔

زرتشت کی تعلیمات

تصور الٰہ:

گاتھاؤں کے مطالعے سے زرتشت کی جو تعلیمات سامنے آتی ہیں اُن میں سب سے نمایاں اور مرکزی اہمیت کی حامل ایک خدائے واحد پر اصرار ہے اگرچہ ایران کے قدیم مذہب میں بھی (سنسکرت) ایک حصہ بن چکی تھی گاتھاؤں میں ایک مقام پر زرتشت کہتے ہیں۔

"ابتداء سے ہی جب سے مجھے تیری معرفت حاصل ہوئی اے مزدا! مجھے یقین کامل حاصل ہو گیا کہ تو ہی کائنات میں فاعل مطلق ہے تو ہی نیک خیال (وہومنہ) کا مالک اور "نظم کائنات" (آشا ویشا) کا خالق ہے۔"

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

"میں اس کا بیان کرتا ہوں جو تمام چیزوں سے بلند و بالا ہے اور "نظم کائنات" کے ذریعے اس کی حمد گاتا ہوں وہی ہے جس کی رحمت کے سائے تلے تمام مخلوقات اپنی زندگی گزار رہی ہے اے اہورا روح القدس کے واسطے سے ہماری طرف متوجہ ہو تیری حکمت نے ہمیں تیری حمد کرنا سکھایا اب تو ہی ہمیں ہدایت کا راستہ دکھا۔"

اسی لیے وہ مردوں کی تدفین نہیں کرتے اور نہ ہی آگ میں جلاتے ہیں۔ وہ مُردوں کو کسی بلند مقام یا بلند مینار پر رکھ دیتے ہیں تاآنکہ گوشت خور پرندے اُن سے اپنی بھوک مٹا لیتے ہیں۔

اوستا (Avesta) زرتشتی تعلیمات کا اہم ترین ماخذ ہے۔ اس کی تصنیف کا آغاز دارا اوستاسپ کے عہد حکومت میں ہوا۔ اور بعد میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ اس کتاب کے پانچ حصے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

-1 پاستا: اس میں قربانی کی دعائیں اور اسکی تفصیلات درج ہیں۔

2- گاتھا: اس میں مذہبی معلومات ہیں۔
3- وسپرڈ: اس حصہ میں اللہ کی حمد وثنا بیان کی گئی ہے۔
4- وندیداد: شیطانی روحوں سے مقابلہ کرنے کی تدابیر کا ذکر کیا گیا ہے۔
5- یشت: اس حصہ میں 21 بھجن ہیں ان میں فرشتوں اور قدیم ایرانی بہادروں کے قصص بیان کیے گئے ہیں۔

یہ مذہبی کتاب ساسانی شاہ پور دوم کی زیر نگرانی چوتھی صدی عیسوی میں مکمل ہوئی۔ اس میں سماجی اور اخلاقی قوانین کے علاوہ طہارت اور پاکیزگی کے اصول بھی ملتے ہیں اس کو الہامی بتلایا جاتا ہے۔

دادا بھائی نوروجی اپنے مضمون "دنیا کا مذہبی نظام" میں لکھتے ہیں "ہون ور" آسمان پانی اور تمام مخلوقات کی تخلیق سے پہلے پیدا کیا گیا اور اس کے مطالعہ کا حکم زمین و آسمان کے باشندوں کو دیا گیا۔ (اور ہون ور سے مراد یہی اللہ کا کلام ہے)

سات متبرک شخصیات:

1- اسپنتا مینیو (روح القدس)
2- وہومنہ (نیک خیال)
3- آشا وہشتا (راستی نظم کائنات)
4- خشتراویریہ (مکمل اختیار و سلطان الٰہی)
5- آرامتی (عقیدت اور اخلاص)
6- ہوروتات (درجہ کمال اور بے عیبی)
7- امریتات (بقائے دوام)

یہ متبرک شخصیات اہورا مزدا سے الگ اپنا کوئی مستقل وجود رکھتی ہوئی نہیں معلوم ہوتیں جیسا کہ درج ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہو رہا ہے:

اہورا مزدا ہم کو بھی روح القدس (اسپنتا مینیو) نیک خیال (وہومنہ) اعمال و اقوال (آشا وہشتا) سلطان الٰہی (خشتر اویریہ) عقیدت و اخلاص (آرامتی) درجہ کمال (ہوردتات) اور بقائے دوام (امیرتات) عطا کرے۔ (یاسنا)

فلسفہ خیر و شر:

اہورا مزدا کے موحدانہ تصور الٰہ کی دریافت اور اس کے پرزور اعلان کے ساتھ زرتشت کی تعلیمات میں دوسرا اہم عنصر کائنات میں خیر و شر کی باہمی کشمکش کا استحضار اور اس کا ایک ہمہ گیر تصور

ہے۔ زندگی کے مختلف مظاہر سے عبارت پہلو (یعنی خیر اور شر) انسان کے لیے ہمیشہ ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔ مذاہب عالم جو انسانی تقدیر کے بنیادی سوالوں کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس مسئلے سے پہلوتہی نہیں کر سکتے تھے۔

چنانچہ دنیا کے تقریباً سبھی مذاہب میں کائنات میں شر کے وجود اس کی موجودگی میں انسانی رویہ اور اس کے دائمی حل کے سلسلے میں تعلیمات ملتی ہیں۔ لیکن شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ زرتشت دنیا کے ان مذاہب میں سے ہے جنہوں نے اس مسئلے کو خصوصی اہمیت دی ہے اور زندگی کے اس پہلو کو اپنی پوری توجہ کا مستحق سمجھتے ہوئے اس سلسلے میں واضح اور تفصیلی تعلیمات پیش کی ہیں بلکہ اگر صرف زرتشت کے اپنے کلام گاتھاؤں کو ہی پیش نظر رکھا جائے تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ کائنات میں خیر و شر کی دوئی اور ان کا باہمی تضاد ایک ایسا موضوع تھا جس نے زرتشت کو بے حد متاثر کر رکھا تھا۔

Spirit. was counterposed the host of the dregvants. under the Destructive Spirit. Angra Mainyu. Each combatant faced his exact counterpart: the Good Mind opposing the Bad Mind and Aramaiti being countered by Taromaiti.

In this battle. the whole material universe is. through the entities. potentially enrolled. the Bounteous Spirit being the patron of man. Asha of fire. the Good Mind of the Ox. the Dominion of the metals. Aramaiti of the earth. Integrity and Immortality of the waters and plants. Moreover. since the entities are at once divine and human (because both the spiritual and material qualities of man partake of divine). everyone faithful to the wise Ahura can commune with him.

After Zoroaster. considerable changes occurred in the theology he had professed. The entities were reduced to mere deities. which were even separated into male and female. Never again were their names used to designate

یہ بات کہ خیر و شر کی طاقتوں کا الگ الگ وجود اور ان کی باہمی کشمکش کا تصور زرتشت کی ذاتی بصیرت کی دین تھی اس میں ان کے ماحول اور قدیم ایرانی مذہبی تصورات کا بھی کچھ حصہ تھا اس کا فیصلہ سردست موجودہ تاریخی ماخذوں کی روشنی میں مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ:

"اے خدا میں نے تجھ سے یہ سوال کرتا ہے کہ اس کی سزا کیا ہوگی جو شیطان کے پرستاروں کی حکومت چاہتا ہو ان لوگوں کی حکومت جو بڑے بڑے کام کرتے ہیں جو پر امن کسانوں مویشی پالنے والوں کے جانوروں اور آدمیوں پر طاقت آزمائی کر کے ہی اپنی روزی حاصل کرتے ہیں۔"

As a result of the aggressor's attack, man is mortal. But he does not die altogether. There are five immortal parts in him: ahu ("life"), daena ("religion"), baodah ("knowledge"), urvan ("soul"), and fravashi ("preexistent souls"). The latter term seems literally to mean "preeminent hero." The conception that caused this term to be applied to the "meanes" (spirits) of pitarah of Iran is that of a defensive, protective power that continues to emanate from a chief even after death. This originally aristocratic notion seems to have been vulgarized in the same way as, in Greece, any dead person came to be considered a hero, or, in Egypt, an Osiris. Zoroaster ignored the fravashi, but he was familiar with the daena. The latter term meant " religion" in both its objective and subjective senses.

Indian and Iranian beliefs in the afterlife have many features in common, probably dating back to the Indo-Iranian period: a feminine encounter, a bridge with dogs watching it, a heavenly journey. In the ancient Indian texts, the Upanisads, the soul is welcomed in heaven by 500 apsaras (cloud maidens). In Iran the soul meets his own religion (daena) in the form of a beautiful damsel if he has lived justly; otherwise, he meets a hideous hag.

Either before this encounter or after, according to the various texts, the soul must cross a bridge. This, with the young girl and the gods, is attested in India in the Yajurveda and the Upanisads. In the Gathas it is called the Bridge of the Requiter: It leads the good souls to paradise, but the bad ones fall into hell.

حیات بعد الممات:

زرتشت اس موضوع پر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کی زندگی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کی روح کو ایک پُل (چنوٹ) پر سے گزرنا ہوتا ہے۔ جہاں اس کا امتحان ہو جاتا ہے۔ نیک انسان کی روح بہ آسانی اس پُل پر سے گزر جاتی ہے اور دوسرے کنارے پر اہورامزدا کے زیر سایہ جنت میں اپنا ٹھکانہ بنا لیتی ہے جبکہ برے انسان کی روح جس نے دنیا میں بہت گناہ کیے ہیں اور بالآخر ان مصائب کے ساتھ پُل سے گزر کر دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بناتی ہے۔ مرنے کے بعد انفرادی طور پر ہر انسان کو اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق اس طرح اس کا بدلہ مل جانے کے علاوہ زرتشت نے ایک مقررہ وقت پر دنیا کا خاتمہ تمام مُردوں کا زندہ کیا جانا اور اس کے بعد اجتماعی حساب کتاب یعنی قیامت کا تصور بھی پیش کیا ہے۔ اس تصور کے مطابق قیامت کے قریب ایک ''نجات دہندہ'' ظاہر ہوگا اس کے بعد تمام مردے زندہ ہو جائیں گے اور موجودہ دنیا کا خاتمہ کر دیا جائے گا پھر آگ پر سے گزرنا ہوگا جہاں سے اچھے لوگ آسانی سے گزریں گے جبکہ بُرے لوگ اُسی آگ میں جھلس کر جائیں گے اور نیک و بد تمام اُس ابدی دنیا میں مصروف ہو جائیں گے۔

اخلاقی تعلیمات:

زرتشت کے فلسفہ اخلاق میں پاکیزگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ژند اوستا میں لکھا ہے:

''پیدائش کے بعد انسان کے لیے پاکیزگی احسن یا بہترین چیز ہے.........

اے زرتشت! یہ پاکیزگی ہے جو قانون الٰہی ہے۔''

پاکیزگی سے مقصود فقط جسم اور ماحول کی پاکیزگی نہیں بلکہ خیالات کی پاکیزگی بھی ہے۔ اس کے معنی حقیقت گناہوں سے بچنا ہے انسان جب اپنے خیال کو گناہ و برائی سے محفوظ رکھتا ہے تو وہ گویا پاکیزہ رہنے کی کوشش کرتا ہے نیک اور صالح انسان وہ ہے جس کے خیالات الفاظ اور اعمال پاکیزہ ہوں۔ غور سے دیکھئے ہے۔ تو پاکیزگی کا سب سے بڑا سرچشمہ کلام الٰہی ہے۔ کوئی پاکیزگی سے شفا پاتا ہے؟ کوئی قانون سے؟ کوئی جراحی سے؟ کوئی جڑی بوٹیوں سے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے ہی شفا ملتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ افضل و اعلیٰ وہی ہے جو کلام پاک سے ہوتا ہے مومن کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کا تیر بہدف علاج ہی ہے۔ دیکھو! کلام پاک سے بیماریاں بھاگ گئیں۔ ان کے شیطانی اعمال ناپید ہو گئے۔

زرتشت کے دین میں مندرجہ ذیل پانچ اُصولوں کو فرض کیا جاتا ہے یا مانا جاتا

ہے:

1- معصومیت: انسان کو ہر حال میں گناہوں سے محفوظ رکھنا چاہیے۔
2- نیکی و بد میں تمیز۔ درندوں اور مویشیوں میں فرق۔ اہل اور نا اہل میں تفریق۔
3- عالم دین کا دانا و صاحب فہم ہونا لازم ہے۔ اس کا مسیح ہونا بھی ضروری ہے تا کہ اس کی تقریر اثر انگیز ہو۔
4- مذہبی رسوم کو دیانت داری' عقیدت سے زندگی گزارنا غلاظت' حیض سے پرہیز کرنا درختوں اور پودوں کو سیراب کرنا۔
5- اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے دن رات وقف کر دینا اور صبر و استقامت سے کام لینا۔

دینی واجبات

1- والدین' استاذ مرشد یا نیک بن کر حیات طیبہ گزارنا۔
2- ذلت اور بدنامی سے بچنا
3- استاد کا چھڑی سے نہ مارنا اس پر الزام نہ لگانا۔
4- استاد نے جو کچھ خلوص سے پڑھایا ہے وہ دوسروں کو سکھانا۔
5- نیک کو جزا اور خود کو سزا نہیں دینا چاہیے بلکہ قانون کے حوالے کر دینا چاہیے۔
6- نیکی کے لئے گھر کے دروازے کھلے رکھنے چاہئیں۔
7- شیطانیت سے دور رہنا چاہیے نیز گناہ سے بھی توبہ کرنی چاہیے۔
8- بزرگوں کا احترام کرنا چاہیے۔

موجودہ زرتشتیت

1- موجودہ دور میں پارسیوں کے لئے ایک مستقل مذہب کی وجہ سے ان کی تعداد میں درجہ بدرجہ کمی ہوئی ہے اور اس میں شدت اس وجہ سے بھی پیدا ہوگئی ہے کہ قدیم دستور کے بموجب پارسی اپنی جماعت میں کسی غیر پارسی کو شامل کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔
2- موجودہ زمانے میں پارسی قوم مذہب زرتشت پر قائم ہونے کی دعویدار ہے۔
3- زرتشتی طریق عبادت نہایت آسان اور سادہ ہے جن پارسی عبادت خانوں میں عبادت ہوتی ہے وہاں صرف آگ کا موجود ہونا ضروری ہے۔

اس لیے آگ کو اس مذہب میں بنیادی حیثیت حاصل ہے یہ آگ صندل کی لکڑی سے جلانا افضل اور اعلیٰ ہے۔ پارسی لوگوں کا خیال ہے کہ آگ ہمیں یہ احساس دلاتی ہے کہ یہ دُنیا بے ثبات اور عارضی ہے جس طرح آگ خود راکھ میں تبدیل ہو جاتی ہے اسی طرح انسان کو اُس سے سبق

حاصل کرنا چاہیے۔ تاہم ابدی زندگی تو صرف اُن لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جو اہورامزدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اینگرومینیو کے غیظ وغضب سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آگ کی پرستش اُن کے مذہب کا بنیادی حصہ ہے۔ یہ آگ خوشبو پھیلاتی ہے اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ وہ نیکیوں کو پھیلائے۔

جنت اور دوزخ کا تصور:

پارسیوں کے نزدیک جنت دو طرح کی ہے ایک نورانی جنت اور دوسری ادنیٰ جنت۔ جن لوگوں نے مذہب کے مطابق زندگی گزاری اللہ کی عبادت کی اور گاتھا کی تلاوت کی یا وہ لوگ جن پر بادشاہت اور حکمرانی کی ذمہ داریاں ڈالی گئیں اور وہ اُنہوں نے باحسن طریق سرانجام دیں' ایسے لوگ سب نورانی جنت میں جائیں گے۔ پارسی نظریہ کے مطابق یہ جنت سورج میں ہے۔

دوسری جنت کا مقام چاند اور ستاروں میں ہے یہ جنت اُن لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے کبھی گاتھا کی تلاوت کی نہ عبادت کی لیکن حقوق العباد کا بھرپور خیال رکھا۔

پارسیوں کے نزدیک دوزخ کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے بلکہ اس کا وجود صرف اہرمنی طاقتوں کو کچلنے کیلئے ہے جب اہرمنی طاقتیں تباہ ہو جائیں گی دوزخ بھی ختم ہو جائے گی۔

تصور تدفین:

پارسی اپنے مُردوں کو ناپاک خیال کرتے ہیں۔ جبکہ مٹی اور آگ کو پاکیزہ سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ دونوں عناصر پاکیزہ ہیں اور انسان کا جسم غلیظ اور ناپاک ہے۔ اگر مردے کو دفنایا جائے تو مٹی جو کہ پاک ہے ناپاک ہو جائے گی اور اگر مردے کو جلایا جائے تو آگ کی پاکیزگی متاثر ہو گی۔ پس وہ مردے کو ایک بلند مینار پر رکھ دیتے ہیں کچھ ہی دیر میں پرندے اپنی بھوک مٹا لیتے ہیں۔

اسلام اور زرتشتیت

زرتشتیت یا مجوسیت پہلا غیر الہامی مذہب ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں کیا گیا ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی اس کی صراحت ملتی ہے۔ اسلام اور مجوسیت کے تقابل میں بنیادی فرق توحید (Oneness of God) اور ثنویت (Dualism) کا ہے۔ ذیل میں ایک جامع تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

سورہ الحج میں ہے:

ان الذين امنوا والذين هادوا و الصابين و المجوس
والذين اشركوا ان الله يفصل بينهم يوم القيمة

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہو گئے اور ستارہ پرست اور آتش پرست اور جو لوگ شرک کے مرتکب ہوئے بے شک اللہ ان سب کے درمیان قیامت والے دن فیصلہ کر دے گا۔“ (سورہ الحج: آیت 17)

مندرجہ بالا آیت سے ہندومت، جین مت، کنفیوشزم، بدھ مت اور کئی دیگر مذاہب کی نہ صرف نفی ہو جاتی ہے بلکہ قرآن عظیم ان کی وجودیت اور حقیقت سے بھی انکار کرتا ہے۔ حالانکہ ان تمام مذاہب کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے کا ہے۔

ثانیہ: قرآن عظیم میں مجوسیت کے ذکر سے اس کی حقیقت اور شناسائی کا یقین ہوتا ہے۔

شریعت اسلام میں زرتشتیوں کا ذکر ایسے کیا جاتا ہے گویا کہ وہ اہل کتاب ہیں۔ (1) البیضاوی: ص 629، (2) الزمخشری: کشاف، ص 951، (3) الرازی: مفاتیح الغیب، 4:554 اور (4) النیشاپوری بحاشیہ الطبری: 17:74 یہ مفسرین ایسا کوئی اشارہ نہیں کرتے جو اس امر پر دلالت کرے کہ نظری حیثیت سے مجوس اہل کتاب ہیں۔ الرازی کہتا ہے کہ مجوس کسی حقیقی نبی کے پیرو نہیں بلکہ صرف ایک متنبی (Mutanabbi) کے پیرو ہیں۔ اس کے ان الفاظ سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ مجوس کو حقیقی اہل الکتاب اور مشرکین کے بین بین ایک درمیانی امت سمجھتا ہے۔ بقول النیشاپوری مجوس

جو دو خداؤں پر ایمان رکھتے ہیں' ان کا نبی بھی حقیقی نبی نہیں' بلکہ ایک متنبی ہے۔ اس کے برعکس مشرکین کا نہ تو کوئی نبی ہے اور نہ کوئی مقدس کتاب۔ عربی کی تاریخی کتب میں بعض اوقات ایرانی زرتشتیوں کو خود مشرک لکھا گیا ہے۔ (البلاذری' ص 302' 303' 380' 387)

حدیث شریف میں مجوس کے بارے میں یہ ہے کہ مجوسی اہل کتاب تو نہیں لیکن بعض معاملات میں ان سے اہل کتاب جیسا سلوک کرنا چاہیے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کی روایت مذکور ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے جزیہ قبول فرمایا۔ (ابو عبید القاسم بن سلام (کتاب الاموال' 150:1 اردو ترجمہ) کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کو خط لکھا کہ جو اسلام لے آئے گا اس کا اسلام قبول کر لیا جائے گا اور جو اسلام نہیں لائے گا اس پر جزیہ لگا دیا جائے گا نہ اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے زرتشتیوں کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ وہ اسلام اور جزیہ میں سے جس چیز کو چاہیں قبول کر لیں۔ بعد ازاں یہ حدیث بطور سند تسلیم ہوئی۔ (ابو داؤد' 433:3)

حضرت عبدالرحمٰن ؓ بن عوف نے اس روایت کا اظہار اس وقت کیا جبکہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کو مجوسیوں سے جزیہ قبول کرنے کے بارے میں تردد پیدا ہوا۔ (علامہ البلاذری' ص: 267)

(2) عقیدہ ثنویت (Dualism)

عقیدہ ثنویت پر کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ زردشت کا تعلق اس زمانے سے ہے جب انسان کے پاس کوئی ایسے ذرائع نہیں تھے جن سے کسی کے اقوال و اعمال محفوظ کیے جا سکتے ہوں۔ کسی بھی قدیم مذہب کے عقائد و احکامات میں تنزل و انحطاط اور تبدل و تحریف کی اساس وجوہات مذہبی رہنماؤں کے پیروؤں' بھکشوؤں' چیلوں' حواریوں' ساتھیوں' شاگردوں یا مشیروں کی بدنیتی' چالاکی' حرص' طمع اور ذاتی خواہشات پر محتوی ہو سکتی ہیں۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے ابدال و تحریف کا تصور کوئی شبہ یا واہمہ نہیں ہے قرآن حکیم کی متعدد آیات اس حقیقت موضع پر شاہد و دال ہیں جب اہل کتاب بلا حیل و حجت اپنی من پسند نفسانی رغبات و مراعات کو خاطر کتب سماوی میں مختلف تبدیلیاں کر کے خود کو معظم و مکرم بناتے رہتے تھے اور دوسروں کی تکذیب و تذلیل کا سامان مہیا کرتے تھے۔

یہود نے عزیر کو اللہ کا بیٹا بنا دیا تو نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کے خطاب سے نواز دیا۔ ایسی تمام تحریفات کا واحد محرم اقوام کا اپنے اپنے قبائل کو ذاتی مفادات و امتیازات سے مزین کرنا اور دشمن کی طاقت کو کمزور بنانا تھا۔

اس ایرانی پیامبر کی ابتدائی تعلیمات جو زمانے کی تاخت و تاراج سے بچ بچا کر ہم تک پہنچی

ہیں سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ وہ کائنات میں دوئی (Dualism) کا قائل نہیں تھا بلکہ مذہبی ثنویت کا قائل تھا۔ اس نے اہورا ماژدا کے سامنے اہرمن کو اسی طرح لا کر کھڑا کیا جس طرح اللہ قادر مطلق کے سامنے ابلیس۔

لیکن اسلام اللہ کی لامحدود طاقت کاملہ کو کہیں تقسیم نہیں کرتا جبکہ زرتشتیت میں کئی مواقع پر اہورا ماژدا اپنی کمزوریوں کے باعث اینگرومینیو کے آگے کمزور اور بے بس نظر آتا ہے اور پھر یقین دلاتا ہے کہ بالآخر جیت روشنی یعنی خیر کی ہی ہوگی۔

تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ زردشت مجوسیوں میں پیدا ہوا یعنی زردشتی اور مجوسی دو علیحدہ گروہ تھے۔ بعد ازاں مجوسی بھی زردشتی کہلانے لگے۔ ان دونوں کی لسانی' علاقائی اور مذہبی جنگ ہمیشہ جاری رہی۔ اوستا کی تحریری دستار بندی زردشت کی وفات کے کئی سو سال بعد عمل میں آئی اور اکثر محققین کا خیال ہے کہ خیر (Good) اور شر (Evil) یعنی دو خدا کا تصور بعد میں اس مذہب کا حصہ بنا۔

کہتے ہیں زردشت کے پاس دو خدا کے وجود کی عقلی دلیل تھی اس کا کہنا تھا کہ اس کائنات میں اگر ایک خدا ہوتا تو وہ صرف اچھائی کی تعلیم دیتا اور برائی سے نفرت کرتا۔ پس جو خدا اتنی بڑی کائنات بنا سکتا ہے آسمانوں کو بغیر سہارے کے کھڑا کر سکتا ہے سورج اور چاند کو تخلیق کر سکتا ہے وہ برائی کا بھی خاتمہ کر سکتا ہے پس خیر سے خیر اور شر سے شر ہی خارج ہوگا۔

اللہ رب العالمین والقوی الوکیل نے قرآن حکیم میں توحید کیلئے اس سے بھی بہتر عقلی اور منطقی دلیل پیش کی ہے۔ ارشاد ہے:

لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (سورہ الانبیاء: 22)

یعنی اس (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ان (زمین و آسمان) کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

اصل اوستا

زرتشتی تعلیمات میں مہر (سورج) کی بے حد تعظیم و تکریم کی جاتی تھی اس عزت افزائی سے مرغوب ہو کر آگ کی باقاعدہ پرستش کا سکندر اعظم کے زمانے میں جب کہ زرتشتی آتش پرستی میں مگن تھے تو اصل اوستا اسی آتش کی نذر ہو گئی۔ تاہم جب بعد میں دوبارہ اوستا تیار ہوئی تو وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھی تھی۔

اسی ایک چھا میں اسلام جو کہ تمام ادیان پر غالب ہے دنیا کے تمام انسانوں اور جنوں کو کھلا چیلنج کرتا ہے کہ کوئی ہے جو اس قرآن کی مثل بنا لائے آج چودہ سو سال گزر گئے ہیں کوئی جرات نہ کر سکا۔ اللہ رب العالمین نے اس قرآن عظیم کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اٹھایا ہے پس ہمارا یقین ہے کہ تا قیامت کوئی اس دعویٰ کے قریب جانے کا بھی نہیں سوچ سکتا۔

اوستا کی تعلیمات

اوستا کی تعلیمات کا دائرہ نہایت محدود اور معاشرتی اعتبار سے غیر منطقی اور فطری طرز معاشرت سے اس قدر بعید ہے کہ وہ زندگی کے ہزارہا شعبہ جات میں سے کسی ایک بھی بنیادی ضروریات کو پورا نہیں کرتا۔ یہ تعلیمات زیادہ تر دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کی دعاؤں اور مختلف بھجنوں پر تردھارت ہیں یا مایا کرم اور اندر جال (جادو منتر) کے زور پر آسمانی بلاؤں کو اپنے وش میں کرنے کیلئے ہیں۔

اس کے برعکس جیسا کہ پوری دنیا جانتی اور مانتی ہے کہ اسلام ایک جہانگیری دین ہے اور اس میں عبادات' اعتقادات' حصول تعلیم' اوامر و نواہی' ازدواجی معاملات' حقوق و فرائض' ریاست' سیاست' عدالت' جزا و سزا' کاروبار' مدانیت' محبت' شادی بیاہ' طلاق' خلع' دوستی' دشمنی' اخوت' کسب حلال' قربانی' زکوٰۃ' خیرت' صدقہ' رہن سہن' جنگ اور امن الغرض زندگی کے ہر پہلو پر تسلی بخش معلومات ملتی ہیں۔

زرتشت کی شخصیت سودا

اس کائنات میں روشنی اور اندھیرے جیسی دو قوتوں کی خبر دینے والے زرتشت کی اپنی زندگی صرف اندھیروں کی نظر ہو کر رہ گئی جس کے بارے میں تحقیق کرنے والا ہر دور کا ہر مورخ شاید خاموش؛ غالباً ممکن ہے اور ہوسکتا ہے جیسے الفاظ کا سہارا لے کر کچھ لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسے شاید اس پیامبر کا نام زرتشت تھا یا زردشت یا زرادرشت یا کچھ اور غالباً باپ کا نام پوروشاسپ تھا' مغربی ایران (میڈیا) میں پیدا ہوا لیکن چند اشارے ایسے ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے وہ میڈیا کا نہیں بلکہ باختر کا رہنے والا تھا' زرتشت کی بیشتر زندگی کے بارے میں تاریخ خاموش ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن پیغمبر اسلام رحمت العالمین کی زندگی کا ہر پہلو سورج کی تابناک کرنوں کی طرح شاندار اور روشن ہے۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں ہزاروں ایسے افراد کی سیرت بھی لکھی گئی جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی۔

مردے سے سلوک

زرتشتی مذہب میں ہے کہ زمین (دھرتی) پاک ہے جبکہ انسان نجس اور اشدھ ہے اور مردے کو دفنانا دھرتی کی بے حرمتی کے مترادف ہے پس اسے اونچے مینار پر رکھ کر پرندوں کی خوراک بنا دو (یا کتوں کے آگے ڈال دو) انسائیکلوپیڈیا امریکانا میں لکھا:

"The most conspictions feature of Zoroastrianism.

apart from the fire ritual, is the practice of disposing of the dead by exposing them to birds of prey (formerly also to dogs) in so-called fire, or water. There are several ceremonies of purification, entailing washings with water, sand, and bull's urine, and the presence of a "foureyed" dog (with two dark patches above the eyes), which is also used in the funeral rites. Every Zoroastrian has to be received into the fold of the "good religion" by donning a sacred shirt and a sacred thread or kusti, which will never leave him again even in death and to which symbolic values are attached."

اس تقابلی پہلو میں منطقی استدلال یہ ہے کہ آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے پس اسے مرنے کے بعد مٹی میں ہی جانا چاہئے۔ سورہ المائدہ میں مردے کی تدفین کی شہادت ملتی ہے ارشاد ہے:

"پس اللہ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ زمین کریدے اور اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔" (سورہ المائدہ: آیت 31)

شادی کی رسم

زرتشتی مذہب میں سگے رشتوں میں بھی شادی بیاہ کا رواج تھا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تحریر کرتے ہیں:

"ایران کے آتش پرست جو روشنی اور تاریکی کے دو خدا مانتے تھے اور اپنے آپ کو زرتشت کا پیرو کہتے تھے ان کے مذہب و اخلاق کو مزدک (دوسری صدی قبل مسیح کا ایک مذہبی رہنما) کی گمراہیوں نے اس طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا حتیٰ کہ سگی بہن سے نکاح تک ان میں رواج پا گیا تھا۔" (تفہیم القرآن ج سوم، صفحہ 211)

اس طرح کی شادی کا رواج ابتدائی زمانہ میں بھی تھا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک حمل کے جڑواں بیٹے اور بیٹی (قابیل اور اقلیما) کا نکاح دوسرے حمل کے جڑواں بیٹے اور بیٹی (ہابیل اور یہودا) سے کرنا چاہتے تھے مگر قابیل اپنی جڑواں بہن اقلیما سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ یہی جھگڑا بعد ازاں ہابیل کے قتل کا سبب بنا۔ قرآن عظیم نے سورہ النساء کی آیت نمبر 23 میں سات نسبی رشتوں میں شادی کو حرام قرار دے دیا اور اس کے علاوہ نسبی رشتوں کی وضاحت بھی کر دی گئی جن کے ساتھ نکاح حرام ٹھہرایا اور اسی آیت کے آخری کلمات "الا ماقد سلف" سے مراد آفرائش عالم ہے۔

جین مت

جین مت

لفظ جین جنا سے مشتق ہے مفہوم ہے فاتح اور غالب۔ جین مت کے اکابر یعنی مذہبی پیشواؤں کو جنا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جین مت کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ ان کا دین ازلی اور ابدی ہے۔ ان کے ہاں تناسخ کا وسیع تصور پایا جاتا ہے۔ جینیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اس وقت تک چوبیس جنا اس دنیا میں آچکے ہیں۔ جن میں سے اول جنا کو آئے ہوئے لاکھوں برس گزر چکے ہیں۔

جین مت کا بانی مہاویر:

جینی روایات کے مطابق مہاویر سوامی چوبیسواں اور آخری جنا یعنی تھرتھنکر ہیں۔ ان کا اصلی نام وردھمان تھا۔ وہ ایک کھشتری گھرانہ میں 540 ق م میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سرھاوتہ تھا جو قبیلہ جنا کے سردار تھے ان کی والدہ ریاست مگدھ کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ مہاویر کا زمانہ 599 ق م سے 527 ق م خیال کیا جاتا ہے۔ وردھمان کے خطاب مہاویر کی وجہ تسمیہ میں ایک واقعہ بیان کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بچپن میں وردھمان اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ شاہی باغ میں کھیل رہا تھا۔ شاہی اصطبل سے ایک ہاتھی بھاگا اور اس باغ میں پہنچ گیا ہاتھی کے چنگھاڑنے سے باقی بچے تو بھاگ گئے لیکن وردھمان اپنی جگہ کھڑا رہا ہاتھی نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن وردھمان کمال بہادری سے سونڈ پکڑ کر ہاتھی پر سوار ہو گیا اور اسے ہانک کر اصطبل میں لے آیا اس بہادرانہ کارنامہ پر اس کا نام ''مہاویر'' پڑ گیا۔

حالات زندگی:

مہاویر کی پرورش بچپن میں بڑے ناز و نعم سے ہوئی 30 برس کی عمر میں مہاویر نے ہندو مت کو خیر باد کہا۔ اپنے بالوں کو سادھوں کی طرح جٹا دھاری بنایا تمام لباس ترک کر کے صرف ایک جوڑا

رکھ لیا اور راہبوں کے ایک گروہ میں شامل ہو گئے۔ آخر کار یہ سب کچھ بھی چھوڑ دیا اور وسط ہند میں گھومتے پھرتے رہے تاکہ سکون اور طمانیت کا راز معلوم ہو سکے انہوں نے اپنی روح آلائشوں سے پاک کرنے کے لیے ''اھسنا'' یا اُصول عدم تشدد کو اپنایا جس کا مقصد کسی جاندار کو اذیت دینے سے پرہیز کرنا تھا چنانچہ انہوں نے ہر جاندار (اس میں تمام انسان' حیوان' پرند چرند' کیڑے مکوڑے اور تمام سمندری اور آفاقی مخلوقات شامل ہیں) کو احترام کی نگاہ سے دیکھا اور انہیں کسی قسم کی تکلیف پہنچانے سے گریز کیا۔ بعض لوگوں نے مہاویر کا مذاق اُڑایا۔ لیکن انہوں نے توجہ نہ دی۔ کتوں نے انہیں کاٹ کھایا۔ وہ پرعزم رہے اس طرح بارہ برس مہاویر نجات کی تلاش میں سرگرداں رہے اور بالآخر ایک درخت کے پاس بیٹھ کر گہرے مراقبے میں مشغول ہو گئے بالآخر 42 سال کی عمر میں انہیں کامل نروان حاصل ہو گیا۔ مہاویر نے اس راہ نجات کی تلقین دوسرے لوگوں کو بھی کی جس میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی اور پچاس ہزار کے قریب راہب اُن کے پیروکار بن گئے اس نے دنیوی خواہشات پر فتح حاصل کر لی اس لیے جینی (فاتح) کہلایا آخر کار مہاویر نے 72 سال کی عمر میں جنوبی بہار کے ایک مقام پاوا میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کی تعداد اس کی زندگی میں ہی پانچ لاکھ تک پہنچ گئی تھی کسی زمانے میں جینیوں کو زبردست قوت حاصل رہی جس کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ انہوں نے ہندو مندروں سے بہتر مندر بنائے جن میں چند ایک اب بھی باقی ہیں۔

کوہ ابو (Mount Abu) میں اب بھی سینکڑوں عظیم الشان جین مندر موجود ہیں اور ان میں سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے۔

بنیادی اصول:

جینی کرم اور تناسخ کے عقیدہ کو تسلیم کرتے ہیں ان کے خیال میں انسان کا ہر فعل اس کی روح پر اثر انداز ہوتا ہے خواہ یہ فعل اچھا ہو یا بُرا اس کا اثر روح پر ضرور ہوتا ہے اگر کوئی شخص بھول کر کسی کی جان لے لے تو اُس سے روح تاریک ہو جاتی ہے ان لوگوں کے نزدیک فوجی' شکاری اور قصاب یہ سب لوگ سیاہ دل ہیں اور نورانیت سے محروم ہیں۔ کیونکہ یہ شعوری اور لاشعوری دونوں اعتبار سے جانداروں کے قاتل ہیں۔

ذی روح کو اذیت نہ دینا:

مہاویر جب نجات کے حصول میں سفر پر روانہ ہوئے تو دوران سفر انہوں نے جانور کو اذیت دینے سے گریز کیا وہ راستے پر پاؤں رکھنے سے پہلے راستے کو صاف کرتے تاکہ کیڑے مکوڑے ان کے پاؤں سے روندے نہ جائیں۔ وہ ناک اور منہ پر کپڑا رکھتے تاکہ جراثیم سانس کی گرمی سے

ہلاک نہ ہو جائیں۔ لیکن مہاویر نے اسے ایک اہم اُصول کی حیثیت سے اپنایا ان کا نقطہ نگاہ یہ تھا کہ اپنی جان کی خاطر کسی ذی رُوح کی جان ضائع نہ کی جائے۔

تجارت پیشہ:

جین مذہب کے ماننے والے وہ لوگ جو راہبانہ زندگی اختیار نہیں کرتے اور سخت قسم کا حلف نہیں اُٹھاتے وہ ایسے تمام کام لیتے ہیں جو فطری، غیر شعوری اور غیر ارادی ہوں مثلاً وہ چھوٹے کیڑے مکوڑوں کی ہلاکت پر دل برداشتہ نہیں ہوتے۔ عام طور پر جینی تجارت پیشہ ہیں اور تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے خاصے امیر ہیں۔

عقائد و نظریات:

جینوں کا یہ خیال ہے کہ ان کا دھرم ما قبل تاریخ سے چلا آتا ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ جینی دراصل ہندو دھرم کے بے شمار فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جینیوں کا خیال ہے کہ کائنات کا یہ سلسلہ زمانے سے وابستہ ہے اور ایک زمانہ دو چکروں میں مکمل ہوتا ہے۔

(1) صعودی دور (Ascending Cycle)

(2) نزولی دور (Descehding Cycle)

(1) پہلے چکر کو صعودی دور یا چکر کہتے ہیں لوگوں کی عمروں میں اور ان کے قد و قامت میں خوشگوار اضافہ ہوتا ہے اسے جینی لوگ نروان کا نام دیتے ہیں۔

(2) نزولی دور (Descending cycle):

دوسرے دور کو نزولی دور کہا جاتا ہے ہر دور میں 24 جنا ظاہر ہوتے ہیں ان میں سب سے پہلا رسابھ تھا اس کی عمر صرف 84 لاکھ برس تھی اور اس کی اونچائی 500 کمان کے برابر تھی آخری جنا مہاویر سوامی تھا جو بدھ مہاراج کے ہم عصر تھے۔

تعلیمات:

جس دور میں مہاویر پیدا ہوئے اس وقت سب سے اہم مسئلہ نروان کا حاصل کرنا تھا۔ مہاویر نے نروان کے حصول کے لئے دو طریقے منفی اور ایجابی بیان کئے ہیں جب انسان کی خواہش پوری نہیں ہوتی تو وہ ایک مشکل کیفیت سے دو چار ہوتا ہے لیکن جب خواہش ہی نہ ہوگی تو روح مسرت اور خوشی سے ہمکنار ہوگی اور یہ قلبی مسرت اور راحت ہی نروان ہے مہاویر کے نزدیک نروان کے حصول کا ایجابی طریقہ یہ ہے کہ انسان کے بنیادی عقائد علم اور عمل دونوں درست ہوں۔

انہوں نے اعمال کی درستی کی بنیاد 5 باتوں پر رکھی ہے۔

بنیاد پانچ باتوں پر

اہمسہ یا آزادی (Ahmsa)

ہر جاندار کو اذیت سے دور رکھنا' خود کو تکلیف سے آزاد رکھنا ہے۔ یہ جینیوں کا سب سے بنیادی عقیدہ ہے۔

ستیام یا راستی (Satyam):

ہمیشہ راستی کو اپنا شعار بنایا جائے اور پرہیز کیا جائے۔

استیام یا چوری سے اجتناب (Asteyam):

حلال روزی کمائی جائے اور دوسروں کے اموال کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

برہمچاری (Brahmachary):

یعنی عفت پاک دامنی کی زندگی بسر کی جائے اور ہر قسم کی نفسیاتی برائی سے بچا جائے۔

اپری گراہہ (Apari Graha):

یعنی لذت مادی دحواس خمسہ یعنی (سننے' دیکھنے' سونگھنے' چکھنے اور چھونے) میں مکمل طور پر غلبہ اور فتح ہونی چاہیے جینیوں کے ہاں چونکہ کائنات ازلی ہے اور خُدا کا تصور موجود نہیں۔ لیکن ہندوؤں کے زیر اثر ان کے مندروں میں بھی مورتیاں نظر آتی ہیں۔ جن میں وشنو' کرشن' لکشمی خاص طور پر مقبول ہیں پہاڑی مقامات پر جینیوں کے مندر پتھروں سے بنی ہوئی دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں سے اٹے پڑے ہیں۔

اطوار و عادات:

اکثر جینی سبزی پر زندگی بسر کرتے ہیں پانی چھان کر پیتے ہیں۔ لکشمی فرقہ کے لوگ اندھیرا ہو جانے پر بالکل بھی پانی نہیں پیتے۔ منہ پر کپڑا باندھتے ہیں پھر اس پر ہاتھ رکھتے ہیں' ہسپتال قائم کر رکھے ہیں ان اطوار نے ہندوؤں پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔

لباس کے اعتبار سے ان کے دو گروہ ہیں ایک گروہ سوتیامبر (White Clad) کہلاتا ہے۔ یہ لوگ اکثر سفید لباس میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ گمبر (Sky Clad) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کا لباس آسمانی رنگ کا

ہوتا ہے۔ اس گروہ کے لوگ زیادہ تر ہندوستان کے جنوبی علاقے میں آباد ہیں۔

تنقیدی جائزہ:

1- جین مت میں تعذیب نفس، ترک خواہشات اور ترک دنیا ہی بہترین عبادت ہے۔

2- جینیوں کا دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب قدیم ترین مذہب ہے یہ صرف انسانوں کے لیے نہیں بلکہ کائنات کی تمام چیزوں کا مذہب ہے لیکن اس دعویٰ کے باوجود جین عالمگیر مذہب نہ بن سکا مثلاً زراعت، فوج، طب، ماہی گیری، اور لحم فروشی کے اصول عملی زندگی میں ناقابل عمل ہیں اور انسانی فطرت کے بھی خلاف ہیں۔ کپڑا بنایا جائے اور نہ کوئی سفر کے لیے قدم باہر نکالے اس خامی کی وجہ سے یہ مذہب دوسرے ملکوں میں مقبولیت نہ پا سکا۔ البتہ اس کے ماننے والے ہندوستان میں خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

اس جین مت میں خدمت خلق کو بڑی اہمیت حاصل ہے ایسے اداروں کا قیام جن کی وساطت سے انسان و حیوان کی خدمت ہو سکے۔ ان کا ہر دلعزیز مشغلہ ہے اور انسانوں کے فائدے کے لیے ہسپتال کھولنا بھی ان کی عبادت میں شامل ہے۔ جین مت میں عبادت کے اساسی الفاظ یہ ہیں:

"آقا جین کے سامنے میں اپنا سر عاجزی سے جھکاتا ہوں۔ جو ساری دنیا کا معبود ہے اور امن و راحت بخشنے والا دنیا کی تمام مخلوقات کو وہ ابدی سکون عطا کرتا ہے۔ کاش کے میں داس کی مہربانی سے نروان کا اعلیٰ ترین تحفہ حاصل کر سکوں۔"

جین مذہب کے حقیقی عروج کا زمانہ موریہ خاندان ہے۔ چندر گپت موریا نے جین مت قبول کر لیا تھا۔ اور جین مت کو شاہی پرستی میں خوب ترقی حاصل ہوئی۔

وردھمان سے مہاویر بننے سے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک وردھمان بچپن میں اپنے ہمجولیوں کے ساتھ باغ میں کھیل میں مصروف تھا کہ ایک ہاتھی باغ میں گھس آیا۔ ہاتھی کی غضبناک آواز سن کر سب بچے کھیل کو خیر باد کہہ کر بھاگ نکلے۔ اور اکیلا وردھمان کھڑا رہا جب ہاتھی نے اس پر حملہ کرنے کے لیے اپنی سونڈ ہلائی تو وردھمان اسکی سونڈ سے لپٹ گیا اور اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر اسے واپس فیل خانہ پہنچا آیا۔ اس بہادرانہ کام کی وجہ سے وردھمان سے مہاویر کہلانے لگا۔ مہاویر کا مطلب ہے۔ بہادر فاتح سفید پوش بعض محققین کے مطابق وردھمان مہاویر نے ایک شہزادی جس کا نام ایشوربا تھا سے شادی کر لی اور شادی شدہ زندگی گزارنے لگا۔ لیکن جب ان کی عمر تیس سال کی ہوئی تو اس دنیا کو خیر باد کہہ کر پرسوناتھ کا مذہب اختیار کر کے راہبانہ زندگی گزارنا شروع کر دی۔ پورے بارہ تیرہ سال دہ برہنہ رہا۔ چھ سال تک وہ ایک راہب جس کا نام گوسالہ تھا کے ساتھ ساتھ رہا۔ جب گوسالہ

نے ایک نئے عقیدے اجویکا کی بنیاد رکھی۔ تو وردھمان مہاویر اس سے الگ ہو گیا۔ اپنی عبادت ریاضت کے ساتھ تیرھویں سال مہاویر نے ایک غیر معروف بستی جوبھاگا گہرام میں ڈیرہ جما لیا۔ یہ بستی دریائے اجوپالگا کے کنارے آباد تھی۔ جب مہاویر نے اپنی عمر کے بیالیسویں سال میں قدم رکھا تو اسے نروان کی دولت نصیب ہوئی۔ نروان حاصل کرنے کے بعد مہاویر نے ایک نئے مذہب زگر نتھیں کی بنیاد رکھی بعد میں زگر نتھیں کا نام جین مت پڑ گیا اس کے ماننے والے جینی کہلائے۔

جینی کا مطلب ہے فاتح اس سے مراد نفسانی خواہشات پر قابو اور فتح پانے والا۔ مہاویر نے بہتر سال کی عمر میں جنوبی بہار کے قصبہ پاوا میں وفات پائی۔ وردھمان مہاویر نے پورے تین سال جین مت کی تبلیغ کی۔ اس نے تبلیغ ہی کے سلسلہ میں انگا دہیا اور مگدھ کا سفر بھی کیا۔ اس تبلیغی سفر میں مگدھ کا راجہ یمبیار اور اسکا بیٹا اجاتا استرد اس کے پیرو بن گئے۔ مہاویر کے دور میں نروان حاصل کرنے کے دو طریقے بہت مشہور تھے جن میں سے ایک نام سلبی اور دوسرے کا نام ایجابی مشہور تھا۔ سلبی طریقہ کو ماننے والے اپنے دل سے تمام خواہشات کو نکال باہر کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے مطابق تمام مصیبتوں اور رنج کا باعث یہی نفسانی خواہشات ہوتی ہیں۔ اسکی مزید تشریح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ جب انسان اپنی خواہشات کی تکمیل نہیں کر پاتا تو وہ غم کے سمندر میں چلا جاتا ہے۔ اسی لیے جب کوئی خواہش نہ ہوگی تو رنج و غم بھی قریب نہ پھٹکے گا۔ ایسے شخص کو خوشی اور مسرت حاصل ہوگی اور یہی مسرت و قلبی راحت ہی نروان ہے۔ اس کے برعکس ایجابی طریقہ کے پیرو کہتے ہیں کہ اگر انسان کے عقائد اور علم کے ساتھ ساتھ اس کے اعمال بھی صحیح اور درست ہوں تو وہ تین رتن کہلاتے ہیں۔ اعمال کی درستی کی بنیاد وہ پانچ باتوں پر رکھتے ہیں۔ اہمسا' ستیام' استیام' برہمچار یام اور اپری گراہہ اہمسا اسے آزادی بھی کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کسی جاندار کو تکلیف نہ دینا جس طرح انسان اپنے جسم و جان کی حفاظت اور احترام کرتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کو بھی کرنی چاہیے۔ ستیام کا معنی ہے چوری چکاری سے پرہیز ہمیشہ حلال روزی کمائے اور ناجائز آمدنی سے دوسروں کے مال کو اپنے لیے حرام سمجھے برہمچار یام اس کے معنی عفت' یا پاکدامنی کے ہیں۔ ہر گھڑی گناہ سے دور رہے۔ اور پاک دامنی کی زندگی بسر کرے۔

کسی کی عزت و آبرو کو میلی آنکھ سے نہ دیکھے۔ مادی لذتوں سے اجتناب انسان یہ کوشش کرے کہ حواس خمسہ سننے چکھنے سونگھنے دیکھنے اور چھونے کی طاقتوں پر غلبہ حاصل ہو جائے کیونکہ مادی لذات انسان کو گمراہی کے اندھے کنویں میں دھکیل دیتی ہیں۔ جینیوں کے نزدیک صرف ذی روح کو تکلیف پہنچانا ہی گناہ نہیں بلکہ غیر ذی روح کو بھی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ جین مت کے پیروکار ہمیشہ اپنے منہ پر رومال رکھتے ہیں۔ تاکہ سانس کی گرمی سے جراثیم ہلاک نہ ہو جائیں۔ اپنے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا جھاڑو ضرور رکھتے ہیں۔ اور ہر قدم اٹھانے کے بعد دوبارہ رکھنے سے پہلے زمین کو صاف

کرتے ہیں۔ اپنے دانت بھی صاف نہ کرتے کہیں دانتوں کے اندر چھپے جراثیم ہلاک نہ ہو جائیں۔ گو یہ کہ کام اصول صحت کے سخت خلاف ہے۔ جینیوں کا عقیدہ ہے۔ کہ خدا انسان کی روح میں چھپی صلاحیتوں کی جلا کا دوسرا نام ہے۔ جین مت کے پیروکاروں کا عقیدہ تھا کہ انسان مرنے کے بعد کسی دوسری شکل میں اس وقت تک دنیا میں آتا رہتا ہے۔ جب تک وہ امر نہیں ہو جاتا یعنی نروان حاصل نہیں کر لیتا ہندو اس عقیدے کو تناسخ یا آواگون کا نام دیتے ہیں۔ جبکہ مکتی کے بارے میں انکا ہندوؤں سے اختلاف ہے۔ ان کا نظریہ ہے کہ جب کوئی روح برائی کے اتنے زیادہ کام کر لیتی ہے تو بوجھل ہو کر نیچے گرنا شروع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ دوزخ میں جا گرتی ہے۔ اور جب روح پاک و مطہر ہوتی ہے تو وہ ہلکی پھلکی ہو کر اوپر کی جانب پرواز کر جاتی ہے اور جنت میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہاں وہ بہت ہی لطیف اور ہر آلائش سے پاک صاف ہو جاتی ہے تو آخری جنت یعنی چھبیسویں بہشت میں پہنچ جاتی ہے جہاں اسے نروان حاصل ہو جاتا ہے۔ اس عقیدہ کو صعودی اور نزولی چکر کہا جاتا ہے۔ جینی برہمہ کے تصور اور کائنات کے بارے میں بھی ہندوؤں کے عقیدے کی تردید کرتے ہیں۔ لیکن روح کو غیر فانی اور ہمیشہ رہنے والی غیر متغیر ذات گردانتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ بھی ہے کہ روحیں تعداد میں بہت زیادہ ہیں وہ سب کی سب آزاد خودمختار اور ازلی ہیں۔ کائنات کو بھی ازلی مانتے ہیں ان کے مطابق کائنات کا نہ شروع ہے اور نہ آخر جس کسی کو بھی مکتی حاصل ہوتی ہے اسے وہ پرمیشور خیال کرتے ہیں۔ ان کے مطابق اس کائنات کا بنانے والا خالق کوئی نہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر پرمیشور کو کائنات کا خالق بھی مان لیا جائے تو ایسا خدا دنیا کا پابند ہوگا جبکہ وہ آزاد ہے ایشور کی خواہش سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ وہ کرموں سے ہوتا ہے۔ روح کو اعمال کے نتائج بھگتنے ہی پڑیں گے۔ اسکی مثال یوں دیتے ہیں۔ جیسے کوئی نشہ آور چیز کا استعمال کر کے نشے میں آ جاتا ہے۔ اس میں ایشور کا کوئی دخل نہیں۔

عبادت:

جین مت کے پیروکار اپنے تیرتھنکروں کی پوجا کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ میں آقا کے سامنے اپنا سر عاجزی سے جھکاتا ہوں۔ جو ساری دنیا کا معبود اور امن و راحت بخشنے والا ہے۔ دنیا کی تمام مخلوقات کو وہ ابدی سکون عطا کرتا ہے۔ کاش کہ میں اس کی مہربانی سے نروان کا اعلیٰ ترین تحفہ حاصل کر سکوں۔

حلف:

جین مت میں آنے سے پہلے ہر کسی کو ایک حلف اٹھانا لازم ہوتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

1- میں کسی بھی ذی روح کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔

2- میں کسی جاندار کو نقصان نہ پہنچنے دوں گا۔

3- میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ ذی روح کو ہلاک کرنا قابل مذمت ہے۔

4- میں سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ مجرد (کنوارا) ہوں گا۔

5- میں راہبانہ زندگی بسر کروں گا۔

جین مت کے پیروکار کرم اور تناسخ کے عقیدہ کے قائل ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ انسان کا ہر فعل اس کی روح پر اثر ڈالتا ہے۔ چاہے وہ کام اچھا ہو یا بُرا۔ اگر فعل اچھا ہوگا۔ تو روح کی مانند روشن ہوگا۔ اور بُرے عمل سے اس میں تاریکی آ جائے گی۔ روح کو تاریک کرنے والے اعمال میں سب سے بڑا عمل کسی جاندار کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس لیے کسی جاندار کی حفاظت کو سب سے اچھا اور سب سے بڑی نیکی سمجھتے ہیں۔ اگر کسی شخص سے بے دھیانی میں کسی جاندار کی جان چلی جائے تو اس کی روح سیاہ ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جینی فوجی شکاری اور قصاب کو سیاہ دل مانتے ہیں۔

پیشہ:

جو جینی راہبانہ زندگی کو پسند نہیں کرتے وہ سخت حلف نہیں اٹھاتے مگر ہر ایسے کام سے پرہیز کرتے ہیں۔ جس سے کسی جان کے ہلاک ہونیکا اندیشہ ہو جین مت کے ماننے والے فوج میں نہیں جاتے۔ قصاب کا پیشہ اختیار نہیں کرتے کھیتی باڑی نہیں کرتے کیونکہ ان کے بقول ہل چلانے سے زمین کے کیڑے مکوڑے مر سکتے ہیں۔ جینی زیادہ تر تجارت کا پیشہ اختیار کرتے ہیں اسی لیے زیادہ امیر بھی ہوتے ہیں۔

فرقے:

جین مت کے دو فرقے زیادہ مشہور ہیں۔ سوتیامبر اور گمبر۔

1- سوتیامبر یا سفید پوش کو وائٹ کمیڈ بھی کہتے ہیں۔ یہ زیادہ تر سفید لباس پہنتے ہیں اور اکثر سوتیامبر شمالی ہندوستان میں آباد ہیں۔

2- گمبر یا سکائی کلیڈ یہ لوگ آسمانی رنگ کی ایک چادر زیب تن کرتے ہیں اور کثرت سے ننگے پھرتے ہیں۔ کپڑوں کا پہننا چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کی زیادہ تر تعداد جنوبی ہندوستان میں رہتی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ وردھمان مہاویر نے نہ تو شادی کی اور نہ اپنے پاس کچھ رکھا یعنی انہوں نے سب کچھ چھوڑ دیا اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ لیکن جب ہندوستان میں مسلمان فاتح بن کر آئے تو انہوں نے ان مادرزاد ننگوں کو حکماً لباس پہننے پر مجبور کیا۔

مذہبی کتب:

مسیح سے چار سو سال پہلے جنوبی بہار قحط کی زد میں آ گیا تھا اور ایک جینی بھوابا ہو کی

سربراہی میں بڑی تعداد میں جینی میسور اور اس کے آس پاس کے شہروں کی طرف نقل مکانی کر کے چلے گئے۔ اور وہاں جا کر آباد ہو گئے کچھ جینی پاٹلی پڑ جا بسے ان لوگوں نے ایک کونسل قائم کی جسے مقدس کتاب کو ازسر نو مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس کونسل نے بارہ انگس کتابیں تیار کیں۔ اسی طرح پانچویں یا چھٹی صدی میں ایک اور کونسل وسبھائی گجرات میں منعقد ہوئی۔ جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ جین مت کے اصولوں کو اکٹھا کر کے کتابوں میں محفوظ کرے۔ اس طرح ایک مکمل کتاب تیار کر کے اسکا نام انگس رکھا۔ اس کے علاوہ کچھ کتب بھی ہیں جن کے نام اپانگہ' سوترا' ہیولہ وغیرہ ہیں۔ جین مت نے سب سے زیادہ ترقی موریہ خاندان کے دور حکومت میں کی۔ کیونکہ موریہ خاندان کے حکمران چندر گپت موریہ نے اس مذہب کو قبول کر کے سرکاری طور پر اس کی سرپرستی کی لہذا شاہی سرپرستی میں مذہب نے خوب ترقی حاصل کی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ہندوستان میں اس مذاہب کے پیروکاروں کی تعداد پچاس لاکھ کے قریب تھی۔

جین مت کے مہاویر کے بعد:

چونکہ مہاویر کے فلسفہ میں قتل نفس ترک خواہشات اور رہبانیت کا دخل بہت زیادہ تھا۔ اسی لیے انہیں کسی عبادت گاہ کی ضرورت کا احساس بھی نہیں تھا لیکن بعد کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ جینیوں نے مندر بھی تعمیر کیے اور ان میں مورتیوں کو بھی رکھا۔ ابتداء میں جینی مورتی کی پوجا نہ کرتے تھے۔ مگر بعد میں انہوں نے انکی پرستش شروع کر دی انہوں نے اپنے تیرتھنکروں کی بھی مورتیاں تیار کیں۔ جن میں کچھ تو بیٹھی ہوئی تھیں اور کچھ کھڑی ہوئی تھیں۔ یہ مذہب ہندوستان کی حدود میں ہی مقید رہا اور دیگر ممالک میں اسکو نہ جانے دیا گیا۔ جب موریہ خاندان کی حکمران کو زوال آیا تو جین مت کا عروج بھی کم ہوا۔ جس کے بعد یہ اجین اور متھرا میں ترقی پکڑ گیا۔ اسی طرح شنکراچاریہ دور میں اسے دکن میں بھی زوال کا منہ دیکھنا پڑا۔ جہاں سے گجرات گیا اور وہیں اپنا مرکز قائم کیا۔ صوبہ گجرات میں کوہ ابو پر جینیوں نے ایک قابل دید مندر بنایا جس کا شمار ہندوستان کے سات عجائبات میں ہوتا تھا۔ موجودہ دور میں جینیوں کی تعداد بہت کم ہو چکی ہے۔

اسلام اور جین مت

جین مت کا زمانہ جرمنی کے مشہور محقق بوہلر (Buhler) کے مطابق آٹھ سو اور چھ سو قبل مسیح کے درمیان ہے۔ اس مذہب کی بنیادی تعلیمات جن کو مہاتما مہاویر لے کر آیا تھا سراسر غیر فطری، غیر مکمل اور عقل و حکمت کی بستی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ حتیٰ کہ بعض مذہبی احکامات کا پابند ہو کر اس پر عمل پیرا ہونا انسانی طاقت کے بس میں نہیں تھا۔

مثلاً مہاویر کے نظریہ کے مطابق ہر ذی روح زندگی کا حامل ہے اور بھوک، پیاس اور تکلیف کو محسوس کرتا ہے لہٰذا جانداروں کو قصداً تکلیف نہیں دینا چاہئے۔ اس کے نظریہ کے مطابق جاندار اور غیر جاندار (مثلاً دریا، پہاڑ، درخت وغیرہ) کے اندر بھی روح موجود ہے اسی لئے جینی جب چلتے تھے تو ہاتھ میں معمولی سا جھاڑو یا چھڑی نما چیز رکھتے تھے جس سے وہ زمین پر قدم رکھنے سے پہلے رینگنے والے کیڑے مکوڑوں کو جھاڑو سے ہٹاتے جاتے اور پھر قدم رکھتے جاتے تھے۔

گویا وہ اپنا سر نیچے زمین کی طرف کمر جھکا کر کرتے تھے۔ یہ انتہائی تکلیف دہ اور غیر فطری پہلو ہے جسے مذہبی تقاضوں سے ہٹ کر بھی دیکھا جائے تو کسی سزا سے کم نہیں۔

جین مت کی بنیادی تعلیم یہی ہے جسے اہنسا (جانداروں اور بے جان اشیاء پر عدم تشدد) کہا گیا ہے۔ اسلامی عقائد و عبادات اور اوامر و نواہی میں کہیں بھی ایسا کوئی پہلو نظر نہیں آتا جس کی ادائیگی میں انسانی جان تکلیف محسوس کرے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج یا صدقہ و خیرات تمام عبادات نہ صرف تکالیف سے مبرا ہیں بلکہ قلب انسانی کیلئے راحت کا باعث ہیں۔

سورہ الطلاق میں ہے:

لا یکلف اللہ نفسا الا ما اتھا سیجعل اللہ بعد عسر یسراً

ترجمہ: "اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قابل جتنا اسے دیا ہے۔" (سورہ

الطلاق:7)

اور بعض دوسرے مواقع پر ارشاد ہے:

لا تکلف نفسا الا وسعها

ترجمہ: "ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔"

(سورہ الانعام: 152' الاعراف 42' المومنون: 62)

اور دوسری جانب دیکھا جائے تو جینی بلاوجہ اپنی جان کو تکلیف میں ڈالتے تھے یعنی سانس لیتے ہوئے مونہہ اور ناک پر کپڑا رکھ لیتے تھے کہ کوئی جاندار جسم میں داخل ہو کر مر نہ جائے۔

جین مت میں خالق کون و مکان کا کوئی واضح تصور موجود نہیں۔ اس میں اعمال صالحہ اور نیک قوتوں کا دوسرا نام ہی خدا ہے۔ اس بیان سے جس کا مہاویر نے پرچار کیا خالق کائنات کی بلا تردد و تشکیک نفی ہو جاتی ہے۔

جبکہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ عدم سے وجود اور وجود سے عدم تک مکان سے لامکان تک زمین کے آخری ذرے سے لے کر سبع سموات کے ماوراء تک سب کچھ اللہ خالق و فاطر جو وحدہ لاشریک ہے نے بنایا ہے اور وہی اس کائنات کے تمام سسٹم کو چلا رہا ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت الکرسی میں یہ بھی واضح کر دیا کہ:

ولا یؤده حفظهما

یعنی اس کائنات کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں۔

سورہ ابراہیم میں ہے:

الم تر ان الله خلق السموات و الارض بالحق

ترجمہ: "کیا تو نہیں دیکھتا بلاشبہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔" (سورہ ابراہیم: 19)

اور ایک موقع پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذلکم الله ربکم خالق کل شیء

ترجمہ: "وہ ہے اللہ تمہارا رب (Sustainer) ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔"

(سورہ المومن: 62)

نفس کشی

جینیوں کا نظریہ ہے کہ روحانی عروج اور نجات حاصل کرنے کیلئے انسان تمام دنیاوی معاملات کو یکسر ختم کر دے اور اذیت پسندی' فاقہ اور نفس کشی اختیار کرے یہاں تک کہ وہ اس عارضی

اور فانی زندگی کو جلد ختم کر سکے لیکن اسلام لوگوں کو دنیا کے تمام معاملات میں بھرپور حصہ لینے کی دعوت دیتا ہے اور ہر قسم کی معاشی' معاشرتی' سماجی' سیاسی اور عائلی معاملات پر زور دیتا ہے۔

قرآن حکیم جو مختلف عناوین کے تحت ایک سو چودہ سورتوں (ابواب) پر مشتمل ہے حسن معاشرت کا بھرپور مدرس ومعلم ہے۔ سورہ الفاتحہ' سورہ البقرہ' سورہ آل عمران' سورہ النساء یا پھر دیکھیں سورہ النور' سورہ الفرقان یا پھر دیکھیں سورہ الحجرات الغرض ہر سورہ میں انسانی زندگی بسر کرنے کے بہترین ضوابط و اصول بیان کیے گئے ہیں۔ شہری مسائل ہوں یا ازدواجی تقاضے وراثت ہو یا سیاسی معاملات الغرض قرآن عظیم ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

اس کے برعکس جین مت شادی بیاہ کے معاملات کی نفی کرتا ہے اور مکتی نروان' فاقہ کشی اور رہبانیت کا قائل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک دنیا سے منع کیا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

لا رهبانية في الاسلام

کیونکہ رہبانیت ایک انسان کو دوسرے انسان سے دور کرتی ہے۔

جینی اصول اپنانے کے بعد ایک انسان' انسانیت سے گر کر حیوانیت میں شامل ہو جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جین مت کی تعلیمات اس قدر ناقابل عمل ہیں کہ اگر ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے تو زندگی کا کاروبار معطل ہو جائے نہ کسی چیز کی کاشت ہو سکے نہ کوئی کپڑا بنائے اور نہ ہی کوئی کپڑا پہنے۔

اس مذہب کی غیر مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس کے اصول ونظریات غیر فطری اور انسانی عقل سے پرے ہیں۔

جینی کتب

جینی مذہبی لٹریچر چار کتابوں پر مشتمل ہے جن میں انگا' اپانگا' میولہ اور سوترا شامل ہیں تاہم انگا کو سب سے زیادہ مذہبی حیثیت حاصل ہوئی۔

چوتھی صدی عیسوی میں ایک تشکیل شدہ کمیٹی کے تحت جب انگا ضبط تحریر میں لائی گئی تو اس میں حالیہ ضروریات کے تحت مکمل کر ایسے قوانین بنائے گئے جو عام انسانی طاقت کے بس میں نہیں تھے۔ انہوں نے نفس کشی اور اہنسا کو بنیاد بنا کر اپنے مذہب کا پرچار کرنا چاہا جو بالاتفاق ممکن نہ ہو سکا اور جین مت دو گروہوں میں بٹ گیا۔ ایک گروہ گمبر کہلایا اور دوسرا سویتامبر۔

اول الذکر مادرزاد برہنہ رہتے تھے اور لباس پہننا ناپسند کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ لباس پہننے سے انسان دنیا کی رنگینی میں کھو جاتا ہے اور اس کا دل آسائشوں اور خواہشوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے جبکہ یہی خواہشات انسان کو چوری' ڈاکہ' قتل اور ظلم و جور کی طرف لے جاتی ہیں اور انسان

درست راہ سے بھٹک جاتا ہے جبکہ مؤخر الذکر گروہ لباس' خوراک اور دنیاوی معاملات سے بھرپور استفادہ کرنے کا مؤید تھا۔

جینی عقائد

جینیوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ صحیح عقیدہ' صحیح علم اور صحیح عمل کے نظریات پر عمل کریں اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مندرجہ ذیل پانچ وعدوں پر سختی سے عمل کریں:

(1) کسی جاندار کو تکلیف نہ دی جائے۔

(2) جھوٹ نہ بولا جائے۔

(3) کسی بھی صورت میں چوری نہ کی جائے۔

(4) دنیاوی معاملات سے دور رہا جائے۔

(5) اور ازدواجی زندگی یعنی شادی بیاہ سے اجتناب کیا جائے۔

اگر ہم وعدہ اولیٰ یعنی کسی جاندار کو تکلیف نہ دی جائے پر تامل کریں تو ظاہراً یہ نظریہ عقل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے مگر اس نظریہ میں جنونی کیفیت اختیار کر لینا درست نہیں مثلاً زمین پر چونٹیوں اور دیگر کیڑے مکوڑوں کے تحفظ کی خاطر پاؤں نہ رکھنا اور اگر زمین پر چلنا پڑ جائے تو اس طریقے سے چلا جائے کہ پہلے ایک پاؤں ہوا میں رکھا جائے اور اسے زمین پر رکھنے سے قبل اس جگہ کو چھڑی' جھاڑو یا ہاتھ سے صاف کر لیا جائے پھر پاؤں رکھا جائے اور اس کے بعد آگے قدم بڑھانے کیلئے دوسرا قدم ہوا میں رکھا جائے اور جانداروں کی بقاء کیلئے اسے صاف کیا جائے اور پھر وہاں پر آہستہ سے قدم رکھا جائے جینیوں کو اس طرح چلتے ہوئے دیکھ کر تو ایسا لگتا ہے گویا کوڑا کرکٹ کی صفائی کا عمل جاری ہے۔ اس غیر فطری عمل سے چند گز کا فاصلہ طے کرنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں۔ پھر پانی پینے سے پہلے کئی بار پانی کو کپڑے سے چھانا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ مبادا پانی کے اندر موجود کوئی جاندار انسانی جسم میں جا کر مر جائے اور اس کا تمام تر گناہ پینے والے پر پڑ جائے۔

اسلام نے بحیثیت دین اپنے آپ کو نہایت جامع اور اسہل للناس کر کے پیش کیا ہے۔

جیسا کہ سورہ البقرہ میں ارشاد ہے:

لا اکراہ فی الدین

یعنی دین میں کوئی سختی نہیں اور اللہ تبارک و تعالٰی نے انسانی زندگی کو قیمتی خیال کرتے ہوئے فرمایا:

ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا

ترجمہ: ''اور جس نے ایک انسانی جان کو بچایا گویا اس نے پوری انسانیت کو بچا

لیا۔" (سورہ المائدہ:32)

اور جہاں تک جانداروں کے رزق اور ان کی زندگی کا معاملہ ہے وہ سب اللہ کے ذمہ ہے۔ ان کی مکمل حفاظت کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ پس اگر وہ انسانی قدموں تلے روندے جاتے ہیں تو اس عمل کا ماحاصل اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں میں مضمر ہے جیسا کہ سورہ ھود کی مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ کریں:

وما من دآبة فی الارض الا علی اللّٰه رزقها و یعلم مستقرها و مستودعها (سورہ ھود:6)

ترجمہ: "اور زمین پر رینگنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو وہ (اللہ) جانتا ہے اس کا ٹھکانہ اور اس کی موت کا مقام کہاں ہے۔"

یعنی مندرجہ بالا آیت سے مترشح ہو جاتا ہے کہ زمین پر رینگنے والے جانداروں کی زندگی، رزق اور موت کا معاملہ اللہ کے پاس ہے۔ انسان اس امر غیر فہم سے بری الذمہ ہے۔

جین مت کا یہ نظریہ کہ ازدواجی زندگی سے دور رہا جائے کس قدر غیر فطری اور منطقی اعتبار سے غیر موزوں لگتا ہے۔

کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ اس نظریہ کی قبولیت کے بعد ان کا غیر عقلی مذہب کسی صورت بھی نشوونما نہ پا سکے گا اور اس مذہب کی ذلت اور پستی کی سب سے بڑی وجہ اس کے ناقابل عمل نظریات ہی بنیں گے۔

کنفیوشزم

کنفیوشزم
(Confucianism)

اس مذہب کا تعلق ملک چین سے ہے۔ یہ ملک زمانہ قبل مسیح میں بھی زبردست علم و دانش کا گہوارہ تھا۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں آتا ہے:

اطلبوا العلم ولو کان بالصین

''علم حاصل کرو خواہ (وہ علم) ملک چین میں ہی کیوں نہ ہو۔''

اس حدیث مبارک سے جہاں کئی پہلو نکلتے ہیں ایک اہم بات یہ سامنے آتی ہے کہ اس زمانہ میں ملک چین علم و دانش میں ایک متقدم حیثیت کا حامل تھا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے:

"Confucianism represents the way of life followed by the Chinese people for well over 2.000 years founded by Confucius. 551-479 B.C

تاہم یہ کہا جائے کہ وہ لوگ علم وادب سے نا آشنا تھے یہ بات ہمیں سچ معلوم نہیں ہوتی۔ یہ اور بات ہے کہ اس دور کے لوگ چین کی حکمت و دانائی کے علم تک نہ پہنچ پائے تھے۔ اس کی بھی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ چینی زبان مشکل ترین زبان ہے۔ اور بالخصوص غیر چینی لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے اس لئے دیگر ممالک کے مفکرین اس علم کی تہ تک نہ پہنچ پائے۔ جب پیغمبر اسلام نے چین کے علم و حکمت کا مسلمانوں میں چرچا کیا تو دنیا والوں کی بھی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے اس طرف غور و فکر کرنا شروع کر دیا۔

چین میں بیک وقت تین مختلف ادیان رائج رہے اور کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ ان کے پیروکاروں میں غلط فہمیاں یا ناراضگیاں پیدا ہوئی ہوں۔ اتنا ضرور ہوا ہے کہ ایک چینی بیک وقت ان تینوں مذاہب کی پیروی کرتا رہا یعنی ایک مذہب کی عبادتگاہ سے نکلا تو دوسرے کی عبادتگاہ میں

داخل ہو جاتا۔ اسی طرح دوسرے کے عبادت خانہ سے نکل کر تیسرے کے معبد میں داخل ہو جاتا۔ ان تینوں مذاہب کے نام یہ ہیں:

کنفیوشس ازم

تاؤ ازم

بدھ مت

یہ تینوں مذاہب ایک دوسرے میں اس قدر ملے کہ مردم شماری میں چینیوں کو مذہبی بنیادوں پر مختلف گروہوں میں شمار کرنا مشکل ترین کام بن جاتا ہے۔ چین میں قتل و غارت اور مذہبی چپقلش کا نام ونشان تک نہیں۔ شاید اس کی وجہ بھی یہ ہو کہ ان میں مذہبی رواداری بہت زیادہ ہے۔

سب سے زیادہ مقبولیت جس مذہب کو حاصل ہوئی اسے کنفیوشزم کا نام دیا جاتا ہے۔ جو عیسائی مشنریوں نے دیا جبکہ چین کے لوگ اس کو "جو۔ چیا" کے نام سے جانتے تھے جس کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ "علماء کی تنظیم" اس کا بانی ایک معلم، فلسفی اور سیاسی مفکر کنفیوشس تھا۔ اس کے افکار اور سوچ نے مشرقی ایشیا کی تہذیب پر گہرے اور دوررس اثرات مرتب کیے۔ اس مذہب کے پیروکار کافی تعداد میں جاپان میں بھی آباد ہیں۔

کنفیوشس کے مذہب پر بحث کرنے سے پہلے اس کے حالات زندگی پر روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس کے نظریات وخیالات اور افکار سے آگہی ہو۔

کنفیوشس کے حالات زندگی

کنفیوشس 551 ق م میں چین کے صوبے "لو" میں "شولان" کے گھر اس کی پچھلی عمر میں کافی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا۔ ان کے والد سے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جبکہ حقائق سے اس تعلق کی تصدیق نہیں ہوتی۔ البتہ وہ ایک بہادر سپاہی ہونے کے ساتھ ساتھ شہر کے حاکم ضرور تھے۔ ابھی کنفیوشس تین سال کے تھے کہ شفقت پدری سے محروم ہو گئے۔ جب بارہ برس کے ہوئے تو تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ ماں نے ان کی شادی انیس برس کی عمر میں کر دی۔ اب کنفیوشس کو روزگار کی فکر لاحق ہوئی۔ انہیں ایک سرکاری ادارہ میں ملازمت میسر آ گئی۔ انہوں نے دوران ملازمت عوام کی دل کھول کر خدمت کی۔ اس وجہ سے لوگ ان کے گرویدہ ہوئے۔ صرف تین سال بعد انہوں نے باوجود ملازمت کے نوجوانوں کو حکومتی آداب اور درست اجتماعی وسیاسی کردار کی تربیت دینا شروع کر دی اور ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ چنانچہ شاہی گھرانے کے افراد کے علاوہ کئی دیگر لوگ بھی اس کی شاگردی میں آ گئے۔ کنفیوشس اپنے علم میں اضافہ اور تحقیق کی غرض سے دارالخلافہ منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے شاہی کتب خانہ سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان دنوں

موسیقی کا فن شاہی سرپرستی میں ہوتا تھا۔ کنفیوشس نے فن موسیقی میں بھی مہارت حاصل کی۔ اسی دوران شاہی کتب خانہ میں ان کی ملاقات تاؤازم کے بانی ''لاوزے'' سے ہوئی۔

دونوں حکماء ایک دوسرے کے مداح بن گئے۔ جبکہ کنفیوشس نے ''لاوزے'' سے بہت ہی کارآمد علوم حاصل کیے جن کا فائدہ انہیں عمر بھر حاصل ہوتا رہا۔

قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ حکومت میں انقلاب آیا اور حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا چونکہ وہ حکومت کے وفادار اور حمایتی تھے اس لیے ان کو بھی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ کنفیوشس نے ملازمت ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس طرح باون سال کی عمر تک وہ گمنامی کے گوشے میں رہا۔ ایک بار پھر سرکاری ملازمت حاصل کر لی اور اپنی عقلمندی، ذہانت اور دیانت کے بل بوتے پر اعلیٰ عہدے تک پہنچے۔ ان کو وزیر مال مقرر کر دیا گیا۔ بعض جگہوں پر لکھا ہے کہ وہ وزیر عدالت مقرر ہوئے کیونکہ ان کی کوششوں سے ملک میں جرائم ناپید ہو گئے۔ انصاف سستا اور عام ہو گیا تھا۔ رشوت، سفارش کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا تھا۔ ان کی اتنی مقبولیت ہوئی کہ بادشاہ کو خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں بادشاہ اسے ہی نہ بنا دیا جائے۔ کنفیوشس نہ صرف علم و حکمت کے مالک تھے بلکہ جہاندیدہ بھی تھے۔ جب انہوں نے بادشاہ کے برتاؤ اور رویہ میں تبدیلی محسوس کی تو خود ہی ملازمت سے الگ ہو گئے۔ کچھ عرصہ سیر و سیاحت میں گزارنے کے بعد اپنے وطن لوٹ آئے اور سلسلہ تعلیم و تربیت ازسرنو شروع کیا اور 476 ق م میں وفات پائی۔ کئی کتب میں ان کی وفات کا سن 478 ق م بھی لکھا ہوا ہے۔

ان کے بارے میں مشہور تھا کہ انہیں اپنے رشتے داروں کی موت کا اتنا دکھ نہ ہوتا تھا جتنا اپنے شاگردوں کی موت کا صدمہ پہنچتا تھا۔ یکے بعد دیگرے اپنے دو شاگردوں کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکے اور صرف سات دن بعد ملک عدم روانہ ہوئے۔

کنفیوشس کی تعلیم

کنفیوشس نے مذہب سے زیادہ اخلاقیات پر زور دیا ہے۔ ان کا قول تھا کہ بادشاہ ہو یا حاکم اس کیلئے اپنے نام کی لاج رکھنا ضروری ہے۔ حکومت کے سلسلہ میں وہ یہ کہتے ہیں کہ سب سے اچھی حکومت وہ ہوتی ہے جس میں بادشاہ بادشاہ ہو اور وزیر وزیر ہو۔ باپ باپ ہو اور بیٹا بیٹا ہو۔ معاشرے کی اصلاح کیلئے پانچ رابطوں کی ترکیب وہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

پانچ رابطے

☆ بادشاہ اور رعایا

☆ باپ اور بیٹا

☆ شوہر اور بیوی

☆ بڑا بھائی اور چھوٹا بھائی

☆ دوست اور دوست

ان رشتوں کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

کنفیوشس یہ بھی کہتا ہے کہ بڑی خواہشات سے اضطراب اور بے چینی پیدا ہوتی ہے جبکہ کامل انسان نیک و بد میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ گو کمتر آدمی بھی اس قسم کی صلاحیت سے خالی نہیں ہوتا۔

☆ بلندتر انسان اپنی روح کو عزیز رکھتا ہے جبکہ پست تر انسان اپنی دولت اور جائیداد کو عزیز رکھتا ہے۔

☆ بلندتر انسان اس بات کو ذہن میں رکھتا ہے کہ اسے کب اور کس طرح اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی سزا مل سکتی ہے جبکہ کمتر انسان صرف حاصل ہونے والے انعام و اکرام کو یاد رکھتا ہے۔

☆ بلندتر انسان ہمیشہ غلطی اور کوتاہی کا الزام اپنے ذمہ لیتا ہے جبکہ کمتر انسان دوسروں کے ذمہ لگا دیتا ہے۔

☆ بلندتر انسان باعظمت' پروقار اور مطمئن ہوتا ہے لیکن مغرور نہیں جبکہ کمتر انسان مغرور ہوتا ہے اور اطمینان' عظمت اور وقار سے تہی دست ہوتا ہے۔

☆ بلندتر انسان دوسروں سے رائے لینے کے معاملہ میں فراخدلی سے کام لیتا ہے جبکہ پست تر انسان دوسروں کی رائے سے اتفاق تو کرتا ہے مگر کشادہ دل نہیں ہوتا۔

☆ بلندتر انسان کا مزاج پختہ ہوتا ہے۔ کسی سے جھگڑا نہیں کرتا جبکہ پست تر انسان ہر وقت جھگڑا کرتا رہتا ہے۔ کسی سے میل جول نہیں رکھتا۔

☆ ایک مرتبہ کنفیوشس نے یہ بھی ارشاد کیا تھا کہ ظالم اور جابر حکومت شیر سے بھی زیادہ وحشی اور خطرناک ہوتی ہے۔

کنفیوشس نے حکمرانی سے متعلق پانچ سنہرے اصول بنا رکھے تھے:

(1) فیض رسانی

(2) دیانت داری

(3) خوش اطواری

(4) عملی دانائی

(5) صحیح عقیدہ یا خلوص

معاشرتی تعلیمات کے سلسلہ میں کنفیوشس نے ان امور پر بحث کی ہے جن کی عوام کو روزمرہ زندگی میں ضرورت رہتی تھی۔ اسی لئے ان کی معاشرتی اور اخلاقی تعلیمات آسان، جلد سمجھ میں آنے والی اور لچکدار ہوتی تھیں۔ جن کا زیادہ تر حصہ فطرت کے اصولوں پر مبنی ہوتا تھا۔

دنیا کی سب سے بڑی دولت علم ہے۔ علم کیلئے تفکر اور تدبر کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ وہ والدین کی اطاعت، عدل و انصاف اور عزیزوں کی امداد کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اچھا آدمی وہ ہے جسے اچھے آدمی اچھا جانیں اور برے لوگ نفرت کریں۔ تعلیم کی افادیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک شخص مشکل سے ہی ملے گا جس نے تین سال تک علم حاصل کیا ہو اور اس سے فائدہ حاصل نہ کیا ہو۔

کنفیوشس اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بدنظمی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب حاکم اپنے مرتبہ کے تقاضے نبھانے سے کوتاہی کا مظاہرہ کرے اور رعایا بھی اپنے فرائض سے روگردانی کرے۔ باپ اپنے فرائض سے منہ موڑے اور بیٹا اپنے فرائض سے غافل ہو جائے۔ معاشرتی استحکام اور اخلاق میں بلندی اسی صورت میں آ سکتی ہے جب ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور مقام کا خیال رکھے۔ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ کوئی ایسا لفظ بتائیں جو زندگی کیلئے بنیادی اصول کے طور پر کام آ سکے تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا:

"باہمی مراعات"

پانچ رابطوں کا جائزہ

جب ہم کنفیوشس کے بتائے ہوئے پانچ رابطوں کا اسلامی نقطہ نگاہ سے جائزہ لیتے ہیں تو ان کی جامعیت کا احساس ہوتا ہے۔

1۔ حاکم اور رعایا

اسلام نے بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ حاکم وقت کی اطاعت کرو لیکن حاکم یا سربراہ کیلئے شرط یہ رکھی ہے کہ اس کی حکومت اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمان کے مطابق ہو۔

جیسا کہ سورہ النساء میں ہے کہ:

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

ترجمہ: "اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اس کی جو تم میں سے حاکم وقت ہے۔" (سورہ النساء: آیت نمبر: 59)

جب خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو اپنے پہلے خطبہ میں انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی تھی کہ:

"جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں اس وقت تم میری اطاعت کرنا اور بصورت دیگر میری اطاعت نہ کرنا"

حاکم کو بھی چاہئے کہ وہ دل و جان سے رعایا کی بہتری اور بہبود کیلئے کوشاں رہے۔ حاکم کا یہ بھی فرض ہے کہ اپنی سلطنت کے کمزور اور بے سہارا لوگوں کی ضروریات زندگی کا خیال رکھے۔ اپنی حکومت میں امن قائم رکھے۔ باہر سے آنے والی طاغوتی طاقتوں کا راستہ روکے کیونکہ رعایا کے جان و مال، عزت و آبرو کا تحفظ حاکم کے اساسی فرائض میں شامل ہے۔

2۔ باپ اور بیٹا

اسلام کی تعلیمات میں والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض متعین کیے گئے ہیں۔ بچوں کی اچھی تربیت، اچھی تعلیم، غذا اور لباس ماں باپ کے فرائض میں داخل ہے۔ اچھی تعلیم میں ذہنی اور روحانی دونوں قسم کی تعلیم شامل ہے تاکہ ان کی اولاد دنیا کے علاوہ آخرت میں بھی کامیابیاں حاصل کرے۔

سورہ التحریم کی آیت 6 میں ارشاد ہوا ہے کہ:

یایھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا

"اے ایمان والو اپنے آپ کو اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔"

اس آیت پاک کی تفسیر جناب رسالتمآب صلعمؐ نے اس طرح فرمائی ہے کہ روز جزا جب انسانوں سے ان کے اعمال کی باز پرس کی جائے گی تو سب سے پہلے انسان کے خلاف اس کے گھر والے بیٹا، بیٹی، بیوی اور دیگر اہل خاندان بطور مدعی دربار خداوندی میں عرض کریں گے کہ ہمارے ماں باپ ہمیں مال حرام کھلاتے تھے جو تعلیم ہمیں دینی چاہئے تھی اس سے ہمیں دور کئے رکھا۔ اگر ہم جاہل اور دین سے کنارہ کش ہوئے ہیں تو یہ ہمارا نہیں بلکہ ہمارے والدین کا قصور ہے۔

اسلام نے جہاں والدین کے فرائض مقرر کئے ہیں وہاں ان کے کچھ حقوق بھی ہیں جن کا پورا کرنا اولاد کا فرض ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیت 24-23 میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالو الدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احد ھما او کلھما فلا تقل لھما اف و لا تنھر ھما وقل لھما قولا کریما و احفض لھما

جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربينى صيغرا

"اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو۔ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی اف تک نہ کہو اور ان کو جھڑ کو نہیں اور ان سے خوب نرمی سے بات کرو اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہو اور یوں دعا کرتے رہو اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔"

اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدین کا ادب کرنا' خدمت بجالانا' آرام و آسائش کا خیال رکھنا اولاد کا فرض ہے اور ایسا کرنا اس وقت بھی لازم ہے جب والدین حالت کفر میں ہوں اور اولاد مومن ہو۔ اولاد کا ماں باپ سے یہ رشتہ جسے ہزاروں برس پہلے کنفیوشس نے رابطہ کا نام دیا قرآنی تعلیمات کا بھرپور عکاس ہے۔

3۔ شوہر اور بیوی کا تعلق

انسان روز اول سے مل جل کر رہنے کا عادی ہے۔ اکیلے زندگی گزارنا انسان کیلئے بہت مشکل ہے۔ اسی لئے تو اللہ پاک نے آدم کو روح پھونک کر بنایا اور پھر اس کا جوڑا بنانے کیلئے حضرت حوا کو ان کے پہلو سے نکالا۔ اس کے علاوہ اسلام نکاح کا حکم دیتا ہے اور رہبانیت کی نفی کرتا ہے۔ شوہر اور بیوی کو اہلی زندگی میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لئے تو سورہ النساء آیت 34 میں فرمایا گیا ہے:

الرجال قوامون على النساء

مرد حاکم ہیں عورتوں پر

اسی آیت مبارکہ میں ایک اچھی بیوی کی خوبیاں یوں بیان کی گئی ہیں کہ:

فالصلحت قنتت حفظت للغيب بما حفظ الله

"سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بمحافظت اپنی نگہداشت کرتی ہیں۔" (سورہ النساء: آیت: 34)

ان ارشادات خداوندی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرد کا فرض ہے کہ وہ بیوی کی ضروریات زندگی کا خیال رکھے اور بیوی کا فرض ہے کہ وہ خاوند کی فرمانبرداری کرے اور اس کے مال و دولت اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔

ایک مثالی بیوی کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ:

"اچھی بیوی وہ ہے جسے دیکھ کر شوہر کو خوشی نصیب ہو جب اسے کوئی بات کہی جائے تو وہ فرمانبرداری کرے اور جب خاوند گھر سے باہر ہو تو اس کے مال اور عزت کی محافظ بنی رہے۔"

آپ نے صرف بیوی کی خوبیاں ہی نہیں گنوائی بلکہ خاوند سے متعلق بھی ہدایات فرمائی ہیں کہ:

"اچھا خاوند وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو' جب کچھ کمائے اور کھائے تو اپنی بیوی کو بھی اس میں سے حصہ دے۔ اچھے لباس لا کر دے اور جب اسے غصہ آئے تو اپنی بیوی کو نہ تو گالی دے اور نہ ہی اس کے منہ پر تھپڑ مارے۔"

گویا میاں بیوی تو ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ اگر ایک پہیہ رک جائے تو زندگی کی گاڑی رک جائے گی۔

کنفیوشس نے جن خیالات کا اظہار پانچ رابطوں میں کیا ہے اسلامی تعلیمات میں ان کی زبردست مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس کی تمام تر تعلیمات عائلی اور معاشرتی زندگی کی غماز ہیں۔ یوں لگتا ہے اس نے انسانی زندگی کے نشیب و فراز کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور اپنی تعلیمات میں عورت کو بحیثیت ماں اور ایک بیوی کے اعلیٰ مقام دیا ہے۔ کسی بھی مذہب کیلئے یہی بنیادی نکات ہیں جو ایک انسان کو انسانیت کا درس دیتے ہیں۔ کنفیوشس کا کہنا ہے کہ اگر تمام انسان آپس میں ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹ لیں تو اسی چیز کا نام بھائی چارہ ہے جسے مذہب اسلام میں اخوت کہا جاتا ہے۔

4۔ بھائی کا بھائی سے تعلق

یوں تو تمام انسان بلحاظ پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور بھائی بھائی ہیں اس کے علاوہ ارشاد خداوندی بھی ہے کہ:

انما المومنون اخوۃ

"بے شک مومن بھائی بھائی ہیں۔"

اسی بنا پر سورہ آل عمران کی آیت 103 میں فرمایا گیا کہ:

و اعتصموا ابحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

"اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

اس آیت سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ سب مسلمان اتحاد اور اتفاق سے رہیں۔ ایک

دوسرے کے دکھ درد کے شریک رہیں۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کریں۔ بغض نہ رکھیں۔ آپس میں کلام کرنا بند نہ کریں۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں۔ جھگڑے فساد نہ کریں۔ کنفوشسں نے اس رابطے میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

5۔ دوست کا دوست سے تعلق

مذہب اسلام میں محبت' دوستی اور دشمنی کی بنیاد رضائے الٰہی کو بنایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الحب للّٰہ و البغض للّٰہ

یعنی محبت ہو تو اللہ کیلئے اور دشمنی ہو تو اللہ کیلئے۔"

جو اللہ کا دشمن ہے وہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے جو اللہ کو دوست رکھتا ہے اس کو ہم بھی دوست رکھتے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ ایک دوسرے سے محبت' خلوص اور اخلاق سے پیش آئیں۔ دوست کی مشکل وقت میں مدد کریں۔ اپنی ضروریات کو دوست کی ضرورتوں پر مقدم نہ سمجھیں۔

اردو زبان میں ایک بہت مشہور مقولہ ہے جس کا مطلب بھی یہی ہے۔

"دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے۔"

ابن خلدون نے بھی معاشرے کی ترقی اور خوشحالی کیلئے مندرجہ بالا رشتوں کو ضروری قرار دیا ہے۔ وہ اپنے "مقدمہ" کے پہلے باب میں یوں لکھتے ہیں کہ:

"معاشرے میں مختلف لوگوں کو علیحدہ علیحدہ صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے۔"

کنفیوشسں کا گروہ

یہاں ہماری مراد ایسی جماعت سے نہیں جو سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی خواہش مند ہو یا انہیں کسی اقتدار کی ہوس ہو بلکہ کنفیوشسں علم دوست دانا تھا۔ اس کی جماعت بھی ایسے افراد پر مشتمل تھی جو علم و حکمت کے رسیا تھے اور وہ رموز دانشمندی' اخلاق کے اسرار' سیاست اور آداب زندگی سیکھنے کی تمنا رکھتے تھے۔ اسی لئے وہ ہر وقت کنفیوشسں کے گرد حلقہ بنائے رہتے تھے۔ اس کے گروہ میں تقریباً تین ہزار افراد جن میں شاہی خاندان کے افراد' صاحبان جاہ و حشمت' اعلیٰ عہدہ اور علم سے محبت رکھنے والے شامل تھے۔ خود کنفیوشسں کہا کرتا تھا کہ میری جماعت میں 70-80 افراد ایسے ہیں جن کو بجا طور پر علماء کہا جا سکتا ہے۔ اسے اپنے شاگردوں سے بہت محبت ہوتی تھی۔ ان کی تکلیف کا اس پر بہت گہرا اثر ہوتا تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کنفیوشسں کی موت بھی شاگردوں کے صدمات برداشت نہ کرنے کی

وجہ سے ہوئی تو بے جا نہ ہوگا۔ جب وہ مرا تو اس کے شاگرد اس کی قبر کے اردگرد جھونپڑیاں بنا کر کافی عرصہ بیٹھے رہے تھے۔ کنفیوشس کی قبر پر انہوں نے ایک کتبہ لگایا ہوا تھا جس پر کندہ تھا کہ:

''بہترین حکیم اور قدیم معلم۔''

کنفیوشسی ادب

کنفیوشس کی جماعت نے اس کے بعد اس کے اقدام کو جمع کرنے کا فریضہ انجام دیا اور قدیم دانش کو اکٹھا کیا۔ مطالعہ جاری رکھا اور آخر کار اسے مرتب کر کے کتابوں کی صورت میں پیش کیا۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(1) شوکنگ

اس تاریخی کتاب میں 2500 ق م سے 6000 ق م تک کے شاہی خاندانوں کے حالات زندگی اور مشہور تاریخی خطاب شامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں ان تقاریر کی تعداد ایک سو تھی جو اب گھٹ کر صرف اٹھاون رہ گئی ہے۔

(2) شی کنگ

اس کتاب میں زیادہ تر شعر و شاعری جمع کی گئی ہے۔ اس میں بھی 800 ق م سے 1800 ق م کے بادشاہوں کے حالات نظم کی صورت میں لکھے گئے ہیں۔ جب یہ کتاب لکھی جا رہی تھی تو اس میں تقریباً تین ہزار منظوم قصے اور واقعات تھے لیکن کنفیوشس نے ان میں سے صرف تین سو کو منتخب کیا جنہیں بعد میں شائع کیا گیا۔

(3) لی چی

اسے لی کی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں چین کی رسومات کا ذکر کیا گیا ہے جو ایک مخصوص خاندان کی سرکاری کتاب شمار کی جاتی ہے۔ ان میں وہی رسوم اور ان کے ادا کرنے کے طریقے درج ہیں جس پر بادشاہ اور امراء عمل پیرا ہوتے تھے۔

(4) یی کنگ

یہ کتاب سب سے قدیم شمار کی جاتی ہے۔ اس میں اس دور میں پیش آنے والے واقعات اور حادثات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو ''تغیر'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کنفیوشس نے ایک موقع پر کہا تھا کہ:

''اگر میری عمر اجازت دے تو میں پچاس برس اسی کتاب کو پڑھنے میں صرف کر

دوں۔"

اس کتاب میں جادوئی نقشے اور علم جفر سے متعلق باتیں لکھی ہوئی ہیں۔

(5) چوں چن

اس کتاب میں موسموں، خصوصاً بہار اور خزاں کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ اسے کنفیوشس نے خود لکھا تھا اور اپنی وفات تک پیش آنے والے حالات مکمل تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

کنفیوشس کے شاگردوں نے ان کی وفات کے بعد چار کتابیں لکھی تھیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے کنفیوشس کے افکار کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان کا مطالعہ بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

(6) انیلکٹس

اس کتاب میں کنفیوشس اور ان کے شاگردوں کے اقوال زریں درج کیے گئے ہیں۔ زبان سادہ، دلکش اور عام فہم ہے۔ طرز تحریر بھی صاف ستھرا ہے۔ زندگی کے حقائق کو آسان قصے کہانیوں اور تماثیل کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

(7) گریٹ لرننگ یا علم عظیم

یہ کتاب اوپر بیان کی گئی کتاب "لی چی" کا ایک باب ہے چونکہ اس کی افادیت بہت زیادہ تھی اس لئے اسے ایک الگ کتاب کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ اس میں ایسی باتیں شامل ہیں جنہیں کنفیوشس معتبر خیال کرتا تھا۔

(8) چونگ جونگ

یہ کتاب بھی "لی چی" کے باب نمبر 28 پر مشتمل ہے۔ اس میں کنفیوشس کے فلسفیانہ افکار کی تشریح کر دی گئی ہے۔ زیادہ تر اس میں انسانی فطرت اور کائنات کے نظام اخلاق پر بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کو مصنف نے کنفیوشس کے پوتے جس کا نام ٹیز (Tissees) تھا کے نام منسوب کیا ہے۔

(9) نظریہ اعتدال

اس کتاب میں کنفیوشس کے پیروکاروں کے اقوال جمع کئے گئے ہیں۔ اگر فلسفہ کنفیوشس کو سمجھنا ہو تو یہ کتاب ایک زینے کا کام دیتی ہے۔

انجام کتب

اوپر ذکر کی گئی تمام کتب کو ایک بادشاہ ''ڈیوک'' کے حکم سے نذر آتش کر دیا گیا تھا کیونکہ بادشاہ قدیم جاگیرداری نظام کا سخت مخالف تھا اور اسے ختم کرنا چاہتا تھا۔ یہ وہی ڈیوک تھا جس نے دنیا کا ایک مشہور عجوبہ ''دیوار چین'' تعمیر کروائی تھی۔ اس نے 460 افراد کو جن کا تعلق کنفیوشس مذہب کے علماء سے تھا زندہ درگور کر دیا تھا۔ ڈیوک وہی بادشاہ تھا جس نے چین میں نیا سکہ جاری کیا تھا۔ ملک کو صوبوں میں تقسیم کیا تھا۔ طرز تحریر میں اصلاح کی تھی اور شہنشاہ اول کا لقب اختیار کیا تھا۔ اسے زندگی نے مہلت نہ دی اور صرف تین سال بعد فوت ہو گیا۔ جس کے بعد ''ہن خاندان'' کی حکومت قائم ہوئی جس نے کنفیوشس کی کتابوں کو دوبارہ شائع کرنے کا بندوبست کیا اور وہ ایک بار پھر شہرت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔

کنفیوشس کے اقوال حکیمانہ

(1) جب تم زندگی کو نہیں مانتے تو موت کو کیسے مانو گے۔

(2) جب تک تم زندہ کی خدمت نہیں کر سکتے' روحوں کی کیا خدمت کرو گے۔

(3) رئیسوں کے اخلاق کی مثال ہوا کی سی ہے اور محکوم کی گھاس کی طرح جس طرف ہوا چلتی ہے اس طرف گھاس بھی جھکتی ہے۔

(4) عقل و بصیرت یہی ہے کہ انسان انسانوں کی خدمت کرنے' روحوں کا احترام کرے۔

(5) ظلم کا بدلہ انصاف سے دو اور نیکی کا بدلہ احسان سے دو۔

(6) دوسروں سے ایسا سلوک نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔

(7) علم بغیر تفکر بیکار ہے اور تفکر علم کے بغیر خطرناک ہے۔

(8) جو آدمی احتیاط کرتا ہے اس سے فاش غلطی نہیں ہوتی۔

(9) والدین کی نیکیوں اور برائیوں کا اثر بچوں پر ضرور ہوتا ہے۔

(10) انسان کی عظمت سچائی سے ہے اور سچائی کی عظمت انسان سے ہے۔

(11) دل کی درستی کردار کی درستی ہے۔

(12) حسن سیرت خاندانی ہم آہنگی پر منتج ہوتا ہے۔

(13) قومی نظم وضبط عالمی امن پر منتج ہوتا ہے۔

(14) بدی یا برائی افلاس کا سرچشمہ ہے جبکہ نیکی انسان کو خوشحال بناتی ہے۔

کنفیوشس کے بعد

اس بات کا کنفیوشس کو شدت سے احساس تھا کہ وہ اپنے حصول مقصد میں ناکام رہا ہے کیونکہ اس کو کسی بادشاہ کی مناسب سرپرستی حاصل نہ ہو سکی تھی۔ ان باتوں کے باوجود وہ اپنے اصولوں پر قائم رہا۔ جب وہ دنیا سے اٹھ گیا تو اس کے نظریات کو عوام نے صدق دل سے قبول کرنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ چین کی ثقافت کا حصہ بن گئی۔ چینی زندگی پر کنفیوشس کی شخصیت اور تعلیم کی مہر نمایاں دکھائی دیتی تھی۔ پہلی عیسوی میں اسے ''ڈیوک لی'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ 57ء میں اس کے نام کی قربانی چڑھائی جانے لگی۔ 609ء میں چین کے ہر سکول میں کنفیوشس کے نام کا مندر تعمیر کیا گیا۔ 675ء میں اسے ''کوینگ'' کا ایک اور خطاب دیا گیا۔ جس کے معنی تھے استاد قدیم اور دانائے کامل۔ یہ لقب آج بھی کنفیوشس کے نام کا حصہ ہے۔

کنفیوشس نے اپنے پیروکاروں پر ذاتی اور اجتماعی نظم و ضبط قائم رکھنے کیلئے چند رسموں کو لازمی ادا کرنے کی تلقین کی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کنفیوشزم میں فضول رسومات کا طوفان آ گیا۔ توہم پرستی نے ایک خاص مقام حاصل کر لیا۔ فال گیری اور دیگر اوہام کے طریقوں نے اس میں جگہ حاصل کر لی کہ حادثات اور ارواح خبیثہ سے کیسے بچا جا سکے۔ اس مذہب کے پیروکار میں سوشلسٹ انقلاب سے پہلے کنفیوشزم متواتر دو ہزار برس تک چین کا سرکاری مذہب رہا۔ اب کا حال معلوم نہیں ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق سوشلسٹ انقلاب کے وقت پینتالیس کروڑ کنفیوشزم کے پیروکار تھے۔

اسلام اور کنفیوشزم کا تقابل

دونوں مذاہب کی اخلاقی اور سیاسی تعلیمات ایک جیسی ہیں۔ صرف ان کی ظاہری شکل و صورت اور عملی طریقوں میں قدرے اختلاف ہے۔

دونوں مذاہب انسانی دوستی اور فطرت انسانی کا گناہ سے پاک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ دونوں راہ اعتدال اختیار کرنے کی ہدایت کرتے ہیں کیونکہ خیر الامور اوسطھا دونوں مذاہب کے بانی اپنے ذاتی کردار اور راست بازی میں یکتا ہیں۔

کنفیوشس اور پیغمبر اسلام نے معاشرتی رابطوں کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے پر زور دیا ہے۔ اس کے باوجود کچھ امور ایسے ہیں جن پر یہ دونوں مذاہب ایک دوسرے کے خلاف ہیں جیسے:

کنفیوشزم بین الاقوامی مذہب نہیں جبکہ اسلام بین الاقوامی اور عالمگیر عوام کی افتاد طبع کے مطابق ہے۔ اسلام مابعد الطبیعات یعنی حیات بعد الموت' جزا و سزا' جنت دوزخ کو جزو ایمان سمجھتا

ہے۔کنفیوشزم میں مابعد الطبیعات کا سرے سے کوئی ذکر نہیں ہے۔

اسلام دین کامل ہے۔توحید کا قائل ہے جبکہ کنفیوشزم میں بت پرستی' اوہام پرستی اور دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کنفیوشس کے بھی بت مندروں میں موجود ہیں۔ اسلام الہامی دین ہے جو کچھ بھی اس میں ہے سب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر پر بذریعہ وحی نازل فرمایا ہے۔رسول اللہ نے اپنی طرف سے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا۔

اسلام کی مذہبی کتاب قرآن مجید آج بھی اسی شکل میں موجود ہے جس شکل میں پہلے دن تھی۔اس میں اعراب تک کی کمی بیشی بھی نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔اس کی حفاظت کا ذمہ خود رب تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔

کنفیوشزم کی کتب کئی بار شکست و ریخت کا شکار ہوئیں۔ان میں جو کچھ بھی موجود ہے اس کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہی کچھ ہے جو کنفیوشس کے زمانے میں تھا۔اسلام اپنے بنیادی عقائد کے معاملے میں کسی قسم کی مصالحت اور مداخلت کا روادار نہیں۔

کنفیوشزم کی تعلیم میں لچک اور مصالحت پسندی ہے۔ الغرض اس کی تمام تر تعلیمات انسان کو انسانیت کا لبادہ پہنانے کیلئے ہیں۔کنفیوشس نے حکومت اور رعایا کے جو حقوق و فرائض آج سے ہزاروں سال پہلے بیان کیے تھے ان کا اطلاق آج بھی عالمی معاشرت پر نہایت پرزور اور مثبت انداز سے ہوتا ہے۔

اسلام اور کنفیوشزم

(Islam And Confucianism)

حقیقت مذہب

مورخین کی تحقیق کے مطابق کنفیوشزم کسی الہامی دین یا مذہب کا نہیں بلکہ زمانہ قبل مسیح میں ملک چین میں مختلف مروجہ علوم کے مجموعہ کا نام ہے جسے کونگ فو۔ زی (Kong-Fu-tze) نامی شخص نے (جسے بعدازاں اہل یورپ نے کنفیوشس کا نام دیا) تجدید و تحسین فرما کر مذہب نما کے درجہ تک پہنچا دیا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں کنفیوشس اپنی تعلیمات کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے:

> ''میں اسلاف کا سرمایہ آگے منتقل کرنے والا ہوں خود کچھ بنانے والا نہیں ہوں۔
> مجھے اسلاف (یعنی میرے آباؤ اجداد) سے محبت بھی ہے اور عقیدت بھی۔''

مندرجہ بالا اقتباس جسے کنفیوشس کے پوتے کیہ (Kiagh) نے اپنی کتاب ''درمیانے راستے کے اصول'' میں درج کیا ہے ظاہر کرتا ہے کہ کنفیوشس کوئی برگزیدہ پیغمبر تھا نہ کوئی فرشتہ اس کیلئے وحی لے کر آتا تھا بلکہ وہ اپنی حکمت اور دانش کے بل بوتے پر عوام الناس کو اعمال صالحہ اور اعمال قبیحہ کے ثمرات سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔

کنفیوشس کی تعلیمات جو آج بچی کھچی صورت میں ہم تک پہنچی ہیں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ معاشرے میں امن و آشتی' فلاح و بہبود اور بھلائی کا پرچار کرنے والا تھا اور ظلم و جور' جنگ و جدل' چوری' ڈاکہ زنی اور بہت سی اخلاقی برائیوں سے نفرت کرنے والا تھا۔ اس کی تعلیمات کے مطالعہ سے یوں محسوس ہونے لگتا ہے گویا وہ لوگوں کو ایک سوسائٹی کے اندر رہن سہن کے طریقے سکھلا رہا ہے اور یہی چیز اس کی تعلیمات کو کسی بھی مذہب کے مساوی لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔

کنفیوشزم کے مطالعہ کے دوران قارئین کو یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اس مذہب نے کسی بھی مقام پر اپنے الہامی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔
پس کنفیوشزم ایک مذہب نہیں بلکہ اخلاقی تعلیمات کی ایک معیاری درسگاہ ہے جہاں کے فارغ التحصیل لوگ دوسروں کو حق و باطل، کذب و صدق اور ظلمت و نور کا فرق واضح کرتے ہوئے صراط مستقیم کی جانب چلنے کا اشارہ کرتے ہیں۔
کنفیوشس کا پوتا ایک مقام پر لکھتا ہے:

"کنفیوشس نے یاگ (Yag)، شون (Shun)، وون (Won) اور وو (Wu) کی تعلیمات کی تحسین و ترویج کی گویا یہ سب اس کے اسلاف میں سے تھے۔"

(2) تصور خالق کائنات

جہاں تک کسی ہستی اعلیٰ یا اس کائنات کے خالق کا تعلق ہے کنفیوشزم میں یہ تصور غیر واضح اور مبہم ہے تاہم وہ کسی اعلیٰ ذات کیلئے شین (یعنی آسمان) یا آسمانی طاقت (Celestial Power) کا ذکر ضرور کرتا ہے۔ اپنی تعلیمات کو اس نے آسمانی احکامات بھی کہا ہے۔
ایک موقع پر وہ لکھتا ہے:

"افسوس اس دنیا میں میری کسی نے قدر نہیں کی تاہم اس ناقدری کیلئے میں آسمان کا شاکی نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے لوگوں سے کوئی شکایت ہے۔ آسمان مجھ سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس میں آسمان سے مراد اعلیٰ ذات یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(3) تصانیف

کنفیوشس نے اپنی یا اس کے پیروؤں نے کہیں بھی اس کی تصانیف کو الہامی قرار نہیں دیا اس لئے ان میں تحریف و ترمیم یا ان کا ضیاع کوئی معنی نہیں رکھتا۔
اس کی تصانیف کی تعداد نو بتائی جاتی ہے لیکن صرف ایک کتاب "تاریخ چین کا خلاصہ" کے نام سے آج بھی موجود ہے۔
دیگر کتب میں اس کے احوال و اقوال درج ہیں۔ ایک موقع پر وہ خود لکھتا ہے:

"میں وہ نہیں ہوں جس کو پیدائشی طور پر علم عطا کیا گیا ہو۔ میں ماضی کے حالات پڑھنے کا شوقین ہوں اور علم کو ماضی ہی میں تلاش کرتا ہوں۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)' (Title : "C")

(4) تقابل تعلیمات

کنفیوشس کی متعدد تعلیمات اور حکیمانہ اقوال اسلامی تعلیمات سے مماثلت رکھتے ہیں۔

مثلاً وہ کہتا ہے کہ: ''انسان کی فطرت ایک ہے تاہم لوگوں کی عادات ان کو ایک دوسرے سے مختلف بنا دیتی ہے۔''

قرآن حکیم نے اسی قول کی تائید کی ہے جیسا کہ سورہ الروم میں ارشاد ہے:

فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ

ترجمہ: ''اللہ نے تمام بنی نوع انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی ہوئی چیز نہ بدلنا۔'' (سورہ الروم: آیت: 30)

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے: ''ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

کنفیوشس کہتا ہے:

''بھلائی کبھی اکیلی نہیں آتی جلد ہی اس کے گرد ہمسایہ آ کر رہنے لگتا ہے۔''

یعنی ایک نیکی دوسری نیکیوں کو جنم دیتی ہے بعینہ اسلام میں بھی ایسا ہی ہے۔ اگر ایک انسان کسی کی مدد کر کے کارِ خیر کماتا ہے تو بدلے میں اسے محبت اور ہمدردی جیسی بھلائی مل جاتی ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ

ترجمہ: ''بھلائی کرنے والوں کیلئے بھلائی ہے اور اس سے بھی زیادہ۔''

(سورہ یونس:26)

اس مدبر حکیم کا بہترین قول ہے:

''جہاں علم ہے وہاں ذات پات کی تفریق ممکن نہیں۔''

اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں میں تفریق کرنا سب جہالت کی باتیں ہیں۔

حجتہ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں فرما دیا تھا کہ سوائے تقویٰ کے کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر کوئی فضیلت نہیں۔

ایک اور قول ہے: ''جو حسن ظن رکھتا ہے وہ اعلیٰ ذات کا دوست ہے اور وہ کسی سے فریب کا گمان نہیں کرتا (یعنی اندھا اعتماد کرتا ہے) لیکن جب فریب ظاہر ہو جائے تو اسے پہچاننے میں غلطی

نہیں کرتا۔"

اسی مماثلت میں ارشاد نبویؐ ہے:

"مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔"

کنفیوشس کا ایک شاندار قول ہے:

"دوسروں کیلئے تم وہ نہ کرو جو تم نہیں چاہتے کہ دوسرے تمہارے ساتھ کریں۔"

مفہوم یہ ہے کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ آپ کے گھروں میں پتھر نہ پھینکیں تو پہلے خود کو اس عمل سے باز رکھو۔

قرآن حکیم میں اسی مفہوم کو یوں واضح کیا گیا ہے:

ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا

ترجمہ: "اور ایک دوسرے کے عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

(الحجرات:12)

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ دل کھول کر دوسروں کی برائیاں بیان کرتے ہیں لیکن اپنے کرتوت سننے کو تیار ہوتے ہیں نہ ماننے کو۔

اور کنفیوشس کہتا ہے کہ "کامل انسان وہ ہے جو اپنی تنہائی سے خائف اور پریشان نہیں ہوتا۔"

قرآن عظیم بھی اسی امر کا موید ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہہ دیا اللہ ہی ہمارا رب (پالنے والا) ہے پھر وہ (اپنے اس ایمان پر) ثابت قدم رہے پس ان کو کسی بات کا ڈر ہے نہ ہی وہ غم زدہ ہوں گے۔"

رسم قربانی

کنفیوشس کے زمانے میں بخشش اور بقائے زندگی کیلئے چینی مندروں میں قربانی کی رسم پہلے سے رائج تھی۔ اس نے اس رسم پر زور دیا اور نہ ہی اس سے اعراض کیا بلکہ اس کی تعلیمات سے ستائش اور پسندیدگی کا ہی پہلو نکلتا ہے۔ پروفیسر لیگز (Legs) کا کہنا ہے کہ یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ کنفیوشس نہایت پابندی کے ساتھ مردوں کو قربانی پیش کیا کرتا تھا اور مردوں کے سامنے اس طرح نذر و نیاز دیتا گویا وہ زندہ ہیں۔

حیات بعد الممات

آخرت کی زندگی اور اعمال صالحہ اور افعال قبیحہ کے بل بوتے پر اس کی تعلیمات میں جزا اور سزا کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ ایک بار لوگوں نے مردوں کو پیش کی جانے والی قربانیوں اور نذر و نیاز سے متعلق استفسار کیا آیا ان کو ہماری کارگزاریوں کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ اس پر کنفیوشس نے جواب دیا:

"اگر اس سوال کا جواب میں ہاں میں دوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ لائق بیٹے اور فرض شناس پوتے اپنے آباؤ اجداد کی آخری رسوم ادا کرنے میں خود کو تباہ و برباد کر لیں گے اور اگر میں منفی جواب دوں تو مجھے ڈر ہے کہ نالائق بیٹے باپ کی لاش کو بے گور و کفن چھوڑ دیں گے۔"

مندرجہ بالا قول سے ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ کنفیوشس کی تعلیمات غیر جامع، غیر مکمل اور بے شمار پہلوؤں سے ادھوری معلوم ہوتی ہیں جبکہ اسلام نے جو کہ ہر جہت سے اکمل اور غالب دین ہے حیات و ممات کے ہر ڈیپارٹمنٹ کو اطمینان اور تسلی کی آخری حد تک نہایت جامعیت کے ساتھ مترشح اور متشرح کیا ہے۔

اللہ عزیز و غفور کا فرمان ہے:

"بڑی برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ میں سارا جہان ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔" (سورہ الملک: 2:1)

کنفیوشزم کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد مندرجہ ذیل پہلو سامنے آتے ہیں:

یہ مذہب نما مذہب اپنی محدود تعلیمات کی بنا پر زندگی کے لاتعداد پہلوؤں سے آنکھ چراتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس ادھوری دیوار کی مانند ہے جس کی ہر دوسری اینٹ متکسر و مجروح اور شکست و ریخت کا شکار ہے اور یہ دیوار دور سے کسی ماہی گیر کا جال دکھائی دیتی ہے اور اس پر طرہ یہ کہ محض اس کو تمام سہولیات سے پر ایک مکمل گھر کا نام دینا سراسر زیادتی اور ناانصافی ہے۔

نہ اس میں کسی اعلیٰ ہستی کا تصور ہے اور نہ ہی مذہبی عقائد کا تذکرہ، نہ اس میں جزا و سزا کا کوئی پہلو ہے اور نہ ہی ضابطہ حیات کا ذکر جبکہ بالعکس تمام السلام جو کہ ایک غالب دین ہے مکمل ضابطہ حیات ہے اور جس کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے علانیہ فرما دیا:

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین چننے پر میں راضی ہوا۔"

حضرت ابراهیمؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام

مورخین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ ابراہیم بن تارح بن ناحور بن ساروغ بن ارغو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح۔

(1) مروج الذھب از علامہ مسعودی 1:82

(2) تہذیب الاسماء از امام نووی ج 1: ص 98

مولانا عبدالماجد دریا آبادی جائے ولادت سے متعلق لکھتے ہیں:

"وطن آبائی ملک بابل کا علاقہ کلدانیہ ہے (انگریزی تلفظ کالڈیا) جدید جغرافیہ میں اسی کو ملک عراق کہتے ہیں۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توراۃ میں "اُر" (UR) آیا ہے۔ مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا۔ اب از سر نو نمودار ہو گیا ہے۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل 1894ء میں پڑ گئی تھی۔ 1922 میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترکہ تحقیقی مہم برٹش میوزیم اوپین سلوینیا یونیورسٹی کے زیر اہتمام عراق روانہ ہوئی اور کھدائی کا کام پورسات سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا اور عراقی حکومت کے محکمہ آثار قدیمہ کے عجائب خانہ کے حکم میں لا کران کھنڈروں کو محفوظ کر دیا ہے۔ یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایہ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے۔" (تفسیر ماجدی جلد اول صفحہ 48)

امام نووی لکھتے ہیں ابراہیم غیر منصرف (یعنی آخری حرف پر تنوین نہیں آتی) ہے اور یہ ابرام (والد عالی مقام) یا ابود حام سے معرب ہے۔ توراۃ میں ابرام اور ابراہیم دونوں نام بیان کئے ہیں۔ اہل لغت کی تحقیق یہ بھی ہے کہ اب عربی کا اب ہے۔ جس کے معنی باپ کے ہیں اور راہیم کلدانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جمہور یا عوام کے ہیں۔ گویا ابرہیم کے معنی "لوگوں کے باپ"

کے ہیں۔

بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابرہیم اب راحم (رحم کرنے والا باپ) کا بگڑا ہوا ہے۔ اس صورت میں دونوں جز (یعنی اب راھیم) عربی ہوں گے۔ (قاموس القرآن)

آپ کے والد کا نام "ازر" اور والدہ کا نام "امیلہ" یا "بلونا" تھا۔ والد کا نام تو صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں آیا ہے:

و اذ قال ابرھیم لابیہ ازر اتخذ اصناماً الھة

"اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے فرمایا"

(سورہ الانعام: آیت: 84)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابو الانبیاء کہا گیا ہے۔ آپ کی جلالت اور قدر و منزلت سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وکذلك نری ابرھیم ملکوت السموت والارض ولیکون من الموقنین O (سورہ الانعام: آیت: 25)

"اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیمؑ کو عجائبات آسمانوں اور زمینوں کے تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے۔"

اور قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

فلما جن علیه الیل رای کوکبا ج قال ھذا ربی ط فلما افل قال لا احب الافلین O (سورہ الانعام: آیت: 76)

"چنانچہ جب شب کی تاریکی ابراہیمؑ پر چھا گئی۔ تو اس نے ایک ستارہ (چمکتا ہوا) دیکھا۔ اس نے کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ تارا چھپ گیا تو ابراہیمؑ نے کہا۔ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

فلما رای القمر بازغا قال ھذا ربی ج فلما افل قال لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین O (سورہ الانعام: آیت: 77)

"پھر ابراہیمؑ نے جب چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غائب ہو گیا تو ابراہیمؑ نے کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ فرمائی تو بلاشبہ میں گمراہ لوگوں میں رہ جاؤں گا۔"

فلما را الشمس بازغة قال ھذا ربی ھذا اکبر ج فلما

افلت قال یقوم انی بری مما تشر کونO (سورہ الانعام: آیت: 76)

"پھر جب ابراہیمؑ نے آفتاب کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔ یہ میرا رب ہے یہ تو سب میں بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو ابراہیم نے کہا اے میری قوم بلاشبہ میں ان چیزوں سے سخت بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو۔"

آخر چاند' سورج' ستاروں کے طلوع و غروب کے بعد آپؑ نے ان الفاظ میں اعلان حق فرمایا:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشر کینO (سورہ الانعام: آیت: 79)

"میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنا رخ اسی کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

آپؑ کے اس طریقہ تبلیغ پر دوسری جگہ فرمایا گیا:

قد كانت لكم اسوة حسنة فی ابر هیم والذین معه ط اذ قالوا لقومهم انا بر آؤا منكم و مما تعبدون من دون الله (الممتحنۃ: آیت 4))

"حضرت ابراہیمؑ اور ان کا ساتھ دینے والوں کی زندگی میں تم لوگوں کے لئے ایسی اچھی خصلت موجود ہے جو قابل اتباع ہے۔ جبکہ ان سب نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان سے جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو سخت بیزار ہیں۔"

جس گھرانہ میں آپؑ کی ولادت ہوئی اس گھر کا سربراہ یعنی آپ کا والد آزر بت گر' بت فروش' بت پرست تھا جو اپنے بیٹے کو بازار میں بت فروخت کرنے کے لئے بھیج دیتا تھا۔ آپ بازار میں ان بتوں کو یہ آواز لگا کر فروخت کیا کرتے تھے۔ کہ ہے کوئی ان بے جان بتوں کو خریدنے والا جو نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔"

آپ نے باپ کو بھی بتوں کی پرستش اور پوجا پاٹ سے روکا' اور باپ سے مناظرہ تک کی نوبت آ گئی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے:

واذكر فی الكتب ابر هیم انه كان صدیقا نبیاO اذ قال لابیه یا ابت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی

عنك شيئاO (سورہ مریم: آیت: 41)

"اور اے پیغمبرؐ آپ اس کتاب یعنی قرآن میں ابراہیمؑ کا ذکر کیجئے۔ بے شک وہ بڑا سچا نبی تھا۔ جب اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ تو اس چیز کی کیوں عبادت کرتا ہے جو نہ کچھ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے اور نہ تیرے کچھ کام آ سکتی ہے۔"

اور پھر فرمایا:

يا ابت انی قد جاء نی من العلم ما لم ياتك فاتبعنی اهدك صراطاً سوياO (سورہ مریم: آیت 43)

"اے میرے باپ بلا شبہ مجھ کو وہ علم عطا ہوا ہے جو تجھ کو نہیں دیا گیا۔ سو تو میری پیروی کر' میں تجھ کو سیدھی راہ دکھاؤں گا۔"

يا ابت لا تعبد الشيطن ط ان الشيطن كان للرحمن عصياO

(سورہ مریم: 44)

"اے میرے باپ تو شیطان کی عبادت نہ کر' کیونکہ شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔"

پھر آپ نے اپنے باپ کو خدا کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

يا ابت انی اخاف ان يمسك عذاب من الرحمن فتكون للشيطن ولياO (سورہ مریم: آیت: 45)

"اے میرے باپ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تجھ کو رحمن کی طرف سے کوئی عذاب آ پکڑے اور تو شیطان کا ساتھی بن جائے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے والد کو وعظ و تبلیغ کر کے حق تبلیغ ادا کر چکے تو باپ نے قبول کرنے کی بجائے الٹا جواب دیا۔

قال اراغب انت عن الهتی يابراهيم ج لئن لم تنته لارجمنك واهجرنی ملياO (سورہ مریم: آیت: 46)

"یہ سن کر ابراہیمؑ کے باپ نے جواب دیا۔ اے ابراہیمؑ کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے۔ اگر تو اس حرکت سے باز نہ آیا تو یقیناً سنگسار کر دوں گا اور تو ایک مدت دراز کے لئے میرے سامنے سے دور ہو جا۔"

آپ نے بڑے صبر و تحمل اور بردباری کے ساتھ جواب دیا:

قال سلام عليك ج ساستغفرلك ربی ط انه كان بی حفياO

(سورہ مریم: 47)

"ابراہیمؑ نے کہا' اچھا تجھ پر سلام ہو' اس کے باوجود بھی میں اپنے رب سے تیرے لئے بخشش یعنی ہدایت طلب کروں گا۔ بیشک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کی طرف راجع ہوئے اس پر اللہ رب العزت نے آپ کی فصاحت و بلاغت پر ارشاد فرمایا:

ولقد اتینا ابرھیم رشدہ من قبل و کنا بہ علمینO اذ قال لابیہ و قومہ ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفونO

(سورہ الانبیاء: آیت: 51)

"اور بلا شبہ ہم نے ابراہیم کو اول دن سے ہی رشد و ہدایت عطاء کی تھی اور ہم اس کی اہلیت و صلاحیت کو خوب جانتے ہیں۔ جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا۔ یہ مورتیاں کیا ہیں جن کی پرستش پر تم جمے بیٹھے ہو۔"

ان لوگوں نے جواب دیا:

قالوا وجدنا اباء نا لھا عابدین

"انہوں نے جواب دیا ہم نے اپنے بڑوں کو انہی مورتیوں کی پوجا کرتے پایا ہے۔"

حضرت ابراہیمؑ کا جواب:

قال لقد کنتم انتم آباؤکم فی ضلال مبینO (سورہ الانبیاء: آیت: 54)

"ابراہیمؑ نے جواب دیا تم بھی صریح غلطی میں ہو اور تمہارے بڑے بھی صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔"

قالوا اجئتنا بالحق ام انت من اللعبینO (سورہ الانبیاء: 55)

"وہ لوگ کہنے لگے کیا تم سچی بات ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو؟"

تمام قوم میں اپنے عقیدہ کے خلاف ابراہیم علیہ السلام کی باتیں سن کر اضطراب اور بے چینی پیدا ہوگئی۔

جواب دیا:

قال بل ربکم رب السموت والارض الذی فطرھن وانا علی ذلکم من الشھدینO (الانبیاء: 56)

"ابراہیمؑ نے کہا: دل لگی کی بات نہیں بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو تمام آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور میں اس بات پر پوری بصیرت کے ساتھ شہادت دیتا ہوں۔"

آپ نے خدا کی قسم کھا کر کہا:

وتاللہ لاکیدن اصنٰمکم بعد ان تولوا مدبرین O (سورہ الانبیاء: آیت: 57)

"اور قسم خدا کی میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر۔"

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر اور قوم کو بت پرستی سے روکنے کے لئے جب اپنی تمام قوت صرف کر دی۔ تو آپ نے ایک خفیہ تدبیر کی۔ قوم کا ایک مذہبی میلہ ہونے والا تھا۔ جب لوگ اس میں شرکت کے لئے جانے لگے انہوں نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اصرار کیا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ آپؑ نے انکار فرما دیا۔ حتیٰ کہ قوم کی طرف سے اصرار بڑھنے لگا تو آپ نے مجبوراً ان کو خاموش کرنے کے لئے جواب دیا انی سقیم کہ میں کچھ علیل ہو رہا ہوں۔

قرآن کریم نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا:

فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم O فتولوا عنہ مدبرین O

(سورہ الصافات: آیت: 88)

"پھر نگاہ کی ایک بار تاروں میں، پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں۔ اس پر قوم کے لوگ اس کے پاس سے الٹے چلے گئے۔"

چنانچہ موقع ملتے ہی آپؑ بت خانہ میں جا گھسے اور بتوں سے کہنے لگے:

فراغ الی الھتھم فقال الا تاکلون O ما لکم لا تنطقون O

(سورہ الصافات: آیت 91-92)

"پھر جا گھسے ان کے بتوں میں پھر بولے تم کیوں نہیں کھاتے؟ تم کو کیا ہو گیا؟ تم بولتے کیوں نہیں؟"

ارشاد فرمایا:

فراغ علیھم ضربا بالیمین O (سورہ الصافات: آیت: 93)

"پھر گھسے ان پر مارتے ہوئے داہنے ہاتھ سے۔"

فجعلھم جذاذا الا کبیرا لھم لعلھم الیہ یرجعون O (سورہ الانبیاء: 58)

"پھر ابراہیمؑ نے ان بتوں میں سے سوائے ایک بڑے بت کے سب کو ٹکڑے

ٹکڑے کر دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔"

جب وہ لوگ میلہ سے واپس آئے تو بتوں کی یہ حالت دیکھ کر کہنے لگے یہ ناشائستہ حرکت اور یہ گستاخی ہمارے دیوی دیوتاؤں کے ساتھ کس نے کی؟

قرآن کریم نے قوم کے تعجب اور بوکھلاہٹ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

قالو امن فعل ھذا بالھتنا انه لمن الظلمین O (الانبیاء: 59)

"کہنے لگے کس نے کیا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ' وہ تو کوئی بے انصاف ہے۔"

اور آتا ہے کہ

قالوا سمعنا فتی یذ کرھم یقال له ابرھیم O (الانبیاء: 60)

"بعض لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کو جس کو ابراہیم کہتے ہیں۔ ان بتوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا ہے۔"

آپ چاہتے تھے کوئی موقع مجھے ایسا مل جائے جہاں ساری قوم جمع ہو تو میں اپنا فریضہ تبلیغ دل کھول کر ادا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دلی مراد اس طرح پوری فرمائی کہ کفار خود بولے:

قالوا فاتوا به علی اعین الناس لعلھم یشھدون O

(سورہ الانبیاء: 61)

"وہ بولے اس کو لے آؤ لوگوں کے سامنے تاکہ وہ بھی دیکھیں۔"

پھر حضرت ابراہیم سے سوال کیا گیا:

قالوا ء انت فعلت ھذا بالھتنا ابرھیم O (سورہ الانبیاء: 62)

"اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ توڑ پھوڑ کی حرکت کی ہے؟"

حضرت ابراہیمؑ کا جواب دیا:

قال بل فعله کبیرھم ھذا فسئلوھم ان کانو ینطقون O (الانبیاء: 63)

"ابراہیم نے کہا نہیں' بلکہ یہ حرکت ان کے اس بڑے (بت) نے کی ہے۔ اگر یہ بول سکتے ہوں تو خود ان بتوں سے ہی تم دریافت کر لو۔"

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھرے مجمع میں بتوں کی عاجزی' بے بسی کے دلائل سے تمام کاہن اور بتوں کے پجاری دم بخود رہ گئے اور ندامت و شرمندگی کے عالم میں نیچی نگاہ کر کے کہنے لگے:

فرجعوا الی انفسھم فقالوا انکم انتم الظلمون O ثم

نکسوا علی رؤسھم لقد علمت ماھولاء ینطقونO

(سورہ الانبیاء: آیت: 64-65)

''اس پر وہ مشرک اپنے دلوں کی جانب متوجہ ہوئے اور آپس میں کہنے لگے اس میں شک نہیں کہ تم ہی ناحق پر ہو' پھر انہوں نے اپنے سروں کو جھکا لیا اور ابراہیمؑ سے کہنے لگے تو تو یہ بات جانتا ہے کہ یہ بت بولا نہیں کرتے۔''

آپ نے اتمام حجت کے لئے پھر نصیحت فرمائی:

قال افتعبدون من دون اللہ ما لا ینفعکم شیئا ولا یضرکمO اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون O

''ابراہیمؑ نے کہا تو کیا تم خدا کو چھوڑ کر ایسوں کی..... پرستش کرتے ہو جو نہ تم کو کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان' تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو' تو کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے؟'' (سورہ الانبیاء: آیت: 66-67)

حضرت ابراہیمؑ اور نمرود

آپ کی پوری قوم اور بادشاہ وقت مل کر آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے ایک ہو گئے۔ بادشاہ نے جب حضرت ابراہیمؑ کا اثر بڑھتے دیکھا تو فکر ہوئی کہیں یہ میری حکومت کا تختہ نہ الٹ دے۔

یہ بادشاہ اپنے کو خدا بھی کہلواتا تھا اور عوام سے سجدہ بھی کرایا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نصرت خداوندی کے سہارے نمرود کے دربار میں بے دھڑک پہنچ گئے۔ جب آپ دربار میں پہنچے تو آپ نے سجدہ نہ کیا۔ بس اس کو یہی بہانہ مل گیا اور کہنے لگا: اے ابراہیم! تمہیں آداب شاہی بھی نہیں آتے۔ اور نبی ہونے کے مدعی ہو' تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ آپ نے جواب دیا میں اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا............... ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب سن کر وہ حیران رہ گیا' اور کہنے لگا:

رب تو میں ہوں' میرے سوا اور کون سا رب ہے؟

آپ نے فرمایا میں حاکم کو رب نہیں مانتا' میرا رب احکم الحاکمین ہے۔

نمرود نے یہ سن کر کہا:

ابراہیم! تو اپنے رب کا کوئی ایسا وصف بیان کر جو مجھ میں نہ ہو۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا:

الم تر الی الذی حاج ابرھیم فی ربہ ان اتہ اللہ الملک م

"اے پیغمبرؐ! کیا آپ نے اس شخص کا قصہ ملاحظہ نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے جھگڑا کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو حکومت دے رکھی تھی۔" (سورہ البقرہ: آیت: 258)

اس گفتگو کو سوال و جواب کی صورت میں پڑھئے:

نمرود: اے ابراہیم! تمہارے رب کی پہچان کیا ہے؟

ابراہیم علیہ السلام: ربی الذی یحی و یمیت (میرا رب وہ ہے جو جلاتا (پیدا کرتا) اور مارتا ہے۔

نمرود: انا احی و امیت ط (اس طرح تو میں بھی پیدا کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔"

چنانچہ اس ناسمجھ نے جلاد کو بلا کر کہا' جس مجرم کو سزائے موت کا حکم ہو چکا ہو میرے سامنے پیش کرو' مجرم حاضر کیا گیا تو اس نے مجرم سے کہا جا میں نے تجھے بری کیا۔

اس کے بعد ایک بے قصور شخص کے لئے جلاد کو حکم دیا۔ اس کو قتل کر دے۔ اس کے بعد ابراہیمؑ سے کہنے لگا:

نمرود: تمہارے رب کی طرح یہ کام تو میں نے بھی کر دکھایا' اب تم اپنے خدا کی اعلیٰ بات بتاؤ جس کو میں نہ کر سکتا ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب

(کہ میرا خدا تو مشرق سے سورج نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال کر دکھا۔)

(اس مکالمہ کیلئے دیکھیے سورہ البقرہ: آیت: 258)

نمرود سے ابراہیمؑ کی اس بات کا جواب نہ بن پڑا اور بغلیں جھانکنے لگا۔ قرآن بتلاتا ہے:

فبھت الذی کفر ط (یہ سن کر وہ کافر حیران رہ گیا) نہ ابراہیم کی اس بات کا جواب دے سکا اور نہ حق قبول کیا۔

حضرت ابراہیمؑ سے بتوں کے معاملہ میں قوم پہلے ہی عاجز آ چکی تھی۔ اس کے بعد نمرود بادشاہ کا سہارا پکڑا تھا مگر منہ کی کھانی پڑی۔ اس کو بھی اپنا تخت و تاج پارہ پارہ ہوتا نظر آنے لگا' اس لئے سب نے مل کر حضرت ابراہیمؑ سے چھٹکارا حاصل کرنے کا پروگرام بنایا کہ آپ کو دہکتی آگ میں ڈال کر پیچھا چھڑایا جائے۔

آگ میں جلا ڈالنے کا فیصلہ:

قرآن کریم میں کفار کے اس فیصلہ کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا گیا ہے:

قالوا حرقوه وانصروا الهتكم ان كنتم فعلين○

"وہ مشرکین آپس میں کہنے لگے ابراہیمؑ کو آگ میں جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کا بدلہ لو اگر تم کو کچھ کرنا ہے۔" (سورہ الانبیاء: آیت: 68)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قالوا ابنوا له بنيانا فالقوه فى الجحيم○ (سورہ الصافات: آیت: 97)

"قوم کے لوگ کہنے لگے ابراہیم کے لئے ایک عمارت یعنی چار دیواری بناؤ پھر ابراہیمؑ کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔"

اس تدبیر سے لوگوں کے دلوں میں بتوں کی عقیدت پختہ ہو جائے گی اور ہیبت بھی بیٹھ جائے گی اور آئندہ کوئی ایسی جرات نہ کرے گا۔

معارف القرآن میں بحوالہ تفسیر مظہری بیان کیا گیا ہے کہ:

ایک مہینہ تک سارے شہر کے لوگ آپ کے جلانے کے لئے لکڑی وغیرہ سوختہ کا سامان جمع کرتے رہے۔ پھر اس میں آگ لگا کر سات دن تک اس کو دھونکتے (سلگاتے) اور بھڑکاتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کے شعلے فضاء آسمانی میں اتنے اونچے ہو گئے کہ اگر کوئی پرندہ اس پر گزر جائے تو جل جائے۔ اس وقت ارادہ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالا جائے۔

بہر حال کافروں نے حضرت ابراہیمؑ کو ختم کرنے کے لئے انتہائی قدم اٹھایا۔ اور آپ کو اتنی تیز و تند دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ حق تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا:

قلنا ينار كونى بردا وسلاما على ابرهيم○

"ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی بن جا ابراہیمؑ کے حق میں۔" (سورہ الانبیاء: 69)

تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں سات روز رہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عمر میں کبھی ایسی راحت نہیں ملی جتنی ان سات دنوں میں حاصل تھی۔"

(معارف القرآن بحوالہ تفسیر مظہری)

آیت بالا کی تشریح میں فوائد عثمانی میں لکھا ہے کہ:

"تکویناً آگ کو حکم ہوا کہ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو جا لیکن اس قدر ٹھنڈی نہیں کہ ٹھنڈک سے ابراہیمؑ کو تکلیف پہنچنے لگے ایسی معتدل ٹھنڈی ہو جا جو جسم و جان کو

خوشگوار معلوم ہونے لگے۔"

ہجرت ابراہیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے پیغمبر ہیں جنہوں نے راہ خدا میں یعنی دین کے لئے اپنا وطن چھوڑ کر ہجرت اختیار کی' ہجرت کے وقت آپ کی عمر 75 سال تھی۔

اس کے باوجود کہ آپ کو کفار نے طرح طرح کی تکلیفیں دیں' مگر تبلیغ کے کام میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔ آپ نے فرمایا:

واعتزلكم وما تدعون من دون الله وادعوا ربی عسى الا اكون بدعاء ربی شقیاO (سورہ مریم: 48)

"اور میں تم سے اور ان سے جن کو تم خدا کے سوا پکارا کرتے ہو سب سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں اور میں تو اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا۔"

آپ سرزمین عراق (بابل) سے ہجرت کر کے کلدانیین مشہور بستی میں چلے آئے۔ یہ بستی فرات کے مغرب کی طرف ہے۔ یہاں آپ نے تھوڑے عرصہ قیام فرمایا۔ اس کے بعد حراں کی طرف چلے گئے۔ یہ سب سے پہلا شہر ہے جو طوفان نوح کے بعد آباد ہوا۔ یہاں پہنچ کر بھی آپ نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔

یہیں حضرت سارہ سے آپ کا نکاح ہوا۔ کچھ دنوں بعد حران سے فلسطین (بیت المقدس) تبلیغ کرتے کرتے مصر پہنچے۔ ان سب مقامات میں آپ کی زوجہ حضرت سارہ' آپ کے بھتیجے حضرت لوط اور ان کی بیوی آپؑ کے شریک سفر رہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فامن له لوط و قال انی مهاجر الی ربی ط انه هو العزيز الحكيمO (سورہ العنکبوت: آیت: 26)

"بس صرف لوطؑ نے ابراہیمؑ کی تصدیق کی' اور ابراہیمؑ نے کہا میں یہاں سے ہجرت کر کے اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔"

چونکہ حضرت سارہ اولاد سے مایوس ہو چکی تھیں۔ اسی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کو بی بی ہاجرہ سے نکاح کی ترغیب دی تھی اور آپ نے انہی کی ترغیب سے نکاح بھی کیا تھا۔

تھوڑے عرصے بعد حضرت ہاجرہ کے بیٹا پیدا ہوا۔ فرشتہ کی بشارت کے مطابق اس کا نام "اسمٰعیل" رکھا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور یہی محبت سارہ کو شاق گزری۔ اور انہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے یہ مطالبہ کر دیا کہ ہاجرہؑ اور اسمعیلؑ کو میرے پاس سے کسی ایسی جگہ چھوڑ آئیں جہاں یہ مجھے نظر نہ آئیں۔ سارہ کا یہ مطالبہ آپ کو بڑا شاق گزرا۔

چنانچہ آپ حکم خداوندی ملتے ہی اس قافلہ کو لے کر سرزمین مکہ کے لق و دق جنگل و بیابان میں پہنچ گئے اور بارگاہ رب العزت میں عرض کیا:

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتك المحرم ربنا لیقیموا الصلوة فاجعل افئدة من الناس تهوی الیهم وارزقهم من الثمرات لعلهم یشکرونO (سورہ ابراہیم : 37)

"اے میرے رب! میں نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو میدان میں کہ جہاں کھیتی نہیں، تیرے محترم گھر کے پاس، اے رب ہمارے تاکہ قائم رکھیں نماز کو سو رکھ بعضے لوگوں کے دل کہ مائل ہوں ان کی طرف اور روزی دے ان کو میووں سے شاید وہ شکر کریں۔"

ابراہیم خلیل اللہ خدا کے حکم سے حضرت اسمعیلؑ کو شیر خوارگی کی حالت میں اور ان کی والدہ ہاجرہ کو چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے آئے۔ کھجوریں اور پانی جو حضرت ابراہیمؑ دے کر آ رہے تھے وہ بھی ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسمعیل کی تشنگی اور ہاجرہ کی بے تابی کو دیکھ کر "زمزم" کا چشمہ فیض جاری کر دیا۔ قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ ادھر سے گزرا تو حیرت انگیز چشمہ دیکھ کر حضرت ہاجرہ کی اجازت سے وہیں مقیم ہو گیا۔

حضرت اسمٰعیلؑ جب جوان ہوئے تو اسی قبیلہ میں ان کی شادی ہو گئی۔ اس طرح جہاں آج مکہ آباد ہے ایک بستی آباد ہو گئی۔ حضرت ابراہیمؑ گاہ بگاہ ملک شام سے تشریف لایا کرتے تھے اور اس شہر اور شہر کے باشندوں کے لئے دعا فرماتے تھے:

"خداوندا! میں نے اپنی ایک اولاد کو اس بنجر اور چٹیل آبادی میں تیرے حکم سے تیرے معظم و محترم گھر کے پاس لا کر بسایا ہے تاکہ یہ اور اس کی نسل تیرا اور تیرے گھر کا حق ادا کریں۔ تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل ادھر متوجہ کر دے، کہ وہ یہاں آئیں۔ جس سے تیری عبادت ہو اور شہر کی رونق بڑھے۔ نیز ان کی روزی اور دل جمعی کے لئے غیب سے ایسا سامان فرما دے کہ (غلہ اور پانی جو ضروریات زندگی ہیں ان کے علاوہ) عمدہ میوے اور پھلوں کی یہاں افراط ہو جائے، تاکہ یہ

لوگ اطمینان قلب کے ساتھ تیری عبادت اور شکر گزاری میں لگے رہیں۔

ایک شب خواب میں دیکھا کہ آپ سے مطالبہ ہو رہا ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیلؑ کو اللہ کی راہ میں قربان کرو۔ نبی کا خواب عام انسانوں کی طرح نہیں بلکہ وحی کے حکم میں ہوتا ہے۔

جس رات کو یہ خواب نظر آیا وہ آٹھ ذی الحجہ کی رات تھی۔

9 ذی الحجہ کی شب میں پھر وہی خواب نظر آیا۔ 9 ذی الحجہ کے دن آپ کی 8 ذی الحجہ والی کیفیت نہ تھی۔ بلکہ آپ کو اطمینان ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے 9 ذی الحجہ کو یوم عرفہ (معرفت کا دن) کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ سمجھ گئے تھے کہ واقعی مجھے اسٰمعیل کو قربان کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔

10 ذی الحجہ کی شب میں پھر وہی خواب نظر آیا۔ اس کے بعد 10 ذی الحجہ کا تمام دن خواب کے حکم کی تعمیل میں صرف ہوا۔ اسی لئے اس کو یوم النحر (قربانی کا دن) کہتے ہیں۔ آپ نے اپنے اس خواب کا حضرت اسٰمعیلؑ سے تذکرہ کیا تا کہ وہ بھی سوچ سمجھ کر جواب دیں۔

(تاریخ اسلام)

قرآن پاک میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

فلما بلغ معه السعی قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذا تری (سورہ الصافات: آیت: 102)

"پھر جب وہ (اسٰمعیلؑ) ایسی عمر کو پہنچ گیا کہ ابراہیمؑ کے ساتھ دوڑنے یعنی چلنے پھرنے اور ہاتھ بٹانے لگا تو ابراہیمؑ نے کہا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں سو تو بھی غور کر لے کہ تیری کیا رائے ہے؟"

اسٰمعیل علیہ السلام نے ابا جان سے جب یہ خواب سنا تو ہنسی خوشی سے مودبانہ طریقہ پر جواب دیا:

قال یابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء الله من الصبرین○

"(اسماعیلؑ نے) کہا اے میرے باپ جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اسے کر ڈالئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے سہار کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

(سورہ الصفافات: 102)

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت اسٰمعیل علیہ السلام کی عمر 13 سال تھی اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ بالغ ہو چکے تھے۔ (معارف القرآن ج بہ حوالہ تفسیر مظہری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی چھری پتھر پر رگڑنا شروع کی۔

جب چھری تیز ہو گئی تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کو زمین پر ذبح ہونے والے جانور کی طرح لٹا دیا۔

بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے زمین پر لیٹے ہوئے بیٹے کے حلقوم پر بڑے زور سے چھری چلائی اور ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ چلائی۔ مگر اسمٰعیلؑ کا ایک بال بھی نہ کٹا۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے نہ لٹایا گیا نہ چھری چلائی گئی۔ اور یہ نوبت آنے سے پہلے ہی جنت سے مینڈھا آ گیا۔

قبولیت کی خوش خبری قرآن پاک میں ان الفاظ میں سنائی گئی:

فلما اسلما وتله للجبين ○ و ناديته ان يا ابرهيم قد صدقت الرء يا ج انا كذالك نجزى المحسنين○

(سورہ الصافات: 103-104)

"پھر جب دونوں باپ بیٹے حکم کی بجا آوری پر تیار ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا اور ہم نے ابراہیم کو یہ کہہ کر پکارا اے ابراہیمؑ تو نے خواب پوری طرح سچ کر دکھایا، ہم نیکوکاروں کو یوں ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔"

حقیقتاً یہ واقعہ ابراہیم و اسمٰعیل بلکہ حضرت ہاجرہ تینوں کے صبر آزما امتحان کا تھا جیسا کہ فرمایا گیا:

ان هذا لهو البلاء المبين○ (الصافات: 106)

"بلاشبہ یہ کام تھا بھی ایک کھلا ہوا امتحان۔"

یعنی ایسے مشکل حکم کر کے آزماتے ہیں، پھر ان کو ثابت قدم رکھتے ہیں تب درجے بلند دیتے ہیں۔

تورات میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے (اسمٰعیل) کو قربان کرنا چاہا اور فرشتے نے ندا دی کہ (اے ابراہیم) ہاتھ روک لو تو فرشتہ نے یہ الفاظ کہے، خدا کہتا ہے کہ چونکہ ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا میں تجھ کو برکت دوں گا، اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر (دریا) کی ریتی کی طرح پھیلا دوں گا۔ (فوائد عثمانی)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حکم خداوندی پر عمل کر کے اپنا کام مکمل کر چکے تو جنت سے ان کی جان کے بدلہ میں مینڈھا بھیج کر قربانی کرائی:

وفدينه بذبح عظيم○ (سورہ الصافات: 107)

''اور اس کا بدلہ دیا ہم نے ایک جانور ذبح کرنے کے واسطے بڑا۔''

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبرکا وھدی للعلمین O (سورہ آل عمران: 96)

''بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے (خدا کی عبادت کے لئے) بنایا گیا وہ یہی مکان (کعبۃ اللہ) ہے۔''

جب ابراہیم خلیل اللہ کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا تو آپ فلسطین سے مکہ معظمہ تشریف لائے۔ بخاری شریف کی روایت ہے جب آپ مکہ پہنچے تو اس وقت اسمٰعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے تھے۔ جب آپ کی والد بزرگوار پر نظر پڑی تو بے اختیار ادب سے کھڑے ہو گئے اور دونوں نے باپ بیٹے کے محبت و تکریم کے جو فرائض تھے، ادا کئے۔

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا اسمٰعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ بیٹے نے جواب دیا، جس طرح آپ کے رب نے حکم دیا ہے کیجئے۔ انہوں نے فرمایا تم بھی میری کچھ مدد کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا ضرور مدد کروں گا۔ انہوں (ابراہیمؑ) نے فرمایا اچھا۔ مجھ کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس ابھرے ہوئے ٹیلہ کے اردگرد ایک گھر بناؤں، اور آپ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

اس کے بعد دونوں نے مل کر بیت اللہ کی بنیادیں بلند کیں۔ اسمٰعیلؑ پتھر لاتے اور ابراہیم علیہ السلام ان کو لگاتے جاتے تھے، یہاں تک کہ جب تعمیر اونچی ہو گئی تو مقام ابراہیم والا پتھر لائے اور لا کر رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہوئے، بیت اللہ کی تعمیر کرتے جاتے اور اسمٰعیلؑ پتھر دیتے جاتے اور دونوں کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے ربنا تقبل منا ''اے ہمارے پروردگار! ہماری خدمت قبول فرمالے تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ دونوں (باپ بیٹے) تعمیر کرتے جاتے تھے اور بیت اللہ کے گرد گھوم گھوم کر یہ دعا مانگتے جاتے تھے ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم O (البقرہ: 127)

بناء کعبہ کے وقت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر 30 سال تھی، جس کے معنی یہ ہوئے کہ واقعہ ذبح سے سترہ سال بعد تعمیر کعبہ ہوئی۔

جس پتھر پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تھی وہ پتھر آج تک موجود ہے جس پر حضرت خلیل اللہ کے قدموں کے نشانات بعینہ موجود ہیں۔ اس پتھر میں اللہ تعالیٰ نے یہ وصف رکھا تھا کہ دیوار اونچی ہونے کے ساتھ حسب ضرورت یہ بھی اونچا ہوتا جاتا تھا، اسی

کو مقام ابراہیم کہتے ہیں۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی

اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو۔

اسمٰعیل علیہ السلام تن تنہا جوش و عشق کے نشہ میں مندرجہ ذیل پہاڑوں کے پتھر اٹھا کر لائے: کوہ حرا' کوہ لبنان' کوہ ثبیر' کوہ جودی' کوہ ابی قبیس۔ ان کے علاوہ بعض حضرات نے اور پہاڑوں کے نام بھی لکھے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تعمیر بیت اللہ سے فارغ ہو گئے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: "خدایا! اب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

حکم ہوا: اب آپ حج کا اعلان کر دیں۔ یہ حکم سن کر ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا:

یا اللہ! میری کمزور و نحیف آواز کہاں تک پہنچے گی؟ کتنے لوگ سنیں گے؟

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا۔ ہمارے حکم کی تعمیل کرنا آپ کا کام ہے۔ آواز پہنچانا ہمارا کام ہے۔ حکم خداوندی کے الفاظ یہ ہیں:

واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق O لیشھدوا منافع لھم (سورہ الحج: 27)

"اور لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کر دو کہ وہ تیری طرف پا پیادہ چلے آئیں گے' اور ان دبلی دبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی جو دور دراز کی راہ طے کر کے پہنچتی ہیں تاکہ پہنچیں اپنے فائدہ کی جگہ پر۔"

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے حکم خداوندی ملتے ہی جبل ابی قبیس (پہاڑ) کی چوٹی سے اعلان کیا

حدیث میں ہے کہ جس نے اس آواز پر (خواہ وہ پیدا ہو چکا تھا یا عالم ارواح میں تھا) اس وقت لبیک کہا وہ حج ضرور کرتا ہے' جس نے دو مرتبہ لبیک کہا وہ دو مرتبہ حج کرتا ہے۔ اسی طرح جس نے جتنی مرتبہ لبیک کہا اتنے ہی حج اس کو نصیب ہوتے ہیں۔

ملت ابراہیمی

یہود اور نصاریٰ حضور سرور عالم ﷺ سے کہا کرتے تھے آپ یہودی ہو جائیں' نصاریٰ کہتے تھے نصرانی ہو جائیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اے ہمارے نبی آپ ان کو جواب دے دیں کہ میں تو ملت ابراہیمی کا پیروکار ہوں۔

قل صدق الله فاتبعوا ملة ابراهيم حنيفا ط وما كان من المشركينO (سورہ آل عمران: آیت :95)

"(اے نبی!) آپ کہہ دیجئے اللہ نے سچ فرمایا اب تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو جو سب سے یکسو ہو کر خدا کا ہو چکا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والا۔"

قل انني هدانی ربی الى صراط مستقيم دينا قيما ملة ابراهيم حنيفا ط وما كان من المشركينO (الانعام: 161)

"(اے نبیؐ) آپ فرما دیجئے کہ یقیناً مجھ کو تو میرے رب نے سیدھی راہ بتا دی ہے کہ وہ ایک صحیح دین ہے جو ملت ہے ابراہیم کی۔ وہ ابراہیمؑ جو خدا ہی کے ہو رہے تھے اور نہ تھا شرک کرنے والا۔

ثم اوحينا اليك ان اتبع ملة ابرهيم حنيفا ط وما كان من المشركينO

"پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلئے جو بالکل یکسو ہو چکا تھا اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔"

ملة ابيكم ابراهيم ط هو سماكم المسلمين O (الحج: 78)

"تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو اس خدا نے تمہارا لقب قرآن کے نزول ہونے سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی مسلمان رکھا ہے۔"

اس مبارک آیت میں یہ بات پوری طرح واضح کر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں اور قرآن مجید میں تمہارا نام "مسلم" رکھا جس کے معنی حکم بردار اور وفادار کے ہیں۔

اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ "مسلم" لقب ابراہیم علیہ السلام نے رکھا تھا جیسا کہ آپ نے دعا میں کہا تھا

و من ذريتنا امة مسلمة لك ط

"اور ہماری اولاد میں سے ایک ایسی جماعت پیدا کر جو تیری فرمانبردار ہو۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

1- سب سے پہلے مہمان نوازی کی سنت ابراہیمؑ نے شروع کی۔
2- سب سے پہلے آپ نے مونچھیں کتوائیں۔
3- سب سے پہلے سر میں بڑھاپے کے اثرات آپ نے دیکھے۔

4- سب سے پہلے آپ نے ناخن کاٹے۔
5- سب سے پہلے ختنہ کیے۔
6- سب سے پہلے پاجامہ پہنا۔
7- سب سے پہلے سر کے بالوں میں مانگ نکالی۔
8- سب سے پہلے استرے سے زیر ناف بال صاف کیے۔
9- سب سے پہلے منبر پر خطبہ دیا۔
10- فوجی لشکر کے لئے میمنہ' میسرہ' نام سب سے پہلے آپ نے تجویز کیے۔
11- سب سے پہلے جھنڈے پر پرچم لگایا۔
12- سب سے پہلے کمان بنائی۔
13- سب سے پہلے معانقہ کیا۔
14- سب سے پہلے ثرید (عرب کا مخصوص کھانا) آپ نے تیار کیا۔

(ترجمان القرآن' جلد سوم' مطبوعہ دہلی)

ازواج و اولاد

ایک حضرت سارہؓ: یہ آپ کی بڑی اور پہلی بیوی ہیں۔
دوسری حضرت ہاجرہؓ: یہ آپ کی چھوٹی اور دوسری بیوی ہیں۔ ایک کا نام قطورہ بیان کیا گیا ہے۔

ان سے آپ نے حضرت سارہؓ کے انتقال کے بعد نکاح کیا۔
بڑی بیوی سے حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے۔
چھوٹی بیوی سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔
تیسری بیوی قطورہ سے چھ بیٹے پیدا ہوئے جن کے مورخین نے یہ نام بیان کئے ہیں:
زمران' یقشان' مدان' مدیان' یشباق' شوحا (قصص القرآن ج 1)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر 175 سال کی ہو چکی تھی۔ اخیر وقت یعنی وقت اجل قریب آ گیا تھا۔ اس لئے آپ نے وفات سے پہلے تمام اولاد کو جمع کر کے آخری وصیت فرمائی' جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا ملخص تین انواع میں آ جاتا ہے۔ جن میں آپ کی قوم منہمک تھی۔

ان اصنام کی عبادت جو آپ کی قوم کو قوم نوح، عاد اور ثمود سے ورثہ میں ملے تھے۔

• اجرام ساویہ یعنی شمس و قمر اور نجوم کی عبادت، یہ ان کی اپنی ایجاد ہے۔

ان ملوک کی عبادت جنہوں نے ربوبیت کا دعویٰ کیا۔ ان کا پہلا آدمی نمرود ابن کنعان تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان تین انواع فسادٗ کفر اور ضلال سے جنگ کرنے کیلئے مبعوث فرمایا۔

دعوت میں آپ کے طریق کار کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کبراء یعنی آباء، ملوک اور اقرباء کی دعوت میں حجت اور برہان کو ادب اور وقار کے ساتھ استعمال کرتے تھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ پر بتوں کی پرستش کا عیب لگایا لیکن نرم اسلوب کے ساتھ جو سراسر نرمی اور رحمت تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و اذکر فی الکتب ابراھیم انه کان صدیقاً نبیاً اذقال لابیه یا آبت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنك شیاً یابت انی قد جاء نی من العلم ما لم یاتك فاتبعنی اھدك صراطاً سویاً یابت لا تعبد الشیطن ان الشیطن کان للرحمن عصیاً یابت انی اخاف ان یمسك عذاب من الرحمن فتکون للشیطن ولیاً (مریم : 45,41)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حکیمانہ اسلوب سے اپنی قوم پر کواکب ساویہ کی پرستش کا عیب لگایا:

وکذلك نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین فلما جن علیه الیل رای کوکباً قال ھذا ربی فلما افل قال لا احب الافلین فلمارای القمر بازغاً قال ھذا ربی فلما افل قال لن لم یھدنی ربی لا کونن من القوم الضالین فلما رای الشمس بازغة قال ھذا ربی ھذا اکبر فلما افلت قال یقوم انی بری مما تشرکون اننی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین و حاجه قومه قال اتحاجونی فی اللہ وقد ھدان ولا اخاف تشرکون به الا ان یشاء ربی شیاً وسع ربی کل شئی علماً افلا

تتذکرون (انعام : 75-80)

آپ نے مدعی ربوبیت پر عیب لگایا اور حجت دامغہ (بے حقیقت کر دینے والی) سے اس کا منہ بند کر دیا یعنی کہ اسے خاموش کر دیا۔ اللہ فرماتا ہے:

الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربه ان اته الله الملك
اذ قال ابراھیم ربی الذی یحیی ویمیت قال انا احی و
امیت قال ابراھیم فان الله یاتی بالشمس من المشرق
فات بها من المغرب فبهت الذی کفر والله لایهدی
القوم الظلمین

(بقرہ: 258)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اہل و اقارب کا قصد و ارادہ کیا' جب اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ میں آپ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً عرض کی (ومن ذریتی) میری اولاد میں سے بھی امام ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا یہ تب ہوگا جب وہ اس کے مددگار ہوں گے۔ آپ کا یہ قصد ارادہ اس دعا سے بھی واضح ہے جو آپ نے ان کیلئے کی:

و اذا قال ابراھیم رب اجعل هذا البلد امنا و اجنبنی
و بنی ان نعبد الاصنام رب انهن اضللن کثیراً من الناس
فمن تبعنی فانه منی و من عصانی فانك غفور رحیم
ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند
بیتك المحرم ربنا لیقیموا الصلوة فاجعل افئدة من
الناس تهوی الیهم و ارزقهم من الثمرات لعلهم
یشکرون (ابراہیم: 35-37)
رب اجعلنی مقیم الصلوة ومن ذریتی ربنا و تقبل
دعاء

(ابراہیم: 40)

ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امة مسلمة لك

(بقرہ: 128)

ان تمام واقعات سے پتا چلتا ہے کہ مشرکین کیلئے دعائے مغفرت ممنوع ہے۔ آپ نے اپنے والد کیلئے بھی دعائے مغفرت کی۔

ربنا اغفرلی و لوالدی (ابراہیم آیت: 61)

ترجمہ: اے رب میری اور میرے والدین کی مغفرت عطا فرما۔

لیکن وحی الٰہی سے معلوم ہو گیا کہ باپ حق کا دشمن ہے چاہے وہ نبی کا باپ ہی کیوں نہ ہو جائے دعائے مغفرت کا مستحق نہیں ہے۔

ترجمہ: توبہ آیت: 116)

"ابراہیم کا اپنے باپ کیلئے دعائے مغفرت کرنا محض اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انہوں نے کیا تھا مگر جب یہ بات ان پر کھل گئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے اس سے اظہار بیزارگی کر دیا۔

ابراہیم نے آثار کائنات کا آنکھیں کھول کر مشاہدہ کیا اور رب کائنات تک پہنچے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غور و فکر و تدبر سے کام لیا اور دیکھا کہ یہی چاند' سورج' ستارے جو ہر روز طلوع و غروب ہوتے ہیں عام انسان کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے لیکن جب انہیں آنکھوں والے انسان (ابراہیم) نے دیکھا تو انہی نشانات سے وہ حقیقت تک پہنچ گئے۔ ہمیں بھی اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ غور و فکر اور تدبر سے کام لینا چاہئے۔

اندھی تقلید کی ممانعت کی گئی ہے جو کہ ابراہیم کی قوم کی عادت تھی۔ قرآن میں جگہ جگہ عالم آخرت کا یہ عبرت ناک نقشہ کھینچا گیا ہے تا کہ اندھی تقلید کرنے والے دنیا میں آنکھیں کھولیں اور کسی کے پیچھے چلنے سے پہلے وہ دیکھ لیں کہ وہ ٹھیک بھی جا رہے ہیں یا کہ نہیں ابراہیم نے جب اپنی قوم کو دعوت دی تو وہ بھی کہنے لگے کہ ہم تو اپنے آباؤ اجداد ہی کی پیروی کریں گے اور اس اندھی تقلید ہی کی بدولت وہ جہنم کے حقدار ہو گئے۔

جب انسان کسی عقیدے کو علم و یقین کی روشنی میں قائم کر لیتا ہے اور وہ عقیدہ اس کے قلب میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کا فکر و خیال' طور و طریقہ اس درجہ زبردست اور ثابت و راسخ ہو جاتا ہے کہ کائنات کا کوئی حادثہ دنیا کی کوئی سخت سے سخت مصیبت بھی اس کو اس عقیدے سے نہیں ہٹا سکتی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی جب نمرود نے آگ میں ڈال دینے کا فیصلہ کیا تو ابراہیم علیہ السلام کے عزم و ثبات میں کوئی فرق پیدا نہ ہوا۔

اگر ایک مسلم کے ماں باپ مشرک و کافر ہوں اور وہ کسی طرح بھی شرک سے باز نہ آتے ہو تو ان کی مشرکانہ زندگی سے بیزار و علیحدہ رہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ معاملات اور حسن سلوک میں کسی قسم کی زیادتی روا نہیں سمجھی گئی۔ ابراہیم کا اپنے باپ آذر کے ساتھ ادب' ادب و اخلاق کا رشتہ قائم تھا باپ کی دھمکی اور سختی کا جواب سلام علیک کہہ کر دیا۔

اس واقعے سے ہمیں صبر و استقامت کا درس ملتا ہے۔ ابراہیم نے اپنی قوم کو جب دعوت حق دی تو انہوں نے آپ کو برا بھلا کہا اور آپ کو تکلیف پہنچائی لیکن آپ نے ہر موقع پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور خدا کی عبادت پر ڈٹے رہے۔ آپ کو نمرود نے آگ میں جلانے کا فیصلہ کیا لیکن اس کے باوجود آپ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ ہمیں اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم بھی صبر و استقامت کا مظاہرہ کریں اور پریشانیوں سے نہ گھبرائیں۔

جس وقت سے ابراہیم پر حق منکشف ہوا تھا اس وقت سے لے کر مرتے دم تک ان کی پوری زندگی سراسر قربانی ہی تھی۔ دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں جن سے انسان محبت کرتا ہے ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق کی خاطر قربان نہ کیا ہو۔ دنیا میں جتنے خطرات ایسے ہیں جن سے آدمی ڈرتا ہے ان میں سے کوئی خطرہ ایسا نہ تھا جسے انہوں نے راہ حق میں نہ جھیلا ہو۔ ہمیں بھی اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم راہ حق کی خاطر ہر قسم کی قربانی وایثار کیلئے تیار رہیں۔

اس واقعہ کا ایک نتیجہ یہ بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ مصلح شخص کو مخلص اور بے لوث ہونا چاہیے کیونکہ یہ تمام انبیاء کی سنت ہے کہ وہ اپنے فرائض کو بڑے خلوص سے ادا کرتے۔ اس راہ میں سخت تکالیف اور مصائب برداشت کرتے جبکہ لوگ انہیں بڑی بڑی جائیدادیں' عہدے رتبے اور دولت وثروت کا لالچ دیتے مگر اللہ کے فرستادہ ان کی کچھ پروانہ کرتے اور بے لوث خدا کے احکام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

اگر انسان میں وسعت قلب اور فراخ حوصلگی پائی جائے تو اخلاق کریمانہ میں بہت فضیلت شمار ہوتی ہے۔ یہ وصف ابراہیم علیہ السلام کی حقیقت نفس بن چکا تھا اور فطری بھی تھا اور ان اوصاف کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام مثل اعلیٰ کی حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ ہمیں بھی اس سے وسعت قلب اور فراخ حوصلگی کا درس ملتا ہے۔

پیغمبروں اور رسولوں کی راہ یہی ہے کہ وہ جدل ومخاصمت کی منطقیانہ راہوں پر نہیں چلتے بلکہ ان کے دلائل و براہین کی بنیاد محسوسات و مشاہدات پر ہوتی ہے۔ ابراہیم نے بھی اپنی قوم کو دلیل و براہین کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی کیونکہ دلیلوں سے بات زیادہ جلدی اور واضح سمجھ میں آتی ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے دلائل و براہین پیش کرنے چاہئیں جو دشمن اور باطل پرست کے قلب میں اتر جائیں اور وہ زبان سے خواہ اقرار حق نہ کرے لیکن اس کا ضمیر اور اس کا قلب حق کے اقرار پر مجبور ہو جائے بلکہ بعض مرتبہ زبان بھی بے اختیار اعلان حق سے باز نہ رہ سکے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

وجادلهم بالتي هي احسن

ترجمہ: اور ان (کفار) سے اس طریقے سے مناظرہ کرو جو کہ بہترین ہو۔

یہودیت

یہودیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ایک جلیل القدر نبی اور رسول ہیں۔ تاریخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا لاڈلا اور پیارا نبی کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں تمام انبیاء کرام میں سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آیا ہے۔ بعض عرب مؤرخین نے ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

"موسیٰ بن عمران بن قاہات بن لاوی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم"۔

(تاریخ الرسل والملوک از امام محمد ابن جریر الطبری ج ۱ ص ۳۸۵)

کتاب الکامل اور بعض تاریخی کتابوں میں شجرہ اس طرح بھی درج ہے۔

"موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہت بن لاوی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم"۔

(۱۔ کتاب الکامل لابن الاثیر ج ۱: ص ۱۴۹)

(۲۔ تہذیب الاسماء للامام نووی ج ۱: ص ۱۱۹)

(۳۔ جمہرۃ انساب العرب ص: ۵۰۴)

الجوالیقی کے مطابق لفظ موسیٰ عبرانی کلمہ موشا سے ماخوذ ہے۔ موشا' مو (پانی) اور شا (درخت) کا مرکب ہے کیونکہ روایت ہے کہ موسیٰ پانی اور درخت کے قریب پیدا ہوئے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں موسیٰ نام شاذ ہے۔

کتاب المعرب میں لکھا ہے "اسلام آنے کے بعد ہی عرب لوگ تبرک کے طور پر اس نام کا استعمال کرنے لگے تھے"۔ (کتاب المعرب ص ۳۰۲)

ابن منظور کے مطابق موسیٰ معرب کلمہ ہے یہ مو (پانی) اور شا (درخت) یا ماہ اور ساج سے مرکب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے موطن کے بارے میں تورات میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے آلِ یعقوبؑ کو مصریوں سے الگ گوشن (یا جشن) کے علاقے میں آباد کیا۔ متمدن مصری عبرانی

چرواہوں سے نفرت کرتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

(تورات: تکوین ۴۳: ۳۲)

تاہم حکومت آل یعقوب پر مہربان تھی اس لیے انہوں نے خوب ترقی کی اور ان کی تعداد میں تیز رفتاری سے اضافہ ہوا۔ (تورات: خروج ۱: ۷)

کچھ عرصہ بعد مصر کے اٹھارھویں خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ آخر وہ فرعون تخت پر بیٹھا جس کے ذکر ظلوم اور عمل غشوم پر قرآن حکیم اور دیگر تاریخی کتب شاہد و دال ہیں۔

بنی اسرائیل پر اس کے مظالم کی انتہا ہو گئی اور اللہ الصبور والمنتقم نے ان لوگوں کو اس فرعون سے نجات دلانے کیلئے موسیٰ کو پیدا کیا۔

(اس زمانہ میں ہر مصری حکمران فرعون کہلاتا تھا اس کی جمع فراعنہ مستعمل ہے)

جدید محققین اور ماہرین اثریات کا کہنا ہے کہ جس فرعون کے زمانے میں حضرت موسیٰ کی ولادت ہوئی وہ مصر کے فرعونی دور کا انیسواں بادشاہ تھا اور اس کا اصل نام رعمسیس ثانی (Ramases II) تھا یہ سیتی اول کا بیٹا تھا۔

(A History of Egypt: J.H)

(Breased P:301)

(ص ۲: قصص الانبیاء: النجار ص ۲۰۲)

حضرت موسیٰ عمران کے گھر پیدا ہوئے چونکہ فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ایک عرصے سے قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا' لہٰذا بیٹے کی ولادت فرعون کے جاسوس سے زیادہ عرصہ مخفی نہ رہ سکتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ نہ صرف یہ بچہ زندہ رہے بلکہ اپنی جان کے دشمن خود فرعون کے قصر شاہی میں ناز و نعمت کے ماحول میں پرورش پائے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے الہام یا کسی اور طریقے سے اس بچے کی والدہ ماجدہ کو بتا دیا کہ وہ اسے دودھ پلاتی رہے اور جب اسے یہ اندیشہ ہو کہ اب فرعونیوں کو اس کی خبر ہو سکتی ہے تو وہ بچے کو صندوق میں رکھ کے دریا میں ڈال دے۔ ساتھ ہی اس کی ماتا کو اس وعدے سے تسلی دے دی کہ اللہ تعالیٰ بچے کو واپس آغوش مادر میں پہنچا دے گا اور اسے منصب رسالت پر سرفراز فرمائے گا۔ لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ (۲۰ طٰہٰ ۳۷ تا ۳۹' سورہ القصص: ۸ تا ۲۰) حضرت موسیٰ کی والدہ نے جب فرعونیوں کی طرف سے خطرہ محسوس کیا تو انہیں ایک صندوق میں رکھ کے دریا میں ڈال دیا' مگر ماتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی بیٹی اور بچے کی بڑی بہن کو مامور کیا کہ وہ صندوق کے پیچھے پیچھے جائے اور نگاہ رکھے کہ وہ کدھر جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ صندوق کا بڑی احتیاط سے پیچھا کرتی رہی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی کہ اس کا بچے کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ (سورہ القصص :۱۱) آخر کار دریا نے صندوق کو کنارے پر ڈال دیا۔ جہاں سے فرعون کی بیوی نے اسے اٹھا لیا۔ جب صندوق کو کھولا گیا اور اس میں بچہ پڑا دیکھا تو اسے بچے پر رحم

آیا اور وہ اس بچے کو قصر شاہی میں لے گئی اور قدرت نے ملکہ کے دل میں اس بچے کی محبت پیدا کر دی۔ (۲۰ طٰہٰ: ۳۹)

اور اس نے اسے پالنے کا ارادہ کر لیا اور فرعون سے یہ کہا یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو۔ کیا عجب یہ تمہارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں۔ (سورہ القصص: ۹) فرعون نے بیوی کی رائے کو قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت تو یہ تھی کہ بچہ واپس اپنی والدہ کے پاس پہنچے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ننھے موسیٰ کی طبیعت میں یہ بات ڈال دی کہ وہ کسی عورت کے دودھ کو منہ نہ لگائے اور پھر ایسے ہی ہوا حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ نے جو صندوق کے پیچھے پیچھے کسی طرح محل کے اندر پہنچ گئی تھی جب یہ صورتحال دیکھی تو ایسی انا لانے کی پیشکش کی جو بچے کی خیر خواہ اور اس کیلئے قابل قبول ہو۔ فرعون کے گھر والوں نے جو بہت سی اناؤں کو آزما کر عاجز آ گئے تھے فوراً اس لڑکی کی بات کو مان لیا اور یوں حضرت موسیٰ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس واپس آ گئے اور اس طرح ماں کے دل کو قرار اور آنکھوں کو ٹھنڈک ملی۔ اس سے ان کا یہ یقین اور پختہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچ ہوتا ہے (۲۰ طٰہٰ: ۴۰، ۲۸ القصص: ۱۰ تا ۱۳) چنانچہ حضرت موسیٰ کی تربیت فرعون کے محل میں ہونے لگی اور جب وہ سن بلوغت کو پہنچے تو نہایت قوی الجثہ اور بہادر جوان نکلے قدرت نے زور بازو کے ساتھ ساتھ انہیں قوت فکر بھی بخشی تھی (سورہ القصص: ۱۴)

مدین کی طرف ہجرت

پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوئی کہ موسیٰ کو فرعون کی تربیت سے الگ کر کے کسی مومن محبت میں پہنچایا جائے تاکہ ان کی فطرت کا انشراح درجۂ کمال کو پہنچ جائے اور وہ علم اور ہدایت میں کامل ترین انسان بن جائے جس میں فرعونیوں کے ساتھ معاشرت مانع تھی۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے اس کیلئے ایک تقریب بہم پہنچائی۔ (تأویل الاحادیث: شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۹۹ تا ۱۰۰)

ایک دفعہ بے وقت محل سے باہر نکل کر جا رہے تھے کہ دیکھا دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے ہیں جن میں ایک ان کی قوم کا ہے اور دوسرا دشمن یعنی فرعونی ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ سے فریاد کی کہ اس مرعونی کے خلاف اس کی مدد کریں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اس فرعونی کے ایک گھونسا مارا جس کی تاب نہ لا کر فرعونی وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت موسیٰ جن کا ارادہ محض تادیب کرنے کا تھا نہ کہ قتل کا سخت پشیمان ہوئے اور دل میں کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ شیطان کی کارستانی ہے کہ وہی انسان کو ایسے غلط کاموں پر اکساتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور مغفرت کے خواستگار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مغفرت عطا کر دی' یعنی حضرت موسیٰ کی پشیمانی زائل ہو گئی اور دل کو سکون مل گیا' جس پر شکرانِ نعمت کے طور پر موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کسی مجرم کی مدد نہیں کریں گے۔ حضرت موسیٰ گزشتہ روز کے واقعے کی وجہ سے سہمے ہوئے اور ہر طرف خطرہ بھانپتے ہوئے شہر میں جا

رہے تھے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے کہ ناگہاں دیکھا کہ وہی اسرائیلی ایک دوسرے فرعونی سے لڑ رہا تھا۔ جب اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو دیکھا تو اپنی مدد کیلئے پکارا پہلے تو حضرت موسیٰ نے اپنے ہم قوم کو یہ کہہ کر ڈانٹا کہ تو تو بڑا ہی بہکا ہوا آدمی ہے۔ روزانہ کسی نہ کسی سے جھگڑتا رہتا ہے اور اس کے بعد اس فرعونی کو الگ کرا دینے کی غرض سے ہاتھ بڑھایا کہ وہ اسرائیلی یہ سمجھ کر کہ چونکہ اسے ڈانٹا ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر اس کو مارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہے فوراً چیخ اٹھا اے موسیٰ کیا آج تو مجھے اسی طرح قتل کرے گا جس طرح کل تو ایک شخص کو قتل کر چکا ہے۔

اس نادان اسرائیلی کی حماقت سے فرعون کا قتل جو اب تک پوشیدہ تھا ظاہر ہو کر مشہور ہو گیا اور فرعونی لوگ مشتعل ہو کر فرعون کے دربار میں پہنچ کر انتقام کا مطالبہ کرنے لگے۔ ادھر فرعونیوں کا اجلاس حضرت موسیٰ سے انتقام لینے کے بارے میں جاری تھا۔ ادھر حضرت موسیٰ کا ایک آدمی ان کے پاس آیا اور صورتحال کی اطلاع دے کر مشورہ دیا کہ وہ فوراً شہر چھوڑ کر کہیں دور نکل جائیں۔ حضرت موسیٰ اس آدمی کے مشورے کو قبول کر کے ڈرتے ہوئے شہر سے نکل کھڑے ہوئے لیکن ملک سے بچ نکلنا آسان نہ تھا۔ جگہ جگہ تو حکومت کی چوکیاں لگی ہوئی تھیں۔ لہٰذا اس بے بسی اور گھبراہٹ کے عالم میں انہوں نے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کیا اور دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اس ظالم قوم سے نجات دلا۔ اس اسرائیلی کی نادانی کا واقعہ قرآن حکیم میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

فلما ان اراد ان یبطش بالذی ھو عدو لھما قال یموسیٰ اترید ان تقتلنی کما قتلت نفساً بالامس ان ترید الا ان تکون جباراً فی الارض وما ترید ان تکون من المصلحین (سورۃ القصص آیت نمبر۱۹)

ترجمہ: "تو جب موسیٰ نے چاہا کہ اس پر گرفت کرے جو ان دونوں کا دشمن ہے۔ وہ بولا اے موسیٰ! کیا تم مجھے ویسا ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تم تو یہی چاہتے ہو زمین میں سخت گیر بنو اور اصلاح کرنا نہیں چاہتے"۔

سورۃ القصص میں ارشاد ہے:

وجآء رجل من اقصا المدینۃ یسعیٰ قال یٰموسیٰ ان الملا یأتمرون بك لیقتلوك فاخرج انی لك من النصحین (۲۰)

فخرج منھا خائفاً یترقب قال رب نجنی من القوم الظلمین (۲۱)

ترجمہ: "اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہا اے موسیٰ بے

شک دربار والے آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تو نکل جایئے۔ میں آپ کا خیر
خواہ ہوں تو اس شہر سے نکلا ڈرتا ہوا اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے۔ عرض کی
اے میرے رب مجھے بے انصافی کرنے والے لوگوں سے بچا لے"۔
(سورۃ القصص آیت ۲۰ اور ۲۱)

اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے بسلامت نکل کر مدین کا رخ کیا تو پھر یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ صحیح راستے کا علم نہ تھا اس مشکل کے حل کیلئے پھر بارگاہ الٰہی میں فریاد کی کہ وہ انہیں ٹھیک راستے پر ڈال دے۔

اس سلسلے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

ولما توجه تلقآ مدين قال عسىٰ ربی ان يهدينی سوآء السبيل (صورۃ القصص آیت ۲۲)

ترجمہ: "اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہا قریب ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ دکھائے"۔

بالآخر کئی روز کی مسافت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین پہنچ گئے جو بحر قلزم کے مشرقی کنارے اور عرب کے مغربی شمال میں ایسی جگہ آباد تھا جسے شام سے متصل حجاز کا آخری حصہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ بستی مصر سے آٹھ منزل پر واقع تھی۔

جب موسیٰ مدین کی بستی کے باہر ایک کنویں کے پاس پہنچے جہاں کچھ لوگ اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ دو عورتیں اپنے جانور روکے الگ کھڑی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے ان عورتوں سے پوچھا۔ تمہیں کیا پریشانی ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتے۔ جب تک کہ یہ چرواہے اپنے جانور نہ نکال لے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا اور سائے کی جگہ جا بیٹھے اور بے چارگی کے عالم میں ایک مرتبہ پھر اسی ذات کی طرف رجوع کیا' جو ولادت سے لے کر اب تک ان کی حفاظت اور راہنمائی فرما رہی تھی۔ رب رحیم نے فی الفور دعا قبول فرمائی۔ انہیں دو عورتوں میں سے ایک پیکر شرم وحیا بنی ان کے پاس آئی اور کہنے لگی میرے والد تمہیں بلا رہے ہیں تاکہ ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کا اجر دیں۔ حضرت موسیٰ جب اس عورت کے والد کے پاس پہنچے اور مصر سے مدین کی طرف ہجرت وغیرہ کا اپنا سارا قصہ سنایا تو اُس بزرگ نے یہ کہہ کر انہیں تسلی دی اور اطمینان دلایا کہ اب کسی قسم کا کوئی خوف نہ رکھیں اب وہ ظالم فرعونی نہیں تم ان کی دسترس سے باہر ہو۔ حضرت موسیٰ اور شیخ کبیر کے مابین اس بات چیت کے بعد ان دو عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا ابا جان اس آدمی کو ملازم رکھ لیں۔ بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو

طاقتور اور امانت دار ہو۔ شیخ کبیر کو بیٹی کا مشورہ اچھا لگا اور مناسب شرائط کے ساتھ اسے قبول کر لیا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ کے سامنے یہ تجویز رکھی میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں۔ بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو۔ اگر دس سال پورے کرو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔ تم انشاء اللہ مجھے نیک پاؤ گے۔ چنانچہ فوراً یہ تجویز قبول کرتے ہوئے فرمایا یہ بات ہمارے درمیان طے ہو گئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کر دوں اس کے بعد پھر کوئی زیادتی مجھ پر نہ ہو اور جو کچھ قول و قرار ہم کر رہے ہیں' اللہ اس پر نگہبان ہے۔ (سورۃ القصص: ۲۳ تا ۲۸)

عام طور پر یہ مشہور تھا کہ یہ بزرگ حضرت شعیبؑ تھے۔ تاہم بعض دوسرے نام بھی ملتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان کا مطلق مذکور نہیں۔ یہ شیخ کبیر جو حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر نبی مرسل کے خسر بنے۔ ایک مومن اور صالح بزرگ تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ مدین میں ایک چرواہے کی زندگی بسر کرنے لگے تا کہ مدت موعودۃ مدت پوری ہو۔ بہر حال جب آزمائشوں کی بھٹی سے گزرنے کے بعد حضرت موسیٰ اس منصب جلیل پر سرفراز کیے جانے کی قابلیت میں کامل ہو گئے جس کیلئے انہیں شروع حیات سے لے کر اب تک تیار کیا جا رہا تھا۔ (سورۃ طٰہٰ: ۴۰ تا ۴۲)

ایک روز حضرت موسیٰ اپنے اہل و عیال سمیت بھیڑ بکریاں چراتے ہوئے مدین سے بہت دور کوہ سینا کی طرف نکل گئے جو مصر کو جانے والے راستے پر واقع تھا اور رات پڑ گئی۔ رات ٹھنڈی تھی۔ لہٰذا سردی سے بچاؤ کیلئے آگ کی جستجو پر مجبور ہوئے۔ اتنے میں سامنے وادی ایمن میں نگاہ دوڑائی۔ تو ایک شعلہ چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ جسے ان کی اہلیہ نہ دیکھ پائیں۔ اس لیے اپنی اہلیہ سے کہا تم یہیں رہو۔ میں نے ایک آگ دیکھی جسے شاید اس میں سے تمہارے لیے ایک آدھ انگار لے آؤں جس سے تم تاپ سکو یا اس آگ پر مجھے کوئی رہنما مل جائے۔

(طٰہٰ: ۱۰ تا ۱۲)' (النمل: ۷ تا ۲۸)' (القصص: آیت نمبر ۲۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قریب پہنچے تو اچانک ایک آواز آئی۔ اے موسیٰ یہ میں ہوں۔ تمہارا پروردگار' سب جہان والوں کا پالنے والا زبردست و دانا اللہ مبارک ہے' وہ جو آگ میں ہے اور جو اس کے گرد و پیش میں ہے۔ اے موسیٰ تو جوتیاں اتار دے تو مقدس وادی طوٰی میں ہے۔ میں نے تجھے چن لیا ہے۔ اب تو میرا پیغام سن۔ بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کیلئے نماز قائم کر۔ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔ میں اس کا وقت مخفی رکھتا ہوں تا کہ ہر نفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے۔ ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

(طٰہٰ: ۱۱ تا ۱۲)' (النمل: ۸ تا ۹)' (القصص: ۲۸ تا ۳۰)

جہاں اس واقعے کا بیان قدرے مختصر اور مختلف ہے۔ اس آگ کی حقیقت اور ندائے الٰہی کی بابت کہ آیا اللہ تعالیٰ نے خود براہ راست کلام فرمایا یا فرشتوں کی وساطت سے بحث کی اور اچانک یوں حضرت موسیٰ کو منصب رسالت پر سرفراز کرنے اور چند بنیادی تعلیمات دینے کے بعد باری تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ کو عصا کے اژدھا بن جانے اور ید بیضا کے دو معجزے عطا کیے گئے۔ حضرت موسیٰ کو یہ بھی بتایا گیا کہ یہ منجملہ ان معجزات کے ہیں۔ جن کے ساتھ انہیں مشن پر بھیجا جا رہا تھا۔ (۲۷ النمل: ۱۲)

اب حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف جانے کو کہا گیا تو حضرت موسیٰ نے بعض عذرات پیش کر کے التجا کی کہ رسالت کا منصب ان کے بھائی ہارونؑ کو بھی دے دیا جائے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ فرعونی مجھے جھٹلائیں گے۔ میرا سینہ گھٹتا ہے یعنی میں اپنے اندر اس منصب جلیل کی ہمت و طاقت نہیں پاتا۔ میری زبان رواں نہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فرعونیوں کا میرے ذمے ایک الزام ہے۔ سو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی تسلی دی۔ زبان کی قوت اور ہمت کی بلندی بخشنے کے علاوہ حضرت ہارونؑ کو بھی منصب نبوت سے سرفراز کیا۔ مصر میں پہنچنے کے بعد حضرت موسیٰ کی دعوت و تبلیغ کی جو تفصیلات قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بیان ہوئی ہیں وہ سب فرعون اور اس کے اعیان سلطنت سے متعلق ہیں اور مصر میں اپنی اس دعوت و تبلیغ کے آخری ایام میں مایوس ہو کر انہوں نے بددعا بھی فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کیلئے کی تھی۔ قرآن حکیم نے فرعون اور اس کے امراء و رؤسا کے پاس حضرت موسیٰ کے جانے کے بعد دو مقاصد بیان کیے ہیں۔ بنی اسرائیل کی رہائی اور انہیں مصر سے باہر نکال لے جانا۔

فرعون' ھامان' قارون اور سلطنت فرعونی کے اکابر و اشراف جنہیں قرآن متکبرین بتاتا ہے سے مراد وہ لوگ ہیں جو سیاسی' سماجی اور معاشی طور پر مقتدر تھے اور بنی اسرائیل یا عباد اللہ سے مراد نسلی گروہ یعنی آل یعقوبؑ نہیں' بلکہ اس سے مراد تمام مظلوم و مقصود لوگ تھے۔ یعنی وہ لوگ جو معاشرتی اور معاشی طور سے پسے ہوئے اور کچلے ہوئے تھے' اور جنہیں آخر کار حضرت موسیٰ مصر سے بحفاظت و سلامت نکال کر صحرائے سینا میں لے گئے۔ متکبرین جن میں آل یعقوبؑ کے لوگ مثلاً قارون بھی شامل تھے۔ وہ لوگ تھے جو معاشی طور پر بہت خوش حال تھے۔ باغوں چشموں کھیتوں اور شاندار محلات کے مالک تھے اور ان چیزوں کے علاوہ ان کے پاس عیش و عشرت کے کتنے ہی اور سامان تھے۔ جن میں وہ مزے کر رہے تھے جو سمندر میں ان کے غرق ہونے کے بعد ان کے پیچھے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ حضرت موسیٰ کا مشن درحقیقت اس مشیت الٰہیہ کی تکمیل کرنا تھا جس کا تذکرہ باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ القصص کی پانچویں اور چھٹی آیت میں کیا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

"ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر رہے تھے اور انہیں پیشوا بنا دیں اور ان ہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار

بخشیں اور ان سے فرعون و ھامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انہیں ڈر تھا۔" (سورہ القصص: آیت: 5 اور 6)

حضرت موسیٰ اپنے بھائی کے ہمراہ فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس سے کہا: اے فرعون! میں رب العالمین کی طرف سے رسول مقرر کیا گیا ہوں۔ میرے لیے کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ پر حق اور سچ کے علاوہ کچھ اور کہوں۔ بلاشبہ میں تمہارے لیے تمہارے پروردگار کے پاس سے دلیل اور نشانی لایا ہوں۔

فرعون نے حضرت موسیٰ کی طرف سے اس اچانک اعلان رسالت اور بنی اسرائیل کی رہائی کے مطالبے کو سن کر استخفاف اور تحقیر سے کام لیتے ہوئے اپنے گھر میں ان کی پرورش کا احسان جتلایا۔

اور ان کے مطالبے کو ناشکر گزاری اور احسان فراموشی پر معمول کیا اور ساتھ موسیٰ کے ہاتھوں ایک فرعون کے قتل والا معاملہ یاد دلا کر انہیں خوفزدہ کرنا چاہا۔ حضرت موسیٰ نے فرعونی کے قتل والی اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور پرورش کے احسان کی بابت فرمایا کہ اس کی نوبت اس لیے آئی تھی کہ تم (یعنی فرعون' بلا تخصیص ذات) نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ (الشعراء ۲۰ تا ۲۲)

اس جواب کو سن کر فرعون نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا (یہ رب العالمین کیا ہے؟) (طٰہٰ: ۴۹' الشعراء: ۲۳)

حضرت موسیٰ نے جواب میں اپنے پروردگار کی حسب ذیل صفات بیان کیں: وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب کا رب ہے۔ (الشعراء: ۲۴)

اس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا' پھر اسے ضرورت کی ہر وہ چیز مہیا کی ہے جس کی وہ متقاضی تھی اور انہیں ہدایت اور رہنمائی سے بھی نوازا۔ (طٰہٰ: ۵۰)

رب العالمین کی یہ صفات جو ظاہر ہے کہ اس کے کسی دیوتا میں نہیں پائی جاتی تھیں' سن کر اسے حضرت موسیٰ کی دعوت کی اہمیت کا احساس ہوا' چنانچہ اس نے اپنے درباریوں کی توجہ اس جانب مبذول کراتے ہوئے ان سے کہا: تم سنتے ہو؟ (الشعراء: ۲۵)

حضرت موسیٰ نے اس بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ وہ تمہارا سب کا پروردگار ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا بھی جو گزر چکے ہیں۔ (الشعراء: ۲۶)

اب بات بالکل واضح ہو گئی تھی لیکن فرعون نے بحث تبدیل کرنے کیلئے ایک اور سوال کیا جو آخری تھا' کہ اگر یہ بات ہے تو پھر جو پہلے نسلیں گزر چکی ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ (طٰہٰ: ۵۱)

یعنی وہ تمہارے اس رب العالمین کو ماننے والے نہیں تھے' تو کیا وہ سب غلط کار تھے۔ اکیلے تم ہی سیانے ہو۔ حضرت موسیٰ نے جو بارگاہ الٰہی سے نبوت و حکمت سے نوازے جا چکے تھے' ایسا جواب دیا کہ فرعون کی قوت استدلال بالکل جواب دے گئی اور اس سے کچھ دلیل بن نہ پائی۔ آپ

نے فرمایا! اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ ہے۔ میرا پروردگار نہ چوکتا ہے' نہ بھولتا ہے۔ (طٰہٰ: ۵۲)

فرعون کے پاس اب کوئی دلیل باقی نہ رہ گئی تو اس نے حضرت موسیٰ کو "معاذ اللہ" دیوانہ اور پاگل قرار دے دیا۔ (الشعراء: ۲۷)

حضرت موسیٰ نے ان کی اس بے عقلی پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: وہ مشرق ومغرب اور ان کے مابین جو کچھ بھی ہے ان سب کا رب ہے اگر عقل سے کام لو تو بات سمجھ میں آ سکتی ہے۔ (الشعراء: ۲۸)

چنانچہ فرعون کھلی جہالت پر اتر آیا' کہنے لگا! اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا مانا تو تجھے بھی ان لوگوں میں شامل کر دوں گا جو قید خانوں میں پڑے ہیں۔ (الشعراء: ۲۹)

حضرت موسیٰ نے جب دیکھا کہ فرعون معقولیت اختیار کرنے کی بجائے اب طاقت کے استعمال پر اتر آیا' تو انہوں نے بھی دوسرا راستہ اختیار کر لیا' چنانچہ فرمایا! خواہ میں کوئی صریح چیز لے آؤں۔ (الشعراء: ۳۰)

یعنی پھر بھی تو یہ سلوک کرے گا۔ فرعون نے فوراً ہی اجازت دے دی۔ (الشعراء: ۳۱' الاعراف: ۱۰۴)

حضرت موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا اور یکا یک وہ ایک صریح اژدھا تھا' پھر اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا تو وہ سب دیکھنے والوں کیلئے چمک رہا تھا۔ (الاعراف: ۱۰۷ تا ۱۰۸' الشعراء: ۳۲ تا ۳۳)

یہ دو معجزے دیکھنے کے بعد فرعون نے اپنے اعیان سلطنت کو مخاطب کر کے کہا یہ شخص یقیناً ماہر جادوگر ہے' چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے' (اب بتاؤ تمہارا کیا مشورہ ہے؟)
(الشعراء: ۳۴ تا ۳۵)

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشن کو سیاسی رنگ دینے کی کوشش کی اور اسے یہ رنگ دیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ اس طرح اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ (الاعراف: ۱۲۳)

کبھی کہا کہ حضرت موسیٰ لوگوں کا دین بگاڑنے آئیں ہیں۔ (المومن: ۲۶)

کبھی ان دونوں بزرگواروں کو جادوگر کے نام سے پکارا' حضرت موسیٰ نے جواب دیا میرا پروردگار اس شخص کے حال سے خوب واقف ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ آخری انجام کس کا اچھا ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔ (القصص: ۳۷)

کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمہارے پاس آیا یہ کہتے ہو کہ جادو ہے حالانکہ جادوگر

کبھی فلاح نہیں پاتے۔ (یونس: ۷۷)

ابتداء میں اس نے حضرت موسیٰ کی سنجیدہ باتوں کو ہنسی مذاق میں ڈالنے کی بھی کوشش کی۔ چنانچہ وہ ہامان جو رعمیس ثانی کے زمانے میں اس کا ماہر تعمیرات اور پولیس کا افسر اعلیٰ تھا اور بنی اسرائیل پر مظالم ڈھانے کے امور کا شاید انچارج اور نگران تھا۔ کہنے لگا: ذرا اینٹیں پکوا کر میرے لیے ایک اونچی عمارت تو بنوا دو شاید کہ اس پر چڑھ کر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں۔ میں تو اسے نرا جھوٹا سمجھتا ہوں۔ (القصص: ۳۸، المومن: ۳۶)

لیکن جب دیکھا کہ یہ معاملہ تو پھیلتا ہی جاتا ہے تو اس کے انسداد کیلئے امرا سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے مصر کے تمام ماہر جادوگروں کو حضرت موسیٰ کے بالمقابل لانے کا مشورہ دیا۔ (الاعراف: ۱۱۱ تا ۱۱۲، الشعراء: ۳۶ تا ۳۷)

اس پر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جادوگروں کا مقابلہ کرنے کیلئے کوئی دن مقرر کرنے کو کہا۔ حضرت موسیٰ نے قومی جشن کے دن مقابلہ کرنا منظور کر لیا۔ فرعون کو کہاں تامل ہونا تھا۔ اس نے فوراً قبول کر لیا۔ (طٰہٰ: ۵۹)

اور پھر اپنے اعیان سلطنت کو حکم دیا کہ تمام ماہر جادوگروں کو میرے پاس لا جمع کرو۔ (یونس: ۷۹)

چنانچہ مقرر کردہ دن کو تمام ماہر جادوگر جمع کر دیئے گئے۔ (طٰہٰ: ۴۰ تا ۲۶، الشعراء: ۳۸) صرف جادوگروں کو بھی جمع نہیں کیا گیا، بلکہ عام لوگوں کو بھی دینی حمیت و عصبیت کا واسطہ دے کر زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع ہونے کو کہا کہ ہمارے جادوگر جیت جائیں گے اور ہم ان کے مذہب میں قائم رہ سکیں گے۔ (الشعراء: ۳۹ تا ۴۰)

جادوگر فرعون کے دربار میں: مقابلہ شروع ہونے سے پہلے جادوگروں نے فرعون سے کہا اگر وہ غالب آ گئے تو انہیں کیا معاوضہ ملے گا۔ (الاعراف: ۱۱۳ تا ۱۲۶، الشعراء: ۴۱)

فرعون نے انہیں اطمینان دلایا کہ نہ صرف معاوضہ ملے گا بلکہ دربار میں کرسی بھی حاصل ہو گی۔ (الاعراف: ۱۱۳ تا ۱۲۶، الشعراء: ۴۲)

حضرت موسیٰ نے جادوگروں کو متنبہ کیا کہ اللہ کے رسول کا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نشانیوں کا اپنی شعبدہ بازیوں سے مقابلہ کر کے عذاب الٰہی کو دعوت نہ دو۔ (طٰہٰ: ۶۱)

حضرت موسیٰ کی یہ تنبیہ کچھ اثر کر گئی، بعض جادوگر تذبذب میں پڑ گئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ (طٰہٰ: ۶۲)

کہ مقابلہ کریں یا نہ کریں کیونکہ ان سے بہتر کون اس حقیقت سے واقف تھا کہ ان کے پاس ماسوائے فریب نظر شعبدوں کے اور ہے کیا؟ جب اعیان سلطنت نے کچھ جادوگروں میں یہ تذبذب دیکھا تو انہیں یہ کہہ کر مقابلہ کرنے کی ترغیب دلائی کہ یہ دونوں تو محض جادوگر ہیں۔ ان کا

مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کر دیں اور تمہارے مثالی طریق زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ (طٰہٰ: ۶۳ تا ۶۴)

اس ترغیب سے تمام جادوگر مقابلہ پر آمادہ ہو گئے اور حضرت موسیٰ سے کہنے لگے اے موسیٰ تم پھینکتے ہو یا ہم پہلے پھینکیں۔ (الاعراف: ۱۱۵،۲۰ طٰہٰ: ۶۵)

حضرت موسیٰ نے فرمایا! نہیں بلکہ تم ہی پہلے پھینکو۔ (طٰہٰ: ۴۴،۲۶) (الشعراء: ۴۳)

گویا حضرت موسیٰ نے انہیں چیلنج دیا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے سب لے آؤ میدان میں حضرت موسیٰ کے چیلنج پر انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں اور کہا! کہ فرعون کے اقبال کی قسم! آج ہم ہی غالب ہوں گے۔ (الشعراء: ۴۴)

یکا یک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جادو کے زور سے حضرت موسیٰ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ (طٰہٰ: ۴۷ تا ۴۹)

چنانچہ حضرت موسیٰ نے جادوگروں سے کہا کہ جو کچھ تم نے پھینکا ہے یہ جادو ہے۔ اللہ ابھی اسے باطل کیے دیتا ہے۔ (یونس: ۸۱ تا ۸۲)

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو یکا یک وہ ان جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا گیا۔ (الاعراف: ۱۱۷، الشعراء: ۴۵)

چنانچہ جو حق تھا۔ وہ ثابت ہوا اور جو کچھ انہوں نے بنا رکھا تھا۔ وہ باطل ہو کر رہ گیا۔ فرعون اور اس کے ساتھی مقابلے میں مغلوب ہوئے اور فتح مند ہونے کی بجائے الٹے ذلیل ہوئے۔ (الاعراف: ۱۱۸ تا ۱۱۹)

جادوگروں کا ایمان لانا۔ اس اظہار حق سے جادوگروں کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ جادوگر نہیں بلکہ اللہ کے نبی ہیں چنانچہ وہ سب بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور یوں کہہ اٹھے کہ مان گئے ہم رب العالمین کو، موسیٰ اور ہارونؑ کے رب کو (الاعراف: ۱۲۰ تا ۱۲۲، طٰہٰ: ۷۰، الشعراء: ۴۶ تا ۴۸)

فرعون نے حق کی فتح مبین اور اپنے باطل کی شکست فاش پر پردہ ڈالنے کے لئے نئی چال چلی، پہلے تو اس نے جادوگروں پر غصہ نکالا کہ تمہیں یہ جرأت کیونکر ہوئی کہ اجازت کے بغیر ایمان لے آئے، پھر الزام عائد کیا کہ موسیٰ یقیناً تمہارا گرو ہے۔ ضرور تم نے اس کے ساتھ مل کر سازش کی ہے تاکہ لوگوں کو ان کے ملک سے نکال باہر کرو۔ اس کے بعد وہ انہیں دھمکی دینے لگا کہ اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا کر کھجور کے تنوں پر تم کو سولی دیتا ہوں پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت ہے۔ (الاعراف: ۱۲۳ تا ۱۲۴، طٰہٰ: ۷۱ تا ۲۶، الشعراء: ۴۹)

جادوگروں نے کہا تم سے جو بن پڑتا ہے کر لے، زیادہ سے زیادہ تو یہی کرے گا کہ ہمیں جان سے مار ڈالے گا اور وہ بھی صرف اس لئے کہ ہم اللہ کی نشانیوں پر ایمان لے آتے ہیں، کچھ پروا نہیں، ہم اس طرح اپنے پروردگار کے حضور میں پہنچ جائیں گے۔

ساتھ ہی انہوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔اے ہمارے پروردگار تو ہمیں صبر و استقامت عطا کر اور ہمیں دنیا سے اٹھا تو اس حالت میں کہ ہم مسلمان ہوں۔(الاعراف: ۱۲۵ تا ۱۲۶، طٰہٰ: ۷۲ تا ۲۶، الشعراء: ۵۰)

انہوں نے مزید کہا، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں تا کہ وہ ہمارے گناہوں اور اس جادوگروں سے درگزر فرمائے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا۔(طٰہٰ: ۷۳، ۲۶، الشعراء: ۵۱)

جادوگروں کے ایمان لانے کے اس روح پرور واقعہ کا تورات میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ مقابلے کا بیان بھی نا تمام ہے اور عصا پھینکنے کو حضرت ہارونؑ سے منسوب کیا گیا ہے۔اپنے آپ کو بڑی سے بڑی سزا کے لئے پیش کر کے ان مومنین صادقین نے تمام حاضرین پر ثابت کر دیا کہ حق کی یہ فتح کسی سازش کا نتیجہ نہیں اور نہ ہی ان کا ایمان لانا کسی دنیاوی مفاد کے لئے ہے۔

ی (تفسیر ۲: روح المعانی: ۹: ۲۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ فرعون نے اپنی اس دھمکی پر اسی شام عمل کر کے دکھایا۔حضرت موسیٰ نے انہیں نصیحت کی کہ اللہ پر ایمان لاتے ہو تو اب اسی پر بھروسہ رکھنا۔

انہوں نے کہا ہم اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں کافروں سے نجات دے۔(یونس: ۸۴ تا ۸۶)

اب حضرت موسیٰ نے انہیں زیادہ واضح اور کھلے الفاظ میں بشارت آمیز تسلی دی، فرمایا: کہ قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ زمین میں تمہیں خلیفہ بنائے، پھر دیکھنا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔(الاعراف: ۱۲۹)

فرعون کا حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کا ارادہ

(اس کے بعد فرعون اپنے اعیان سلطنت سے کہنے لگا)

مجھے چھوڑ دو کہ موسیٰ کو قتل کردوں اور وہ اپنے پروردگار کو بلا لے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ تمہارے دین کو نہ بدل دے یا ملک میں فساد پیدا کر دے۔(المومن: ۲۶)

حضرت موسیٰ نے نہایت اطمینان سے فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں۔ (المومن: ۲۷)

اس نازک موقع پر فرعون کے خاندان سے ہی ایک مومن جواب تک اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھا۔فرعون کو اس کے گھناؤنے ارادے سے باز رکھنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور نہایت ہی حکیمانہ طریقے سے فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کو فہمائش کی کہ کسی ایسے شخص کو قتل کرنا بڑی حماقت ہے۔جو تم کو یہ بتلاتا ہے کہ تمہارا رب ایک ہے۔جب کہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار

کی طرف سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے۔ (المومن: ۲۸ تا ۲۹)

مگر اس معقول طرز استدلال اور حکمت و وعظ و نصیحت کے جواب میں فرعون نے حسب معمول کج روی کا مظاہرہ کیا اور اس مردِ مومن کا منہ بند کرنے کی کوشش کی، مگر اس کی دعوت جاری رہی۔ (المومن: ۲۹ تا ۴۴)

کلمۃ اللہ کے اس اعلانیہ کوشش کرنے والے فرد کو اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کی بری چالوں سے محفوظ و مامون رکھا۔ (المومن ۴۴ تا ۴۵)

(آیات تسعہ کا ظہور) عصا اور ید بیضا کے دو معجزوں کے ساتھ حضرت موسیٰ کی مسلسل دعوت و تبلیغ اور خود فرعون کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک مردِ مومن کے وعظ و تلقین کا بھی فرعون پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ وہ بنی اسرائیل پر اور زیادہ ظلم کرنے لگ گیا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ ان نو آیات میں سے جن کا ذکر عطائے نبوت کے وقت کیا گیا تھا۔ باقی سات نشانیوں کو بھی ظاہر کر دیا جائے۔

ان آیات میں فرعونیوں کو نصیحت دی گئی تا کہ ان پر کچھ اثر ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ وہ اقامت صلوٰۃ کا اہتمام کریں۔ (یونس: ۸۷، تورات خروج، ۱۲: ۱ تا ۲۸)

اس کے بعد تھوڑے عرصے سے سات آیات، یعنی قحط، وباء، طوفان، ٹڈی، جوؤں، مینڈک اور خون کا نزول ہوا۔ (الاعراف: ۱۳۰ تا ۱۳۳، خروج: ۷: ۱۷ تا ۲۵)

ان میں سے ہر عذاب پہلے عذاب سے المنا کی میں بڑھ کر ہوتا کہ شاید وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آ جائیں لیکن جب بھی کوئی عذاب نازل ہوتا تو فرعون اور اس کے اعیان حضرت موسیٰ سے کہتے کہ آپ اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ اس عذاب کو ختم کر دے، یہ عذاب ٹل گیا تو ہم راہ راست پر آ جائیں گے، جب وہ عذاب دور کر دیا جاتا تو وہ پھر عہد شکنی کرنے لگتے۔ (الاعراف: ۱۳۴ تا ۱۳۵، الزخرف: ۴۸ تا ۵۰)

(فرعونیوں کے حق میں حضرت موسیٰ کی بددعا) فرعون اور رؤسائے مصر کے رویے سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اب ان کی اصلاح ممکن نہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے ان سے مکمل طور پر مایوس ہو جانے کے بعد بارگاہ الٰہی میں یہ فریاد کی:

وقال موسیٰ ربنا انك اتیت فرعون وملاه زینة واموالا
فی الحیوة الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلك ربنا اطمس
علیٰ اموالهم واشدد علیٰ قلوبهم فلا یومنوا حتیٰ
یروا العذاب الالیم (یونس: ۸۸)

یعنی موسیٰ نے دعا کی:

"اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال دے رکھے ہیں، اس نتیجے کے ساتھ کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں، اے ہمارے پروردگار! ان کے اموال برباد کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے کہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔"

انجام کار حضرت موسیٰ کی دعا، جس میں حضرت ہارونؑ بھی شریک تھے۔ مستجاب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"تم دونوں کی دعا قبول کردی گئی، پس تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے طریقے کی ہرگز پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے۔" (یونس:۸۹)

(قارون کی تباہی) قارون ان تین اشخاص میں سے ایک تھا جن کا نام حضرت موسیٰ کے مخالفین میں سرفہرست ہے وہ متکبرین میں بھی شامل تھا۔ (العنکبوت: ۳۹ تا ۴۰، المومن: ۲۳ تا ۲۴)

یہ تینوں، یعنی فرعون، ھامان اور قارون اس وقت کے مصری معاشرے میں سب سے اعلیٰ اور نہایت اہم حیثیت و مقام کے حامل تھے۔ فرعون سیاسی طور پر ہم مقتدر تھا۔ ہامان اس کا وزیر اعظم اور بڑا پروہت تھا جبکہ قارون سرمایہ داروں کا سرغنہ، زر پرست نہایت حریص اور فرعون و ہامان کا ہمنوا تھا۔

قارون سے متعلق قرآن مجید کا بیان ہے کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت لے کر چلا کرتی تھی۔ اس کے باوجود جب اس سے کہا جاتا کہ تم دوسروں کی بھلائی کرو، جس طرح خدا نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے تو وہ کہتا تھا کہ: یہ مال تو مجھے میری عقلمندی اور دانائی کی بدولت ملا ہے۔ پھر جب اس کا غرور حد سے بڑھا اور اس کی ذات سے دوسرے افراد تک یہ خرابی پہنچنے لگی تو قارون کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی بددعا پر اس کی تمام دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ (القصص: ۷۸تا۸۲)

(قارون کے زمین میں دھنسنے کا واقعہ کب پیش آیا) اس کی نسبت قرآن حکیم میں کوئی اشارہ موجود نہیں ہے مگر بعض علماء نے اسرائیلی روایات سے ماخوذاً اسے جلاوطنی کے زمانے کا واقعہ قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ (قصص القرآن،۲: ۶۱ تا ۶۲)

لیکن مقالہ نگار کو اس سے بنہیں بنا پر اتفاق نہیں ہے کہ صحرائے سینا میں کسی شخص کا اتنی دولت سمیت پہنچنا غیر متوقع ہے۔

فرعون اور دوسرے متکبرین کی غرقابی

حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو لے کر رات کو چپکے سے نکل جاؤ

تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ یہ بھی بتا دیا کہ سمندر کے راستے سے جانا ہے، سمندر کو جو کہ خشک ہو رہا ہے پار کر جاؤ اور آخر میں یہ بشارت بھی دے دی کہ فرعون مع اپنے لشکر کے غرق کر دیا جائے گا۔ (الشعراء: ۵۲، ۲۰، طٰہٰ: ۷۷ تا ۷۷، الدخان: ۲۳ تا ۲۴)

چنانچہ حضرت موسیٰ حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے بندوں کو راتوں رات مصر سے نکال کر لے گئے اور بحیرہ قلزم کے کنارے ڈیرے لگا دیئے۔ ادھر فرعون نے فوجیں جمع کرنے کے لئے شہروں میں نقیب بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں اور انہوں نے ہم کو بہت غضبناک کیا ہے۔ (الشعراء: ۵۳ تا ۵۶)

چنانچہ صبح ہوتے ہی یہ لوگ ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو حضرت موسیٰ کے ساتھی چیخ اٹھے۔ ہم تو پکڑے گئے۔ (الشعراء: ۶۰ تا ۶۱)

حضرت موسیٰ نے یہ کہہ کر انہیں تسلی دی کہ گھبرانے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں، میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔ (الشعراء: ۶۲)

انہیں وحی کے ذریعے حکم ملا کہ وہ اپنا عصا سمندر میں ماریں عصا مارنے سے سمندر یکا یک پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا عظیم الشان پہاڑ بن گیا۔ (الشعراء: ۶۳)

ان دو ٹکڑوں کے درمیان سمندر میں سے خشک راستہ بن گیا۔ حضرت موسیٰ کو مزید حکم ہوا کہ کسی تعاقب کا خوف کیے بغیر سمندر پار کر جائیں۔ (طٰہٰ: ۷۷)

فرعون اور اس کا لشکر تعاقب میں سمندر پار کرنے کی کوشش میں غرق ہو جائیں گے۔ (الدخان: ۲۴)

فرعون نے جب بنو اسرائیل کو یوں سمندر پار کرتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے اپنے لشکر سمیت چل پڑا۔ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل بحفاظت و سلامت سمندر پار کر گئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ (البقرہ: ۵۰: ۷، الاعراف: ۱۳۲ : ۱۰، یونس : ۹۰: ۲۰، طٰہٰ: ۷۸: ۲۶، الشعراء: ۶۴ تا ۶۶، خروج ۱۴: ۱۵۰ تا ۳۰)

اور اس کے ساتھ اس کا سارا فوجی ساز و سامان بھی غرق ہو گیا۔ (خروج، ۱۴: ۷ تا ۹)

فرعون جب ڈوبنے لگا تو بول اٹھا: میں نے مان لیا کہ خداوند حقیقی کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔ جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی سر اطاعت میں جھکا دینے والوں میں سے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے اس قبول ایمان کو رد کر دیا۔ (یونس: ۹۰ تا ۹۲)

اس فرعون کی لاش آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق نشان عبرت بنی ہوئی ہے۔

سمندر میں غرق کر دیئے جانے والے فرعون اور اس کے ساتھی متکبرین کے پاس بے شمار باغات، چشمے، کھیت اور شاندار رہائش گاہیں تھیں، جن کو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے اور اللہ تعالیٰ نے

دوسروں کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا پھر نہ آسمان ان پر رویا اور نہ زمین اور ذرا سی مہلت بھی ان کو نہ دی گئی اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب یعنی فرعون سے نجات دی، جو اسراف کرنے والوں میں فی الواقع بہت سر اٹھانے والا تھا۔ (الدخان: ۲۵ تا ۳۱)

(حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل جزیرہ نما سیناء میں) مصر سے نکل کر بنی اسرائیل خشک اور بے آب وگیاہ جزیرہ سیناء میں داخل ہوگئے۔ حضرت موسیٰ نے قوم کو حکم دیا کہ وہ اس نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور انہوں نے خود بھی اللہ کی حمد وثناء بیان کی۔ (خروج، ۱۵: ۱ تا ۱۸)

راستے میں ایک ایسی بستی کے پاس سے گزر ہوا جس کے باشندے بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ بنی اسرائیل نے (جو غالباً مصر میں قوم فرعون کی بت پرستی سے متاثر تھے) حضرت موسیٰ سے یہ جاہلانہ فرمائش کی کہ ان کے لئے بھی کوئی ایسا معبود بنادیں جس پر حضرت موسیٰ نے انہیں سرزنش کی کہ اتنی بڑی آزمائش کے بعد بھی تم غیر اللہ کی عبادت کی خواہش کرتے ہو۔ (الاعراف: ۱۳۸ تا ۱۴۱)

کچھ عرصہ کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے کتاب اور شریعت نازل کرنے کی دعا کریں تاکہ ہم اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ وہ کوہ طور پر چالیس روز اعتکاف کریں جس کے بعد انہیں کتاب وشریعت عطا کی جائے گی۔ (البقرہ: ۵۱، خروج، ۲۴: ۱۸، ۳۴، ۲۸)

حضرت موسیٰ حضرت ہارونؑ کو اپنا نائب بنا کر اور ضروری ہدایت دینے کے بعد کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنا دیدار کرانے کی درخواست کی، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ البتہ تو اس پہاڑ کی طرف دیکھتا رہ، اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کی معمولی سی تجلی پہاڑ پر پڑی تو اس نے اس کو ریزہ ریزہ کردیا اور حضرت موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے جب ہوش آیا تو حضرت موسیٰ نے اپنی تقصیر کی معافی مانگی۔ (الاعراف: ۱۴۵)

بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو چالیس دنوں کے بعد لکھی ہوئی چند الواح عطا کیں۔ ان الواح میں تورات اور احکام عشرہ کی صورت میں وہ تمام ضروری احکام درج تھے۔ جن کی بنی اسرائیل کو ضرورت تھی اور ہر حکم وضاحت کے ساتھ بیان کردیا گیا تھا۔ (الاعراف: ۱۴۵)

ان الواح میں دس احکام درج تھے۔ جن کی تفصیل بنی اسرائیل میں بیان کی گئی ہے۔

الواح عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کی عدم موجودگی میں سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کردیا ہے۔ (طٰہٰ: ۸۳ تا ۸۵)

اور بنی اسرائیل ایک بچھڑے کی پرستش کرنے لگے ہیں۔ (الاعراف: ۱۴۸)

سامری اور بچھڑے کی نوعیت وحقیقت کی بابت تفصیلی بحث کے لئے کتب تفسیر کے علاوہ (عبدالوہاب نجار، کتاب مذکور، ص ۲۱۸ تا ۲۲۴ ابوالکلام آزاد: انبیائے کرام، مرتبہ غلام رسول

دیکھیں۔)

حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کی اس جہالت کی خبر ملی تو شدید غم و غصے کی حالت میں اپنی قوم کے پاس آئے اوران سے باز پرس کی۔قوم نے عذر پیش کیا کہ سامری نے ہمیں یہ بچھڑا دے ڈالا۔(طٰہٰ:۸۶تا۸۹)

حضرت موسیٰ نے وہ الواح ایک طرف رکھیں اور حضرت ہارونؑ سے جواب طلبی کی کہ انہوں نے قوم کو گمراہ ہونے سے کیوں نہ روکا (اور اگر وہ نہ سمجھتے تھے تو انہوں نے کوہ طور پر آ کر مجھے کیوں نہ مطلع کیا) حضرت ہارونؑ نے کہا یہ لوگ مجھ پر حاوی ہوگئے تھے اوراس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کردیں پھر مجھے یہ خیال بھی آیا کہ کہیں آپ واپسی پر مجھے یہ نہ کہیں کہ تم نے قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت موسیٰ کا غصہ قدرے کم ہوا اور انہوں نے اپنے اور اپنے بھائی ہارونؑ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔(الاعراف:۱۵۰ تا ۱۵۱،طٰہٰ:۸۷تا۹۴)

اس کے بعد حضرت موسیٰ سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو اس کے اس فعل پر ملامت کی۔حضرت موسیٰ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سامری کو اپنی جماعت سے خارج کردیا اور حکم دیا کہ کوئی بھی اس سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھے۔اسے بددعا دی کہ لوگ اسے اچھوت سمجھیں اور وہ کہتا پھرے گا مجھے کوئی نہ چھوئے۔(طٰہٰ:۹۷)

رہا بچھڑا تو اس کو جلا کر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دو۔(طٰہٰ:۹۷ تا ۹۸،خروج:۳۲ تا ۲۰)

اس کے بعد حضرت موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو وہ الواح اٹھائیں۔جس کے مندرجات میں لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت تھی۔(الاعراف:۱۵۴)

بنی اسرائیل نے اپنے اس گناہ پر توبہ کی۔حضرت موسیٰ جو الواح بارگاہ ایزدی سے لائے تھے۔اب ان میں مندرج احکام بنی اسرائیل کو بتائے،لیکن انہوں نے کہا ہم اس وقت تک انہیں اللہ کا کلام نہیں مانیں گے جب تک اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں۔حضرت موسیٰ نے بہتیرا سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔جب تک اللہ کو سامنے دیکھ نہ لیں آخر وہ ان کے چیدہ چیدہ اشخاص کو ساتھ لے کر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت پر کوہ طور پر تشریف لے گئے۔وہاں سخت زلزلہ آیا جس کے نتیجے میں یہ ستر کے ستر آدمی مر گئے۔لیکن جب حضرت موسیٰ نے رحم کرنے کی درخواست کی تو وہ دوبارہ زندہ ہوگئے۔(البقرۃ:۵۵تا۵۶،الاعراف:۱۵۵ تا ۱۵۶،خروج:۱۸ تا ۱۹)

ان ستر آدمیوں نے قوم میں واپس آ کر حضرت موسیٰ اور تورات کی تصدیق کی،مگر پھر بنی اسرائیل احکام الٰہی کی سختی کی شکایت کرنے اور سرکشی اختیار کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کے ایک حصے کو سزا کے طور پر اٹھا کر کھڑا کردیا۔گویا کہ وہ سائبان تھا اس طرح مجبوراً انہوں نے اظہار اطاعت کیا۔(البقرۃ:۶۳تا۶۴،النساء:۱۵۴،الاعراف:۱۷۱)

صحرا میں پانی کی قلت کی شکایت ہوئی تو حکم الٰہی سے حضرت موسیٰ کے ایک چٹان پر عصا

مارنے سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ (البقرۃ: ۶۹، الاعراف: ۶۱)
کھانے کے لئے من وسلویٰ عطا کیا، لیکن حد سے بڑھنے سے منع فرمایا۔ (طٰہٰ: ۸۰ تا ۸۱، خروج: ۲ تا ۳۶) سلویٰ بٹیر کی مانند ایک پرندہ تھا۔
اور من کو تازہ تیل اور شہد کی طرح لذیذ اور دھنیے کی مانند بتایا گیا ہے۔ جس سے وہ روٹی بناتے تھے۔

جہاد کا حکم اور بنی اسرائیل کا رویہ

بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ کی اصل منزل فلسطین اور اردن کا علاقہ تھا۔ جہاں اس زمانے میں طاقتور قوم حکمران تھی۔ ان سے جہاد کرنا ناگزیر تھا۔ حضرت موسیٰ نے قوم کو جہاد پر آمادہ کیا لیکن غلامی کی زندگی بسر کرنے کے عادی بنو اسرائیل نے صاف کہہ دیا۔ اس سرزمین میں بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں۔ جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم وہاں ہرگز داخل نہ ہوں گے۔ روایت کے مطابق حضرت موسیٰ نے بارہ افراد پر مشتمل ایک دستے کو اس علاقے کی جاسوسی کرنے اور شادابی دیکھنے کے لئے روانہ کیا۔ ان میں سے دس افراد دشمنوں کی فوجی قوت سے سخت مرعوب ہوئے۔ البتہ ان میں سے دو مردان مومن نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ اللہ پر بھروسہ کر کے حملہ کر دو تم غلبہ پاؤ گے۔ لیکن بنو اسرائیل کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ وہ نہایت گستاخانہ زبان استعمال کرتے ہوئے بول اٹھے۔ اے موسیٰ جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم ہرگز اس سرزمین میں داخل نہ ہوں گے۔ اگر لڑنا ہی ہے تو تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو۔ ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔ حضرت موسیٰ نے اپنے پروردگار سے التجا کی اے میرے پروردگار! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی رکھ دے۔

حضرت موسیٰ کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ سزا دی کہ چالیس سال کے لئے ارض فلسطین کو ان پر حرام کر دیا اور اس دوران میں وہ اس بیابان میں سرگرداں پھرتے رہے۔ یعنی سارا دن چلتے رہتے تھے لیکن دوسرے دن پھر اسی مقام پر ہوتے تھے۔
(المائدۃ: ۲۰ تا ۳۰، استثنا: ۱۹ تا ۴۶)

ذبح بقر کا واقعہ

وادی سینا میں بنی اسرائیل کے دوران قیام میں گائے کے ذبح کرنے کا ایک واقعہ پیش آیا۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں (البقرۃ: ۶۷ تا ۷۳) میں کیا گیا اور تورات میں بھی۔
(استثناء: ۱ تا ۹)
اس سے متعلق کچھ اشارے ملتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے کسی کے ہاتھوں ایک شخص قتل

ہو گیا۔ لیکن قاتل کا پتہ نہ چلتا کہ کون ہے۔ جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے مابین تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ حضرت موسیٰ کے پاس معاملہ پیش کیا گیا تو انہوں نے ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے وحی الٰہی کی بیان کردہ صفات کا حامل بیل یا گائے ذبح کی اور مقتول کے جسم پر لگائی تو نہ صرف وہ زندہ ہو گیا بلکہ اس نے اپنے قاتل کا نام بھی بتا دیا۔ (البقرۃ)

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ

قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ اور عبد صالح کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔
الکھف: ۶۰ تا ۸۲)

قرآن مجید میں اس عبد صالح کا نام مذکور نہیں۔ لیکن بخاری کی حدیث میں اس عبد صالح کو خضرؑ بتایا گیا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی خضر سے ملاقات کب ہوئی

اس بارے میں بھی کوئی قطعی خبر موجود نہیں۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کی تفصیلات موجود ہیں کہ ملاقات کا یہ واقعہ قیام مصر میں پیش آیا۔
تفہیم القرآن: ۳۴ تا ۴۵)

ملاقات کے مقام کے بارے میں قرآن حکیم
الکھف: ۶۰)

میں مجمع البحرین کا ذکر آتا ہے۔ جس سے دو دریاؤں یا سمندر کا سنگم مراد ہے۔ اس کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک دریائے نیل کی دو شاخیں، البحر الابیض اور البحر الازرق ہیں جو خرطوم کے قریب آپس میں مل جاتی ہیں۔ اس عبد صالح کے مقام کی نشانی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہاں پہنچتے ہی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی جائے گی۔

جب دونوں (حضرت موسیٰ اور ان کا شاگرد) دو دریاؤں کے مقام اتصال پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے اور مچھلی پھدک کر دریا میں چلی گئی۔ آگے جا کر حضرت موسیٰ کے ساتھی نے یہ واقعہ سنایا، تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ یہی تو وہ مقام ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔ چنانچہ وہ واپس آئے انہوں نے وہاں اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے تکوینی رموز و اسرار کا علم بخشا تھا۔ حضرت موسیٰ نے اس بندہ صالح سے یہ درخواست کی کہ انہیں بھی اس علم میں سے کچھ باتیں سکھا دیں۔ آخر اس شرط پر یہ درخواست منظور کر لی گئی کہ حضرت موسیٰ استفسار سے گریز کریں گے۔ اس کے بعد تین واقعات پیش آئے۔

۱۔ دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے، مگر حضرت خضرؑ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔
۲۔ انہیں ایک لڑکا ملا، جسے خضرؑ نے قتل کر دیا۔

حضرت موسیٰؑ نے ان سے ہر واقعہ کی وجہ پوچھی۔ جس سے حضرت خضرؑ نے انہیں طے شدہ شرط کی یاددہانی کرادی۔ اس پر حضرت موسیٰؑ نے معذرت کی۔

۳۔ دونوں آگے چل کر گاؤں والوں سے کھانا طلب کرتے ہیں مگر وہ ضیافت اور میزبانی سے انکار کردیتے ہیں۔ اتنے میں وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرنا چاہتی تھی۔ حضرت خضرؑ نے اسے سیدھا کردیا۔ جس پر حضرت موسیٰؑ معترض ہوئے اور کہنے لگے کہ انہوں نے تو ضیافت سے انکار کیا اور آپ نے بلا اجرت دیوار ٹھیک کردی۔

اس تیسرے استفسار پر حضرت خضرؑ نے کہا کہ اب ہمارے مابین جدائی ہے البتہ جدا ہونے سے قبل انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو تینوں واقعات کے رموز و اسرار سے آگاہ کردیا۔ آخر میں حضرت خضرؑ نے یہ صراحت کردی کہ یہ کام انہوں نے اپنی مرضی سے نہیں کئے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرانجام دیئے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی وفات

لاکھوں مظلوم و مجبور لوگوں کو ظالم متکبرین سے نجات دلانے اور صحرائے سینا میں اگلی نسل کی تربیت کرکے انہیں اس قابل بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ نائب یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین کے جابر حکمرانوں سے حکومت چھین لیں اور وہاں ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کریں جو دوسری دنیا کے لئے نمونہ ہو، اللہ تعالیٰ کے اس جلیل القدر نبی نے ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت موسیٰؑ کے بڑے بھائی اور ان کے معاون نبی حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ سے پہلے وفات پائی تھی۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حضرت موسیٰؑ کی فضیلت اور منقبت بیان کی گئی ہے۔ جس سے ان کے جلیل القدر اور الوالعزم پیغمبر ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی اور رسول بنایا اور مقرب بارگاہ کیا۔ (مریم: ۵۰ تا ۵۱)

اور پھر ہم کلامی کا شرف بخشا احادیث نبوی میں بھی حضرت موسیٰؑ کے فضائل و مناقب مذکور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے۔

کہ ان کو مجھ سے بھی کہیں زیادہ اذیت کے مقابلے میں صبر و ضبط سے کام لینا پڑا۔

(حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی بشارت)

حضرت موسیٰؑ نے اپنے آخری ایام میں اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی بشارت دی تھی۔ یہ پیشگوئی اس وقت بھی تورات میں مذکورہ ہے۔

اسی لئے قرآن حکیم

البقرۃ:۱۴۶"

میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یہود و نصاریٰ آپ ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں، نیز فرمایا آپ سے متعلق تورات اور انجیل میں لکھا ہوا موجود ہے۔

(الاعراف:۱۵۷)(سورہ البقرہ: آیت 146)

حضرت موسیٰ کی کتاب و شریعت

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو کتاب، یعنی تورات عطا کی، جس میں تمام شرعی احکام کی وضاحت کردی گئی تھی اور وہ بنی نوع انسان کے لئے رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور رحمت تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آل یعقوب یعنی بنی اسرائیل کے خوب نازنخرے برداشت کیے۔ ان کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو منت سماجت کر کے اپنے دین کی طرف مائل کیا تھا اور جیسا کہ قرآنی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ وہ روزانہ دین موسوی سے بھاگ جاتے تھے اور شام ہونے تک موسیٰ علیہ السلام کوئی نیا معجزہ دکھا کر ان کو واپس لے آتے تھے۔

(سورہ الانعام: آیت: 154)

تحریک تورات اور یہودیت

یہودیوں کے مذہبی قائدین کی جسارت اور خوف خدا سے ان کی بے نیازی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ خود نوشتہ عبادات اور احکامات کو اللہ تعالیٰ کی وحی قرار دے دیتے تھے۔ جب حالات یہاں تک پہنچ جائیں تو دین کے اصلی حالت میں برقرار رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لوگوں کو گمراہی کے راستے پر ڈالنے کی بدترین صورت ہے اور اس کے علاوہ وہ ان سرگرمیوں کو ذریعہ اکتساب زر بناتے تھے۔ عوام کی خوش اعتقادیوں اور ان کی لاعلمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔

چنانچہ قرآن کہتا ہے:

ومنهم اميون لايعلمون الكتاب الا امانى وان هم الايظنون فويل للذين يكتبون الكتب بايديهم ثم يقولون هذا من عند الله ليشتروا به ثمنا قليلا فويل لهم مما كتبت ايديهم وويل لهم يكسبون

(سورہ البقرہ: 79-78)

ترجمہ: ”اور ان میں ان پڑھ ہیں جو کتاب الٰہی کو اپنی آرزوؤں کا مجموعہ خیال کرتے ہیں اور محض وہموں گمانوں میں مگن ہیں۔ پس ہلاکت ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے ذریعے سے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں پس ان کے لیے ہلاکت ہے۔ اس چیز کے سبب سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھی اور ان کیلئے ہلاکت ہے اس چیز کے سبب سے جو وہ کماتے ہیں۔“

جن کا تذکرہ آیات بالا میں کیا گیا ہے بلکہ احکام خداوندی کو کتاب سے حذف کر دیتے تھے یا ان کی ایسی تاویل کر دیتے تھے جس سے ان کا اصل مطلب مفقود ہو جاتا تھا اس کو قرآن نے

یوں بیان کیا ہے:

یحرفون الکلم عن مواضعہ (13:5)

ترجمہ: "کلام کو اس کے ٹھکانے سے پھیرتے ہیں۔"

یعنی اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں۔ کون سا حربہ نہیں تھا جو یہ لوگ دین موسوی کو مسخ کرنے کیلئے استعمال نہ کر چکے تھے۔ ایسی تمام شعوری حرکات کے علی الرغم وہ بزرگی قرب الٰہی اور اللہ کے محب ہونے کے ان دعاوٴں کے علاوہ جن کا ہم اس سے قبل تذکرہ کر چکے ہیں۔ اپنی اخروی فلاح کا بھی اعلان کرتے تھے۔ حالانکہ اللہ کی طرف سے بھیجی گئی کسی کتاب میں ایسے دعاوی کیلئے جواز کی کوئی بنیاد موجود نہیں۔ اجر آخرت اعمال کے ساتھ مشروط ہے لیکن وہ کہتے تھے:

وقالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودہ (2 : 90)

ترجمہ: "اور وہ کہتے ہیں کہ ان کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف گنتی کے چند دن۔"

اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان کے اس دعویٰ اپنی طرف سے یوں ردعمل ظاہر کرتے ہیں:

قل اتخذ تم عند اللہ عھدا (2 : 80)

ترجمہ: "پوچھو! کیا تم نے اللہ کے پاس اس کیلئے کوئی عہد کرا لیا ہے؟"

ظاہر ہے کہ کسی فرقہ وگروہ بندی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے کسی کے ساتھ فلاح آخرت کا کوئی وعدہ نہیں کر رکھا۔ نتائج ایمان وعمل کے اعتبار سے اس کے نزدیک تمام انسان یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ادعائے نجات اخروی کے برسرحق ہونے یا نہ ہونے کیلئے ایک کسوٹی فراہم کر دی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا:

قل ان کانت لکم الدار الاخرۃ عنداللہ خالصۃ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صدقین (2 : 94)

ترجمہ: ان سے کہو کہ اگر دار آخرت کی کامیابیاں اللہ کے ہاں دوسروں کے بالمقابل تمہارے ہی لئے مخصوص ہیں تو موت کی آرزو کرو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔"

لیکن یہ واضح مشاہدے کی بات ہے کہ وہ زندگی اور اس کے زخرفات کے بہت حریص تھے۔ ایسے انسان اور ان پر مشتمل معاشرہ ہمیشہ عالی ہمتی جو دین پر عمل پیرا ہونے کے سلسلے میں ایک اہم عامل کی حیثیت رکھتی ہے سے محروم ہوتا ہے۔ تورات کی تعلیمات میں تغیر وتبدل کرنے کی جسارت کرنے میں اس کی تاریخی حیثیت کو بڑا دخل حاصل تھا۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی کہ

حضورؐ کی بعثت کے وقت یہودیوں کے پاس جو تورات تھی وہ حضرت موسیٰ پر نازل شدہ تورات سے مختلف تھی۔ اس میں بہت سی تبدیلیاں کی جا چکی تھیں۔

اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کرنا تو باعث طوالت ہوگا البتہ ہم اختصار کے ساتھ قاری کے سامنے بعض ایسے واقعات رکھ دیتے ہیں جن سے تورات میں اس تحریف اور حذف و اضافہ کی نوعیت کا تصور قائم ہو جائے۔ جس کا سلسلہ بعثت اسلام کے موقع پر جو محرف شدہ تورات یہودی راہبوں کے پاس موجود تھی اس کو وہ مزید تغیرات کا نشانہ بنا رہے تھے۔ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل قرآن سے حوالے دے کر ثابت کیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تورات حصول ہدایت کیلئے روشنی یعنی رہنمائی کا کام دیتی ہے۔ ابتداء انبیاء اور اہل علم حضرات اس کی اصل تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے۔ اور اس کی حفاظت کے سلسلے میں بھی مستعد رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انا انزلنا التورته فیها هدی و نور یحکم بها النبیون الذین اسلمو للذین هادوا و الربنیون والا حبار بما استحفظوا من کتاب الله و کانوا علیه شهداء (5 :44)

ترجمہ: "بلاشبہ ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کے نبی جو فرمانبردار تھے اسی کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے۔ نیز راہب اور احبار بھی اسی پر کاربند ہیں کیونکہ وہ کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے۔"

تحریف کا عمل بعد میں شروع ہوا۔ صورت حال یہ ہے کہ اگر کوئی چاہے کہ تورات کی موجودہ شکل کے وجود میں آنے کی تاریخ کا بالتفصیل اور متعین علم حاصل کرے تو تحقیقی کاوشیں اسے ایسی ایسی صحرانوردیوں میں لیے پھرتی ہیں جن کے نتیجے میں وہ اس ویرانے میں کھو جاتا ہے۔

علامہ عبداللہ یوسف علی نے انگریزی زبان میں قرآن کے ترجمے اور حاشئے پر مشتمل تالیف میں سورۂ مائدہ کے بعد دو نتیجے لکھے ہیں۔ ایک تورات اور دوسرا انجیل سے متعلق۔ ان میں انہوں نے محققانہ انداز سے لکھا ہے کہ یہ دونوں آسمانی کتابیں یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخ کے مختلف ادوار میں کس نشیب و فراز سے گزریں ظاہر ہے کہ ایک چھوٹے سے مقالے میں اس موضوع کا پوری طرح احاطہ تو نہیں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اختصار کے ساتھ بعض بنیادی معلومات مہیا کر دی ہیں۔ البتہ اس تحریر میں تورات سے متعلق بہت سی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔

اس سے ایسے قاری کیلئے جو ان سے واقفیت نہ رکھتا ہو زیر بحث مسئلے کو ذہنی گرفت میں لانا مشکل ہے۔ ہم اس نتیجے سے بعض سطور درج کرتے ہیں:

"To translate it (i.e. Taurat) by the words. The old testament is obviously wrong. The old Testament is a

Christian term, applied to a body of old Jewish records. The protestants and the Roman Catholics are not agreed precisely as to the number of records to be included in the canon of old testament."

ترجمہ: "تورات کا ترجمہ "عہد نامہ عتیق" لکھنا واضح طور پر غلط ہے۔ عہد نامہ عتیق نصاریٰ کی اصطلاح ہے جسے یہود کی پرانی تحریروں پر منطبق کر دیا گیا ہے۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقے اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ عہد نامہ عتیق میں کون کون سی یہودی تحریریں شامل کی جائیں۔"

"Nor is it correct to translate Taurat as the pentateuch greek term meaning the five books. They contain a semi-historical and legendary narrative of the history of the world from the creation to the time of the arrival of the Jews in the promised land. A great part of the Mosiac law is embedded in this narrative. The books are traditionally ascribed to moses, but it is certain that they were not written by Moses or in an age either contemparary with Moses or within an appreciable distance of time from Moses. They were in their present from probably compiled some time after the return of the Jews from the babylonian captivity. The decree of cyrus permitting such return was in 536 B.C.

ترجمہ: یہ درست نہیں کہ تورات کو پنٹاٹیوک کا نام دیا جائے۔ جو ایک یونانی اصطلاح ہے۔ جس کا مطلب پانچ کتابیں ہیں۔ ان میں داستانوں کی شکل میں ازل سے لے کر یہود کے ارض موعودہ میں پہنچنے تک کے نیم تاریخی واقعات درج ہیں۔ موسوی قانون کا بیشتر حصہ اس میں شامل ہے۔ روایتی طور پر ان کتابوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن یہ یقین ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحریر کردہ نہیں ہیں۔ نہ ہی حضرت موسیٰ کے دور میں یا ان کے زمانے سے قابل اندازہ وقت کے بعد لکھی گئیں۔ یہ اپنی موجودہ شکل میں غالباً یہود کی بابل کی قید سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد مدون کی گئیں۔ اس واپسی کے متعلق سائرس کے اجازت نامے کا حکم 536 ق م میں دیا گیا۔"

"But there are some ridiculous slips which show that the compilers did not always understand their material. Modern documents of different dates used by the editors. For the sake of brevity and convenience they may be called miscellaneous interpretations. They sometimes overlap and some time contradict each other."

ترجمہ: لیکن اس سلسلے میں بعض مضحکہ خیز کوتاہیاں ہوتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدوین ہمیشہ اپنے علمی مواد کو نہیں سمجھ سکے۔ مرتب کرنے والوں نے مختلف ادوار کی جن دستاویزات کو استعمال کیا ہے زمانہ حال کے تنقیدی مطالعہ نے دو ذرائع میں تفریق کی ہے۔ اختصار و سہولت کیلئے انہیں متفرق تراجم کہا جا سکتا ہے۔ بعد میں خود ساختہ مواد بھی شامل کیے گئے۔ یہ بعض اوقات جزوی مماثلت رکھتے ہیں اور بعض اوقات ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔

"The statement in 2 Esalras (about the five century A.D) that the law was burnt and Ezra (say, about 458-457 B.C) was inspired to rewrite it, is probably true as to the historical fact that the law was lost, and that what we have now is no earlier than the time of Ezra, and some of it a good time later."

ترجمہ: دونوں الیسوروں (پہلی صدی عیسوی) کا یہ بیان کہ تورات جل گئی تھی اور عزیر نے (ق م 457-458) اسے الہامی القا کے تحت دوبارہ لکھا غالباً ایک تاریخی واقعہ کے طور پر اس حد تک درست ہے کہ تورات ناپید ہو گئی تھی اور جو کچھ اس وقت ہمارے پاس ہے وہ عزیر سے پہلے کے دور سے تعلق نہیں رکھتا اور اس میں سے کچھ خاصے عرصے بعد کی پیداوار ہے۔

"The primitive forah must have been in old Hebrew, but there is no Hebrew manuscript of the old testament which can be dated with certainty earlier 916 A.D. "It will be seen therefore there is no standard text of the old testament in its Hebrew form. The versions differ from each other frequeluently in minor particulars and sometimes in important particulars. The pentateuch itself is only a small

partion of the old testament. It is in narrative form, and regulations associated with the name of Moses, but probably compiled and edited from older sources by Ezra (or Esdras Arabic Uzair) in the 5th century B.C. As Renan remarks in the preface of his history of the people of Israel, the definite constitution of judasim may be dated only from the time of Ezra."

ترجمہ: قدیم تورات لازماً عبرانی زبان میں ہوگی لیکن عہد نامہ عتیق کے کسی عبرانی زبان کے مسودے کو یقین کے ساتھ 812 عیسوی سے قبل کے دور سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اکثر اوقات پیش کردہ باتیں بعض صورتوں میں معمولی معاملات میں اور بعض دفعہ اہم معاملات میں متضاد ہوتی ہیں۔ پنٹاٹیوک عہد نامہ عتیق کا چھوٹا حصہ ہے۔ یہ قصہ کی شکل میں ہے اور اس میں وہ قوانین و قواعد شامل ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے نام سے متعلق ہیں لیکن غالباً یہ عزیر نے ذرائع سے حاصل کر کے پانچویں صدی قبل مسیح میں مدون و مرتب کیے۔ جیسا کہ رینان نے اپنی تصنیف اسرائیلی قوم کی تاریخ کے دیباچے میں لکھا ہے۔ بہر طور شواہد بتاتے ہیں کہ یہودی قوانین کی متعین تدوین عزیر کے وقت شروع ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعثت نبوی کے زمانے سے قبل ہی تورات اپنے مستند ہونے کی حیثیت کھو چکی تھی۔

ہم اس حقیقت کی تائید میں مزید حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا ایڈیشن 1987ء کے درج ذیل حوالے زبردست توجہ کے مستحق ہیں

(1) (جلد 2 صفحہ 194 عنوان Biblical Sources کے تحت:)

"Most of the writings in the old testament are of anony mous authorship, and in many cases it is not known whether they were compiled by indiviuals or by some groups."

ترجمہ: عہد نامہ عتیق کی اکثر تحریریں نامعلوم مصنفین کی لکھی گئی ہیں اور بہت سی صورتوں میں یہ معلوم نہیں کہ چند تنہا شخصیات نے لکھی ہیں یا بہت سے ارکان یا جماعتوں نے مل کر لکھی ہیں۔"

(2) جلد 9 صفحہ 82 عنوان Palestinian Talmud کے تحت:

"One of two compilations of Jewish religious

teachings and commentary that was transmitted orally for centuries prior is its compilation by Jewish scholars in palestine. The other such compilations Produced in babylon are called the babylonian Talmud."

ترجمہ: فلسطینی تلموذ سے متعلق لکھا ہے کہ یہ مختلف ذرائع سے حاصل کر کے مرتب کی گئی ہیں یہودی مذہبی تعلیمات اور وضاحت پر مشتمل ان دو کتابوں میں سے ایک ہے جو فلسطین میں یہودی اہل علم کی تدوین سے قبل دو صدیوں کی زبانی روایات کے ذریعے سے ان تک پہنچائی گئیں۔"

(3) (Nebuchandeazzer II 575:8 جلد)

"The siege of jerusalem ended in its capture in August 586 (BC) and in the deportation of prominent citizens with a further deportation in 582 (BC)

ترجمہ: یروشلم کا محاصرہ 582 ق م میں اس کی فتح اور نمایاں شہریوں کے ملک بدر کیے جانے پر ختم ہوا۔ 582 ق م میں مزید ملک بدر کیے گئے۔ عالمی تاریخ مولفہ ڈبلیو این ویچ (History of the World Edited by W. N. Weech) سے ہم چھٹی صدی قبل مسیح میں نصر شاہ بابل کے ہاتھوں یروشلم کی پے در پے حملوں کے ذریعے سے تباہی کے سلسلے میں چند سطور نقل کرتے ہیں۔

"In 597 BC an army with Nebuchandezzar at its head was at the gates of Jerusalem. There was a siege of three months, and the king, his haram and nearly all the weathy people and skilled craftsemen, were deported to babylon along with the valuables from the palace and the temple."

ترجمہ: 597 ق م میں بخت نصر کی قیادت میں فوج نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ جو تین ماہ تک جاری رہا اور بادشاہ اس کا حرم اور تقریباً تمام دولت مند لوگ اور کاریگر، دست کار محل اور عبادت گاہ کی قیمتی اشیاء سمیت بابل کو ملک بدر کر دیے گئے۔

اس کے بعد اسی صفحے پر بخت نصر کے ایک اور حملے کا ذکر کر کے لکھا ہے:

"A second group of the inhabitants of Jerusalam was taken prisoner, all the chief buildings were systematically destroyed and the city walls were

broken down.'

ترجمہ: یروشلم کے باشندوں کا ایک دوسرا گروہ قیدی بنالیا گیا۔ تمام بڑی عمارتیں مسمار کی گئیں اور شہر کی فصیل منہدم کر دی گئی۔

"It must be remembered that the books of the old testament were compiled from many sources. They were not written in this present form until about 350 BC, at least eight hundred years after the Hebrews had settled in palestine, and they were not always especially in the accounts of the times before the kings in accardomce with contemporary records.

ترجمہ: یہ بات ذہن نشین رہے کہ عہد نامہ عتیق کی کتب بہت سے ذرائع سے مرتب کی گئی تھیں۔ وہ اپنی موجودہ شکل میں 350 ق م تک نہیں لکھی گئیں۔ یعنی یہودیوں کے فلسطین میں مقیم ہونے سے آٹھ صدیاں بعد تک اور وہ ہمیشہ اور خصوصیت سے بادشاہوں کے ادوار سے قبل ہم عصر علمی سرمایہ کے مطابق نہیں رہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن جلد دوئم کے صفحہ 124-123 پر جیوش انسائیکلوپیڈیا کے حوالے سے تحریر کیا ہے:

"بخت نصر کے حملہ بیت المقدس میں تورات کے تمام نسخے جل گئے تھے اس وقت جب یہودی قیدی بابل سے چھوٹ کر واپس آئے تو ان کے پاس تورات کا کوئی نسخہ نہ تھا اور ان کی نئی نسل عبرانی زبان سے بھی نا آشنا ہو گئی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر عزیر نے کلدانی حروف میں اور ایسی عبرانی میں کہ کلدانی زبان سے مخلوط تھی از سر تو تورات کے صحائف لکھے۔ اور یہی نسخہ اصلی نسخے کا بدل سمجھا گیا۔"

مندرجہ بالا اقتباسات اس قدر واضح ہیں کہ ان کے مطالعہ سے قارئین کیلئے اس بات پر قطعی رائے قائم کرنے میں کوئی وقت پیش نہیں آئے گی کہ حضرت موسیٰ پر جو تورات نازل ہوئی تھی وہ نہ ظہور اسلام کے وقت صفحہ ارض پر کہیں موجود تھی اور نہ آج موجود ہے۔

اس سے قبل یہود و نصاریٰ کی متفائر گمراہیاں ہم قرآن سے حوالے دے کر بعثت اسلام کے وقت عیسائیوں کے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم نصاریٰ کی ان سیاہ کاریوں کا ذکر کریں گے جو ان کے ساتھ مخصوص تھیں۔ ان کے توحید سے انحراف اور شرک میں ملوث ہونے سے متعلق قرآن کہتا ہے:

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم
(72 : 5)

ترجمہ: جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ تو بس مریم کا بیٹا مسیح ہے انہوں نے یقیناً کفر کا ارتکاب کیا۔"

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثہ (5 : 73)

ترجمہ: "جن لوگوں نے کہا اللہ تین (خداؤں) میں سے ایک ہے۔ انہوں نے یقیناً کفر کا ارتکاب کیا۔"

ہم اس سے قبل (31:9) کا حوالہ دے چکے ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح کے علاوہ اپنے فقیہوں اور راہبوں کو تشریع دین کا حق دے رکھا تھا۔ یہ بات حضرت مسیح علیہ السلام اور اسلام کے نزدیک غیر اللہ کو الوہیت کا مقام دینے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ درج بالا آیات سے واضح ہوتا ہے۔ ان کے مشرکانہ عقائد اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ ہی قرار دے دیا اور اللہ تعالٰی کو تین خداؤں میں سے ایک کہنے لگے۔ قرآن نے واضح طور پر اعلان کر دیا۔

ان ھو الا عبد انعمنا علیہ و جعلنا مثلا لبنی اسرائیل

ترجمہ: "وہ (عیسٰی ابن مریم) محض ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا اور بنی اسرائیل کیلئے اس کو ایک نمونہ قدرت بنایا تھا۔" (سورہ الزخرف: آیت: 59)

ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل و امہ صدیقہ کانا یاکلون الطعام (75:5)

ترجمہ: مریم کا بیٹا مسیح اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کا ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی کتنے رسول ہو چکے اور اس کی ماں یہ دونوں کھاتے پیتے تھے اور یہ کہ

لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ

ترجمہ: "مسیح کو ہرگز اس بات پر عار محسوس نہیں ہوتی کہ وہ خدا کا بندہ سمجھا جائے۔" (سورہ النساء: آیت: 172)

قرآن میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مقام حیثیت اور ان کے کردار سے متعلق بہت سی آیات موجود ہیں لیکن ہم درج بالا تین آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان میں واضح کر دیا گیا کہ:

وہ اللہ کے انعام یافتہ بندے تھے اور بنی اسرائیل کے عادی اور دین کو روبہ عمل لانے کی مثال قائم کرنے والے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اسی صورت میں نمونے کی حیثیت اختیار کر سکتے تھے جب وہ اس نوع سے تعلق رکھتے ہوں جس کیلئے وہ مثالی

کردار ادا کرنے پر متعین کیے گئے ہوں۔

(1) وہ اللہ کے رسول تھے اور ان سے قبل بھی رسول بھیجے جاتے رہے۔ اگر رسول ہونے کو مافوق البشر مانا جائے تو پھر یہ ضروری ہوگا کہ جملہ انبیاء و رسل کیلئے بھی خدائی کا درجہ تسلیم کیا جائے لیکن نصاریٰ کسی اور رسول کو تو خدا نہیں مانتے۔

(2) پھر یہ کہ وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوئے اور ماں بیٹا دونوں عام انسانوں کی طرح بقائے حیات کیلئے کھانا کھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس حاجت سے بالا ہے کہ وہ کچھ کھائے پیئے۔

(3) مزید برآں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اللہ کا بندہ ہونے کا اقرار کرتے تھے اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔

تصور توحید کو ختم کر کے اور عقیدہ تثلیث کے مشرکانہ عقیدہ کو بالاتفاق اختیار کر کے نصاریٰ نے اسلام کی جو قرآن کے نزدیک ہر نبی کا دین تھا اساس کو منہدم کرنے کی جسارت کی۔ ان کی تاریخ میں چوتھی صدی عیسوی میں ایک شخص اریس (Arius) نے جس نے 335ء کے اردگرد وفات پائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت حق میں اور ان کی الوہیت کے خلاف آواز اٹھائی لیکن اس کو دبا دیا گیا۔

اسائیکلوپیڈیا برٹینکا جلد 12 کے صفحہ 293 پر لکھا ہے:

"In the greek East, the 4th century was dlominated by controversy about the proposition of aims. An Alexandarian presbyter (died 335) that the incarnate lord who was born, wept, suffer d and died could not be one with the transcendent first cause of creation who is beyond all sufferings. The council of Nicala (325) condemned Arianism and affirmed the son of God to be indentical in essencewaith the father."

ترجمہ: یونانی مشرق چوتھی صدی میں الیگزینڈریا کے پادری اریس (وفات تقریباً 325ء) کی تجاویز پر کہ گوشت پوست کا مسیح جو پیدا ہوا اور رویا تکلیف میں مبتلا ہوا اور مر گیا اس ہمہ مقتدر ہستی کا ساجھی نہیں ہو سکتا جو تخلیق کی علت اول ہے اور تکلیف سے مبرا ہے۔ نیشا کی کونسل (325ء) نے اریس کے مسلک کی مذمت کی اور اس بات کی تصدیق کی کہ خدا کا بیٹا حقیقت میں باپ ہی کے مشابہ ہے۔ یہ طے شدہ ہے کہ تاریخ عیسائیت میں اس بات کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا کہ حضرت عیسیٰ

پر منزل من اللہ انجیل کا ضبط تحریر میں لایا ہوا کبھی کوئی نسخہ موجود تھا۔ جو انجیل پہلی صدی عیسوی سے تصنیف ہونا شروع ہوئی اور اس کی ابتداء کی کوئی متعین تاریخ کسی کے علم میں نہیں اناجیل اربع لوقا مرقس متی اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں۔ یہ چاروں حضرت سینٹ (Saint) کا درجہ رکھتے ہیں لیکن ان میں سے کسی کی تاریخ جائے پیدائش و وفات معلوم نہیں نہ یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے۔

"Among its 27 books are selected recollections of the life and acts and sayings of Jesus in the four gospels, a historical narrative of the first years of the christian or letters of advice instruction, admonition and exhortation to local groups of error, and seven by three other authors, and an apocalyptic description of the intervention of god in history, the book of revelation."

ترجمہ: اس کے 27 کتابوں کے اندر چار اناجیل میں عیسیٰ کی زندگی، اعمال اور اقوال کی منتخب یادداشتیں اور اپاسٹلز کے اعمال میں نصاریٰ چرچ کے ابتدائی سالوں کی تاریخ، حکم نامے، رہنمائی کے خطوط، ہدایات، انتباہ اور مقامی گروہوں کو نصیحتیں شامل ہیں۔ ان میں سے 14 پال کی طرف منسوب ہیں جن میں سے غالباً ایک غلطی سے عبرانی میں ہے۔ سات دوسرے مصنفین کی طرف سے اور تاریخ میں دخل الٰہی کتاب وحی کی شکل میں۔

"The setting of the new testament within the christian community is one factor that makes a biography of Jesus or a history of the 1st century church difficult or impossible."

ترجمہ: نصاریٰ کی قوم میں عہد نامہ جدید کی حیثیت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں پہلی صدی کے کلیسا کے حالات جاننا ممکن بنا دیتی ہے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نصاریٰ کا مذہبی اجارہ داری رکھنے والا طبقہ اپنی اپنی مصلحتوں کے مطابق اس محرف شدہ انجیل میں بھی جو ان کے پاس موجود ہوتی تھی وقتاً فوقتاً بالا رادہ تغیر و تبدیل کرتے رہتے تھے۔ اس کی متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن ہم یہاں زمانہ حال کی ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن جلد دوئم کے صفحات 443 اور 444 پر متروک اناجیل کا

تذکرہ کیا ہے۔ اس سے متعلق وہ لکھتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو معجزات عطا کیے تھے ان سے متاثر ہو کر نصاریٰ نے ان کی طرف خصوصیات الوہیت منسوب کر دیں۔ وہ تورات کے متبع ہونے کی وجہ سے دہریت کو تو نہیں اپنا سکتے تھے البتہ بن باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے انہوں نے حضرت مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور اس دائرہ الوہیت میں انہیں حضرت مریم کو بھی شامل کرنا پڑا۔ اس طرح تثلیث کا عقیدہ وجود میں آ گیا۔ قرآن نے اس کی واضح الفاظ میں تردید کی اور اسے کفر قرار دیا۔ انیسویں صدی میں متروک اناجیل کا جو نسخہ ویٹیکان کے کتب خانے سے برآمد ہوا اس نے حضرت مریم کی پیدائش کا یہ مفقود ٹکڑا مہیا کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک سرگزشت کا یہ ٹکڑا بھی مل گیا تھا۔ متروک اناجیل سے مقصود وہ اکیس سے زیادہ انجیلیں ہیں جو پہلی صدی سے لے کر چوتھی صدی کے اوائل تک عیسائیوں میں رائج اور متداول تھیں لیکن 325ء میں کونسل نے چار منتخب کر لیں اور باقی متروک سمجھ لی گئیں۔ یہ انتخاب کسی تاریخی یا علمی اصل کی بنا پر نہیں کیا گیا تھا بلکہ حقائق کی روشنی میں تھا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے بھائی ہارون کو بھی میرا مددگار بنا تاکہ دونوں بنی اسرائیل کو پنجہ ظلم سے نجات دلا سکیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

"اور میرے ساتھیوں میں سے ہارون میرے بھائی کو میرا بوجھ بٹانے والا بنا دے۔ میری قوت کو اس کے ساتھ مضبوط کر اور میرے کام میں اس کو شریک کر۔"

(سورہ طٰہٰ: آیت: 29 تا 32)

(ا۔ محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی کتاب قصص القرآن جلد اول صفحہ ۳۵۰ تا ۳۵۵)

حکم خداوندی کے تحت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے۔ توحید کا پیغام پہنچایا شرک اور گناہوں سے دور رہنے کی تاکید کی۔ بنی اسرائیل کو ظلم کے پنجے سے نجات دینے کا مطالبہ کیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وقال موسیٰ یفرعون انی رسول من رب العالمین O حقیق علی ان اقول علی اللہ الا الحق قد جئتکم ببینۃ من ربکم فارسل معی بنی اسرائیل

''اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔
اس پر قائم کہ اللہ پر سوائے حق کے اور کچھ نہ کہو میں تمہارے پاس رب کی کھلی دلیل
لایا ہوں۔سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔''

(۲۔بائبل سے قرآن تک (محقق) محمد تقی عثمانی جلد اول صفحہ ۳۳۵ تا ۳۳۹)

دوسری جگہ آتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں فرعون کے پاس گئے اور اس سے بنی اسرائیل کو پنجہ غلامی سے نجات دینے کو کہا ارشاد الٰہی ہے۔

فاتیاہ فقولا انا رسولا ربك فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم قدجئنك بایۃ من ربك السلم علی من اتبع الھدی

''پس اس کے پاس جاؤ اور کہو ہم تیرے رب کے دو رسول ہیں۔سو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دیا جائے اور ان کو دکھ نہ دے۔ہم تیرے رب کی طرف سے ایک نشانی لائے ہیں اور اس پر سلامتی ہے جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔''

(سورہ طہٰ: آیت: 47)

جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہم تیرے رب کی طرف سے پیغمبر ہو کر آئے ہیں تو فرعون نے متکبرانہ لہجہ میں کہا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے پھر اس کی روحانی پرورش کیلئے ہر قسم کا سامان مہیا کیا۔انسانوں کو ان کے کمال تک پہنچانے کیلئے رسول بھیجئے وحی نازل کی۔فرعون نے کہا' پہلی قومیں جنہیں ہدایت نہیں ملی ان کا کیا حال ہے۔اس کا جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیا کہ وہ میرا کام نہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب حال جو سامان چاہا کر دیا۔سب علم اس کے پاس ہی ہے وہ نہ کسی سے متعلق غلطی کرتا ہے اور نہ کسی کو بھولتا ہے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے انعامات بیان کرتے ہوئے فرمایا ''اللہ کی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے لیے راستے چلائے اور بادلوں سے پانی اتارا اور پھر اللہ الخالق الباری نے مختلف جوڑے پیدا کیے۔ایسے انعامات کا سن کر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی دکھا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ ناگہاں صریح اژدھا تھا اور اپنا ہاتھ بغل سے باہر نکالا تو ناگہاں وہ دیکھنے والوں کیلئے چمکتا ہوا سفید تھا۔

جب فرعون کی قوم کے سرداروں نے نشانیاں دیکھیں تو کہا کہ یہ کوئی دانا جادوگر ہے اور یہ

چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے سو تم اس بارے میں کیا مشورے دیتے ہو۔ انہوں نے کہا اسے اور اس کے بھائی کو کچھ عرصے مہلت دیجئے۔ اور شہروں میں نقیب بھیج دیجئے۔ وہ ملک بھر کے تمام جادوگر تیرے پاس لے آئیں گے۔ فرعون نے نقیب تمام شہر میں پھیلا دیئے اور وہ ملک کے بڑے بڑے جادوگروں کو فرعون کے پاس لے آئے۔ فرعون نے کہا اگر ہم غالب آ گئے تو تمہیں ضرور اجر ملے گا اور تم یقیناً میرے مقربوں میں سے ہو گے۔

(تاریخ طبری: ج: ۳۶۸)

قرآن مجید میں آتا ہے۔

ولقد اتینا موسیٰ تسع ایت بینت

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو نو کھلے نشان دیئے۔

انسانی فطرت ہے کہ جب انسان دشمن کے نرغے میں گھر جاتا ہے اور اس سے نجات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تب انسان اللہ کے آستانے پر گرتا ہے اور اپنے واسطے نجات کا راستہ تلاش کرتا ہے۔

مصریوں پر عذاب الٰہی

فرعون اور اس کی قوم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغام رشد و ہدایت کا کوئی اثر نہ ہوا چند کے سوا مصریوں میں کوئی بھی ایمان نہ لایا' بلکہ فرعون کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی زیادہ توہین ہونے لگی۔ جب مصریوں کے ظلم میں شدت آنے لگی تو اس پر اللہ کا عذاب نازل ہونے لگا۔ جب کبھی عذاب نازل ہوتا تو فرعون حضرت موسیٰ سے کہتا کہ وہ عذاب ہٹ جانے کی دعا کریں۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

ولما وضع علیھم الرجز قالوا یموسیٰ ادع لنا ربك بما عهد عندك لئن كشفت عنا الرجز لنؤمنن لك ولنرسلن معك بنی اسرائیل فلما كشفن عنهم الرجز الی اجل هم للغوه اذاهم ینكثون (سورہ الاعراف: آیت: 135:134)

"اور جب ان پر عذاب پڑتا تو کہتے اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر جیسا کہ اس نے تجھ سے عہد کیا ہے اگر تو ہم سے عذاب دور کر دے ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور ضرور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے پس جب

ہم ان سے ایک وقت کیلئے جس کو وہ پہنچنے والے تھے عذاب اٹھا دیتے تو فوراً عہد شکنی کرتے۔"

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج

جب مصریوں کا ظلم وتشدد اپنی عروج کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر فلسطین کی طرف لے جائیں تب وہ رات کی تاریکی میں بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر منزل مطلوب کی طرف چل دیئے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

"دریا میں ان کو خشک راستہ پر لے جاؤ"

دوسری جگہ آتا ہے۔

جاوزنا ببنی اسرائیل البحر

یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار کرا دیا۔

دیگر مطالبات اور نشانات کا ظہور

چشموں کا جاری ہونا: جب بنی اسرائیل بحیرہ قلزم (Red Sea) کو عبور کر کے وادی سینا میں پہنچے وہ بے آب وگیاہ میدان تھا یہاں شدید گرمی تھی دور دور تک پانی اور سبزے کا نام ونشان نہ تھا۔ اس وقت بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے پانی طلب کیا تو عصائے موسیٰ کی ایک ٹھوکر سے چشمے جاری ہو گئے۔ (سورہ البقرہ: 60)

(تاریخ ابن خلدون ج ۱: ص ۱۳ تا ۱۵، جلد دوم صفحہ ۱۵۲ تا ۱۵۵)

من وسلویٰ کا انتظام

جب بنی اسرائیل کی پیاس بجھ گئی تو انہوں نے خوراک کا مطالبہ کیا۔ وادی میں کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ تب اللہ نے حضرت موسیٰ کی دعا سنی اور من وسلویٰ نازل کیا۔

(سورہ البقرہ: آیت 57)، (سورہ الاعراف: 160)، (سورہ طٰہٰ: 80)

بادلوں کا سایہ

گرمی کا موسم تھا سورج نصف النہار پر ہوا مکان اور خیمے کا کوئی بندوبست نہ ہوا۔ ایسے وقت میں بادل نعمت ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے اس تکلیف کی حالت میں دعا کی تو آسمان پر بادلوں کی چھاؤں ہو گئی۔ (سورہ البقرہ: آیت 57)

بچھڑے کی پرستش

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں سامری کی ہدایت کے مطابق بچھڑے کی پوجا شروع کر دی گئی۔ حضرت ہارونؑ نے انہیں بہت سمجھایا کہ وہ اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں جب حضرت موسیٰؑ واپس آئے تو حضرت ہارون علیہ السلام سے بہت خفا ہوئے‘ حضرت ہارونؑ نے کہا کہ میں نے ان کو شرک سے بہت روکا لیکن وہ رکے نہیں تب حضرت موسیٰؑ نے بچھڑے کے بت کو جلا کر اس کی راکھ سمندر پر پھینکوا دی۔

(سورہ البقرہ: آیات: 93:92:53:51)‘(سورہ النساء: 153‘ الاعراف: 152)

فلسطین کی طرف جانے کا حکم

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدس میں بحیثیت فاتح داخل ہونے کو کہا اور کہا اللہ کا وعدہ ہے کہ ارض مقدس تمہیں ضرور ملے گی لیکن اس کیلئے جدوجہد ضروری ہے۔

تورات کی اصلیت

تورات کا نسخہ عبرانی زبان میں ہے لیکن اس نسخے کی اصل سے متعلق کسی کو کچھ علم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ پر بیٹھ کر صرف دو الواح کندہ کر لی تھیں ان کے علاوہ کوئی کتاب نہیں لکھی۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں لکھا ہے۔

In number 15.17 the Revolt 07 dathon and Abiram is mingled and confused with an other revolt that of Karon consequently it is difficult indeed impossible to interpret the narrative as it stands.

نمبر 17,15 میں واثن اور ابرام کی بغاوت کو قارون کی بغاوت سے غلط ملط کر دیا گیا ہے اور بیانہ جیسا کہ موجود ہے تشریح ناممکن ہیں۔

(1- Encyclopaedia Britannica. Vol 10: P 337-340)

بائبل کی متضاد باتیں

1- کشتی میں سب جانوروں کے جوڑے تھے۔
2- خدا نہیں بچھتا تا۔
3- سلم میں کاڑا۔
4- خدا انسان پیدا کرنے سے پچھتایا۔

5۔ اور تو سونے کے دو فرشتے بنائیو۔

6۔ کوئی انسان نہیں کہ مجھے دیکھ لے اور جیتا رہے۔

7۔ خدا تھک نہیں جاتا اور ماندہ نہیں ہوتا۔

8۔ خدا تھک جاتا ہے اور آرام بھی کرتا ہے۔

9۔ ہارون سوسیرہ میں فوت ہوا۔

10۔ ساؤل کو عمالیقی نے قتل کیا۔

11۔ مائیکل کے پانچ بیٹے تھے۔

تعلیمات عہد عتیق

اعتقادات:

ہر نبی خدا کا تصور (پیغام) لے کر آتا ہے اور دین کی اساس ہی توحید ہے عہد عتیق میں اللہ تعالیٰ کے بیسیوں اسماء صفات کا ذکر آتا ہے اور ان میں سب سے زیادہ یہودہ نام کو عظمت اور فضیلت دی گئی ہے بائبل نے غیر اللہ کی پرستش کو سختی سے منع کیا چنانچہ بائبل میں آتا ہے۔

"میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہووے"

خدا تعالیٰ مہذب ہیں وہ تمام زمین کے اوپر بادشاہ عظیم ہیں۔ میں نے خداوند کو اس کی کرسی پر بیٹھے دیکھا اور سارا آسمانی لشکر اس کے پاس اس کے داہنے ہاتھ اور اس کے بائیں ہاتھ کھڑا تھا۔ خداوند آسمان پر سے دیکھتا ہے۔ وہ سارے بنی آدم پر نگاہ کرتا ہے وہ اپنی سکونت کے مقام سے زمین کے سب باشندوں کو دیکھتا ہے۔ یہود کو خدا کا نام لینے کی اجازت نہیں' بائبل میں جہاں جہاں لفظ "یہوہ" آتا تھا تو اس سے پہلے لفظ "ادونی" آتا تھا تلاوت کرنے والا رک جاتا تھا کیونکہ ادونی کا مطلب ہے "اسے نہیں پڑھو" پس قاری یہ نام پڑھے بغیر آگے نکل جاتا تھا۔ جو نام اس نے نہیں پڑھنا ہوتا تھا وہ بغیر نام پڑھے آگے گزر جایا کرتا تھا۔

علماء یہود ہر وقت خدا کا نام لینے میں اس کی ہتک اور بے ادبی تصور کرتے تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے سزا مقرر کی جو شخص اس کا نام لے گا وہ سنگسار کیا جائے گا۔ یہود کو اس نام کے نہ پڑھنے پر سخت اصرار ہے۔

بائبل کا خدا قومی خدا ہے

بائبل میں یہود کا خدا قومی خدا ہے۔ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کو خداوند اسرائیل کے نام سے پکارا گیا تھا۔ ان الفاظ سے خدا تعالیٰ کی ذات کا دائرہ محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

بائبل میں لکھا ہے:

"اے خداوند اسرائیل کے خدا تجھ سا کوئی خدا نہ اوپر آسمان میں ہے نہ نیچے زمین میں جو کہ اپنے بندوں کیلئے جو تیرے سائے تلے چلتے پھرتے ہیں اپنے عہد کو اور اپنی رحمت کو نگاہ میں رکھتا ہے"

غضبناک خدا کا تصور

عہد عتیق میں غضبناک خدا کا تصور موجود ہے۔ وہ ایک ایسی ہستی ہے جو انسان کی سرکشی اور بغاوت کی وجہ سے آپے سے باہر ہو جاتی ہے پھر غصے میں آ کر ایک قوم بلکہ اس کے ساتھ چرند پرند اور اس کے ساتھ حیوانات کو بھی ہلاکت کی بھٹی میں جھونک دیتی ہے۔ یہ فعل گزرنے کے بعد وہ سخت گیر ہو جاتا ہے۔ خدا نے انسان کو اپنی صورت میں بنایا ہے تاہم غصے میں آ کر تمام انسانوں کو مع چرند پرند کیڑوں مکوڑوں کے ہلاک کر دیتا ہے۔

ملائکہ سے متعلق نظریہ

بائبل میں ملائکہ کا تصور دو طرح سے کیا گیا ہے۔ ایک تو فرشتوں کو انسان سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے فرشتوں کو نہایت ہی برے رنگ میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ایک مقام میں لکھا ہے۔ "مگر فرشتوں کی ایک جماعت گنہگار ہو گئی اور انسان سے ادنی ہو گئی جس کا انصاف انسان کرے گا"۔

عصمت انبیاء

عہد نامہ عتیق میں انبیاء علیہم السلام کو معصوم مانا گیا ہے۔ اس سے متعلق چند حوالے درج کیے جاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام حضرت آدم ابوالبشر ہیں ان سے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا: "ہم نے انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنایا۔"

امام محمد بن اسمٰعیل البخاری نے بھی ایک صحیح حدیث نقل کی ہے جس کا متن ہے:

"خلق اللہ ادم علی صورتہ"

علماء کرام کے مابین لفظ صورتہ کی ضمیر متصل پر بحث ہے کہ آدم کی طرف راجع ہے یا اللہ کی طرف۔ تاہم اگر اللہ کی طرف راجع ہے تو مفہوم صاف ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو اپنی شکل وصورت دی ہے اور اپنے جیسا بنایا ہے اور اگر آدم کی طرف راجع ہے تو اس کا مطلب ہے جیسا اللہ نے سوچا تھا ویسا ہی آدم کو بنایا ہے۔

حضرت ادریس کی عصمت:

حنوک 300 برس تک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور حنوک کی ساری عمر 25 برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا غائب ہوگیا اس لیے کہ خدا نے اسے لے لیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عصمت: نوح اپنے قرنوں میں صادق اور کامل تھا اور نوح خدا کے ساتھ چلتا تھا خدا نے اسے خطاب کر کے فرمایا! ''میں نے تجھی کو اپنے حضور میں اس زمانے کے اندر صادق دیکھا''۔

حضرت ابراہیم کی عصمت

''میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور چل اور کامل ہو''۔

خداوند فرماتا ہے اس لیے کہ تو نے ایسا کام کیا کہ اپنے بیٹے کی قربانی دینے سے دریغ نہ کیا اس لئے میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دوں گا۔ اور تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائیں گی۔

حضرت موسیٰ کی عصمت:

عہد نامۂ عتیق میں حضرت موسیٰ کی بزرگی اور عصمت کا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔ ''میں خداوند تمہارا خدا ہوں سو تم میرے احکام پر عمل کرو''۔

حضرت ایوب کے بارے میں: ''عوض کی سرزمین میں ایوب نامی ایک شخص تھا اور وہ شخص صادق اور کامل تھا اور خدا سے ڈرتا تھا اور بدی سے دور رہتا تھا''۔

حقوق العباد

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ میں حقوق العباد سے متعلق نہایت ہی عمدہ تعلیم دی گئی چنانچہ لکھا ہے۔

''تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر اس زمین پر جو تیرا خدا تجھے دیتا ہے۔ دراز ہووے تو خون مت کر تو زنا مت کر تو چوری مت کر تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی نہ دے اور تو اپنے پڑوسی کے گھر لالچ مت کر تو اپنے پڑوسی کی جورو اس کے غلام اس کی لونڈی اس کے بیل اس کے گدھے اور اس کی کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر۔

1۔ بائبل اور عورت:

بائبل کی زبان عبرانی ہے بیوی کو بھولہ کہا گیا ہے اور خاوند کو بعل شادی سے پہلے عورت ماں باپ کی ملکیت ہوتی تھی اس وجہ سے لڑکی کو اغواء کرنے والا قانون لڑکی کے والد کو جرمانہ ادا کرتا تھا۔ اگر کوئی آدمی کنواری لڑکی کو لے جاوے اور وہ کسی کی منگیتر نہ ہو اور اسے پکڑ کے اس سے زیادتی کرے۔تو وہ اس کی بیوی ہے کیونکہ اس نے اسے رسوا کیا۔

2۔ مہر: نکاح میں عورتوں کو حق مہر دینا موسیٰ کی شریعت میں ہے اور یہی حکم اس کتاب کا ہے۔

3۔ تعداد ازواج: عہد نامہ عتیق کی رو سے ایک سے زائد بیویاں رکھنا جائز ہے کئی اسرائیلی انبیاء علیہم السلام نے ایک سے زائد شادیاں کیں۔حضرت ابراہیم نے تین نکاح کیے۔حضرت یعقوب کی چار بیویاں تھی۔حضرت سلیمان کی سات بیویاں تھی۔اور بعض روایات میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

4۔ طلاق: جب بائبل کی رو سے عورت خاوند کی مملوکہ ہے تو شریعت کے تمام احکام اسی محور کے گرد گردش کریں گے۔

اگر کوئی مرد کوئی عورت لے لے اور اس سے شادی کر لے اور بعد میں اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہوں میں عزیز نہ ہو تو وہ طلاق نامہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں دے دیے۔

5۔ ورثہ: یہودیت میں عورت ورثہ کی حقدار نہیں ہوتی بلکہ اس کی اپنی کمائی بھی شادی سے پہلے ماں باپ کی اور شادی کے بعد اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔

بائبل کے احکامات

بائبل میں بعض ایسے احکامات ملتے ہیں جن کو پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

1۔ غلام اور لونڈیوں کے بارے میں: اگر کوئی مالک اپنی لونڈیوں کو لاٹھیاں مارے اور وہ مار کھاتے ہوئے مر جائے تو اسے سزا دی جائے گی اور اگر زندہ رہیں تو کوئی سزا نہیں کیونکہ اس پر اس کی ملکیت ہے۔

2۔ جنگ اور قیدیوں سے متعلق احکام: جب خداوند کوئی زمین تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں سے ہر مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر لیکن ان قوموں کے شہروں کو جنہیں خداوند تیری میراث کر دیتا ہے۔اور ہر چیز کو جو سانس لیتی ہے۔ان کو جیتا نہ

چھوڑو۔

3۔ طہارت پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

4۔ مے نوشی کی ممانعت ہے یعنی شراب کو انتہائی حرام قرار دیا ہے۔

5۔ سُور کا گوشت حرام ہونے کا حکم بھی بائبل میں آیا ہے۔

بائبل کیخلاف غیر اخلاقی باتیں

عہد نامہ عتیق میں انبیاء علیہم السلام پر اس قسم کے گندے اور فحش الزام لگائے گئے جن کا مطالعہ مذاق سلیم پر گراں گزرتا ہے۔

1۔ حضرت نوح سے متعلق:

اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہو گیا۔

2۔ حضرت لوط سے متعلق:

اور لوط اپنے علاقے سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ وہ بستی میں رہنے سے ڈرنے لگا اس کی دونوں بیٹیاں بھی اس کے ساتھ غار میں رہنے لگیں۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ تو بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے ہم اپنے باپ کو مے پلائیں تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو رات ہی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی اس طرح دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہو گئیں۔ بڑی کے ایک بیٹا پیدا ہوا اس کا نام موآب رکھا وہ موآبیوں کا باپ جو اب تک موجود ہے چھوٹی بیٹی کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوا اس کا نام بن عمی رکھا جو بن عمیوں کا باپ اب تک موجود ہے۔

3۔ داؤد علیہ السلام کے متعلق:

اور شام کو داؤد اپنے بستر سے اٹھ کر بادشاہ کے محل کی چھت پر ٹہلنے گیا چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی۔ وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے ایک عورت بھیج کر اس کا حال دریافت کیا۔ وہ العام کی بیٹی سبیع اوریاہ کی بیوی تھی اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلایا وہ اس کے پاس آئی اس نے اس سے صحبت کی پھر وہ اپنے گھر چلی گئی اور عورت حاملہ ہو گئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔

4۔ سلیمان علیہ السلام سے متعلق:

اور سلیمان فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے صحبت کرنے لگا۔ سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا اور سات سو شہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں۔

فرقے

یہودیوں کے کئی ایک فرقے تھے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

سارٹیز: یہ لوگ فقیر اور اچھوت قسم کے تھے۔

ایسینی: یہ لوگ غربت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی نجی کوئی جائیداد نہ تھی اور ان میں شادی کا رواج بہت کم تھا۔

ناسٹکس: اس فرقے کے نزدیک نجات کا ذریعہ ایمان نہیں۔

کارائیٹز: یہ لوگ تورات کے احکام کے الفاظ پر سختی سے پابند رہتے تھے۔

فریسی: یہ لوگ حیات بعد الممات اور جزا و سزا کے قائل تھے۔

صدوقی: یہ فرقہ خدا کو صرف بنی اسرائیل کا خدا ہی مانتا تھا۔

یہود کی رسوم

ختنہ: ہر لڑکے کا ختنہ یوم پیدائش سے آٹھویں دن کیا جاتا تھا اور اسے اللہ کا عہد قرار دیا جاتا تھا۔

تہوار: یہودیوں کے بڑے تہوار حسب ذیل تھے۔

عید فصح جو خروج کی یاد میں جب کہ وہ مصر سے بھاگے تھے منایا جاتا تھا۔ یوریم یہ دن یہودیوں کے ہاتھ سے بچ جانے کی خوشی میں منایا جاتا تھا۔ یوم خمیس عرب زبان میں اس کا مطلب ہے پانچواں دن یعنی جمعرات مگر یونانی زبان میں اس کے معنی ہیں پچاسواں یہ تہوار عید فصح کے بعد پچاسویں دن منایا جاتا تھا۔

عصر حاضر میں یہودیوں کی اجتماعی حالت

جب ٹائٹس نے انہیں فلسطین سے نکال دیا تو وہ دنیا کے مختلف دور دراز ملکوں میں منتشر ہو گئے۔ ساڑھے تین سو برس تک سلطنت انگلستان میں یہودیوں کو اپنے ملک میں داخل نہیں ہونے دیا گیا لیکن یہودیوں کی قوم بڑی سخت جان تھی دیگر مذاہب اور خصوصاً عیسائیت کے تشدد کے باوجود یہودیوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا گیا۔ ایک یہودی عالم کی یہ شہادت ہے۔

"مسلمانوں کے اثر کے ماتحت اور بعد ازاں عیسائی بربریت کے برخلاف یہودیت اپنے نقطہ نظر کو مسلمہ طریق کے مطابق منظم کرنے پر مجبور ہوئی جس کے باعث

بآسانی مدمقابل کے غالب اور حریف ادیان سے اپنے موافق و مخالف پہلوؤں کو نمایاں کر سکی"۔

جب اسلامی ممالک پر زوال کے بادل منڈلانے لگے اور ان پر مغرب کا معاشی و سیاسی دباؤ بڑھنے لگا تو عیسائیت کے جوش انتقام کے کم ہونے پر یہودیت کا اثر عیسائی ممالک میں پھیلنے لگا۔ نیز مغرب میں قومیت کا غلبہ ہو گیا، تو ان میں بھی ایک قومی وطن اور قومی مملکت کا خیال نشوونما پانے لگا۔ چنانچہ سمتھ مین اپنی کتاب (Bridge to Islam) میں لکھتا ہے۔ صیہونیت کی پہلی چنگاری لیوینسکر نے روشن کی جو ایک روسی یہودی تھا' اور یہ واقعہ 1881ء میں ہوا۔ ڈاکٹر چم وینز مین سے برطانوی حکومت کی طرف سے یہ وعدہ کیا گیا کہ برطانوی حکومت فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کو ہمدردی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ چنانچہ نومبر 1917ء میں اعلان بالفور کیا گیا جس میں یہ کہا گیا کہ ملک برطانیہ کی حکومت یہودی قوم کیلئے فلسطین میں ایک قومی وطن کے قیام کو ہمدردی سے دیکھتی ہے اور اس مقصد کے حصول میں سہولت پیدا کرنے کے لیے اپنی بہترین کوششوں کو استعمال کرے گی لیکن یہ صاف طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ کوئی ایسی بات نہیں کی جائے گی جو فلسطین میں موجود غیر یہودی قوموں کے موجودہ ایوانی اور مذہبی حقوق یا دوسرے ملک میں یہودیوں کو حاصل شدہ حقوق یا سیاسی مرتبہ کے خلاف ہوں۔

دوسری طرف برطانوی حکومت عربوں کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی اور مختلف معاہدوں کے ذریعے تسلی دے رہی تھی۔ ولسن کے چودہ نکات میں بھی یہودی مملکت کے قیام کا واضح طور پر کوئی ذکر نہ تھا' لیکن ایسے سیاسی حالات پیدا ہوئے کہ فلسطین کی مقامی آبادی کی یہودی سلطنت میں تبدیلی کرنے کیلئے یہ حربہ استعمال کیا گیا کہ دنیا کے مختلف ممالک سے یہودیوں کو یہاں لاکر آباد کرنا شروع کر دیا۔ اعلان بالفور سے قبل فلسطین میں یہودیوں کی کل آبادی ایک لاکھ تھی۔ فلسطین عرب دنیا کا ایک لانیفک جز تھا اور اس کی آبادی نوے فیصد عرب تھی۔

چنانچہ 14 مئی 1948ء کو یہودیوں نے مملکت اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا۔

تورات اور تالمود

تورات (توریت) یہودیوں کی مقدس کتاب ہے۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ یہودیوں نے تورات میں تحرف و تبدل کر کے اس کی اصل صورت کو مسخ کر دیا۔ تورات میں تحریف کے بارے میں قرآن مجید کی سورۃ میں فرمایا گیا ہے۔

وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون

ترجمہ: ''اور ان میں ایک فریق تھا کہ سنتا تھا اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے''۔ (سورہ البقرہ: آیت نمبر: 75)

مذکورہ آیت میں فریق کے بارے میں مفسرین کا خیال ہے کہ فریق سے مراد وہ لوگ ہیں جو کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام الٰہی سننے کیلئے گئے تھے۔ انہوں نے وہاں سے آ کر یہ تحریف کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ تمام کلام کے آخر میں ہم نے یہ بھی سنا کہ اگر کر سکو تو ان احکام کو کر لینا ورنہ ان کے ترک کرنے کا بھی تمہیں اختیار ہے۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ تحریف سے مراد یہ ہے کہ یہودی تورات کی آیات میں تحریف لفظی و معنوی کرتے تھے۔ یہودی علماء کی تورات کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ بعض اسے الہامی مانتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تخلیق ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مختلف متبرک بزرگوں نے تحریر کی جو روح خداوندی کے زیر اثر تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ تورات پانچویں صدی قبل مسیح میں مرتب و مدون ہوئی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں مذکور ہے کہ بائبل کا لاطینی نسخہ چوتھی صدی کے درمیان نہایت ہی پراگندہ حالت میں تھا اور یہ اختلافات قائم رہے۔ حتیٰ کہ پرانے لاطینی نسخہ کی جگہ جیروم کا اصلاح شدہ نسخہ جو ۳۸۲ سے ۴۰۰ء کے درمیان پوپ ڈیمیس کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ عیسائیوں میں رائج ہو گیا۔ جیوئش انسائیکلو پیڈیا میں مذکور ہے کہ اگرچہ اسفار موسیٰ خود حضرت موسیٰ کی تصنیف بتائی جاتی ہے لیکن تحقیق جدید کی رو سے ان کے قریب اٹھائیس ماخذ تسلیم کیے گئے ہیں۔ پادری ڈاکٹر جے پیرسن سماتھ کا کہنا ہے کہ بائبل آسمان پر سے بنی بنائی نیچے نہیں گری اور وہ جیسا کہ پرانے لاطینی نسخوں میں تصویر کھینچی ہوئی نظر آتی ہے۔ طلائی نسخوں سے جنہیں فرشتے لیے بیٹھے ہیں' نقل کی گئی ہے۔ اسے آدمیوں نے نقل کیا البتہ یہ سچ ہے کہ وہ آدمی خدا کی طرف سے مامور ہوئے تھے' مگر وہ بھی تو انسانی دل اور انسانی کمزوریاں اور انسانی حیات رکھنے والے آدمی تھے' اور یہ بالکل طبعی طور پر لکھی گئی اور جس طرح ہم لکھتے وقت ہاتھ' دل اور دماغ کو استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح لکھنے والوں نے کیا۔

تورات میں شامل کتب (خمسہ موسوی)

یہودی ابتداء میں اپنی مذہبی کتابوں کو اسفار یا اسفار مقدس کہتے تھے پھر جب عیسائیوں نے بائبل مرتب کر لی اور اس کے پہلے حصے کو عہدنامہ عتیق یا عہدنامہ قدیم کا نام دے دیا تو یہودی بھی اپنے صحائف کیلئے عہدنامہ قدیم کی اصطلاح استعمال کرنے لگے۔ بائبل میں شامل عہدنامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں خمسہ موسوی کہلاتی ہیں' اور انہی پانچ کتابوں کو تورات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کی مرتب کردہ ہیں۔ ان کتب میں وہ حصہ بھی شامل ہے جو احکام عشرہ پر مشتمل ہے' جو یہودیوں کے نزدیک خدا کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور الواح

کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر دیا گیا تھا۔ خمسہ موسوی (تورات) میں مندرجہ ذیل کتب شامل ہیں جو بائبل کے عہد نامہ قدیم میں مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) پیدائش (GENESIS)

(2) خروج (EXODUS)

(3) احبار (LEVITICUS)

(4) گنتی (NUMBERS)

(5) استثناء (DEUTERONOMY)

پیدائش (GENESIS)

اسفار مقدس یا خمسہ موسوی میں سے یہ پہلی سفر ہے جسے پیدائش (GENESIS) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تخلیق کائنات اور تخلیق آدم سے لے کر حضرت یوسف علیہ السلام تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے شروع میں تخلیق کائنات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ خدا نے کائنات کی تمام اشیاء اور آدم کو چھ دن میں بنایا' اور ساتویں دن اس کام سے مکمل طور پر فارغ ہوا۔ اس نے ساتویں دن کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا۔ کتاب ہذا کے مطابق خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اس نے انسان کو زمین کی مٹی سے بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا خدا نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا اور انسان کو اس میں رکھا۔ اس نے آدم کو حکم دیا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل نہیں کھانا۔ پھر خدا نے آدم کی پسلی سے ایک عورت (حوا) نکالی۔ اب آدم اور اس کی بیوی دونوں باغ عدن میں ننگے رہتے تھے۔ ایک دن آدم نے اپنی بیوی کے بہکاوے میں آ کر نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کھا لیا' جس کے نتیجے میں انہیں باغ عدن سے نکلنا پڑا۔ باغ عدن سے نکلنے کے بعد آدم کے ہاں اولاد پیدا ہوئی۔ پہلے قابیل (Cain) اور پھر ھابیل (Abel) پیدا ہوا۔ قائن عدن کے مشرق کی طرف نود کے علاقہ میں جا بسا۔ اس کے ہاں حنوک اور حنوک سے عیراد پیدا ہوا۔ عیراد نے محویا ایل اور اس سے متوسا ایل پیدا ہوا۔ جس کے تین بیٹے یابل' یوبل اور بلقائن تھے۔ آدم کے ایک بیٹے کا نام سیت تھا جس کے ہاں انوس نامی پیدا ہوا۔ انوس کے ہاں قینان اور کنعان کے ہاں محلل ایل پیدا ہوا۔ محلل ایل سے یادد اور یادد سے حنوک پیدا ہوا۔ یادد کے بیٹے کا نام متوسلح تھا اور متوسلح کے بیٹے کا نام لمک اور پھر لمک کے ہاں نوح پیدا ہوا۔ نوح کے دو بیٹوں یعنی سم (سام) اور حام کی اولاد دنیا میں پھیلی اور بنی اسرائیل کی مصر میں۔

غیر اسلامی عقائد:

کتاب پیدائش میں مذکور مندرجہ ذیل باتیں اسلامی عقائد کیخلاف ہیں۔

(1) حضرت اسحٰق کی قربانی: تورات میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق (اضحاق) کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا جبکہ قرآن مجید کے مطابق اسماعیل کی قربانی کا حکم ہوا تھا۔

(2) نبیوں کا معصوم ہونا: اسلامی عقیدہ کے مطابق نبی اور رسل معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ کتاب پیدائش میں بعض نبیوں کو گنہگار ٹھہرایا گیا ہے۔

(3) حضرت لوط کا اپنی بیٹیوں سے جماع: کتاب پیدائش میں مذکور ہے کہ حضرت لوط کی بیٹیوں نے اپنے باپ کو شراب پلا دی اور جب انہیں نیکی و بدی کا شعور نہ رہا تو باری باری اپنے باپ سے ہم صحبت ہوئیں۔ یہ واقعہ اسلامی عقیدہ کے سراسر خلاف ہے اور ایک پیغمبر پر تہمت کبیرہ ہے۔

خروج (EXODUS):

اس کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات اور بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت کے وقائع و آثار ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں حضرت موسیٰ کے خدا سے ہم کلام ہونے شریعت عطا ہونے اور احکام شرعی کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر جانے کے بعد حضرت ہارون نے اپنی قوم کی فرمائش پر بچھڑے کا ایک بت بنوایا اور پھر اس کی پرستش شروع کر دی۔ اسلامی روایات کے مطابق یہ بت حضرت ہارون نے نہیں بلکہ سامری نامی منافق شخص نے بنایا تھا۔

احبار (LEVITICUS):

یہ تیسری کتاب ہے جو سفر ثالث کے یا احبار کے نام سے موسوم ہے۔ اسے درویشوں کی کتاب بھی کہا جاتا ہے۔ احبار لفظ حبر (Hibr) کی جمع ہے۔ یہودی اپنے دینی عالم یا کاہنوں کے سردار کو حبر کہتے ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں بتایا گیا ہے کہ خداوند نے خیمہ اجتماع میں سے موسیٰ کو بلا کر اس سے کہا کہ بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ جب تم میں سے کوئی خداوند کیلئے چڑھاوا چڑھائے تو تم کو چوپایوں یعنی گائے بیل اور بھیڑ بکری کا چڑھاوا چڑھانا۔ اس کے بعد کتاب ہذا میں قربانی کی شرائط بالتفصیل بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں حلال و حرام صفائی طہارت خیر و شر میں تمیز مذہبی رسومات اور شرعی احکام بھی اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں۔

گنتی (NUMBERS):

اسے السفر الرابع (Sifr-Rabiu) بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں بنی اسرائیل کی مختلف شاخوں کی تقسیم اور ہر قبیلے کے افراد کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ کتاب ہذا کے مطابق بنی اسرائیل کے ملک مصر سے نکل آنے کے دوسرے برس کے دوسرے مہینے کی پہلی تاریخ کو سینا کے بیابان میں خداوند نے خیمہ اجتماع میں موسیٰ سے کہا کہ تم ایک ایک مرد کا نام لے لے کر گنو اور ان کے ناموں کی تعداد سے بنی اسرائیل کی ساری جماعت کی مردم شماری کا حساب ان کے قبیلوں اور آبائی خاندانوں کے مطابق کرو۔ بیس برس اور اس سے اوپر اوپر کی عمر کے جتنے اسرائیلی جنگ کرنے کے قابل ہوں ان سبھوں کے الگ الگ ناموں کو تم اور ہارون دونوں مل کر گن ڈالو۔ اس بنا پر اس کتاب کا نام گنتی یعنی نمبرز رکھا گیا ہے۔

استثناء (DEUTERONOMY):

یہ خمسہ موسوی کی پانچویں کتاب ہے جس میں یہودیوں کیلئے شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یسوع آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔ کتاب ہذا کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات کے بعد مواب نامی پہاڑی سلسلہ میں مدفون ہوئے۔ مذہبی قوانین کے اعتبار سے اس کتاب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

تعلیمات:

تورات کے مطابق اہم شرعی احکام یہ ہیں۔

(1) خدا کے علاوہ کسی کو معبود نہ ماننا۔

(2) بت بنانے اور پوجنے سے ممانعت۔

(3) قتل نہ کرنا اگر کوئی کسی کو قتل کرے تو وہ اس کے بدلے اسے قتل کردے۔

(4) زنا نہ کرنا' زنا کرنے پر سنگسار کرنے کی سزا۔

(5) چوری نہ کرنا

(6) اپنے پڑوسی کیخلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔

(7) سبت کے دن کو پاک ماننا اور سبت کے روز کوئی کام کرنے کے بجائے آرام کرنا۔ (یعنی ہفتہ کا دن)

(8) والدین کی عزت کرنا۔

(9) خداوند کیلئے قربانی کرنا۔

(10) یتیموں اور بیواؤں سے انصاف کرنا اور ان کی مدد کرنا۔
(11) پردیسیوں سے ہمدردی کرنا۔
(12) نافرمانبردار یا فاحشہ بیوی کو طلاق دے دینا۔
(13) غلام کی اولاد کو اپنا غام بنا لینا۔
(14) نکاح میں عورتوں کو حق مہر دینا۔
(15) عورت کا خاوند کی مطیع ہو کر رہنا۔
(16) صلح نہ کرنے والے دشمن کا محاصرہ کر کے تمام مردوں کو قتل کر دینا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لینا۔
(17) عورت کا ورثہ میں حقدار نہ ہونا۔
(18) یوم آخرت پر یقین رکھنا۔
(19) شراب نوشی نہ کرنا۔

تالمود: (TALMUD)

تالمود یہودیوں کی ایک مقدس کتاب ہے جسے عہدنامہ عتیق کے تشریحی لٹریچر کی حیثیت حاصل ہے۔ بعض یہودیوں کے نزدیک تورات کو تالمود پر تفوق حاصل ہے اور بعض کے نزدیک اس کے برعکس تالمود تورات سے زیادہ اہم مقدس کتاب ہے۔ بعض کا عقیدہ ہے کہ جو شخص صرف تورات کو مانے اور تالمود کو نہ مانے وہ نجات کا حقدار نہیں' یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ تالمود میں شامل کلام مختلف اوقات میں مذہبی رہنماؤں مثلاً انبیاء احبار ادیبوں اور کاتبوں وغیرہ پر الہامی صورت میں وارد ہوا ہے۔

تالمود کی ترتیب و تدوین:

یہودی روایات کے مطابق ہیکل کی تباہی کے بعد یہودیوں کے مذہبی رہنماؤں (فریسیو) نے ایک سو عیسوی کے قریب ایک مجلس منعقد کی جس میں مذہبی قوانین کی شیرازہ بندی کا اہتمام کیا گیا۔ اس سے قبل کئی صدیوں سے مذہبی عقائد و نظریات پر مشتمل روایات سینہ بہ سینہ اور نسل در نسل منتقل ہوتی چلی آ رہی تھیں۔ اس مجلس نے ان روایات کو جمع کیا اور پھر ایک مجموعہ کی تیاری میں یہود ادبی اور اس کے شاگردوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ مجموعہ تالمود کے نام سے مشہور ہوا۔

تالمود کیخلاف عیسائیوں کا ردعمل: تالمود میں چونکہ غیر یہودیوں خصوصاً عیسائیوں کو ایذا پہنچانے اور قتل کر دینے کا حکم دیا گیا۔ اس لیے اسے عیسائیوں کے پوپ نے 553ء میں خلاف قانون قرار دے دیا لیکن اس کے باوجود یہودی تالمود پڑھتے اور اس پر عمل کرتے رہے۔ 1725ء

میں باصل شہر میں تالمود کا پہلا نسخہ شائع ہوا۔ عیسائی ممالک میں تالمود کو جلانے کا عمل جاری رہا۔ انیسویں صدی میں جب تالمود کا ترجمہ پیرس سے شائع ہوا تو اس کیخلاف زبردست احتجاج ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ تالمود مطبوعہ صورت میں عام دستیاب نہیں ہے۔ اس کے مخطوطات بعض ممالک کی لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔

تالمود کے حصے:

تالمود دو حصوں پر منقسم ہے ایک حصہ مشنا اور دوسرا جمرا کہلاتا ہے۔ ان دونوں حصوں کو مجموعی طور پر تالمود کہا جاتا ہے۔

ا۔ مشنا (MISHNAH):

مشنا یہودیوں کے مذہبی رہنماؤں کی ان روایات کا مجموعہ ہے جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں اور بعد میں تحریری صورت میں وجود میں لائی گئیں۔ یہ مشنا چھ حصوں پر منقسم ہے۔

(1) زرائیم (ZRAIM):

اس میں زراعت اور پیداوار سے متعلق شرعی حدود و قیود اور احکامات بیان کیے گئے ہیں۔

(2) موعد (MOED):

اس میں مذہبی رسومات اور تہواروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور قوم بنی اسرائیل کی مختلف زیادتیاں جیسے یوم سبت، بقرہ ذبح کرنے کا واقعہ اور من و سلویٰ ان سب کا ذکر اس حصے میں موجود ہے۔ یوم سبت کا واقعہ یوں ہے کہ بنی اسرائیل پر آزمائش ڈالی گئی تھی کہ وہ یوم سبت یعنی ہفتہ کے روز میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی۔

قرآن حکیم میں بھی یوم سبت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ روایت ہے کہ شہر ایلہ میں بنی اسرائیل آباد تھے۔ انہیں حکم تھا کہ وہ ہفتہ کے دن کو عبادات کیلئے مخصوص کر دیں اور اس میں کسی قسم کا شکار نہ کریں اور ہر قسم کے دنیاوی مشاغل ترک کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ان کی آزمائش کیلئے کیا تھا۔ بنی اسرائیل کے لوگ بستی کے قریب جو دریا تھا وہاں مچھلی کا شکار کرنے جاتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے قوم کو منع فرمایا کہ وہ ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار نہ کریں جبکہ باقی چھ روز یعنی اتوار، سوموار، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ان چھ دنوں میں شکار کر سکتے ہیں۔

لیکن ان کی آزمائش کیلئے ان دنوں دریا میں پانی بھی کم رہتا تھا اور مچھلی بھی تھوڑی نظر آتی تھی جبکہ بروز ہفتہ پانی کی کثرت ہوتی تھی اور مچھلی بھی زیادہ نظر آتی تھی۔ بنی اسرائیل سے یہ

برداشت نہ ہوتا تھا لیکن بحکم باری تعالیٰ وہ شکار نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے اِبتلا (آزمائش) کا خیال نہ رکھتے ہوئے۔

اعتداء (زیادتی) کا راستہ اختیار کر لیا۔ وہ ایسا کرتے تھے کہ جمعہ کے روز دریا کے کنارے چھوٹے چھوٹے گڑھے بنا لیتے تھے۔ وہ اس لئے کہ جب ہفتہ کے دن دریا میں پانی زیادہ ہوگا ان گڑھوں میں گرے گا اور ساتھ ساتھ مچھلیاں بھی آ جائیں گی۔ پھر اگلے روز یعنی اتوار کو وہ اپنا شکار حاصل کر لیتے تھے۔ روایت ہے کہ چالیس یا ستر سال تک یہی عمل جاری رہا یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت کا عہد آیا۔ آپ نے لوگوں کو اس نافرمانی سے منع کیا اور فرمایا کہ باز آ جاؤ ورنہ عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ گے۔ وہ باز نہ آئے۔ پس آپ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر بنا دیا۔

سورہ الاعراف میں اس واقعہ کا تفصیلی ذکر ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وسلهم عن القربة التی كانت حاضرة البحر اذ يعدون فی السبت اذ تاتيهم حيتانهم يوم سبتهم شرعا و يوم لايسبتون لا تاتيهم كذلك نبلوهم بما كانوا يفسقون O و اذ قالت امة منهم لم تعظون قوما الله مهلكهم او معذبهم عذابا شديدا قالوا معذرة الى ربكم و لعلهم يتقون O فلما نسوا ما ذكرا به انجينا الذين ينهون عن السوء و اخذنا الذين ظلموا بعذاب بئيس بما كانوا يفسقون O فلما عتوا عن ما نهوعنه قلنا لهم كونوا قردة خاسئين O

ترجمہ: ”اور ان سے حال پوچھو اس بستی کا جو دریا کنارے تھی جب وہ ہفتہ کے روز کے بارے میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔ جب ہفتہ کے روز ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ان کے سامنے آتیں اور جو دن ہفتہ کا نہ ہوتا وہ نہ آتیں۔ اس طرح ہم ان کو آزماتے تھے ان کی نافرمانی کے سبب اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے۔ بولے تمہارے رب کے حضور معذرت اور شاید وہ ڈریں پھر جب بھلا بیٹھے اس نصیحت کو جو انہیں ہوئی تھی ہم نے بچا لیا ان کو جو برائی سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو برے عذاب میں پکڑا ان بدلے میں جس کی وہ

نافرمانی کرتے تھے پھر جب انہوں نے حکم امتناعی کی سرکشی کی ہم نے ان سے کہا جاؤ ہو جاؤ دھتکارے ہوئے بندر۔" (سورہ الاعراف: آیات 163 تا 166)

روایت ہے کہ یوم السبت پر بنی اسرائیل تین گروہوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ ایک تہائی (یعنی 33%) لوگ ایسے تھے جو خود بھی شکار سے باز رہے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔ ایک تہائی لوگ خاموش لوگ تھے جو منع نہ کرتے تھے اور منع کرنے والوں سے کہتے تھے ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے اور ایک تہائی وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی مچھلی کا شکار کیا کھایا اور بیچا پس یہ لوگ دھتکارے ہوئے بندر بنا دیے گئے۔

اس واقعہ کا ذکر سورہ الاعراف کے علاوہ مندرجہ ذیل سورتوں میں بھی ملتا ہے:

(1)	سورہ البقرہ	آیت: 65
(2)	سورہ النساء	آیت: 47
(3)	سورہ النساء	آیت: 154
(4)	سورہ النحل	آیت: 124

(3) ناشم (NASHIM):

اس میں شادی نکاح عدت اور عورتوں سے متعلقہ مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

(4) نزیقین (NEZKIN):

اس میں کفارہ تاوان اور قصاص سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

(5) کودوشیم (KODOSHIM):

اس میں مقدس اشیاء اور مقدس مقامات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(6) توہوروتھ (TOHOROTH):

اس میں طہارت اور پاکیزگی کے شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں۔

ب: جمرا

اس میں مختلف پیشوں کے بارے میں مذہبی احکام اور مختلف مذہبی قوانین و رسوم کی تشریح بیان کی گئی ہے۔

تالمود کے مندرجات

اللہ کے بارے میں: تالمود میں اللّٰہی توحید کا تصور واضح نہیں ہے۔ اس میں اللہ کے بارے میں بعض عجیب وغریب اخیلہ باطلہ پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک موقع پر لکھا ہے کہ جب اس کا غصہ فرو ہوا تو وہ اپنے کیے پر پریشان اور نادم ہوا۔ تالمود کے مطابق خدا خیر وشر کا منبع ہے۔

یہودی ارواح کا دیگر انسانوں کی ارواح سے برتر ہونا

تالمود میں مذکور ہے کہ یہودیوں کی ارواح عام انسانوں کی روحوں سے بلند و بالاتر ہیں اور یہودیوں کی ارواح خدا کی روح کا حصہ ہیں۔

غیر یہودی کے ساتھ سلوک:

تالمود کے مطابق غیر یہودیوں کے ساتھ ہر قسم کا ظلم وستم جائز ہے۔ غیر یہودیوں کا مال چرایا جا سکتا ہے۔ ان کا مال لے کر واپس کرنا ممنوع ہے۔ غیر یہودیوں کی مدد کرنا ممنوع ہے۔

سودی کاروبار:

تالمود کے مطابق غیر یہودیوں سے سود پر قرض لینا جائز ہے۔

حصول اقتدار:

تالمود کے مطابق ہر یہودی پر فرض ہے کہ وہ روئے زمین پر بسنے والی تمام مخلوق کو اقتدار سے محروم کر کے خود صاحب اقتدار بن جائے کیونکہ زمین پر صرف انہی کا حق ہے۔

زنا:

تالمود کے مطابق غیر یہودی عورت سے زنا کرنا جائز ہے۔ علاوہ ازیں یہودی مرد راز داری سے کسی بھی عورت سے زنا کر سکتا ہے۔

بیوی کا مقام:

تالمود کے مطابق مرد اپنی بیوی کو ہر طریقے سے استعمال کر سکتا ہے۔ تالمود میں بیوی کی مثال گوشت کے اس ٹکڑے سے دی گئی ہے جو قصاب سے خرید کیا جاتا ہے۔

عہد نامہ قدیم کا تنقیدی مطالعہ:

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کا ایک نسخہ لکھ کر تابوت میں

دو الہامی تختیوں کے ساتھ رکھ دیا تھا۔ یہودی قوم کو راہ راست پر لانے کیلئے اصل مراجع کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت تھی مگر بدقسمتی سے وہ نسخہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیار کیا تھا وہ ان دو تختیوں کے ساتھ موجود نہیں تھا حضرت سلیمانؑ کے بعد بنی اسرائیل کی قوم جنگ و جدل کا شکار ہو گئی اور ان کی دو مختلف سلطنتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں آٹھویں صدی ق م میں سیریا والوں نے سماریہ کی سلطنت کو تباہ کر کے بنی اسرائیل کو گرفتار کیا اور نینوا (Nenva) لے گئے اور آج محققین کی بڑی سے بڑی کوششیں بھی یہ صحیح طور پر نہ ثابت کر سکے گی کہ بنی اسرائیل کے یہ اُساری بالآخر کہاں گم ہو گئے۔ ہیکل اور دوسرے مقدس مقامات پر بت نصب کر دیئے گئے اور بیت المقدس کے عین صحن میں بتوں کیلئے قربان گاہ تعمیر ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ان کتب مقدسہ کا وجود نہیں تھا۔

ہمارے پاس خود تورات کے بیانات بطور شہادت و دلیل کے موجود ہیں۔

1۔ "خدا کا بندہ حضرت موسیٰ" مواب کی سرزمین میں فوت ہوا اور آج تک کوئی انسان ان کی قبر کی شناخت نہ کر سکا۔

2۔ "موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل میں اس کی طرح کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا"۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عبادت حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد شامل کی گئی ہے۔

3۔ سفر تکوین باب میں ہے کہ "فلسطین (جو آج کل موجودہ اسرائیل کہلاتا ہے) کی سرزمین میں ان بادشاہوں نے بادشاہت کی"۔

بیت المقدس میں واپسی سے قبل یہودیوں نے ایام قید و بند میں گھروں میں دینی مجالس کا انتظام کیا تھا جن میں ہر شخص یا وہ اشخاص جو حضرت موسیٰؑ سے واقف تھے وہ پہلے ان آیات کو پڑھتے تھے جو قدیم زبان میں تھیں۔ اور پھر ان میں تحرف و تبدل کر کے تحریر کر لیتے تھے۔ یہ سلسلہ بیت المقدس میں واپسی تک بھی جاری رہا۔ غالباً یہی وہ حکایات تھیں جو حضرت عزیر (Uzair) کی بیان کردہ کتابوں کی ماخذ تھیں۔

چنانچہ کتاب دوم باب میں مذکور ہے:

"دوسرے روز ایک آواز نے مجھے بلایا اور کہا اے عزیر اپنا منہ کھولو اور وہ کچھ پیو جسے میں تم کو پینے کیلئے دیتا ہوں۔ سو میں نے اپنا منہ کھولا میں نے وہ پیالہ پیا تو سینے میں بصیرت پیدا ہو گئی۔ 40 دنوں میں انہوں نے 204 کتابیں لکھ ڈالیں۔"

عہد عتیق یا تورات کا ماخذ

عہد عتیق یا تورات کی تمام کتابیں نہ تو آسمانی رشد و ہدایت کا مجموعہ ہیں اور نہ وہ انبیائے کرام کی صحیح تعلیمات کی حامل ہیں بلکہ ان کی تخلیق میں درج ذیل عنصر نے کام کیا ہے۔

عہد قدیم کی تمام کتابوں کا سب سے بڑا ماخذ یہودیوں کی مذہبی مجلسوں کے وہ فیصلے ہیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً حالات و واقعات کی روشنی میں دیئے ہیں۔ عبدالرحمان سامی نے اپنی کتاب صفحہ نمبر 62 میں لکھا ہے۔

"کہ بعد میں آنے والے یہودی سی گاگس نے کہا کہ ان یہودی علماء اور زعماء کی تمام مذہبی کوششیں مقدس ہیں۔ چنانچہ ایک عرصے کے بعد سالمود اور صہیونی قراردادیں معرض وجود میں آ گئیں جن کا درجہ تقدس اور مذہبی احترام میں عہد قدیم سے کسی طرح کم نہیں ہے اور اسرائیلی قوانین تمام حمورابی کے قانونی ضابطوں سے بلاواسطہ ماخوذ ہیں جن کا ذکر یہاں کیا ہے کہتے ہیں قصاص کے جملہ قوانین تقریباً اسی سے ماخوذ ہیں"۔

(۱۔ انبیائے کرام از مولانا ابوالکلام آزاد ص ۲۵۳ تا ۲۵۴)

(۲۔ ارض القرآن: سید سلیمان ندوی جلد ۱ ص ۱۴۶)

عہد نامہ قدیم اور قرآن:

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عہد نامہ قدیم کا اصل نسخہ موجود ہے نہ عہد نامہ جدید کا۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے جملہ انبیاء پر وحی نازل فرمائی تھی ان میں مندرجہ ذیل الہامی کتب شامل ہیں۔

۱۔ صحف ابراہیم علیہ السلام

۲۔ تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

۳۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر۔

۴۔ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

یہود کے نزدیک جو شرعی حیثیت تورات کو حاصل ہے زبور کو بھی حاصل نہیں ہے۔
سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 2 میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا

ترجمہ: ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی ہے اور اسے بنی اسرائیل کیلئے ہدایت نامہ بنا دیا (اور حکم دیا تھا) کہ "میرے سوا اور کسی کو وکیل اور کارساز نہ بنانا"۔

اس میں شک نہیں کہ یہود اور نصاریٰ عہد نامہ قدیم کو صحیح مانتے ہیں لیکن ان دونوں قوموں میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے ان کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ مثال کے طور پر

پورفری نے صحیفہ دانیال کو اور ابن عزرا کو علمائے یہود کی تصانیف قرار دیا۔

جدید تنقید و تحقیق نے بالآخر ثابت کر دیا کہ موجودہ تورات اللہ تعالیٰ کا کلام اور من وحی اللہ نہیں بلکہ ان مختلف صحائف کو انسانوں نے درجاتی زمانوں میں تالیف و تصنیف کیا۔ موجودہ تورات حضرت موسیٰ کے بعد کی تالیف ہے کہ اصل منزل (Munzal) من اللہ اور صحیفوں کے ضائع ہونے کے بعد علمائے یہود و نصاریٰ نے انہیں نئے سرے سے تالیف اور مرتب کیا۔

(۱۔ارض القرآن: سید سلیمان ندوی ج ۱: ص ۱۵۳)

(۲۔قصص الانبیاء: عبدالوہاب النجار: ص: ۱۵۵)

تاریخ سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ تورات حوادث زمان کے ہاتھوں کئی بار تلف ہوئی اور کئی بار تالیف ہوئی اور قرین قیاس یہ بھی ہے کہ ہمارے پاس تاریخی ثبوت بھی موجود ہے کہ ان قومی بربادیوں میں یہودیوں کے صحائف مقدسہ بھی حادثات کا شکار ہوتے رہے۔ مختصراً یہ کہ 705 ق م سے 135 ء تک فلسطین متواتر مختلف حملہ آوروں اور فاتحین کا مرکز بنا رہا۔ 700 ق م میں کرب حملہ آور ہوا اور اس نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔

تالمود...... یہودیت کا دوسرا بنیادی ماخذ

یہود کا ایمان ہے کہ "کوہ طور" پر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ کو دو قسم کے قوانین سے نوازا۔ ایک وہ وحی تھی جو پتھر کی تختیوں پر لکھ کر عطا ہوئی اسے "تورہ شکتب" یعنی وحی مکتوب کہتے ہیں۔ یہ قوانین مکتوب قوانین کی خصوصی وضاحت کیلئے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی شکتب پر عمل پیرا ہونے کیلئے تحریری احکامات نازل نہیں کیے تھے بلکہ یہ کام ربیوں کا تھا کہ تورات کے احکامات کی وضاحت کریں اور ان تصریحی قوانین کو بھی مرتب کریں۔ حضرت موسیٰ نے ان قوانین کا درس حضرت ہارونؑ کو دیا۔ انہوں نے حضرت یوشع کو ان کی تعلیم فرمائی۔ یوشع نے سرداران بنی اسرائیل کو پڑھایا۔

پھر ان کی اولاد کی وساطت سے یہ قوانین عزرا کاتب تک پہنچے عزرا نے موجودہ ارکان کو سکھائے مختصر یہ ہے کہ قوانین پندرہ سو برس گزر جانے کے بعد تک بھی احاطہ تحریر میں نہیں لائے جا سکے۔ بالآخر مشنا نام سے رائج کر دیئے گئے۔

مضمون کے لحاظ سے تالمود کی دو اقسام

ایک ملکہ اور دوسری قسم ہجرہ ہے۔

ملکہ: یعنی خاص احکام و شرائع چھ سو تیرہ اوامر و نواہی اور پھر ان کی جزوی حرام حلال کی

تقسیم۔

ہجرہ: اس میں تاریخی روایات آثار وقصص اور کرامات و معجزات کا بیان ہے اس میں کہیں تو الہیات کے رموز اور اسرار ملکوت درج ہیں اور کہیں زمین و آسمان کے عجائبات جنات ارواح خبیثہ کے کرشمے جادو اور طلسمات کے کمالات اور تعویز گنڈے الغرض اس مجموعے کی بدولت یہ مذہب ایک مجموعہ اوہام بن کر رہ گیا ہے۔

دوسری جانب احبار و یہود علماء اپنے نفسانی مقاصد کے حصول کیلئے تورات کے احکام کو توڑنے اور مڑورنے لگے اور یہ کتاب الٰہی اپنی اصلیت گم کر بیٹھی۔

دور جدید میں یہودیت

تحریک اصلاح یہودیت:

سیاسی میدان میں بین الاقوامی سطح پر عجیب وغریب انقلابات و واقعات رونما ہوئے مثلاً امریکہ میں انقلاب اور تحریک جمہوریت کی کامیابی کے بعد یہودیوں کو شہریت کے تمام حقوق ملنے کی ضمانت حاصل ہوگئی کیونکہ امریکی دستور کے مطابق تمام نوع انسان آزاد اور زندہ رہنے کے حقدار ٹھہرے۔ اس طرح یورپ میں انقلاب فرانس کے بعد فرانس میں آباد یہودیوں کو شہریت کے جملہ حقوق مل گئے اور بعد میں نپولین کے عہد حکومت میں یہودیوں کو پوری آزادی مل گئی۔ نپولین جہاں بھی گیا اس نے گیٹوز کو مسمار کر کے یہودیوں کو دوسروں کے ساتھ معاشرتی تعلقات اور میل ملاپ کی کھلی اجازت دے دی' تاہم نپولین' کے بعد یہودیوں کی پھر شامت آ گئی اور اب ان کیلئے صرف دو ہی راستے رہ گئے یا تو وہ دوبارہ ذلت کی زندگی بسر کرنے پر راضی ہو جائیں یا وہ عیسائیت کو اختیار کر لیں چنانچہ بہت سے یہودی عیسائی بن گئے۔

ان یہودیوں نے تحریک اصلاح یہودیت کی تحریک چلائی جس کی خصوصیت یہ تھی۔

(1) معبدوں یا دینی مجالس سینی (گاگس) میں سبت کے دن عبادتوں کو آسان اور مختصر بنا دیا گیا اور اس کے اکثر حصے کا مقامی زبانوں میں ترجمہ کر دیا گیا۔ مسیح موعود کے بارے میں تالمودی تعلیمات کو کم کر دیا گیا۔ قیامت کے دن مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے عقیدے کو باطل قرار دیا گیا اور قومیت کے احیاء کو بے بنیاد اور غیر ضروری سمجھا گیا' فلسطین میں قدیم یہودیوں کی رسم قربانی کو ترک کر دیا گیا' معابد میں باجے گانے شامل کر دیئے گئے اور مذہبی نغموں کا اضافہ کیا گیا۔

اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ مذہبی رسوم کو ہر حالت میں برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ ان کا کام

صرف یہ تھا کہ وہ ظاہری اور باطنی عبادات کو برقرار رکھیں۔

تحریک صیہونیت

تحریک اصلاح یہودیت کے بعد عصر حاضر میں سب سے زیادہ مقبولیت تحریک صیہونیت کو حاصل ہوئی اس کے چند بنیادی عوامل حسب ذیل ہیں:

(1) یہودی دوسری قوموں کی طرح ایک قوم ہیں یہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر زندگی بسر کرنے کے اہل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر وہ یہودی جو کسی ملک میں پیدا ہوا بنیادی طور پر وہی اس کا مسکن ہے لیکن اجتماعی لحاظ سے وہ بین الاقوامی یہودیت کا ایک فرد ہے۔

(2) اس تحریک کے کارکنوں نے بنی اسرائیل کو محبوب اور مقرب الٰہی ماننے سے انکار کر دیا تھا اور یہ کہا ان کی قوم دنیا میں دوسری قوموں کیلئے امامت کا حق واپس لاسکتی ہے۔

(3) انتخاب وعدہ الٰہی اطاعت احکام شریعت اور مصائب میں رضا جوئی اور خدا کی صفات وغیرھا سے ان یہودیوں کا کوئی سروکار نہیں تھا۔

مشہور مورخ محمد اسعد اطلس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے بعد منقسم حصوں میں آباد ہونے والے یہودیوں کے ہم خیال ترک بھی ان کی طرح تھے۔ اس سے پہلے 1802ء میں جب کہ ابراہیم پاشا کو سلطان ترکی کی فوجوں نے شکست دی تھی۔ اس جنگ میں آسٹریلیا اور روس اور برطانیہ نے سلطان ترکی کی امداد کی تھی۔ اس امداد کے بدلے میں 1882ء میں روسی یہودیوں کیلئے سلطان ترکی نے ایک علیحدہ بستی بنانے کی اجازت دے دی تھی۔[1]

پہلی جنگ عظیم کے بعد صیہونیوں نے کوشش کی کہ ترکوں سے مزید مراعات حاصل کر کے یہودیوں کیلئے ایک عظیم مملکت کے قیام کا انتظام کر لیا جائے اور پھر اس کے بعد ترکوں کے دوست جرمنوں کے سامنے امداد کی پیشکش کی جائے لیکن وہ اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکے' مگر وہ اجلاس جو ایک اعلان کی صورت میں 2 نومبر 1917ء کو ظاہر ہوا۔ اس اعلان کا لب لباب یہ تھا کہ ملکہ معظمہ کی حکومت فلسطین میں یہودیوں کیلئے ایک قومی وطن کا تصور دیکھتی ہے اور اس مقصد کے حصول میں آسانی پیدا کرنے کیلئے اپنی جدوجہد جاری رکھے گی مگر یہ واضح رہے کہ ایسی کوئی بات ہرگز نہ کی جائے گی جو فلسطین کی موجودہ غیر ضروری آبادی کے عقائد اور مذہبی حقوق کو نقصان پہنچا سکے یا ان کے سیاسی اور مذہبی عقائد متاثر ہوں۔ اس ریاست میں صرف یہودیوں کو آبادکاری کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن اب اس نقطہ نظر میں تبدیلی پیدا کر کے وہ کہتے ہیں کہ اقتدار اعلیٰ یہودیوں کے ہاتھ اور باقی

دوسرے امور یا اس حکومت میں دوسری قوموں کی رہائش کا مسئلہ خود بخود حل ہو سکتا ہے یعنی یہ کہ اب وہ غیر یہودیوں کے ساتھ رہنا پسند کر چکے ہیں لیکن پھر بھی بعض اہم سوالات ایسے ہیں جن کے بارے میں عصر حاضر کے یہودی نہایت مضطرب اور پریشان ہیں۔ سب سے پہلی بات ان کے استقرار نظر کی ہے۔ دوسری بات غیر پسندیدہ اقوام حکومت میں رکن بنانے کی ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ان تمام کیلئے افرادی قوت ہونی چاہیے جو حقیقت میں ان کے پاس نہیں ہے۔ جغرافیائی حدود کی حفاظت ہونی چاہیے جو ان کو حاصل نہیں' اور معاشی استقلال ضروری ہے جس کیلئے ان کو دوسری بڑی طاقتوں پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے اور آخر میں سب سے بڑی کشمکش جو سیاسی نوعیت کی ہے اس میں جس کی کوئی صورت نظر نہیں آئی بہرحال آئندہ کیا ہوگا اور یہودیت کے احیاء کا کام کون کرے گا اس کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔

قیام حکومت اسرائیل کے دلائل

اگر غور سے دیکھا جائے تو کم از کم یہ بات سامنے ضرور آتی ہے کہ قرآن حکیم میں خطاب بنی اسرائیل کے ان لوگوں سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے جن کی نسل کے کچھ لوگ حضرت محمد صلعم کے ظہور تک فلسطین میں آباد تھے۔ لیکن خطاب ان یہودیوں سے نہیں ہے جو مختلف ممالک اور مختلف جنسوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جو مغربی ملکوں کی سیاسی پالیسی اور مفادات کے پیش نظر فلسطین میں آباد کرائے گئے ہیں ان پر بنی اسرائیل کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

تفصیل کیلئے دیکھیے ڈاکٹر مصطفیٰ کمال وصفی کی کتاب محمد صلعم و بنو اسرائیل۔

بنی اسرائیل اپنے دعویٰ سرزمین فلسطین کے ثبوت کیلئے تین قاعدوں کو پیش کرتے ہیں:

(1) پہلا یہ کہ بنی اسرائیل خدا کی پسندیدہ اور خود مختار قوم ہے۔

(2) دوسرا یہ کہ ان کے معبود نے ان سے اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو اس مقدس زمین میں دوبارہ آباد کریں گے جس میں دودھ اور شہد کی نہریں جاری ہیں۔

(3) تیسرا یہ کہ ان کو اسرائیل میں ریاست قائم کرنے کا شرعی حق حاصل ہے۔

رد دعویٰ استحقاق:

تاریخ ایک بھی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جس میں کسی ملک کو کسی قوم کی تحویل میں محض اس لیے دے دیا گیا ہو کہ تاریخ کے کسی تاریک دور میں اس کے اسلاف اس ملک میں بستے تھے یا حکومت کرتے تھے۔ جیسا کہ ہسپانیہ کے مسلمان جو طارق بن زیاد کی سنگت میں جبرالٹر کے راستے اندلس کی سرزمین پر پہنچے تھے تقریباً آٹھ سو سال سے اپنے قدیم در و دیوار کی چابیاں جیب میں

ڈالے آج بھی پریشان حال اور چاک گریباں پھر رہے ہیں مگر وہ سب لا حاصل اور ہنوز ایک ڈے ڈریم سے کم نہیں۔

اس کے برخلاف عربوں نے تیرہ سو سال تک تاریخ کی کھلی روشنی میں فلسطین پر حکومت کی' یہ دور تاریخ فلسطین میں سنہرا دور تھا۔ فلسطینی عرب ہمیشہ فلسطین کے مالک رہے ہیں۔ خواہ اس پر حکمران رہے ہوں یا محکوم وہ اسی زمین سے اٹھے اور اسی زمین میں مدفون ہوں گے کیونکہ ان کے وجود کی پہچان اسی مٹی سے ہے۔ تقسیم فلسطین کے وقت عربوں کی آبادی نوے فیصد اور دیگر اقوام کی صرف دس فیصد تھی۔

مذہبی و جذباتی وابستگی:

مذہبی وابستگی کی رو سے عربوں کو فلسطین سے اتنی ہی دلی محبت ہے جتنی ایک سچے عابد کو اپنے معبود سے ہوتی ہے۔ یہاں اسلام' عیسائیت اور یہودیت تینوں مذاہب کی عظیم ترین اور متبرک ترین عمارتیں موجود ہیں۔ اس صورتحال کے پیش نظر عدل و انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ فلسطین اسی قوم کے تصرف میں رہتا جس کی وہاں اکثریت تھی۔ اگر یہودی وہاں بطور اقلیت کے رہتے تو ان کی کوئی مزاحمت نہ کرتا لیکن ایک اقلیت کو بزور شمشیر اکثریت میں تبدیل کرنا ظلم و بربریت کی واضح مثال ہے۔

بزور شمشیر کسی بھی ملک پر کسی قوم کو مسلط کرنا کوئی گوارہ نہیں کرتا۔ اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو المانیہ کا وجود کب سے صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہوتا۔ تاریخ کے کسی تاریک دور میں وحشیانہ قوت کا راج ہو تو ہو مگر مذہبی دنیا ایسی ظالمانہ طاقت کو کبھی تسلیم نہیں کرتی اگر ایسا نہیں تو اقوام متحدہ جیسے مقدم اداروں کو فی الفور موقوف کرنا پڑے گا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو شمشیر کا حق بھی تو انگریزوں کو پہنچتا تھا کہ وہ فلسطین کو بطور تحفہ اسرائیل کی جھولی میں ڈال دیں۔ میرے اس نظریے کی ناقابل تردید تائید لارنس کے مکتوبات سے ملتی ہے۔

دوران جنگ عربوں کی ترکوں کیخلاف بغاوت اس لیے نہیں تھی کہ ترکوں کی حکومت خراب تھی بلکہ اس لیے کہ عرب آزادی چاہتے تھے۔ انہوں نے جنگ کی آگ میں جانیں اس لیے نہیں جھونکی تھیں کہ وہ آقاؤں کی تبدیلی چاہتے تھے۔ بلکہ اس لیے کہ وہ آزاد قوم کی صف میں اپنا صحیح مقام حاصل کرنا چاہتے تھے۔

عہد نامہ قدیم کا ناقدانہ جائزہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توات کا ایک نسخہ لکھ کر تابوت میں دو الہامی تختیوں کے ساتھ

رکھ دیا تھا۔ یہ بیان خود موجودہ تورات اور انجیل کا ہے۔ یہ کتاب خروج کی ظرف اشارہ ہے۔ زمانہ گزرتا گیا اور بنی اسرائیل مختلف تاریخی حالات و واقعات سے دوچار ہوتے گئے۔ جن کے نتیجے میں یہودی قوم کے اندر ''فاسقوں'' فاجروں اور الہامی تعلیمات سے انکار کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد پیدا ہو گئی۔ ان کو راہ راست پر لانے کیلئے اصل مصادر اور مراجع کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پڑی اور حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں تابوت کو کھول دیا گیا مگر بدقسمتی سے وہ نسخہ جو حضرت موسیٰؑ نے تیار کیا تھا جس میں صاف طور پر سب کچھ بتا دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل باہمی تشدد کے عذاب میں گرفتار ہوئے اور ان کی دو مختلف سلطنتیں ایک دوسرے کے مقابل رقیبانہ حیثیت سے قائم ہوئیں' یعنی ایک بنی اسرائیل پر مشتمل سلطنت جس کا دارالحکومت سماریہ تھا اور دو قبیلوں یعنی یہودا اور بنیامین پر مشتمل دوسری سلطنت ہمارے پاس خود تورات کے بیانات بطور شہادت و دلیل کے موجود ہیں۔

1۔ ''خدا کا بندہ حضرت موسیٰؑ'':

مواب کی سرزمین میں فوت ہوا اور آج تک کوئی انسان ان کی قبر کی شناخت نہ کر سکا اور یہ عقلاً محال ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس قسم کی عبادت اپنے بارے میں لکھیں۔

2۔ ''موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں اس کی طرح کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عبارت حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی وفات کے بعد شامل کی گئی ہے''۔

3۔ سفر تکوین کہ ''ادوم کی سرزمین میں ان بادشاہوں نے بادشاہت کی''۔

علی ہذا القیاس دوسرے تمام ابواب اور تورات کی تمام کتابیں کیسے لکھی گئیں کب اور کہاں لکھی گئیں؟ اور ان کے لکھنے والے کون تھے؟ کون جانتا ہے؟

بیت المقدس میں واپسی سے قبل یہودیوں نے ایام قید و بند میں گھروں میں دینی مجالس یا (SYNAGOGUES) کا انتظام کیا تھا۔ جن میں ہر شخص یا وہ اشخاص جو حضرت موسیٰؑ اور بعد کے آنے والے انبیاء کی تعلیمات سے واقف تھے اپنے حافظے کی مدد سے ان تعلیمات کو حاضرین مجلس کے سامنے بیان کرتے تھے۔

تورات کس طرح مرتب ہوئی:

اس کے بارے میں مختلف بیانات و نظریات ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ عزرا (حضرت عزیرؑ) نے زمانہ اسیری میں اسفار مقدسہ کا خصوصیت سے مطالعہ کیا اور ان غلطیوں کو درست کیا جو کاتبوں کی کوتاہی سے ان مقدس نوشتوں میں داخل ہو چکی

تھیں۔ اس نے ان تمام کتابوں کو اکٹھا کیا جو اس زمانے میں مقدس مانی جاتی تھیں۔ انہیں ترتیب دیا اور اپنے عہد میں بائبل کا قانون مدون کیا۔ اس نے مقدس روح کی مدد سے ان میں اور چیزوں کا اضافہ بھی کیا جو توضیح مطالب یا ترتیب اور تکملہ کیلئے ضروری سمجھی گئیں۔ ایک دوسرا بیان (Eneyclopaedia of Biblical Litrature) سے ملتا ہے۔[1]

"دوسرے روز ایک آواز نے مجھے بلایا اور کہا عزرا اپنا منہ کھولو اور وہ کچھ پیو جسے میں تمہیں پینے کیلئے دیتا ہوں۔ سو میں نے اپنا منہ کھولا تب دیکھو اس نے مجھ تک ایک پیالہ بھیجا وہ پانی سے بھرا معلوم ہوتا تھا پھر میں نے یہ پیا اور پینے سے میرا حافظہ اتنا اچھا ہو گیا کہ 40 دن تک بیٹھے مسلسل لکھتا رہا۔ اور اسی طرح 40 دنوں میں 204 کتابیں لکھ ڈالیں۔"

یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں کی اپنی اصل زبان عبرانی تھی لیکن بائبل سے مراجعت کے وقت اور اس کے بعد ان کی عبرانی زبان نہیں رہی بلکہ آرامی ہو گئی۔ چنانچہ اسی انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ جوزیفس (Josefins) لکھتا ہے:

"یہ کتاب جس کی تاریخ 5000 سال پر مشتمل ہے اسے میں نے اپنی مقدس کتابوں سے مرتب کیا ہے لیکن میں نے ان کا ترجمہ یونانی زبان میں کروا دیا ہے کیونکہ بادشاہ مصر بطلیموس نے اپنے کتب خانہ سکندریہ کیلئے یہود کی کتب مقدسہ کی ایک نقل حاصل کرنے کی خواہش کی تھی۔ وہاں سے 70 علماء کو منتخب کر کے ایک جزیرے میں بھیجا گیا جہاں ان میں سے ہر ایک نے کتب مقدسہ کا الگ الگ ترجمہ کیا۔ 70 علماء کی وجہ سے اس نسخے کو نسخہ سبعینہ کہتے ہیں۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ خود حضرت عزیز کی اصل کتابیں کہیں موجود نہیں تاریخ میں ان کے یونانی ترجمے کا ذکر ہے۔ مثلاً آدم سے طوفان نوح تک کا زمانہ عبرانی نسخے کے مطابق 1551 سال کا ہے لیکن یونانی ترجمے میں اس کا زمانہ 2262 سال لکھا گیا ہے۔

اسلام اور یہودیت

تقابلی جائزہ

اسلام کے علاوہ جیسا کہ تمام مسلم غیر مسلم اور مستشرقین جانتے ہیں دیگر تمام مذاہب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے اور ان کے امانت داروں نے اپنے گھروں کو چمکانے کیلئے اپنے مذاہب میں من پسند تبدیلیاں کرلیں۔ ایسی کارروائیوں کی نشاندہی قرآن عظیم کی آیات سے صاف مترشح ہوتی ہے۔

سورہ البقرہ میں ارشاد ہے:

وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون (سورہ البقرہ آیت: 75)

ترجمہ: ''اور ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو عقل اور علم والے ہونے کے باوجود اللہ کے کلام کو سنتے ہیں اور پھر اس میں تبدیلیاں کر ڈالتے ہیں۔''

آج اس تحریف و ترمیم کا ہی یہ شاخسانہ ہے کہ یہودی عقائد و تعلیمات میں شدید تخالف و تشاکل پایا جاتا ہے۔ وگرنہ آج عیسٰی یا عزیر (Uzair) کو اللہ کا بیٹا نہ بنایا جاتا۔ حالانکہ اسلام اور یہودیت میں تصور الہ مشترک ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یہود کہتے ہیں کہ عزیر (Uzair) اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں۔ ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے خدا کی مار ان پر' یہ کہاں سے دھوکا کھا رہے ہیں انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں' پاک ہے وہ ان مشرکانہ

باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کئے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے۔"

حضرت عزیر کے بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"عزیر سے مراد عزرا (Ezra) ہیں جن کو یہودی اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں۔ ان کا زمانہ 450 قبل مسیح کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جو دور ابتلاء بنی اسرائیل پر آیا اس میں نہ صرف یہ کہ تورات دنیا سے گم ہو گئی تھی بلکہ بابل کی اسیری نے سرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت' اپنی روایات اور اپنی قومی زبان' عبرانی تک سے نا آشنا کر دیا تھا۔ آخر کار انہی عزیر یا عزرا نے بائبل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا اور شریعت کی تجدید کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض یہودی گروہوں نے ان کو ابن اللہ تک بنا دیا۔ یہاں قرآن مجید کے ارشاد کا مقصود یہ نہیں ہے کہ تمام یہودیوں نے بالاتفاق عزرا کاہن کو خدا کا بیٹا بنایا ہے بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا کے متعلق یہودیوں کے اعتقادات میں جو خرابی رونما ہوئی وہ اس حد تک ترقی کر گئی کہ عزرا کو خدا کا بیٹا قرار دینے والے بھی ان میں پیدا ہوئے۔

یعنی مصر' یونان' روم' ایران اور دوسرے ممالک میں جو قومیں پہلے گمراہ ہو چکی تھیں ان کے فلسفوں اور اوہام و تخیلات سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے بھی ویسے ہی گمراہانہ عقیدے ایجاد کر لیے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ جو پہلے عیسائی تھے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو انہوں نے منجملہ اور سوالات کے ایک یہ سوال بھی کیا تھا کہ اس آیت میں ہم پر اپنے علماء اور درویشوں کو خدا بنا لینے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ جواب میں حضورؐ نے فرمایا کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جو کچھ یہ لوگ حرام کر دیتے ہیں اسے تم حرام مان لیتے ہو اور جو کچھ یہ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو ضرور کرتے رہے ہیں۔ فرمایا بس یہی ان کو خدا بنا لینا ہے۔ اس سے معلوم ہوا

کہ کتاب اللہ کی سند کے بغیر جو لوگ انسانی زندگی کیلئے جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرتے ہیں وہ دراصل خدائی کے مقام پر بزعم خود متمکن ہوتے ہیں اور جو ان کے اس حق شریعت سازی کو تسلیم کرتے ہیں وہ انہیں خدا بناتے ہیں۔

یہ دونوں الزام یعنی کسی کو خدا کا بیٹا قرار دینا' اور کسی کو شریعت سازی کا حق دے دینا' اس بات کے ثبوت میں پیش کیے گئے ہیں کہ یہ لوگ ایمان باللہ کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ خدا کی ہستی کو چاہے یہ مانتے ہوں مگر ان کا تصور خدائی اس قدر غلط ہے کہ اس کی وجہ سے ان کا خدا کو ماننا نہ ماننے کے برابر ہو گیا ہے۔"

ناشکر گزاری کی انتہا

بنی اسرائیل پر اللہ رحمٰن و رحیم کی جیسا کہ قرآنی شواہد بتلاتے ہیں نوازشات اور مہربانیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل واحد قوم ہے جس پر اللہ السلام والمومن نے اپنی نعمتوں اور انعام و اکرام کے مونہہ کھول دیئے مگر اس قوم کے لوگوں نے رحمت خداوندی کی قدر نہ کی اور بالآخر عذاب الٰہی پر ہی مطمئن ہوئی۔

اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس قوم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ کوئی نعمت ٹھکرا دیتے تو ان کیلئے فوری طور پر دوسری نعمت کا اہتمام کر دیا جاتا۔ ان انعام و اکرام کو دیکھ کر بنی اسرائیل والے یہ خیال کرنے لگے تھے کہ اللہ صرف ہمارے لئے ہے اسی لئے بائبل میں بیشتر مقامات پر اللہ کو خداوند بنی اسرائیل کہہ کر ہی خطاب کیا گیا ہے۔

بائبل میں لکھا ہے:

"اے خداوند! اسرائیل کے خدا تجھ سا کوئی خدا نہ اوپر آسمان میں ہے نہ نیچے زمین پر۔" (سلاطین اول: 8: 23)

ایک اور موقع پر لکھا ہے:

"تیرے سوا جہاں تک کہ ہم نے اپنے کانوں سے سنا کوئی خدا نہیں اور دنیا میں تیری قوم اسرائیل کی مانند کوئی اور قوم کون ہے کہ جس کے بچانے کو خدا خود گیا تاکہ اسے اپنی قوم بنائے۔" (سموئیل دوم: 23:22:7)

اسلام نے نافرمانی اور ناشکر گزاری کی مذمت کی ہے اور ایسے لوگوں کیلئے مسلسل عذاب کی وعید سنائی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی شکر گزاری کی تاکید کی ہے۔

قرآن حکیم میں موسیٰ کا لفظ ایک سو چھتیس (136) بار اور بنی اسرائیل کا کلمہ تینتالیس (43) بار استعمال ہوا ہے۔ بنی اسرائیل کی قوم پر انعام و اکرام کی لمبی فہرست ہے اس کیلئے مندرجہ ذیل

آیات کا مع تفاسیر مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

سورہ البقرہ: آیات (40، 47، 51، 52، 54، 55، 60، 61، 67، 83، 92، 108، 122، 136، 211، 246، 248)

سورہ آل عمران: (49، 93)

المائدہ: (12، 32، 70، 72، 78، 110)

سورہ الاعراف: (105، 134، 137، 138)

سورہ یونس: (90، 93)

سورہ بنی اسرائیل: (2، 4، 101، 104)

سورہ مریم: (58)، سورہ طٰہٰ (47، 80، 94)

سورہ الشعراء (17، 22، 59، 197)، سورہ النمل (76)

السجدہ (23)، غافر (53)، الزخرف (59)، الدخان (30)

الجاثیہ (16)، الاحقاف (10)، القصف (14،6)۔

قرآن عظیم کی متعدد آیات شکرگزاری پر زور دیتی ہیں جیسا کہ سورہ الزمر میں ہے:

"اگر تم ناشکری کرو تو بے شک اللہ تم سے بے نیاز ہے اور اپنے بندوں کی ناشکری اسے پسند نہیں اور اگر شکر کرو تو اسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔

(سورہ الزمر: آیت: 7)

اور سورہ ابراہیم میں ہے:

واذ تاذن ربکم لئن شکرتم لا زیدنکم و لئن کفرتم ان عذابی لشدید (سورہ ابراہیم: 7)

ترجمہ: "اور یاد کرو جب تمہارے رب نے سنا دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔"

سورہ البقرہ میں فرمایا گیا:

سل بنی اسرائیل کم اتینھم من ایة بینة ومن یبدل نعمة اللہ من بعد ماجاءتہ فان اللہ شدید العقاب (البقرۃ: 211)

ترجمہ: "بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں اور جو شخص اللہ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے پس (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذاب دینے والا ہے۔"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کی لکڑی' ان کے ہاتھ کی روشنی (ید بیضا) ان کیلئے دریا کو چیرنا' ان پر سخت گرمی میں ابر کا سایہ کرنا' من وسلویٰ اتارنا وغیرہ وغیرہ جن سے میرا خودمختار فاعل کل ہونا صاف ظاہر تھا اور میرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی کھلی تصدیق تھی لیکن تاہم ان لوگوں نے میری ان نعمتوں کا کفر کیا اور بجائے ایمان کے کفر پر اڑے رہے اور میری نعمتوں پر بجائے شکر کے ناشکری کی پھر بھلا میرے سخت عذابوں سے کیسے بچ رہیں گے؟"

اسی ناشکری کی بنا پر قرآن حکیم میں علی الاعلان فرما دیا گیا۔

(1) سورہ المائدہ:

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا الیھود والذین اشرکوا (سورہ المائدہ: 82)

ترجمہ: "تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔"

(2) اسی طرح سورہ المائدہ کی آیت نمبر 51 میں فرمایا گیا:

"اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا دوست بناتا ہے تو پھر اس کا شمار بھی انہی میں سے ہوگا۔"

یہودیوں کی اسلام دشمنی جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں:

ہجرت مدینہ سے شروع ہوتی ہے۔ یہودی زیادہ تر مدینہ' خیبر اور وادی القریٰ کے علاقوں میں آباد تھے۔ وہاں کی معیشت ان کے قبضہ میں تھی۔ عرب عوام زراعت' تجارت اور صنعت جیسے اہم شعبوں سے لاتعلق تھے اس لئے یہ سب کام انہوں نے یہودیوں کو سونپ رکھے تھے۔

مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاق مدینہ کے تحت جب پہلی اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی تو عدل وانصاف اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کی بنا پر یہودیوں سے معاملہ طے فرمایا لیکن ان کی مسلسل عہد شکنیوں اور نافرمانیوں سے تنگ آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کرنے پر مجبور ہو گئے۔

بعد ازاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دفاعی مصلحت کی بنا پر شمال میں

شام تک دھکیل دیا تھا۔

یہودی اپنی اس خود برآوردہ ذلت و رسوائی کو آج تک فراموش نہ کر سکے اور اس کا انتقام خواہ وہ شہادت عثمانؓ تھی یا بنوامیہ یا بنوعباس کا زوال خواہ خاتمہ ہسپانوی حکومت تھا یا خلافت عثمانیہ کا دردناک انجام' آج تک مختلف صورتوں میں لینے کی کوششیں کرتے رہے۔

تورات میں تحریف

قرآن حکیم کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی مگر یہودیوں نے اسے اپنی مذہبی کتاب عہدنامہ عتیق (Old Testament) کا حصہ بنا لیا۔ درحقیقت یہودیت کے مذہبی ادب کا سرچشمہ بائبل ہے جس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ عہد نامہ عتیق کہلاتا ہے جسے یہودی لوگ مانتے ہیں اور دوسرا حصہ عہد نام جدید (New Testament) جسے عیسائی لوگ مانتے ہیں۔

پھر عہد نامہ عتیق کے دو مختلف نسخے ہیں۔ ایک عبرانی زبان میں جو مسودہ (روایتی) کہلاتا ہے اور دوسرا یونانی نسخہ ہے۔

عبرانی نسخہ تین حصوں پر مشتمل ہے ان میں تورات' بنیم اور کیتھیم شامل ہیں۔

پھر تورات کے اندر پانچ کتابیں ہیں جن میں (1) پیدائش' (2) خروج' (3) احبار' (4) گنتی اور (5) استثناء شامل ہیں۔

اصل کتابوں کی گمشدگی اور تحریف کا اعتراف خود عیسائی علماء کرتے ہیں۔

ہمفنڈرڈ اپنی کتاب "The Questions" (مطبوعہ 1843ء) میں لکھتے ہیں:

"ایسی کتابیں جن میں مسیح کو ناصری کہا گیا ہے جیسا کہ متی باب 2 آیت 23 میں ہے سب نیست و نابود ہو گئی ہیں کیونکہ متی کے حوالہ کے علاوہ کسی کتاب میں مسیح کو ناصری نہیں کہا گیا۔"

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ سترہ کتب کا حوالہ عہد نامہ عتیق میں ملتا ہے جیسے جنگ نامہ خداوند (گنتی باب 21 آیت 14) یا نغمات سلیمان ایک ہزار پانچ (حوالہ سلاطین اول باب 4' آیت 22' 23) مگر آج یہ کتابیں موجود نہیں۔

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بزرگ آزر سے مناظرہ کا ذکر تورات میں نہیں ملتا جبکہ کتاب جوبلی میں یہ واقعہ پایا جاتا ہے مگر جسے جعلی قرار دے کر عہد نامہ عتیق سے خارج کر دیا گیا ہے۔

تحریف تورات کے سلسلہ میں ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ موجودہ تورات میں ایسے مقامات اور واقعات بھی ملتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کئی سو سال بعد رونما ہوئے۔ جیسے:

''پھر اسرائیل نے کوچ کیا اور اپنا خیمہ ''مجدل عدر'' کے اس پار کھڑا کیا۔''
(پیدائش:21:35)

تاریخ بتلاتی ہے کہ مجدل عدر بیت المقدس کے ایک مینار کا نام ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سات سو سال بعد حضرت سلیمان نے تعمیر کروایا تھا۔

سموئیل اول باب 8 میں اسرائیل کا بادشاہ کا لفظ کئی بار آیا ہے حالانکہ بادشاہت حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوئی۔ کتاب پیدائش اور استثناء میں ''دان'' شہر کا ذکر ہے جبکہ یہ شہر بعد میں بسایا گیا۔

اور سب سے بڑھ کر کتاب استثناء میں حضرت موسیٰ کی وفات کا ذکر ہے۔ لکھا ہے:

''سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے مطابق موآب کی سرزمین میں مر گیا۔ موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا نہ اس کی آنکھیں دھندلائیں اور نہ اس کی تازگی جاتی رہی۔'' (کتاب استثناء: باب: 24 آیت: 6,5)

کچھ تبدیلیاں علماء یہود نے جان بوجھ کر کیں ان کو تصحیحات احبار کہا جاتا ہے۔ مثلاً

''یہودہ (خدا) ابراہیم کے سامنے کھڑا ہو گیا پس احبار نے اس جملہ کو ہتک سمجھ کر یوں کر دیا ابراہیم یہوداہ کے سامنے کھڑا ہو گیا تاکہ تعظیم قائم رہے۔''

(ہسٹری آف دی انگلش بائبل از ریورنڈ طامس، ص: 14)

بائبل کی متضاد باتیں

بائبل چونکہ کلام اللہ نہیں اس لئے اس میں بہت سی متضاد باتیں پائی جاتی ہیں۔ چند مثالیں پیش ہیں:

1۔ آدم کو کہا گیا جس دن تو نیک و بد درخت کا پھل کھائے گا تو ضرور مرے گا۔ (پیدائش: 27:25)	1۔ آدم پھل کھانے کے بعد 930 برس تک زندہ رہا۔ (پیدائش: 18:2)
2۔ نوح کی کشتی میں سات سات نر و مادہ رکھے گئے۔ (پیدائش: 2:7)	2۔ سب جانوروں کے جوڑے رکھے گے۔ (پیدائش: 10:6، اور باب 6، آیت: 8 اور 9)
3۔ خدا پچھتاتا ہے۔ (پیدائش: باب 6: آیت 6)	3۔ خدا پچھتاتا نہیں۔ (گنتی 9، 23)

4۔ فرشتے وغیرہ کی تصویر نہ بناؤ۔ (خروج: 4' 20)	4۔ اور تو سونے کے دو کروبی (فرشتے) بنائیو۔ (خروج: 21' 25)
5۔ اسرائیل کے بزرگوں نے خدا کو دیکھا۔ (خروج: 9' 24)	5۔ کوئی انسان نہیں کہ مجھے دیکھے اور جیتا رہے۔ (خروج: 20' 33)
6۔ ساتویں دن خدا نے آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔ (خروج: 17' 31)	6۔ خدا تھک نہیں جاتا اور ماند نہیں ہوتا۔ (سیعیاہ: 40' 28)
7۔ ہارون کوہ حور پر مرا۔ (گنتی: 27' 20)	7۔ ہارون سوسیرہ میں فوت ہوا۔ (استثناء: 16' 10)
8۔ جاتی جولیت کو داؤد نے مارا۔ (سموئیل اول: 4:1)	8۔ جاتی جولیت کو انجان بن یاریے نے مارا۔
9۔ ساؤل خود گر کر مر گیا۔ (سموئیل اول: 31:6,4)	9۔ ساؤل کو عمالیقی نے قتل کیا۔ (سموئیل دوم: 1:10)
10۔ میکل مرتے دم تک بے اولاد رہی۔ (سموئیل دوم: 6:27)	10۔ میکل کے پانچ بیٹے تھے۔ (سموئیل دوم: 21:8)

تحریف بائبل اور عیسائی علماء

"عہد نامہ قدیم اپنے ابتدائی زمانہ میں کوئی مذہبی تقدس نہیں رکھتا تھا اس لئے جہاں کہیں تبدیلیوں اور زیادتیوں سے مضمون میں اصلاح کی امید کی جاتی تھی وہاں تبدیلیاں اور زیادتیاں دلیری سے کر دی جاتی تھیں۔"

(Encylopaedia Bibilica), (Vol : 4 Page : 494)

ویلفائن ز جواش انسائیکلوپیڈیا میں صاف صاف لکھا ہے:

"ہمیں اس حقیقت کے اعتراف میں ذرا تامل نہیں کہ عہد نامہ عتیق کی بعض کتابوں میں ردو بدل اور کمی بیشی ہوئی ہے۔"

اسی انسائیکلوپیڈیا میں آگے چل کر لکھا ہے:

"بائبل کی حالت عام طور پر مایوس کن ہے کیونکہ اس کی بعض معلومات اور بیانات یا تو مبہم اور متضاد ہیں یا زمانہ کی تاریخ سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔"

(Valentine's Jewish Encyclopaedia Volume : 2 Page:94:95)

یہودیت میں خدا کا تصور

بائبل میں غیر اللہ کی پرستش کو سختی سے منع کیا گیا ہے چنانچہ بائبل میں لکھا ہے:

"میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔"

(خروج: باب: 20: آیت 3)' (استثناء: 5'14)

ان کے علاوہ متعدد مقامات پر خدا کی وحدانیت سے متعلق بیانات موجود ہیں۔ اسلام اور یہودیت میں یہ قدر مشترک ہے۔ تاہم یہود خدا کو صرف بنی اسرائیل کا خدا ہی خیال کرتے ہیں۔

(سلاطین اول 23:8' سموئیل دوم: 23:22:7)

تصور ملائکہ

یہودیت میں ملائکہ کا ذکر دو طرح کیا گیا ہے ایک یہ کہ فرشتے انسان سے افضل ہیں۔ (پیدائش 22:3 اور 7:11) اور انہیں نیک فرشتے کہا گیا ہے۔

اور پیدائش میں لکھا ہے فرشتوں کی ایک جماعت گناہگار ہوگی اور وہ انسان سے کم تر ہو گئے اور ان کا انصاف انسان کریں گے۔ یہ برے فرشتے کہلاتے ہیں۔

(پیدائش باب 6: آیت 2)

تخلیق عالم

پیدائش باب 1 میں لکھا ہے تخلیق عالم کیلئے خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کے پانی ایک جگہ جمع ہوں اور وہ ہو گئے اور پھر کہا خشکی نظر آئے پس وہ نظر آ گئی۔

بائبل کے اس بیان سے قرآن عظیم کی آیت کن فیکون کی مماثلت ثابت ہوتی ہے۔

اور زبور میں لکھا ہے:

"خداوند کے کلام سے آسمان بنے اور ان کے سارے لشکر اس کے منہ کے دم سے...... اس نے کہا کہ وہ ہو گیا۔ اس نے فرمایا اور وہ برپا ہوا۔ (زبور 33: آیات 9:6)

"ابتداء میں خدا نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا۔ اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی۔ (پیدائش باب: آیات: 26)

سو آسمان اور اور ان کی ساری آبادی تیار ہوئی اور خدا نے ساتویں دن اپنے کام کو جو کرتا تھا پورا کیا۔ اور ساتویں دن اپنے سارے کام سے جو کام کرتا تھا فراغت پائی اور خدا نے ساتویں دن کو مبارک کیا اور اسے مقدس ٹھہرایا۔ اس لئے کہ اس

نے اپنے سب کام سے جو خدا نے کیا اور بنایا تھا اسی دن فراغت پائی۔"
(پیدائش:1:2‘3)

پھر لکھا ہے: "خداوند نے چھ دن آسمان و زمین اور دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا...... چھ دن کام کرنا لیکن ساتواں دن آرام کیلئے سبت ہے۔ (یعنی ہفتہ کا دن ہے) اس لئے کہ چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا' اور تازہ دم ہوا۔" (خروج: 11:20‘ 31‘ 15 تا 17 عبرانیوں 4:4)

ساتویں دن آرام کرنا یہ تحریف و ترمیم کا ثمرہ ہے جبکہ سورۃ البقرہ کی آیت جسے آیت الکرسی کہا جاتا ہے میں اللہ رب العالمین کا فرمان ہے لاتاخذہ سنۃ و لانوم یعنی اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند اور پھر آگے اسی آت میں فرمایا: ولایودہ حفظھما اور وہ زمین و آسمان کی حفاظت سے نہیں تھکتا۔

آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنا دیں اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ (پیدائش 27:27)

"جس دن خدا نے آدم کو پیدا کیا خدا کی صورت پر اسے بنایا۔" (پیدائش 1:5)

حضرت ادریس یا حنوک علیہ السلام

حنوک 300 برس تک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور حنوک کی ساری عمر 365 برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اس لئے کہ خدا نے اسے لے لیا۔"
(پیدائش:24:22:5)

حضرت نوح علیہ السلام

نوح اپنے قرنوں میں صادق اور کامل تھا اور نوح خدا کے ساتھ چلتا تھا۔ (پیدائش 22:5)

لیکن کتاب پیدائش کے باب 9 میں اس طرح بھی لکھا ہے:

"اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے انگور کا باغ لگایا اس نے شراب پی اسے نشہ آ گیا اور وہ اپنے ڈیرے پر برہنہ ہو گیا۔" (پیدائش: باب 9: آیت 21:20)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بائبل میں نہایت اعلیٰ شرف و بزرگی والا نبی کہا گیا ہے۔

''خداوند فرماتا ہے اس لئے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا اپنا اکلوتا ہی بیٹا دریغ نہ رکھا میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا...... تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائیں گی۔'' (پیدائش 22:16-18)

''خداوند نے سب باتوں میں ابراہیم کو برکت بخشی تھی۔'' (پیدائش 23:1)

''ابراہیم نے میری آواز کو سنا اور میری تاکید کو میرے حکموں اور میرے قانونوں اور میرے شرعوں کو حفظ کیا۔ (پیدائش 26:5)

بعض مقامات پر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نہایت گھناؤنے اور شرمناک قصے منسوب کیے گیے ہیں جن سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ایسی حکایات و اسرائیلیات ذاتی مفادات یا مذہبی دشمنی کی بنا پر بعد میں شامل کی گئی۔

ان میں چند واقعات بالاختصار درج کیے جاتے ہیں:

(1) حضرت لوط علیہ السلام کو اس کی دونوں بیٹیوں نے شراب پلائی اور نشہ کی حالت میں باپ کے ساتھ باری باری ہم آغوش ہوئیں۔ بڑی بیٹی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام موآب رکھا گیا اور پھر دوسری بیٹی کے ہاں بھی لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ابن عمی رکھا گیا۔ (پیدائش: باب 19: آیت: 31 تا 38)

(2) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے محل کی چھت سے ایک عورت کو کہیں دور نہاتے دیکھا اور لوگوں کو بھیج کر اسے بلا لیا پھر اس عورت نے بعد میں داؤد علیہ السلام کو خبر بھیجی کہ وہ حاملہ ہے۔ (سموئیل دوم باب 11: آیت 2 تا 5)

(3) حضرت سلیمان علیہ السلام سے متعلق لکھا ہے کہ سلیمان فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے محبت کرتا تھا۔ اس کے پاس سات سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں۔ (سلاطین اول باب 11 آیت 1 تا 6)

تمام الہامی کتب قرآن عظیم کے علاوہ تورات، زبور، انجیل، صحف ابراہیم اور صحف موسیٰ مکمل کر تحریف و ترمیم کا شکار ہوئیں جس کا اعتراف اہل کتاب نے خود کر لیا۔ اب یہاں ایک عام سا سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کس طرح زمانے کے حادثات سے محفوظ رہا اور اس پر ذرہ برابر آنچ نہ آئی۔ پس اس کے پیچھے صرف اور صرف اللہ الحافظ المہیمن کا وعدہ حفاظت قرآن اور اس کی اپنی پسندیدگی کا پہلو ایک حقیقت کے روپ میں سامنے آتا ہے۔

سورہ الحجر کے تاریخ ساز کلمات یہ ہیں:

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون (الحجر:9)

ترجمہ: ”بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن عظیم) کو نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اسم یہودہ کی تلاوت

علماء یہود ہر وقت یہودہ (خدا) کا نام لینے میں اس کی ہتک اور بے ادبی تصور کرتے تھے۔ بابلی طالمود کی رو سے اس کی تلاوت ممنوع ہے یہاں تک کہ کاہن برکت دیتے وقت خدا کا نام نہیں لے سکتا شارحین بائبل نے لکھا ہے کہ جو شخص یہودہ کا نام لے گا اس کی سزا سنگسار ہے اور غیر یہودی کی سزا بھی قتل ہے۔

(Encyclopedia Biblica : Vol : 2 Title : Bible)

جہاں یہودا کا نام آتا ہے وہاں اس سے پہلے ادونی یا ایلوہیم کا لفظ لکھا ہے جس کا مطلب ہے اگلا لفظ نہیں پڑھنا۔

عہد نامہ عتیق میں تعظیم یہودہ سے متعلق کچھ اس طرح مذکور ہے۔

”تو اپنے خدا کا نام بے فائدہ مت لے کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔“ (خروج: 2:2، استثناء: 16,5)

پس اس حکم کے تحت ایک مقدس انسان سال میں ایک مرتبہ بیت المقدس کے اندر خدا کا نام لیتا ہے اور سب لوگ خاموشی سے سنتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا ببلیکا سے ایک مقتبس ملاحظہ کریں:

”یہود خدا کا نام عدم تلاوت کی وجہ سے اس قدر بھول گئے کہ ان کو خداوند کے نام کا صحیح تلفظ بھی یاد نہ رہا پس وہ اسے یہودہ یا یہوا یا یہو پڑھنے لگے تاہم تمام علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ تلفظات غلط ہیں اور صحیح تلفظ یہو ہے جو یاھو کی مختصر شکل ہے اور خروج باب تین آیت چودہ میں موسیٰ کو یہی نام بتایا گیا ہے۔“

مختلف تلفظات کی بحث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہل کتاب کو خدا کا صحیح نام بھی معلوم نہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ وہ ذات جس نے یہ کائنات بنائی اور پھر اسے لاکھوں نعمتوں سے بھر دیا اور جس نے اپنی پہچان کیلئے آدم کو بنایا، اس ذات کا مونہہ سے نام ہی نہ لیا جائے اور اسی تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو یہودا کا لفظ بائبل میں چھ ہزار آٹھ سو تینتیس (6833) مرتبہ استعمال ہوا

ہے۔ اور اللہ کے پسندیدہ مذہب اسلام میں تو انسان کا اٹھنا بیٹھنا' چلنا سونا اور جینا مرنا ان تمام امور کا محرک ذکر الٰہی ہی بتایا گیا ہے۔

سورہ الانعام میں ہے:

قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العالمین (سورہ الانعام: آیت 162)

ترجمہ: ''تم فرما دو بے شک میری نماز میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کیلئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔''

سورہ دہر (اس سورہ کا نام انسان بھی ہے) میں ہے:

و اذکر اسم ربك بكرة و اصيلا (الدہر: 25)

ترجمہ: ''اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کر۔''

اور سب سے بڑھ کر غار حرا میں اترنے والی پہلی آیت کو دیکھئے فرمایا گیا:

اقرا باسم ربك الذی خلق

یعنی پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

یہود علماء کے نزدیک خداوند کا نام زبان سے ادا کرنا جس کا اشارہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتا یہ ہتک اور بے ادبی ہے۔ انسانی عقل سے ماوراء ہے حالانکہ اللہ الرحمٰن الرحیم نے ذکر الٰہی کو ہی اپنا قرب اور وسیلہ نجات بتلایا ہے۔

سورہ البقرہ میں ارشاد ہے:

فاذ کرونی اذکر کم و اشکروا لی ولا تکفرون (البقرہ: 152)

ترجمہ: ''پس تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر بجا لاتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو۔''

عیسائیت

عیسائیت

حضرت عیسیٰ بن مریم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ حسب ذیل ہے: عیسیٰ بن مریم بنت عمران بن ہاشم بن امون بن میشا بن حزقیا بن احریق بن موثم بن عزازیا بن امصیا بن یاوش بن احریہو بن یازم بن یہفاظ بن ایشا بن ایان بن رجعام بن سلیمان بن داؤد

(1) البدایۃ لابن کثیر' ج 2 ' ص 56)
(2) عرائس المجالس' ص 284)
(3) جمھرۃ انساب العرب' ص 504)

ابن حزم کی تصنیف جمھرۃ انساب العرب میں حسب بالا شجرہ نسب کے ناموں میں معمولی فرق ہے۔ متی اور لوقا میں درج ہے کہ عیسائی یوسف نجار کو عیسیٰ کا باپ خیال نہیں کرتے لیکن نسب نامہ اسی کی طرف سے شمار کرتے ہیں۔

نسب نامہ عیسیٰ

لوقا نے جو نسب نامہ دیا ہے وہ متی سے مختلف ہے۔ یہ حسب ذیل ہے:

"یسوع بن یوسف بن عیلی بن متات بن الاوی بن ملکی بن ینا بن یوسف بن شاہ عیتاہ بن عاموس بن ناحوم بن الملیاہ بن نوگہ بن ماعت بن میتیاہ بن سمعی بن یوخ بن یوداہ بن یوحنا بن ریسا بن زر بابل بن سالتی ایل بن تیری بن ملکی بن ادی بن قوسام بن الموادام بن عیر بن یسوع بن الیعزر بن یوریم بن متات بن لاوی بن شمعون بن یہوداہ بن یوسف بن یونان بن الیاقیم بن ملیاہ بن مناہ بن متتاہ بن ناتن بن داؤد بن لیسی بن عوبید بن بوغر بن سلمون بن نحسون بن عمتیذاب بن ارنی

حصرون بن فارص بن یہوداہ بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہام بن تاراہ بن نخور بن سرج بن رخو بن فلج بن عبر بن سلح بن قینان بن ارفکسد بن سیم بن نوح بن فلک بن متوسلح بن حنوک بن یارد بن مہلل ایل بن قینان بن انوس بن سیت بن آدم۔"

عمران کے بارے میں جو کہ حضرت مریم کے والد اور حضرت عیسیٰ کے نانا ہیں بائبل میں کچھ بھی مذکور نہیں ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ کا اصل نسب نامہ (یعنی والدہ کی طرف سے) اناجیل میں مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں عیسیٰ علیہ السلام کیلئے مندرجہ ذیل اسماء بھی استعمال ہوئے ہیں۔

(1)	عیسیٰ	26 مرتبہ
(2)	مسیح	11 مرتبہ
(3)	عبداللہ	2 مرتبہ
(4)	ابن مریم	23 مرتبہ
(5)	وجیھا فی الدنیا والاخرۃ	ایک مرتبہ
(6)	روح اللہ	ایک مرتبہ
(7)	کلمۃ	ایک مرتبہ

قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریمؑ ان کے نانا حضرت عمران اور نانی حنہ بنت فاقوذ (قرآن میں اسے امراۃ عمران کہا گیا ہے) کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

ولادت باسعادت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہ السلام اپنے باپ عمران کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی طرح عام مروجہ طریقے سے ہٹ کر ہوئی۔ (3 آل عمران: 59) آدم علیہ السلام کی تخلیق ماں باپ کے بغیر ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر واسطہ پدری کے عالم وجود میں آئے۔

قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ حضرت مریم علیہ السلام نہایت عابدہ، زاہدہ اور نیک خاتون تھیں۔ چنانچہ ان کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی عورتوں میں سے بطور خاص منتخب فرمالیا۔ (3 آل عمران: 37 تا 42)

انہوں نے ساری عمر اللہ کی عبادت میں بسر کی۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے

خصوصی نشانات کے ظہور کیلئے چن لیا۔ (3 آل عمران: 42)

پھر انہیں کسی قسم کے ظاہری واسطے کے بغیر محض اپنے فضل وکرم سے اپنے ایک نبیؑ کی ماں بننے کی سعادت بخشی۔ (3 آل عمران: 45)

چنانچہ ایک دن جبکہ وہ مسجد اقصیٰ کی مشرقی جانب لوگوں سے عبادت یا طہارت کی غرض سے الگ ہو کر بیٹھیں تھیں کہ انہیں حضرت جبریل علیہ السلام انسانی شکل و صورت میں نظر آئے۔ البتہ محمد بن عبداللہ الکسائی (قصص الانبیاء 3.2:2) نے قدرے مختلف نظریے پیش کیے۔

حضرت مریم علیہ السلام سے جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تمہارے رب کا فرستادہ ہوں اور تمہیں ایک پاکیزہ بیٹے کی بشارت دینے آیا ہوں۔ (19 مریم: 17 تا 19)

حضرت مریم نے کہا وہ بھلا کیسے ممکن ہے؟ مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کیلئے یہ کام کچھ مشکل نہیں۔ اللہ نے جس طرح یہ کائنات بغیر واسطے اور وسیلے کے پیدا کر دی ہے تو کسی ایک شخص کا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ (3 آل عمران: 47 نیز 19 مریم: 20)

چنانچہ حکم خداوندی کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر واسطہ پدری شکم مادر میں قرار پا گئے۔ (19 مریم: 21)

مفسرین کے مطابق اسی بنا پر اس موقع پر قرآن حکیم میں خلق کا لفظ بغیر ذرائع اور اسباب ظاہری کے پیدا کرنے کے آیا ہے۔ (المراغی تفسیر 3:152)

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت عام مروجہ طریقے سے ہٹ کر ہوئی اسی بنا پر قرآن کریم میں ان کیلئے روح اللہ (22 التحریم: 12) اور کلمۃ اللہ (4 النساء: 171) کے دو لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جن کا مفہوم خود قرآن کریم نے کئی مقامات پر واضح کر دیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فاذا نفخت فیه من روحی (10 الحجر: 29)

"یعنی جب میں اس میں اپنی یہ روح پھونک دوں۔"

اس بنا پر حضرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق بھی اس لفظ کا یہی مفہوم ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ظاہری اسباب کی عدم موجودگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں روح ڈال دی۔

(17 بنی اسرائیل: 85)

کلمہ کا مفہوم بھی خود قرآن ہی واضح کرتا ہے کہ ارشاد الٰہی ہے:

انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون

(32 یٰس: 92)

یعنی خدا کا امر تو یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر تمام فقہاء اور مفسرین کے نزدیک روح اور کلمہ کے لفظ سے سب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے جو عربی زبان میں عام طور پر مروج ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام شکم مادر میں قرار پا گئے تو حضرت مریم علیہ السلام کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر یہ واقعہ ہیکل میں رہتے ہوئے پیش آیا تو قوم حقیقت حال سے باخبر ہونے سے ان کا اوران کے بچے کا جینا حرام کر دے گی۔ اسی بنا پر انہوں نے بیت المقدس کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس میں کچھ اختلاف ہے کہ ولادت سے کتنا عرصہ پہلے انہوں نے یہ علاقہ چھوڑا۔

(ابن کثیر: البدایۃ والنھایۃ 2:25 وغیرہ)

اس موقع پر یوسف بن یعقوب النجار کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ جن کو عیسائی (متی 1/1 تا 12) حضرت مریم کا خاوند بتلاتے ہیں۔ اور بعض مسلم مفسرین نے اسرائیلی روایات کی بنا پر یوسف کو حضرت مریم کا خالہ زاد بھائی اوران کے ساتھ عبادت اور خدمت کرنے والا بتلایا ہے۔

(ابن کثیر کتاب مذکور: الکسائی: قصص الانبیاء 2:3.3)

الطبری: تاریخ الرسل والملوک (:725 مطبوعہ لائیڈن)

لیکن قرآن کریم اور مستند روایات میں اس کا قطعاً کوئی ذکر نہیں آتا۔ اسی بنا پر ہمارے نزدیک یہ یہودیوں کی اس سازش کا حصہ ہے جو انہوں نے حضرت مریم علیہ السلام اوران کے بیٹے کو بدنام کرنے کیلئے شروع کی تھی اور چونکہ اناجیل اس واقعے کے بہت عرصہ بعد لکھی گئی ہیں اس لیے بلا تحقیق و تفتیش ان روایات کو ان میں شامل کیا گیا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب آیا تو اس وقت حضرت مریم بیت المقدس سے چند میل کے فاصلے پر کوہ ساعیر کے دامن میں تھیں۔ (محمد حفظ الرحمٰن سیوھاری قصص القرآن (42:4)) یہ جگہ بیت لحم کے نام سے مشہور تھی۔

بعض علماء (ابو الکلام آزاد ترجمان القرآن 2:433) نے جائے پیدائش ناصرہ کو قرار دیا ہے۔ جب تکلیف کا آغاز ہوا تو وہ ایک کھجور کے درخت کے نیچے اس کا سہارا لے کر بیٹھ گئیں۔

انتہائی کرب مستقبل کی پریشانی اور تنہائی کی وجہ سے کہنے لگیں۔ اے کاش میں یہ دن دیکھنے سے پہلے مرگئی ہوتی اور اب تک بھولی بسری ہو چکی ہوتی۔ اس وقت فرشتے نے انہیں نخلستان کے

نشیب سے پکارا مریم غمگین نہ ہو تیرے پروردگار نے تیرے نیچے نہر جاری کر دی ہے اور کھجور کا تنا پکڑ کر ہلا تو پکے اور تازہ خوشے تجھے مل جائیں گے۔ پس تو کھا پی اور اپنے بچے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر۔

(19 مریم: 24 تا 22)

نہر سے مراد پانی کی نعمت بھی ہو سکتی ہے اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جن سے ایک مستقل روحانی سلسلہ چلا۔ (عبدالحئی انور: مذاہب عالم ص 408)

پیدائش کے وقت اناجیل میں مختلف نشانات کا بھی ذکر آتا ہے۔ جو اس موقع پر ظاہر ہوئے۔

ان سے بعض علمائے اسلام نے بھی نقل کر دیے ہیں۔ (الطبری 1:728' 729 بعد)

اس موقع پر حضرت مریم علیہ السلام کو یہ بھی فکر تھی کہ میں قوم کو اس بارے میں کیا جا کر کہوں گی چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے نے انہیں کہا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو تو وہ تم سے اس بچے کی نسبت پوچھے تو کہہ دینا۔

کہ میں نے آج خدا کیلئے چپ رہنے کی نذر مان رکھی ہے لہٰذا جو پوچھنا ہے اس بچے سے پوچھو۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ قوم نے جب ان کی گود میں بچہ دیکھا تو ان کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہم شیر خوار بچے سے کیسے گفتگو کریں۔

(19 مریم: 23 تا 29)

اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قال انی عبدالله اتنی الکتب و جعلنی نبیاہ وُ جعلتی
مبر کا این ماکنت و او حسنی بالعلوۃ و الزکوۃ
مادمت حیاً و کرا بوالدتی و لم یحجلنی جبارا شقیا
و السلام عنی یوم ولدت و یوم اموت و یوم بعث حیا

(19 مریم: 30 تا 33)

یعنی بچے نے کہا کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں ہوں اور جس حال میں ہوں مجھے صاحب برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیا۔"

اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے اور سرکش و بدبخت نہیں

بنایا اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلامتی اور رحمت ہے۔"

حضرت عیسیٰ کے گہوارے میں یہ گفتگو چونکہ خلاف عادت تھی اسی بنا پر یہ ان کا اولین معجزہ قرار دیا گیا ہے۔

اناجیل نے اس واقعے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ بہرحال ان کی عمر آٹھ یوم کی ہوئی تو موسوی شریعت کے مطابق ان کا ختنہ کیا گیا۔ (عبدالوہاب النجار الانبیاء ص 380)

پیدائش کے بعد سے لے کر نبوت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں رہے یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ قرآن وحدیث میں اس مسئلے پر سکوت اختیار کیا گیا۔ (ابن کثیر البدایۃ 75:2) وہب بن منبہ وغیرہ نے جو اسرائیلی روایات کے ماہر تھے۔

یہ نقل کیا ہے کہ حضرت مریم بادشاہ وقت ہیرودوس کے خوف سے مصر کے کسی مقام پر چلی گئیں اور تقریباً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی 12 سال وہیں گزارے۔

(الطبری تاریخ 729:1 تا 733)

اور الکسائی (قصص 25:2، 3.5 تا 3.2) نے اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متعدد معجزات بھی منسوب کیے ہیں جن کا مستند لوگوں نے ذکر کیا۔

ان لوگوں نے زیادہ تر یہ واقعات اناجیل اور عیسائی روایات سے لیے ہیں۔

(متی 1/2 تا 22 وغیرہ)

ابن کثیر (البدایۃ 75:2) وغیرہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بارہ سال کی عمر میں متعدد نشانات کا ظہور ثابت کیا ہے۔ مثلاً دہقان کے گھر میں رہتے ہوئے ایک چور کو حیرت انگیز طور پر دریافت کیا۔

حافظ ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے بعض واقعات بھی نقل کر دیے ہیں۔ قرآن کریم (23 المومنون: 50) سے مترشح ہوتا ہے کہ اسی بچپن کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو ایک جگہ قرار عطا فرمایا۔

جو ٹھنڈے پانی عمدہ آب و ہوا اور رہائش کے قابل کسی قدر اونچی جگہ تھی۔ مفسرین کا اس آیت کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض لوگ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت یعنی بیت المقدس کے نزدیک نخلہ بعض لوگ دمشق کے قریب کا کوئی علاقہ اور بعض رملہ مراد لیتے ہیں۔

(البدایۃ 77:2)

فخر الدین الرازی: تفسیر کبیر ابن کثیر تفسیر بذیل آیۃ کریمہ عبدالماجد دریا آبادی کی تفسیر

کے مطابق یہاں انہوں نے کم و بیش بارہ برس قیام کیا۔

بعد ازاں جب بیت المقدس کا بادشاہ مر گیا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کو بلا بھیجا۔ اب حضرت مریم علیہا السلام اپنے بچے سمیت بیت المقدس میں واپس تشریف لے آئیں۔ (البدایۃ: 77:2)' الکسائی (قصص 3.7:2) کے مطابق واپس آ کر حضرت عیسیٰ نے بیت المقدس کے قریب مقام ناصرہ میں جو صوبہ گلیلی (Galilee) میں تھا رہائش اختیار کی۔

جس کی بنا پر ایک قول کے مطابق ان کے متعین کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ بچپن سے لے کر عہد نبوت تک کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ نبوت و وحی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر 30 سال کی ہوئی۔ (البدایۃ 78:2' الثعلبی: عرائس المجالس 28:1)

تو ان پر نزول وحی کا آغاز ہوا اور ابن کثیر (البدایۃ 78:2) کے مطابق یہ 18 رمضان المبارک کی رات تھی۔ انجیل متی (13:3 تا 17) کے مطابق حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ سے اصطباغ لیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تنہا یہودیہ کے جنگل کی سیاحت کرتے ہوئے گزارا۔ یہاں ان پر فطرت کے بہت سے حقائق منکشف ہوئے۔

یہاں ان کا شیطان سے بھی مکالمہ ہوا۔ اسی سیاحت کے دوران میں ان پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ انجیل (متی 12/3 تا 17) کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح القدس کبوتر کی شکل میں نظر آئے جو آسمان سے نازل ہو رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ حالت آنحضرتؐ کی حالت سے کافی مماثلت رکھتی ہے۔

کیونکہ آنحضرتؐ کو بھی پہلی مرتبہ روح القدس زمین و آسمان کے درمیان بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے تھے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پورے زور و شور سے دعوت و تبلیغ کا آغاز کر دیا۔ ان کی تبلیغ میں حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ احکام الٰہی پر شدت سے عمل کرنے اور کرانے کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا۔

انہوں نے اپنے مواعظ میں ان مذہبی لوگوں کو خاص طور پر ہدف تنقید بنایا جنہوں نے مذہب کے طور پر دکانداریاں قائم کر رکھی تھی۔ انہوں نے اعلان نبوت کے چند دن بعد ایک پہاڑی سے وعظ کیا جسے خطبہ کوہ (Sermon on the Mount) کہا جاتا ہے۔ اس وعظ میں ان کی تمام تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے۔

خواص یعنی مذہبی لوگ کاہن اور فریسی (Phariseas) اتنے ہی ان کے مخالف ہوتے گئے کیونکہ انہیں اپنی مذہبی سیادت ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ چند ہی دنوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف مخالفت کا طوفان شدت اختیار کر گیا۔

اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ وہ جس شہر یا قصبے کا رخ کرتے وہاں سے انہیں نکال دیا جاتا۔ اس بنا پر ان کا زیادہ تر وقت جنگلوں اور بیابانوں میں گزرا۔ وہ کہا کرتے تھے لومڑیوں کے بھی بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کیلئے سر دھرنے کو بھی جگہ نہیں۔ انہی دنوں میں انہوں نے اپنی طرف سے قاصد یا نمائندے متعین کیے اور انہیں اپنی طرف سے مختلف شہروں اور مختلف قصبوں میں روانہ کیا۔

انجیل متی (5/19 تا 23) کے مطابق ان کی تعداد بارہ تھی۔ جو بعد ازاں بارہ شاگردوں کے نام سے مشہور ہوئے لیکن اس کے باوجود بھی دشمنوں کی طرف سے ان کی ایذا رسانی کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ لوگ روز بروز ان کے مخالف ہوتے جا رہے تھے یہ حواری سفر و حضر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہتے۔ ان کے ارشادات سنتے اور انہیں دوسروں تک پہنچاتے۔ ان میں زیادہ تر نچلے طبقے کے لوگ تھے مگر دینی ثقافت اور وجاہت کے اعتبار سے ان کا بڑا درجہ تھا۔

گرفتار کرنے کی ناکام کوشش اور رفع سماوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلح جو پالیسی کے مقابلے میں ان کے دشمنوں نے ان کے خلاف کارروائیاں تیز تر کر دیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ مبادا دشمن انہیں حضرت یحییٰ کی طرح پکڑ کر خوار کرنے اور ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اللہ سے فریاد کی اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ تسلی دی:

اذ قال اللہ یعیسی انی متو فیك و رافعك الی و مطہرك من الذین کفروا (3 آل عمران: 55)

"یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو کہا اے عیسیٰ تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے میں تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا۔"

اس آیت کی تفسیر میں مندرجہ ذیل اقوال ہیں۔ حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ:

"اس وقت تو میں تمہیں اپنے پاس اٹھا لوں گا اور پھر تمہیں اپنی عمر دنیا میں بسر کر چکنے کے بعد وفات دوں گا۔"

اس قول کی تائید اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابھی وفات نہیں پائی اور وہ قیامت سے پہلے دوبارہ نازل ہوں گے۔

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان پر شبہ ڈال دیا گیا۔ جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑ جاتے ہیں اور ظن کی پیروی کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں اور ان یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو

یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔ اس آیت میں متعدد قرائن سے اس مسئلے پر نص قرآنی کا استشہاد کیا جا سکتا ہے۔ عیسائی اور یہودی اس بات پر متفق تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا گیا آگے کچھ اختلاف تھا۔ یہودی کہتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل ہونے کے بعد زندہ ہوئے اور آسمان پر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کی بات پر فرمایا کہ یہ دونوں شک میں مبتلا ہیں۔

درحقیقت حضرت عیسیٰ کو یہ لوگ گرفتار ہی نہ کر سکے تھے اور بل رفع کی تمام ضمائر کا مرجع ایک ہی ٹھہرایا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسد مع الروح ہے کیونکہ قتل روح اور جسد دونوں کا ہوتا ہے نہ کہ محض جسد کا۔ اس لئے رفع محض روح کا کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں عزیز اور حکیم کے دو اپنے صفاتی ناموں سے اس مضمون کو مزید تقویت پہنچائی کہ خدا کے ہر کام میں حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔ رفع کے واضح الفاظ استعمال فرمائے۔ اس بنا پر جملہ مفسرین فقہاء اور صلحائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اور جسم سمیت اٹھایا گیا ہے۔

بہرحال دشمنوں نے رومی گورنر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ابھارا اور اس کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کی سازش تیار کر لی اور بقول انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک شاگرد یہوداہ اسکریوتی کو 30 دینار پر جاسوسی کیلئے تیار کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مذہبی تہوار کے موقع پر بیت المقدس آئے۔

یہاں انہوں نے بقول متی (27/22 تا 29) فسح کا آخری کھانا کھایا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے گیارہ شاگردوں سمیت شہر کے باہر گتسمنی (Gethsemane) نامی ایک جگہ شب باشی کیلئے تشریف لے گئے۔ پھر اپنے شاگردوں سے الگ ہو کر منہ کے بل گر کر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگی:

"اے میرے خدا اگر ہو سکے تو یہ بلا مجھ سے ٹل جائے۔"

اس دعا کے جواب میں اللہ کی طرف سے تسلی نازل ہوئی۔ مسلم علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب دشمن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد یہوداہ اسکریوتی کی رہنمائی میں مذکورہ جگہ کے پاس پہنچے اور اس جگہ کا محاصرہ کرلیا۔

تو عین اسی وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا اور خود کو گرفتار کروانے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل و شباہت طاری کر لی۔ چنانچہ حکومت کے اہلکاروں اور

یہودیوں حتیٰ کہ خود حواریوں نے بھی اسی کو حضرت عیسیٰ سمجھ لیا اور اس کو لے جا کر پھانسی پر چڑھا دیا۔
(ابن کثیر: البدایۃ 2:92' آلوسی روح المعانی 2:177 تا 178)

چونکہ بوجوہ انہیں اس کام میں عجلت تھی۔ اس بنا پر زیادہ تحقیق و تفتیش نہ کی گئی۔ آلوسی نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے جس کے مطابق جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی گرفتاری کا یقین ہو گیا تو انہوں نے اپنے شاگردوں کو کہا کہ کون شخص میرے بدلے اپنی جان کا فدیہ دے کر جنت کا مستحق بنے گا۔

ان میں سے ایک شخص نے اپنا نام پیش کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنا عمامہ اور اپنا لباس پہنایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہت دے ڈالی۔ بعد ازاں وہی یہودیوں کے سامنے نکلا اور اسی کو پکڑ کر سولی چڑھا دیا گیا۔ اناجیل میں سے انجیل برناباس کے بیان کو اگر قابل استناد سمجھا جائے تو۔

اس سے مکمل طور پر اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ ناباس لکھتا ہے اور جب سپاہی یہوداہ کے ساتھ اس جگہ کے نزدیک پہنچے جس میں یسوع تھا۔ یسوع نے ایک بھاری جماعت کا نزدیک آنا سنا تب وہ گھر میں چلا گیا اور گیارہوں شاگرد سو رہے تھے۔ پس جب اللہ نے اپنے بندے کو خطرے میں دیکھا تو اپنے سفیروں جبرئیل' میخائیل ورفائیل اور یل کو حکم دیا کہ وہ یسوع کو دنیا سے لے آئیں۔

تب پاک فرشتے آئے اور یسوع کو دکھن کی طرف دکھائی دینے والی کھڑکی سے لیا۔ پس وہ اس کو اٹھا لے گئے اور اسے تیسرے آسمان پر فرشتوں کی صحبت میں رکھ دیا۔ بہرحال علم اور بعض مسیحی علماء کے نقطہ نظر سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو دشمنوں کے ہاتھوں میں پڑنے سے بچا لیا اور ان کی جگہ یہوداہ اسکریوتی یا کسی اور شخص کو مسیح سمجھ کر پھانسی دے دی گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ سولی پانے والے کا نام دوسری روایت میں سرجس لکھا ہے۔
اس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اناجیل میں یہوداہ اسکریوتی کے انجام کے بارے میں مختلف بلکہ متضاد بیانات ملتے ہیں۔ لوقا مرقس اور یوحنا نے سکوت اختیار کیا ہے اور کہا ہے اس نے بدکاری کی کمائی سے کھیت حاصل کیا اور سر کے بل گرا۔

اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی سب انتڑیاں نکل پڑیں۔ تاہم یہ بات بالیقین کہی جا سکتی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی کے بعد کسی جگہ بھی نہیں دیکھا گیا۔ رفع سماوی کا واقعہ تقریباً سن 29ء میں پیش آیا۔ (مذاہب عالم ص 408)

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر 33 سال کے قریب تھی۔ انسائیکلوپیڈیا کے مطابق

سن عیسوی کا آغاز اس وقت ہوا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر چار سال تھی لیکن سن عیسوی کا آغاز پیدائش عیسیٰ سے نہیں ہوتا۔ نزول مسیح علیہ السلام اسلامی عقیدے کے مطابق چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو قتل ہوئے اور نہ طبعی موت مرے ہیں بلکہ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں اس بنا پر آخری زمانے میں ان کو دوبارہ نازل کیا جائے گا۔

اس مضمون کو تقریباً تمام کتب حدیث میں مرفوعاً آنحضرتؐ سے نقل کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

و الذین نفسی بیدہ ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یفیض المال حتی لا یقبلہ احد

"یعنی اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ضرور وہ وقت آنے والا ہے جب عیسیٰ ابن مریم عادل حاکم بن کر اتریں گے۔ وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور مال کی اس درجہ کثرت ہو گی کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔"

ایک دوسری روایت میں ہے تمہارا اس وقت کیا حال ہو گا جب عیسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان اتریں گے۔

ایک طویل اور کسی قدر مفصل روایت بھی نقل کی گئی ہے جس میں آنحضرتؐ نے نہ صرف نزول عیسیٰ کی خبر دی ہے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ علامات بھی ظاہر کی ہیں جن سے حضرت عیسیٰ کو پہچاننے میں آسانی ہو گی۔ آپ نے فرمایا:

"وہ درمیانہ قد سرخ و سفید رنگت والے ہوں گے۔ ان کے بدن پر سرخی مائل دو چادر ہوں گی وہ اس حال میں نازل ہوں گے گویا کہ ابھی غسل کر کے آ رہے ہوں۔"

حضرت ابو ہریرہ سے منقول کیا ہے کہ:

"نزول مسیح شام میں اس وقت ہو گا جب اہل اسلام دشمن سے ایک بڑے معرکے کے دوران نماز پڑھنے میں معروف ہوں گے۔"

امام مسلم ہی نے ایک دوسری تفصیلی روایت حضرت نواس بن سمان سے نقل کی ہے۔ جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے قرب قیامت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا دشمن کو ہلاک کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائیں گے۔ وہ دمشق کے مشرقی سفید مینار پر

نازل ہوں گے اور ان کے بدن پر دو چادریں ہوں گی۔ اس بارے میں جن صحابہ کرام سے روایات منقول ہیں ان کو نقل کرنے والے نیچے کے لوگ بھی انتہائی صادق و راست باز علماء تھے۔

جن سے جھوٹ کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اتنی بڑی تعداد میں صحابہؓ جس روایت کو نقل کرتے ہوں اس کو متواتر کہتے ہیں اور اس کی حیثیت انتہائی محکم ہوتی ہے۔

اس بنا پر اس اصول کو منجملہ عقائد شمار کیا جاتا ہے جس پر ہر مسلمان کا ایمان لانا ضروری ہے۔ آنحضرتؐ نے معراج کے موقع پر دیگر انبیاء کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی۔ بعد میں اپنے متعدد ارشادات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کیا۔ جو یہ ہے کہ:

ان کا رنگ سرخ اور اس قدر صاف تھا گویا وہ ابھی ابھی حمام سے نکلے ہیں۔ ان کے بال گھنگریالے جو ان کے کندھوں کے درمیان لٹکے رہتے۔ وہ چوڑے سینے والے اور انتہائی حسین شکل وصورت کے مالک تھے۔ شمائل و عادات میں وہ نہایت حلیم الطبع وسیع القلب خندہ رو اور غریبوں اور معصیبت زدہ لوگوں کے بھی خیر خواہ تھے۔ طبیعت میں حد درجہ شگفتگی تھی جس کی بنا پر کبھی بھی ان کے دل میں کسی کے خلاف کوئی معاندانہ یا مقاتلانہ جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کی صلح جوئی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک شخص کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے ہوئے دیکھا تو اسے کہا کیا تو نے چوری کی ہے؟

اس نے کہا خدا کی قسم ہرگز نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فی الفور کہا کہ میں خدا کی قسم پر یقین رکھتا ہوں اور اپنی آنکھوں کو جھٹلاتا ہوں۔

(البخاری 329:4 کتاب الانبیاءٴ باب 48)

وہ کسی سے برائی کا بدلہ بھی لینے کے خلاف تھے۔ ان کا قول تھا کہ کسی شر پسند کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔

طبیعت کی بردباری کا یہ عام ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی امت کے ان بندوں کا حال دریافت کریں گے جو ان کو خدا کا بیٹا قرار دیتے رہے تو وہ جواب میں اپنی براءت ظاہر کرنے کے بعد فرمائیں گے

ان تعذبهم فانهم عبادك و ان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم (المائدہ: آیت: 118)

یعنی اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو تیری مہربانی ہے۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔ جب وہ کسی مصیبت زدہ کو دیکھتے تو ان کا دل بھر آتا اور جو کچھ ان سے بن سکتا اس سے دریغ نہ فرماتے۔

ان کا مسلک یہ تھا کہ اپنے آپ کی اصلاح ہو جائے گی۔

مذہبی اعتبار سے وہ متشدد اور سخت گیر نہ تھے۔ ان کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی۔ انہوں نے اپنے مختصر دور حیات میں لوگوں کو آپس میں مل جل کر رہنے کا سبق دیا اور اس طرح انبیائے بنی اسرائیل کے مشن کو آگے پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ بعض مسائل میں ان کا رویہ کافی سخت گیر تھا۔

جو اس معاشرے کی اصلاح کے کے لئے ناگزیر تھا۔ وہ سرمایہ داری اور دنیا داری کے سخت مخالف تھے۔ ان کی نظر میں اپنے اور بیگانے' غریب اور امیر سب برابر تھے۔ وہ عورتوں کو طلاق دینے کے بھی مخالف تھے۔ انہوں نے مجرد (کنوارہ) رہ کر تقویٰ و طہارت اور عصمت و عفت کی ایک مثال قائم کی۔ اسی بنا پر ان کی سیرت کو جس میں آنحضرتؐ کی طرح جامعیت نہیں ہے حضرت یحییٰؑ کی طرح صرف ایک خاص طبقے کی نمائندہ کہا جا سکتا ہے۔

لیکن اسلامی عقیدے کے مطابق یہ ان کی حیات طیبہ کا صرف آغاز تھا۔ بعد میں جب وہ اپنی بقیہ زندگی مکمل کرنے کیلئے نازل ہوں گے تو ان کی سیرت کے بہت سے پہلو اپنی تکمیلی شان کے ساتھ نمودار ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ گو بڑا مختصر تھا۔ (اڑھائی یا تین سال: ابن کثیر البدیہ: 2 : 78) مگر انہوں نے اس مختصر عرصے میں تعلیمات کے وہ نقوش چھوڑے جو ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان عظیم الشان انبیائے کرام میں سے ایک ہیں جن کا قرآن نے بطور خاص ذکر کیا ہے اور جن کی تعلیمات کا بار بار حوالہ دیا ہے۔ قرآن کریم ایک طرف تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و رفعت کو اجاگر کرتا ہے تا کہ ان سے متعلق یہودیوں کی پھیلائی ہوئی بدگمانیاں کا قلع قمع ہو اور دوسری طرف ان لوگوں کی شدید مذمت کرتا ہے جنہوں نے خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا۔ اس کے برعکس قرآن حکیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صاف ستھری تعلیمات کا بار بار حوالہ دیتا ہے جن سے عقیدہ توحید و رسالت کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں بطور خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جن پہلوؤں کو جابجا اجاگر کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں: معجزات قرآن کریم میں قدیم انبیائے کرام میں سب سے زیادہ جن انبیاء کے معجزات بیان کیے گئے ہیں ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان کی سیرت کا نہایت نازک موضوع ہے۔

قرآن کریم میں بیان کردہ ان کے معجزات یہ ہیں:

1۔ ان کا بغیر واسطہ پدری پیدا ہونا۔(3 آل عمران: 45 تا 42)

2۔ ان کا گہوارے میں کلام کرنا۔(3 آل عمران 48' المائدہ: 11)

3۔ مٹی سے پرندے بنا کر پھونک مار کر اڑا دینا۔ (آل عمران: 49' 5 المائدہ: 110)

مگر امام بغوی (معالم التنزیل 109 تا 120) کے مطابق ان کے بنائے ہوئے پرندے آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہی گر کر مر جاتے تھے۔

4۔ مادر زاد اندھے اور کوڑھ کے مریض کو طبی طریقہ استعمال کیے بغیر ہاتھ پھیر کر تندرست کر دینا۔(ابن جریر الطبری: تفسیر 422:2)

5۔ بعض مردوں کو زندہ کر دینا۔

6۔ ان پر آسمانی دستر خوان یعنی کھانے میں برکت ہوتی۔

7۔ ان کا آسمان پر جسم و روح سمیت زندہ اٹھا لیا جانا۔

8۔ لوگوں کو گھروں میں موجود ذخیرہ کی خبر دینا۔

(3 آل عمران: 49' المائدہ: 110)

خود اناجیل میں بھی موجود نہیں تھی چونکہ ان معجزات سے بہت سے لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی غلط فہمی پیدا ہوئی۔

توحید باری

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے ضمن میں سب سے زیادہ جس بات پر زور دیا گیا وہ توحید باری تعالیٰ ہے۔قرآن حکیم بار بار اس نکتے کو پیش کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو ہمیشہ توحید باری کا سبق دیا اور انکو ہدایت وشرک سے منع کیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اذ قال الله یعیسی ابن مریم انت قلت للناس اتخذ ونی
و امی الهین من دون الله قال سجنك كمایكون لی ان
اقول ما یس لی بحق ان كنت قلته فقد علمته تعلم مافی
نفسی ولا اعلم مافی نفسك انك انت غلام ایغوب

"یعنی اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا فرمائے گا اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کر لو۔وہ کہیں گے تو پاک ہے مجھے کب شایان تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نے کہا کچھ شک نہیں خدا ہی میرا پروردگار ہے بس تم اس کی عبادت کرو۔" (المائدہ: 116)

یعنی وہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں جو یہ نہیں مانتے کہ مسیح تو یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل تم خدا الٰہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی اور اللہ ایسے شخص پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں یہیں وجہ ہے کہ موجودہ اناجیل تحریف شدہ ہیں۔

قرآن کریم نے بے جا اس نظریے کی بھی تردید کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔

ارشاد ہے:

ذالك عيسى ابن مريم قول الحق الذى فيه يمترون ما كان لله ان يتخذ من ولد سبحنه (19 مریم: 34 تا 35)

"یعنی یہ کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور یہ سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں خدا کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے پر رب کریم نے فرمایا:

وقالوا اتخذ الرحمن ولدا لقد جئتم شيأ ادا تكاد السموات يتفطرن منه و تنشق الارض و تخر الجبال هذا ان دعوا للرحمن ولدا و ما ينبغى للرحمن ان يتخذ ولدا (19 مریم: 88 تا 92)

ترجمہ: "یعنی وہ کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے ایسا کہنے والو! تم بہت بری بات (زبان پر) لاتے ہو۔ قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے خدا کیلئے بیٹا تجویز کیا اور خدا کو شایان نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔"

ایک دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آدمی ہونے پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

ما المسيح ابن مريم الا رسول قد خلت من قبله الرسل و امه صديقه كانا يا كلن الطعام (5 المائدہ: 75)

ترجمہ "یعنی مسیح بن مریم تو صرف خدا کے رسول تھے ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ مریم خدا کی سچی فرمانبردار تھیں۔ دونوں کھانا

کھایا کرتے تھے۔

مزید حوالہ جات (النساء: 171 تا 172 'المائدہ: 14, 17 : 77,73)

اسی بنا پر قرآن حکیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جہاں بھی ذکر کیا ہے وہاں ابن مریم ضرور ساتھ بڑھایا ہے۔ قرآن کریم کی یہ تعلیم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے عین مطابق تھی۔ اناجیل میں جہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے وہاں کو ابن آدم اور ابن الانسان (The Son of Man) کے الفاظ آئے ہیں۔

"ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہو گا۔" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آپ کے بارے میں یہ بشارت انجیل یوحنا میں پائی جاتی ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے قصوروار ٹھہرائے گا لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی تو تم کو مقام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کچھ کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ اس پیش گوئی میں موعود مسیح کا ایک خاص وصف کے ساتھ تعارف کرایا گیا ہے۔

یہ وصف اگرچہ جدید ایڈیشنوں میں مددگار وکیل بغزی اور شفیع کے نام سے ترجمہ کیا جاتا ہے لیکن قدیم یونانی فرانسیسی لاطینی اور انگریزی تراجم میں پیراکلوطوس اور عبرانی (Hebrew) اور عربی تراجم میں فارقلیط ہے۔

بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا (متی 5/19 تا 2) اسلامی تعلیمات کے مطابق الوہیت اور ابنیت مسیح کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت عامہ کا نظریہ بھی ان کے بعد تراشا گیا۔ شریعت موسوی کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایک کر کے الگ کتاب انجیل عطا فرمائی۔

مگر احکام اور دین کے اعتبار سے وہ موسوی شریعت یعنی احکام تورات کے پابند تھے۔ اسی بنا پر خود ان کی زندگی موسوی شریعت کی متابعت میں گزری جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

و یحلمه الکتب و الحکمة و التوزاة والا نجیل

(3 آل عمران: 48)

"اور اللہ اسے کتاب وحکمت کی تعلیم دے گا اور تورات وانجیل کا علم سکھائے گا۔"

انجیل یوحنا میں ہے:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اور جو کتاب مجھ سے قبل آ چکی ہے یعنی تورات

اس کی تصدیق کرتا ہوں یہ نہ سمجھو میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔"

حضرت عیسٰی علیہ السلام خود کو ہمیشہ ہادی رسول اور ابن آدم ہی سمجھتے رہے۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا:

"جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے۔"

(یوحنا: 44/12)

اس سے اگلے باب میں ہے:

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ نوکر اپنے مالک سے بڑا نہیں ہوتا اور نہ رسول اپنے بھیجنے والے سے۔"

اور یوحنا کی انجیل میں جس سے متعلق اہل تحقیق کا کہنا ہے کہ جدید عیسائیت کے بانی (Paul) کی تحریک کے زیر اثر لکھی گئی ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو محض خدا کا رسول قرار دیتے تھے۔ خود آنحضرتؐ کے عہد میں حبشہ کا عیسائی حکمران اسی مکتب فکر سے تعلق رکھتا تھا۔

خاص بنی اسرائیل کی طرف بعثت

قرآن کریم نے متعدد جگہ اس بات کا اظہار کیا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں نہ کہ ساری دنیا کی طرف اور ان کی شریعت ایک خاص قوم تک محدود تھی۔ اسے عالمگیر حیثیت حاصل نہ تھی۔ جب کہ عیسٰی بن مریم نے خود کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں اور انجیل میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو اپنی آمد کی منادی کرنے کیلئے مختلف شہروں میں بھیجا تو انہوں نے کہا غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات

جب حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے نبوت سے سرفراز فرمایا تو بنی اسرائیل کی اخلاقی اور دینی حالت سخت خراب ہو چکی تھی۔ شرک ان کے اندر رواج پا چکا تھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو وہ ابن اللہ کہتے تھے۔ جھوٹ' نفاق اور فساد ان کی زندگی کا جزو لاینفک بن چکا تھا۔ ان کے علماء درہم و دام کے غلام تھے۔ دین کے نام پر دکانداری عام تھی۔ حلال کو حرام' حرام کو حلال کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ یہود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے صالحین کو قتل تک کر دینے سے باز نہیں آتے تھے۔ یہ حالات تھے جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنے کیلئے حضرت مسیح علیہ السلام کو بھیجا جن کا رویہ بیشتر مذہبی مصلحین کی طرح مذہبی روایت کے مردہ جسم میں سچی مذہبیت کی روح پھونکنے کے مترادف تھا۔ یہودیت کے اس قالب کو جو صدیوں سے ظاہر پرستی اور قیل و قال کا ایک بے جان ڈھانچہ بن چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مذہب کی باطنی تعبیر و تشریح کے ذریعے ایک ایسی جہت سے آشنا کرایا جس کے بغیر مذہب زندگی پروقار ہونے کے بجائے انسانی روح کو کچل ڈالنے والا بوجھ بن جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیت کے دائرے میں رہتے ہوئے مذہب کی ایک متصوفانہ تعبیر کے ذریعے مذہبی زندگی کی بنیاد ظاہری قانون پرستی کے بجائے ایمان اور قلبی تعلق باللہ پر رکھی۔ اس سلسلے میں ان کا رویہ واضح طور سے یہ تھا کہ مذہب شرعی احکام سے عبارت نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد ایمان و یقین اور اخلاص کے ساتھ تعلق باللہ قائم کرنے پر ہے۔ نیز شرعی احکام کو اپنی جگہ ضروری اور اہم ہیں مگر ان کی تشریح اور ان پر عملدرآمد مذہب کی اسی بنیادی حقیقت کے پیش نظر کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی تعلیمات کو سمجھنے کیلئے ضروری ہوگا کہ ان کا "پہاڑی کا وعظ" بیان کیا جائے۔ آیئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوہستانی وعظ کے چیدہ چیدہ اقتباسات کا مطالعہ کریں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہاڑی وعظ

وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اس بھیڑ کو دیکھ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور جب بیٹھ گئے تو ان کے شاگرد اُن کے پاس آئے۔ وہ اپنی زبان کھول کر ان کو یوں تعلیم دینے لگے:

(1) مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی ان کو ہی ملے گی۔

(2) مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔

(3) مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔

(4) مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے۔

(5) مبارک ہیں وہ جو رحمدل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔

(6) مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔

(7) مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائے گئے۔

(8) مبارک ہیں وہ جو راست بازی کے سبب سے ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی ان ہی کی ہے۔ جب میرے سبب سے لوگ تم کو لعن طعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی بری باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں گے تو تم مبارک ہو گے اور خوشی کرنا اور نہایت شاداں ہونا کیونکہ آسمان پر تمہارا اجر بڑا ہے اس لئے کہ لوگوں نے ان نبیوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے اسی طرح ستایا تھا۔

(9) تم زمین کے نمک ہو لیکن اگر نمک کا مزہ جاتا رہے تو وہ کس چیز سے نمکین کیا جائے گا؟ پھر وہ کسی کام کا نہ ہوا۔ سوائے اس کے کہ باہر پھینکا جائے اور آدمیوں کے پاؤں کے نیچے روندا جائے۔ تم دنیا کے نور ہو جو شہر پہاڑ پر بسا ہے وہ چھپ نہیں سکتا۔ چراغ جلا کر پیمانہ کے نیچے نہیں بلکہ چراغدان پر رکھتے ہیں تو اس سے گھر کے سب لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے۔ اسی طرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے تمجید کریں۔

(10) یہ نہ سمجھو کہ میں توریت اور یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں۔

(11) پھر تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھانا بلکہ اپنی قسمیں خداوند

کیلئے پوری کرنا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ بالکل قسم نہ کھانا نہ آسمان کی کیونکہ وہ خدا کا تخت ہے نہ زمین کی کیونکہ وہ اس کے پاؤں کی چوکی ہے نہ یروشلم کی کیونکہ وہ بزرگ بادشاہ کا شہر ہے نہ اپنے سر کی قسم کھانا کیونکہ تو ایک بال کو بھی سفید یا سیاہ نہیں کر سکتا بلکہ تمہارا کام ہاں ہاں یا نہیں نہیں ہو کیونکہ جو اس سے زیادہ ہے وہ بدی سے ہے۔

(12) تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا جو کوئی تجھ سے مانگے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ۔

(13) خبردار ایسے راست بازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کیلئے نہ کرو نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان پر ہے تمہارے لئے کچھ اجر نہیں ہے۔

(14) اور جب تم روزہ رکھو تو ریا کاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تا کہ لوگ ان کو روزہ دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے بدلہ دے گا۔

(15) پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو ایسا نہ ہو کہ وہ ان کو پاؤں تلے روندیں اور پلٹ کر تمہیں پھاڑیں۔

توحید کی تعلیم

"سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے تم اپنے سارے دل اور ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند سے محبت رکھو۔"

(استثناء باب 6 فقرہ جات 5,4)

"دیکھو آسمان اور آسمانوں کا آسمان اور زمین اور جو کچھ زمین پر ہے یہ سب خداوند تیرے خدا ہی کا ہے اور کہا تو اکیلا زمین کی سب سلطنتوں کا خدا ہے تم ہی نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔"

(سلاطین)

"وہی اکیلا خداوند ہے تو نے آسمان اور آسمانوں کے آسمان اور اس کے بارے

لشکر کو اور زمین کو اور جو کچھ اس پر ہے اور سمندر کو اور جو کچھ ان میں ہے بنایا اور تو سب کا پروردگار ہے اور آسمان کا لشکر تجھے سجدہ کرتا ہے۔" (نحمیاہ)

"یا رب! معبودوں میں تجھ سا کوئی نہیں۔ اور تیری صفتیں بے مثال ہیں۔ یا رب! سب قومیں جن کو تو نے بنایا آ کر تیرے حضور سجدہ کریں گی اور تیرے نام کی تمہید کریں گی۔"

"اے خدا! قادر مطلق! تیرے کام بڑے اور عجیب ہیں۔ اے خداوند کون تھا تجھ سے نہ ڈرے گا اور کون تیرے نام کی تجید نہ کرے گا کیونکہ صرف تو ہی قدوس ہے اور سب قومیں آ کر تیرے سامنے سجدہ کریں گی کیونکہ تیرے انصاف کے کام ظاہر ہو گئے۔"

(مکاشفہ باب 10، فقرات 4,3)

حکومت الٰہی

"پس تم اس طرح مانگو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہت آئے، تیری مرضی جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔"

(متی: 10:9.2)

آخر آیت میں حضرت مسیح نے اپنے نصب العین کو واضح کر دیا۔ یہ جو عام غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ خدا کی بادشاہت سے ان کی مراد روحانی بادشاہت تھی یہ آیت اس کی تردید کرتی ہے۔ ان کا صاف مقصد یہ تھا کہ زمین پر خدا کا قانون اور اس کا حکم شرعی اس طرح جاری ہو جس طرح تمام کائنات میں اس کا قانون طبعی نافذ ہے۔ اسی انقلاب کیلئے وہ لوگوں کو تیار کر رہے تھے۔

خدا کی صفات

بائبل میں لکھا ہے:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کو بحیثیت باپ کے ایک شفیق ہستی کے روپ میں پیش کیا جس کا تعلق اپنے بندوں اور مخلوق سے سراسر شفقت اور محبت پر مبنی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تصور میں خدا تعالیٰ سزا دینے کے مقابلے میں معاف کر دینے کے بہانے کا متلاشی نظر آتا ہے۔ اس میں افراد کی ذاتی طور پر کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کا باپ کی حیثیت

سے تصور دے کر ہر شخص کو خدا کی پدری شفقت میں حصہ دار بنایا اور اس طرح بندوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ شخصی تعلق پر زور دیا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس نوع کے تعلق کی تبلیغ کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں اخلاص فقر' توکل' غنا اور ایثار جیسی نیکیاں بہت نمایاں ہیں۔ جس کی ان دیکھی صفتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی اشیاء کے ذریعے صاف نظر آتی ہیں۔"

(رومیوں: 20:1)

یوم آخرت پر ایمان

قرآن حکیم جس دن کو "یوم الدین" کہہ کر پکارتا ہے وہی یہاں انصاف کے دن کے نام سے موسوم کیا جارہا ہے۔

"تا کہ تم جان لو کہ انصاف ہو گا۔"

"لیکن خداوند ابد تک تخت نشین ہے اس نے انصاف کیلئے اپنا تخت تیار کیا ہے اور وہی صداقت سے جہاں کی عدالت کرے گا۔ وہ راستی سے قوموں کا انصاف کرے گا۔"

"صادق انتقام کو دیکھ کر خوش ہو گا۔ وہ شریر کے خون سے اپنا پاؤں تر کرے گا تب لوگ کہیں گے یقیناً صادق کیلئے آجر ہے۔ بے شک خدا ہے جو زمین پر عدالت کرتا ہے۔"

"اب سب کچھ بتایا گیا۔ حاصل کلام یہ ہے خدا سے ڈرو اور اس کے حکموں کو مانو کہ انسان کا فرض کلی یہی ہے کیونکہ خدا ہر ایک فصل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کے ساتھ خواہ بھلی ہو خواہ بری عدالت کرے گا۔"

"راست بازوں کی بابت کہو کہ بھلا ہو گا کیونکہ وہ اپنے کاموں کا پھل کھائے گا۔ شریروں پر واویلا! کہ ان کو بدی پیش آئے گی کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں کا کیا پائیں گے۔"

حب دنیا سے اجتناب اور فکر آخرت کی دعوت

دنیا سے لگاؤ کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو وہ زمین جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور

جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو۔"
(متی 20:19.6)

انجیل متی میں ہے:

"جس طرح کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا۔ تم خدا اور دولت مندوں کی خدمت نہ کرو۔

فلسفہ زندگی کے بارے میں

"اپنی جان کی فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پائیں گے اور نہ بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں' نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں پھر بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کیلئے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں' وہ نہ محنت کرتے ہیں نہ کاتتے ہیں پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود شان و شوکت کے ان میں سے کسی کی مانند پوشاک پہنے ہوتے نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا' تو اے کم اعتقاد! تم کو کیوں نہ پہنچائے گا؟ تم پہلے اس کی بادشاہت اور اس کی راست بازی کی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی۔" (متی 6:24-33)

اور ارشاد مسیح ہے:

"مانگو تو تمہیں دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو تم پاؤ گے دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔" (متی 7:7)

راہ حق میں آزمائش ضروری ہے

"اور جو کوئی اپنی صلیب اٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں' جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے اسے کھوئے گا اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا۔" (متی 10:4-39)

فلسفہ وجودیت کی تفہیم

"جو کوئی میرے ساتھ آنا چاہے وہ اپنی خودی سے انکار کر دے اور اپنی صلیب اٹھائے اور میرے پیچھے ہو لے۔" (متی 6:24)

اخروی زندگی پر ارشاد

"بھائی کو بھائی قتل کرے گا اور بیٹے کو باپ اور بیٹے اپنے ماں باپ کے خلاف کھڑے ہو کر انہیں مروا ڈالیں گے اور میرے نام کے باعث سب لوگ تم سے عداوت کریں گے مگر جو آخر تک برداشت کرے گا وہی نجات پائے گا۔"

(متی 10=22:21)

جب دشمن سامنے آ گیا تو فرمایا:

"دیکھو میں تمہیں بھیجتا ہوں گویا بھیڑوں کے بیچ میں --- آدمیوں سے خبردار ہو کیونکہ تمہیں عدالتوں کے حوالے کر دیں گے اور اپنے عبادت خانوں میں تمہیں کوڑے ماریں گے اور تم میرے سبب حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے۔

(18-16:10)

اپنے شاگردوں کیلئے فرمایا:

"اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے ماں باپ بیوی بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ کسی رشتے دار سے دشمنی رکھے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ آئے تو وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تم میں ایسا کون ہے کہ جب وہ برج بنانا چاہے تو پہلے بیٹھ کر لاگت کا حساب نہ کرے کہ آیا میرے پاس اس کے تیار کرنے کا سامان ہے یا نہیں۔ ایسا نہ ہو جب بنیاد ڈال کر تیار نہ کر سکو۔ تم میں سے جو کوئی اپنا سب کچھ ترک نہ کر دے وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔"

(لوقا 14 : 33-26)

حکومت الٰہیہ کا جامع منشور

"اے محنت اٹھانے والو! بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ میں تمہیں آرام دوں گا کیونکہ مجھے جو ملا ہے وہ تمہارا ہے۔" (متی 11:28-30)

شاید حکومت الٰہی کا کرم اس سے زیادہ جامع اور پراثر الفاظ میں مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ انسان پر انسانی حکومت کا بڑا ہی سخت اور بڑا ہی بوجھل ذمہ دارانہ قرض ہے۔ اس بوجھ تلے دبے ہوئے لوگوں کو الٰہی حکومت کا نقیب جو پیغام دے سکتا ہے وہ یہی ہے کہ جس حکومت کا جوا میں تمہارے اوپر رکھنا چاہتا ہوں وہ نرم بھی ہے اور خفیف بھی۔

حکومت خدمت ہے

"اللہ رب العزت کے منتخب کردہ بادشاہ تم پر حکومت چلاتے ہیں مگر تم میں جو بڑا ہے وہ چھوٹے کے مانند اور جو سردار ہے وہ خدمت کرنے والے کی مانند ہے۔"

حضرت مسیح ایسی ہدایات اپنے حواریوں یعنی صحابیوں کو فرمایا کرتے تھے۔ اس مضمون کے متعدد اقوال انجیلوں میں موجود ہیں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ تم فراعنہ اور نماردید (فرعون اور نمرود کی جمع) کو ہٹا کر خود فرعون اور نمرود تک نہ بن جانا۔

صبر کی تلقین

"شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے اور جو کوئی تجھ کو ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔" (متی 15:39-41)

نجات اعمال پر

ہر نبی نے نجات حاصل کرنے کیلئے ایمان اور خدا کے احکام کی پابندی پر زور دیا ہے۔ اسی اصول کی تبلیغ حضرت مسیح علیہ السلام نے کی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اعمال صالحہ کے بجالانے پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

"جب تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو کیوں مجھے خداوند کہتے ہو جو کوئی میرے پاس آتا ہے اور میری باتیں سن کر ان پر عمل کرتا ہے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ وہ کس کی مانند ہے وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے وقت زمین گہری کھود کر چٹان پر بنیاد ڈالی جب رو آئی تو پانی کی دھار اس گھر پر زور سے گری مگر اسے ہلا نہ سکی لیکن جو سن کر عمل میں نہیں لاتا وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے زمین پر گھر کو بے بنیاد بنایا۔ جب دھار اس پر زور سے گری تو وہ فی الفور گر پڑا اور وہ گھر بالکل برباد ہوا۔" (لوقا 6:46 تا 49)

اور دیکھو کہ ایک شخص نے یسوع کے پاس آ کر کہا:

"اے استاد! میں کون سی نیکی کروں تا کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔"

اس نے کہا تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے۔ نیک تو ایک ہی ہے یعنی خدا لیکن اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو احکام الٰہی پر عمل کر۔

اس نے کہا: میں نے ان سب احکام پر عمل کیا اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟

یسوع نے اس سے کہا: اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔" (متی 19:16 تا 21)

نیکی نہ کرنے والے ہمیشہ کی سزا پائیں گے مگر راست باز ہمیشہ کی زندگی پائیں گے۔" (متی 25 : 46)

گناہ جہنم کا دروازہ

حضرت مسیح علیہ السلام نے جس طرح احکام الٰہی کی پیروی کرنے کو ابدی اور حقیقی زندگی کے حصول کا ذریعہ ٹھہرایا ہے اس طرح گناہ کو جہنم کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"اے ریا کارو تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے؟" (متی 22:29-33)

"فرشتے بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اس وقت راست باز لوگ اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے۔" (متی 41 تا 43)

حضرت مسیح علیہ السلام کے مطابق نجات کا دارومدار صرف ایمان اور احکام الٰہی کی پیروی اور گناہوں سے اجتناب پر ہے۔

توبہ کی تلقین

حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کو توبہ اور استغفار کرنے کی بہت تلقین فرمائی اور کہا کہ انسان توبہ کے ذریعہ ہی اپنے گناہوں کے دھبوں کو دھو سکتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر نبی نے انسان کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کا کیمیا نسخہ تو یہ ہی بتایا ہے کہ توبہ کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ توبہ سے خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور توبہ سے جنت حاصل ہوتی ہے۔

"یسوع نے منادی کرنا اور کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آ گئی ہے۔" (متی 4:7)

اخلاقی احکام

یسوع نے فرمایا بندوں کے مابین آپس میں تعلقات محبت ہی کے واسطے ہوتے ہیں کیونکہ محبت ایک ایسی شمع ہے کہ جس دل میں بھی روشن ہو جائے اس کے تمام اطراف و اکناف میں اس کے خدا کا عکس نظر آئے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات میں بندوں کے درمیان برادرانہ تعلق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں حضرت مسیح علیہ السلام نے جن خوبیوں کو خصوصی اہمیت دی ہے

ان میں مساوات' عفو و درگزر' عیب جوئی سے پرہیز' عجز و انکسار اور اپنے دشمنوں اور برا چاہنے والوں کے ساتھ بھی نیکی کا سلوک سرفہرست ہیں۔ مسیح نے فرمایا:

"مبارک ہیں وہ جو غریب ہیں جو حلیم ہیں جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں جو رحم دل ہیں جو پاک دل ہیں جو صلح کراتے ہیں اور جو راست بازی کا سبب ستائے گئے ہیں۔" (متی 5:1-10)

پڑوسی سے محبت کی تعلیم

"تم سن چکے ہو کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھو اور اپنے دشمنوں سے عداوت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے پڑوسیوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کیلئے دعا کرو کہ تم اپنے باپ کے جو آسمان میں ہے بیٹے ٹھہرو۔" (متی 5:43-44)

والدین کے حقوق

"تم لوگ خدا کے حکم کو باطل کرتے ہو اور اپنے گھڑے ہوئے قوانین برقرار رکھتے ہو۔ خدا نے تورات میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کرو اور جو کوئی ماں باپ کو برا کہے وہ جان سے مارا جائے تو یہ اس کیلئے بالکل جائز ہے اور پھر ماں یا باپ کی خدمت کا پھل ہی جانت ہے۔" (متی 15:3-9)

غرباء کے حقوق

ایک دولت مند شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس آیا اور پوچھا کہ اے نیک استاد! میں کون سا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: اگر تو کامل ہونا چاہئے تو جا کر وہ سب کچھ جو تیرا ہے اسے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔ تب آ کے میرے پیچھے ہو لے۔"

(متی 18:2)

زنا کی ممانعت

"تم سن چکے ہو کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور

تیرا سارا بدن جہنم میں نہ جائے۔" (متی)

دولت رکھنے کی ممانعت

"یسوع نے ایک دولت مند کی بات سن کر اس سے کہا ابھی تک تجھ میں ایک بات کی کمی ہے۔ اپنا سب کچھ بیچ کر غریبوں کو بانٹ دے تجھ کو آسمان پر خزانہ ملے گا اور آ کر میرے پیچھے ہو لے۔ یہ سن کر وہ بہت غمگین ہوا کیونکہ بڑا دولت مند تھا۔ یسوع نے اسے دیکھ کر کہا کہ دولت مندوں کا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا کیسا مشکل ہے کیونکہ ایک اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا زیادہ آسان ہے اس بات سے کہ ایک دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔"

(لوقا: باب : 18)

ناچ کے بارے میں

"شائستگی سے چلیں نہ کہ ناچ رنگ اور نشہ بازی سے، نہ زنا کاری اور شہوت پرستی سے اور نہ جھگڑے اور حسد سے۔" (لوقا: باب :18)

گوشت اور شراب

"یہی اچھا ہے کہ تو نہ گوشت کھائے نہ مے پئے اور کچھ ایسا کرے جس کے سبب تیرا بھائی ٹھوکر کھائے لیکن میں نے تم کو کہا تھا کہ درحقیقت اگر کوئی بھائی حرام کار یا لالچی یا بت پرست یا گالی دینے والا یا شرابی یا ظالم ہو تو اس سے صحبت نہ رکھو بلکہ ایسے کے ساتھ کھانا تک نہ کھاؤ۔"

"کیا تم نہیں جانتے کہ بدکار خدا کی بادشاہت کے وارث نہ ہوں گے؟ سنو فریب نہ کھانا اور نہ بت پرست نہ زنا کار نہ عیاش نہ اغلام باز نہ چور نہ لالچی نہ شرابی نہ گالیاں بکنے والے نہ ظالم وارث ہوں گے۔" (ایک خط رومیوں کے نام)

عورتوں کے متعلق احکام

"اگر عورت اوڑھنی نہ اوڑھے تو بال بھی کٹائے اگر عورت کا بال کٹانا یا سر منڈانا شرم کی بات ہے تو اوڑھنی اوڑھے، عورت کو چاہئے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے۔ تم آپ ہی انصاف کرو کیا عورت کا بے ستر ڈھکے خدا سے دعا مانگنا مناسب ہے؟ کیا تم کو طبعی طور پر بھی معلوم نہیں کہ اگر مرد لمبے بال رکھے تو اس کی

بے حرمتی ہے اور اگر عورت کے لمبے بال ہوں تو اس کی زینت ہیں کیونکہ بال اسے پردے کیلئے دیئے گئے ہیں لیکن اگر کوئی حجتی نکلے تو یہ جان لے کہ نہ ہمارا ایسا دستور ہے اور نہ خداوند کی کلیسائیوں کا۔" (کرنتھیوں کے نام ایک خط)

"عورتیں کلیسا کے مجمع میں خاموش رہیں کیونکہ انہیں بولنے کا حکم نہیں بلکہ تابع رہیں جیسا تورات میں بھی لکھا ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول تھے

اناجیل سے یہ بات عیاں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو رسول کہا ہے۔ کتاب مقدس میں لکھا ہے:

"یسوع نے آنکھیں اٹھا کر کہا اے باپ میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے میری سن لی اور مجھے تو معلوم تھا کہ تو ہمیشہ میری سنتا ہے مگر ان لوگوں کے باعث جو آس پاس کھڑے ہیں، میں نے کہا تا کہ وہ ایمان لائیں کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے۔"

"یسوع نے پکار کر کہا کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے۔"

حضرت مسیح علیہ السلام نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ وہ خدا کے فرستادہ رسول ہیں جو کچھ وہ کہتے اور بولتے ہیں خدا کے حکم کے تحت کہتے اور بولتے ہیں۔

تثلیث (Trinity)

عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (اقنوم کی جمع ہے مراد ہے کوئی شخص) سے مرکب ہے یعنی باپ' بیٹا اور رُوح القدس۔ اس عقیدے کو عقیدہ تثلیث کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ باپ' بیٹا اور کنواری مریم تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خُدا ہے۔ عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ اس کا قائل تھا۔

علماء کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہے مگر مجموعہ خُدا سے کمتر ہے اور ان پر ہر لفظ خدا کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کیا گیا ہے۔

تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ تین نہیں خُدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے یہ فرقہ موقولیہ کا مذہب ہے اس جگہ یہ تشریح درج کی جاتی ہے۔

> ''تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خُدا ہے۔ بیٹا خُدا ہے اور رُوح القدس بھی خُدا ہے۔ لیکن یہ مل کر تین خُدا نہیں ہیں بلکہ خُدا ایک ہی ہے۔ اس طرح کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے اور کہا ہے کہ یہ درست نہیں ہے کہ ہم ان کو تین خُدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔''

سترھویں صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم سینٹ آگسٹائن اپنی کتاب On The Trinity میں لکھتے ہیں۔

> ''عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اس نظریے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ بیٹا اور روح القدس مل کر ایک ''خدائی وحدت'' تیار کرتے ہیں۔ جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک ناقابل تقسیم عنصر ہے۔ اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک خُدا ہے اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا۔ لہذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا۔''

تثلیث کا اجمالی ذکر حسب ذیل ہے:

باپ:

عیسائیوں کے نزدیک باپ سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے یہ ذات بیٹے کے وجود کے لیے نہیں ہے، مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس باپ کی تشریح وتعبیر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "باپ کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے کسی کو جنا ہے اور کوئی ایسا وقت گزرا ہے جس میں باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا۔

خدا کو باپ کیوں کہا جاتا ہے؟ الفریڈ ای گاروے نے یہ لکھا ہے:

"اس میں کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خُدا کی محتاج ہے جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہے دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ خُدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے۔"

بیٹا:

بیٹے سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خُدا کی صفت کلام (Word of God) ہے انسانوں کی صفت کلام کے درمیان فرق بتاتے ہوئے سینٹ تھامس ایکویناس رقمطراز ہے کہ:

"انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے لیکن خُدا کی صفت کلام ایک مستقل وجود ہے۔

کیونکہ صفت کلام باپ کی طرح قدیم ہے خُدا کی یہی صفت حضرت عیسیٰؑ کی انسانی شکل میں حلول کرگئی ہے جس کے باعث یسوع بن مریم کو خُدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔

رُوح القدس:

رُوح القدس (Holy Spirit) سے مراد باپ اور بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے یعنی اس صفت کے ذریعہ خُدا کی ذات (باپ) اپنی صفت علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے۔

تردید ازروئے بائبل:

جس طرح تمام صحائف ہماری توحید کی تعلیم دیتے چلے آئے ہیں اسی طرح بائبل بھی توحید کی تعلیم سے خالی نہیں۔ چنانچہ بائبل میں لکھا ہے:

"سن اے اسرائیل خُداوند ہمارا ایک ہی خُداوند ہے تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری طاقت سے خُداوند سے محبت رکھ۔"

"میرے حضور تیرے لیے دوسرا خداوند نہ ہوئے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی

چیز کی صورت جو آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں یا زمین کے نیچے اسے مت بنا تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر۔ کیونکہ میں خداوند تیرا غیور خدا ہوں۔

زبور میں ہے:

"خداوند اسرائیل کا بادشاہ اور اسی کا فدیہ دینے والا رب الافواج یوں فرماتا ہے:
"میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔"

عہد نامہ جدید:

"پس جس کو تم بغیر معلوم کئے پوجتے ہو میں تم کو اسی کی خبر دیتا ہوں۔
"تم جو دوسروں سے عزت چاہتے ہو اور وہ عزت جو خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جان لو۔"

تردید از روئے عقل:

- عیسائی عقل کی رو سے خدا باپ' خدا بیٹا اور خدا روح القدس تینوں ایک اور ایک تین ہیں یہ ایک علمی اور عقلی دھوکہ ہے۔

علم ریاضی میں ایک کا عدد نہ تو ایک سے زیادہ اور نہ ایک سے کم کے لئے استعمال ہوتا ہے اس علم میں ایک کا ہندسہ کبھی بھی 1+1+1 کے برابر نہیں ہوسکتا اور نہ ایک کا عدد 1/3 کے برابر ہوسکتا ہے نہ تین ایک کے اور نہ تہائی کبھی ایک کے برابر ہوسکتی ہے جس عدد کا نام تین ہے۔

عیسائیوں کے عقیدہ کی رو سے تینوں خدا برابر اور مساوی ہیں۔ اگر تینوں کی صفات پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی صفات اور افعال میں برابر نہیں۔ باپ پیدا کرتا ہے' بیٹا پیدا ہوتا ہے اور روح القدس دونوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اقنوم اول یعنی باپ خالق اور فنا کرنے والا اقنوم دوم یعنی بیٹا نجات دہندہ اور اقنوم ثالث یعنی روح القدس زندگی دینے والا سمجھا جاتا ہے۔

باپ اپنے وجود میں بیٹے کا محتاج نہیں' لیکن بیٹا باپ کا محتاج ہے۔ بیٹے میں انسانیت بھی داخل ہے۔ باپ علت ہے اور بیٹا معلول' علت اور چیز ہے اور معلول اور چیز ہے۔

کفارہ:

کفارہ موجودہ عیسائیت کا بنیادی پتھر ہے۔ اس کے لفظی معنی ڈھانکنے اور چھپانے کے ہیں۔ لفظ کافر اسم فاعل ہے جس کا ایک مفہوم ہے چھپانے والا اور لغت میں کسان کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے۔ اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ یسوع مسیح نے صلیب

پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہوں کو چھپالیا ہے اور ان کے لئے نجات کا موجب بن گئے ہیں۔

عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے آدم اور حوّا نے جو گناہ کیا وہ بذریعہ وراثت ہر شخص کی فطرت میں چلا آرہا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص گناہگار ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے کے گناہ توبہ اور استغفار سے معاف کر دے تو اسکا یہ رحم اسکے عدل کے خلاف ہے۔

کفارہ کی عمارت کا دوسرا ستون:

کفارہ کی عمارت کا دوسرا ستون یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے گناہگار انسانوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر لیکر صلیب پر جان دے دی تاکہ اس پر ایمان لانے والے نجات پا جائیں۔

موسیٰ کی شریعت کی کتاب میں لکھا ہے کہ اس میں خداوند نے فرمایا ہے کہ بیٹوں کے بدلے باپ دادا قتل نہ ہوں گے اور نہ باپ دادوں کے بدلے بیٹے قتل ہونگے۔ بلکہ ہر ایک آدمی اپنے گناہ کے سبب مارا جائے گا۔

کفارہ کی عمارت کا تیسرا ستون:

صلیب پرستوں کا ایک یہ عقیدہ ہے کہ آدم نے جو گناہ کیا تھا اس کا اثر وراثۃً اور نسلاً ہر انسان میں چلا آرہا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اثر نطفہ کے ذریعے نسل انسانی میں منتقل ہو رہا ہے اور مسیح اس لئے بن باپ پیدا کیے گئے تھے تاکہ اس کو گناہ کے اثر سے محفوظ رکھا جائے۔

پولوس کہتا ہے:

ابطال عقیدہ

"اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔"

جب بائبل کی رُو سے گناہ کے ارتکاب کا اول منبع عورت کی ذات ہے تو حضرت مسیح کی پیدائش عورت کے پیٹ سے ہوئی جو گناہ کا اصل منبع تھا۔ اگر عیسائیت کے انوکھے فلسفہ کی رُو سے بنی نوع انسان نطفہ کے اثر کی وجہ گناہگار بن سکتی ہے تو عورت کے پیٹ سے جنم لینے سے حضرت مسیح گناہ کے اثرات سے کیوں کر بری ہو سکتے ہیں۔

کفارہ کی عِمارت کا چوتھا ستون:

عیسائیوں کا یہ استدلال ہے کہ انسان نے گناہ کیا۔ خُدا کا عدل گناہ کی سزا کا متقاضی ہے اور خُدا کا رحم نجات کا متقاضی ہے ہر دو تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع کو دنیا میں بھیج کر خُدا کے رحم سے مستفید کیا اور خود مسیح نے اپنی جان صلیب پر دے کر عدل

کے تقاضے کو پورا کیا اور بنی آدم کے لئے بخشش کا موجب ٹھہرا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت نے انسان کیلئے نجات کی راہ تلاش کر لی۔

عقیدہ حیات ثانیہ:

حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیحؑ کتاب مقدس کے بموجب ہمارے گناہوں کے لئے مرا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے بموجب جی اُٹھا۔

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ عیسیٰؑ سے پہلے مختلف ممالک میں دیوتاؤں کے مر کر زندہ ہونے کا تخیل پایا جاتا تھا۔ خصوصاً مصر میں جہاں اور سیریز کا مر کر زندہ ہونے کا تخیل پایا جاتا تھا۔ اس زمانے میں مظاہر پرستی بتدریج متداولہ مذاہب میں داخل ہو رہی تھی ان میں مجوسیت اور ہندوازم قابل ذکر ہیں ممکن ہے یہ تصور اسی سے ماخوذ ہو۔

عیسائیت پر دیگر مذاہب کا اثر:

یورپی مؤرخین اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مسیح کی انجیل یعنی عہد نامہ جدید میں یونانی فلسفہ کا عنصر غالب ہے۔

مسٹر ہٹی (Hitti) لکھتے ہیں:

> مسیحیت میں مذاہب دیگر مذاہب بالخصوص یہودیت کی آمیزش کر کے انجیلوں کے لکھنے والوں نے مسیحیت کو تمام دنیا میں پھیلنے کے قابل بنا دیا۔"

ڈریپر رقمطراز ہے:

> ان دونوں عیسائیت اور یہودیت کی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے اُصول شیر و شکر ہو گئے اور نیا مذہب پیدا ہو گیا۔

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا وہ مذہبی عقائد جن کی تفصیل ٹرٹلین نے بیان کی ہے بدل کر ایک عام پسند مگر پایہ اخلاق سے گرے ہوئے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے ان عقائد میں قدیم یونانیوں کی افسانہ پرستی کا عنصر بھی شامل ہو گیا۔

جب عیسائی مذہب فلسطین سے نکل کر پڑوسی ممالک میں پھیلا تو اس وقت بحیرہ روم کے آس پاس کے ممالک میں آفتاب پرستی کا رواج تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آفتاب پرستی کے بیشتر عوامل عیسائی مذہب میں داخل ہو گئے۔

الوہیت کا تصور:

ظہور مسیح کے وقت ایران' بابل' نینوا' سیریا' یونان' روم' مصر اور کمیوری ممالک خصوصاً

ائرلینڈ اور سمندر پار میکسیکو میں سب جگہ آفتاب پرستی تھی۔

عیسوی مذہب کے آغاز سے پہلے ان ممالک میں سورج دیوتاؤں سے متعلق اس قسم کی کہانیاں رائج تھیں کہ وہ دوشیزاؤں کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں اور دشمن انہیں قتل کر دیتے ہیں۔

تحریک اصلاح مذہب

قرون وسطیٰ (Mediaeval Ages) میں تحریک اصلاح مذہب کا سلسلہ شروع ہوا (اسے Dark Ages یعنی قرون مظلمہ بھی کہا جاتا ہے۔یہ دور گیارہویں صدی سے لے کر پندرہویں صدی تک کا ہے۔)

پاپائیت:

قسطنطنیہ (Constantinople) کے شہنشاہ روما نے جب عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دیا تو مذہبی اور دنیاوی معاملات کو ملا کر ایک کر دیا۔ روما کی حکومت مقدس قرار دی گئی۔ کلسیا کا تمام کاروبار پانچ منتخب پادریوں کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ جنہیں انگریزی زبان کے فادر کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔ ان دنوں کلسیا بھی دو تھے۔ ایک کا صدر مقام روم اور دوسرے کا قسطنطنیہ تھا۔ رومی کلسیا کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ پولوس نے روم میں وفات پائی تھی جبکہ وہ عیسائیت کی اصلی روایات کا علمبردار تھا لیکن قسطنطنیہ کا کلسیا بھی خود کو کم نہ سمجھتا تھا۔ کیونکہ سلطنت روما کا دارالسلطنت اور مرکزی تعلیم کا مقام تھا۔ مذہب کے ادارے کی حیثیت سے کلیسا کا نظام درہم برہم ہو گیا نیز صلیبی جنگوں نے بھی قسطنطنیہ کے علاقوں میں زبردست تباہی مچائی۔

800ء سے سترھویں صدی تک یورپ کے تمام بادشاہوں کے تخت و تاج پوپ کے ہاتھ میں تھے۔ پوپ جسے چاہتا تخت پر بٹھا دیتا جسے چاہتا ذلیل و رسوا کر کے تخت سے اُتار دیتا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ سلطنت روما جو کبھی مقدس کہلاتی تھی۔ انتشار اور بدنظمی کا شکار ہو گئی پر ہر چھوٹا بڑا حکمران خود مختاری کا اعلان کر بیٹھا لیکن اگر کسی نے اس انتشار کو دبایا تو وہ پوپ ہی تھا اس نے آٹو اعظم کو حسب ضابطہ تاجدار تسلیم کروا کر یہ طے کیا کہ آئندہ ہر چھوٹے بڑے بادشاہ کی رسم تاجپوشی پوپ یا اس کے مقرر کردہ نائب کے ہاتھوں انجام پائے گی یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ سلطنت روما کے شہنشاہ کا انتخاب بھی یورپی روساء میں سے اور تین کا انتخاب پاپائے روم کریں گے اس طرح پورے یورپ میں پوپ کا ڈنکا چودھویں صدی تک بجتا رہا گویا یورپ کے تمام چھوٹے بڑے حکمران پوپ کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ اگر کوئی قانون تھا تو صرف پوپ کا بنایا ہوا۔ پوپ کا مذہبی قانون جسے پاپائیت کہا جاتا ہے پورے یورپ پر چھایا ہوا تھا۔

پوپ نے اپنے لئے ایک رہائش گاہ کیلئے ایک ایسا محل تعمیر کروایا جو بڑے سے بڑے حکمرانوں کو بھی ایسا نصیب نہ ہوا اس کی شان وشوکت میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا۔

اس کی لمبائی 1151 فٹ اور چوڑائی 776 فٹ تھی۔ یہ محل گریگری (Gregory) یازدہم نے بنوایا۔ جو روم کے علاقہ "ویٹیکن" میں ہے اور آج تک پوپ اسی میں رہتا ہے اس کے علاوہ پوپ کا ایک خاص تاج بنایا گیا تھا جس میں لاکھوں پونڈ مالیت کے ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں یہ تاج ہر نئے آنے والے پوپ کو مذہبی رسوم کے ساتھ پہنایا جاتا ہے "ویٹیکن سٹی" اور پوپ کے ذاتی مصارف کے لئے ذاتی جو جاگیر وقف تھی اسکا رقبہ تیرھویں صدی میں سترہ ہزار مربع میل کے برابر تھا۔

ماہرین کا اندازہ ہے کہ ان عدالتوں نے 1481ء سے 1808ء تک تین لاکھ چالیس ہزار افراد کو مختلف سزائیں سنائیں گئیں۔ ان میں بتیس ہزار وہ افراد بھی شامل ہیں جنہیں آگ میں جلا دیا گیا ان سزا پانے والوں میں کئی عالم، فاضل، موجد، سائنس دان بھی شامل تھے۔ اس دور میں کسی قسم کی کتاب شائع کرنے کی ممانعت تھی مشہور سائنس دان گلیلیو جس نے دوربین ایجاد کی تھی۔ اور اس کے ساتھ برونو جیسا سائنس دان بھی زندہ جلوا دیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے لوگ آج تک مذہب اور سائنس کو دو الگ الگ اور ایک دوسرے کے مخالف تسلیم کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ ظلم یا زیادتی یہ کی گئی تھی کہ مغفرت نامے جاری کئے جانے لگے تھے۔ جس میں سینٹ پال کا خط لکھا ہوتا تھا اور اس کی عبارت یہ تھی۔

"تم کو ایمان کے وسیلہ سے ہی نجات ملی ہے اور یہ تمہاری طرف سے نہیں خدا کی بخشش ہے اور نہ اعمال کے سبب سے ہے۔"

معافی نامہ کی تحریر یہ ہوتی تھی۔

"تم پر خداوند یسوع مسیح کی رحمت ہو اور وہ تمہیں اپنے اپنے مقدس تو تم (گناہوں کی سزا) سے آزاد کرے میں اس کی اور اس کے بابرکت شاگرد پولوس اور مقدس پوپ کی اس سند کی رو سے جو مجھے انہوں نے عطا فرمائی ہے جو تم کو تمہارے گناہوں کے پاداشوں میں جہنم میں ملنے والی ہے تاکہ تم جب مرو تو جہنم کے دروازے تم پر بند ہوں اور جنت کی راہیں کشادہ، باپ بیٹے اور رُوح القدس کے نام پر۔"

تاریخ بتاتی ہے کہ سولہویں صدی میں سینٹ پیٹر کے نام سے گرجا گھر بنوانا تھا اور اپنے محل کی تزئین وآرائش کروانا تھی اسے روپے کی اشد ضرورت تھی۔ جس کا حل اس نے یہ تلاش کیا کہ معافی نامے فروخت کئے جائیں ان کو گناہ گار لوگ فوراً خریدیں گے۔ اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ یہ معافی نامے وہ اپنے مرحوم بزرگوں کے نام سے بھی خرید کر ان کے گناہ معاف کرا سکتے ہیں۔

معافی ناموں کی فروخت کرنے گلی گلی ایجنٹ مقرر کیے گئے جو طرح طرح کی صدائیں لگا کران کی فروخت کرنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے ان کی لگائی جانے والی صدا کا نمونہ ملاحظہ ہو:

''آؤ بڑھو'' جنت کے دروازے کھل رہے ہیں اگر تم اب داخل نہ ہوئے تو کب داخل ہو گے تم بارہ پنس کے عوض اپنے باپ کی رُوح جہنم سے نکلوا سکتے ہیں۔ کیا تم ایسے ناخلف ہو کہ اپنے باپ کے لیے اس قدر سستی نجات بھی نہیں خرید سکتے۔ اگر تمارے پاس اور کچھ نہیں تو ایک کوٹ تو ہو گا وہی اتار دو اور بیش قیمت خزانہ خرید لو۔''

مارٹن لوتھر:

مارٹن لوتھر جرمنی کے ایک گاؤں میں آمل بین میں 1482ء میں پیدا ہوا۔ اس کے ماں باپ ازحد غریب تھے اس نے نہایت غربت کے دنوں میں جنم لیا اس کی قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے صرف پچیس برس کی عمر میں وٹبرگ یونیورسٹی میں مذہبی اُستاد کے عہدہ پر تعینات کر دیا گیا۔ اس نے اپنی ذہانت' فصاحت اور خطابت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بٹھا دیا۔ وہاں ایک پادری کے پاس ان معافی ناموں کی ایجنسی تھی۔ اس پادری کا نام ''ٹیٹ ذیل'' تھا۔ لوتھر نے پادری کو واضح کر دیا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے۔ عیسائیت کے خلاف ہے۔ پادری یہ برداشت نہ کر سکا اُس نے 1530ء میں ایک فرمان کے ذریعے مارٹن لوتھر کے نظریات کو بیہودہ قرار دیتے ہوئے اُس پر یعنی اُس کے نظریات پر لعنت کی۔ سب کے سامنے عدالت میں اس کے نظریات کو نذر آتش کر دیا۔ پھر بھی مارٹن لوتھر نے اپنے نظریات کو درست مانا اور عدالت میں مقدمہ درج ہوا اور ہر شخص کو یہ پکا یقین تھا کہ عدالت ''لوتن مارتھر'' کو زندہ جلا دے گی۔ مارٹن لوتھر 1546ء میں فوت ہو گیا 1555ء میں چارلس پنجم اور دیگر پروٹسٹنٹ شہزادوں میں مذہب کی وجہ سے زبردست جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا مارٹن لوتھر کی وفات کے بعد اسکی چلائی ہوئی تحریک کو سوئٹزرلینڈ کے ایک شخص زونگلی نے جاری رکھا یہ شخص مارٹن لوتھر کی نسبت زیادہ حقیقت پسند اور صاحب منطق ثابت ہوا۔

مذہبی رہنما ہلڈرچ زونگلی:

اس کی پیدائش 1484ء میں سوئٹزرلینڈ میں ہوئی اس نے مذہبی تعلیم حاصل کرنے کی طرف خاص توجہ دی جب تعلیم مکمل کر چکا تو رومن کیتھولک کا ممبر بن گیا۔ اس نے عوام پر زور دیا تھا کہ وہ بائبل کی پیش کردہ تعلیم کو اپنا مکمل رہنما اور اوڑھنا بچھونا بنا لیں۔ اس کا ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ ''عشائے ربانی'' سے حضرت یسوع علیہ السلام کی قربانی کا اعادہ تو نہیں ہو سکتا البتہ اس کی یاد ضرور تازہ کی جا سکتی ہے اس نے کلیسا کے نظام کو جمہوری طریقوں پر استوار کیا۔ سرکاری اہل کاروں کے

لیے مسیح کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ضروری قرار دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جو اہل کار مسیح کی تعلیمات سے روگردانی کرے اسے ملازمت میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔

جان کالون:

جان کالون نے 1509ء میں فرانس میں جنم لیا۔ اس وقت پروٹسٹنٹ کے خلاف سخت کاروائیاں عمل میں لائی جا رہی تھیں۔ اسکو 1538ء میں جینوا سے نکال دیا گیا۔ یہ سوئٹزرلینڈ چلا گیا جہاں اس کے نظریات پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ وہاں یہ تین سال مقیم رہا جب تین سالوں کے بعد واپس جینوا آیا تو جان کالون نے ایک نئی مذہبی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس عقیدہ کی رُو سے انسانی اختیارات بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ اسے مارٹن لوتھر کے کلیسا سے ممتاز کرنے کے لئے اس کا نام بھی ریفارمڈ چرچ رکھا گیا ہے جان کالون نے 1564ء میں وفات پائی۔

کلیسا انگلستان:

برطانیہ یا انگلستان میں عیسائیت کی بنیاد آگستائن نے چھٹی صدی عیسوی میں رکھی تھی۔ اس ملک میں رومی کلیسا کی شاخ قائم ہوئی اور سولہویں صدی عیسوی تک کلیسائے انگلستان رومی کلیسا کے زیر اثر رہا۔ جبکہ اس کے مقابلے میں "بنی ڈکٹینی فرقہ" زیادہ مقبول ہوا۔ جب ملکہ الزبتھ اول نے تاج شاہی سر پر رکھا تو اس نے ایک نیا راستہ تلاش کیا جو رومن کیتھولک عقیدہ کا حامل بادشاہ بنتا تھا۔ تو وہ پروٹسٹنوں پر ظلم کرنا شروع کر دیتا اور بالآخر رومن کیتھولک زیر عتاب آ جاتے۔ جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے کلیسائے انگلستان نے مڈل مین کا کردار ادا کرتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کر لی۔ گو یہ زیادہ دیر تک نہ چل سکی کیونکہ سترھویں صدی میں ایک اور تحریک میدان میں آ گئی جس کا واحد مقصد یہ تھا کہ کلیسائے انگلستان ان تمام رسوم کو خیر آباد کہہ دے جن میں رومی کلیسا کی چھاپ لگی ہو اور ان تمام عقائد کو بھی چھوڑ دیا جائے جو رومی کلیساہ کے تھے۔ اس تحریک کے بعد ایک اور "تحریک اناسٹٹ" ابھری اس کے معنی ہیں کہ "دوبارہ بپتسمہ لینے والے" ان کا نظریہ تھا کہ تمام بالغ لوگوں کو دوبارہ بپتسمہ لینے پر مجبور کیا جائے یعنی ان کو ایک بار پھر عیسائی بنایا جائے۔ اس کا بانی تھامس ہلولیس تھا جس نے 1611ء میں اس کو شروع کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ:

"حقیقی مذہب انسان کے دل میں ہوتا ہے۔"

اسی کو وہ نور داخلی کا نام دیتا تھا جہاں بھی چند نیک اور سچے لوگ جمع ہو جاتے وہ جگہ مقدس خیال کی جاتی تھی گرجا کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہ کرتا تھا وہ اس نظریہ کے قائل تھا کہ مذہب کی تبلیغ ہر کوئی کر سکتا ہے اگر اس میں قابلیت ہو کیونکہ یہ وہ مقدس فریضہ ہے جو صرف روح القدس کی

طرف سے عطا کیا جاتا ہے اس فرض کی تکمیل کے لئے کسی خاص طبقہ یا فرد کی ضرورت نہیں ہوتی اور یہی سب سے بڑی اور اعلیٰ افضل عبادت ہے اس فرقہ میں عورت یا مرد کے حقوق برابر ہوتے تھے۔ اس فرقہ کی مخالفت دیگر تمام فرقوں نے کی اور انہیں سختی سے کچل کر رکھ دیا گیا۔

عیسائیت اور عصر حاضر:

نصرانیت پر یہودیت کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے اور کہیں کہیں یونانی عقائد اور فلسفہ کے گونا گوں امتزاجی عناصر بھی اس میں پائے جاتے ہیں عیسائیت میں خُدا کے جاہ وجلال کے احترام پر بہت زور دیا گیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا تصور یہ ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے خُدا نیکی سے نیکی کو پیدا کرتا ہے اور بدی سے بدی کو بڑھاتا ہے خیر وشر دونوں ابدی ہیں۔ وہ جس طرح نیکوں کا خُدا ہے بالکل ویسے ہی گناہگار بھی اس کے بندے ہیں حضرت عیسیٰ تو گناہگاروں کے پاس بھیجے گئے تھے خدا کی خواہش یہ نہیں کہ برائی کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ان کو معاف کر دے اور معافی کے ذریعہ ان کو نئی زندگی عطا کرے۔ البتہ خُدائی حکومت (Kingdom of Heaven) میں صرف وہی لوگ داخل ہو سکتے ہیں جو خُدا کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں لیکن نیکی کی سعادت کا حصول قوت بازو اور مجاہدہ پر منحصر نہیں ہے بلکہ توفیق خُداوندی ہی کے ذریعے یہ سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔ خُدا گناہگاروں کو گناہ سے پاک کر کے انہیں اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے اس طرح یہود کے تصور الٰہ کی بہت حد تک اصلاح کی گئی ہے۔

گویا موجودہ عیسائیت پولوس کا مذہب ہے نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا کیونکہ عیسائیت کی اصل تعلیمات جنہیں مسیح ابن مریم براہ راست بذریعہ الہام لے کر آیا تھا ان کا نشان اناجیل میں نہیں ملتا۔ عیسائیت میں عقائد کی تمام خرابیاں پولوس سے پیدا ہوتی ہیں اس امر کا اختلاف عیسائی مصنفین نے بھی شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں نیو امریکن لائبریری نے ہربرٹ کی ایک کتاب دی یوسس آف دی پاسٹ شائع کی ہے جس میں مصنف نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ موجودہ عیسائی عقائد سینٹ پال کی اختراع ہیں۔ چنانچہ تحریر کرتا ہے۔

> "پولوس نے اولین کام یہ کیا کہ مسیح کے حقیقی تاریخی وجود کو اپنے خیالات کی بھینٹ چڑھا دیا۔"

پولوس ہی وہ سب سے پہلا انسان ہے جس نے دوسرے دیوتاؤں کی طرح یہ عقیدہ مسیح سے متعلق پھیلایا کہ اس نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو بنی نوع انسان کی نجات کے لئے وقف کر دیا۔ تاریخی طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نجات دہندہ کا مترادف لفظ قربانی کا بکرا (Scape Goat) ہے۔ پرانے لوگ ایک بکرے کے سر پر اپنے گناہوں کا بوجھ رکھ کر اسے جنگل کی طرف ہانک دیتے یا

پہاڑ کی چوٹی سے دھکا دے دیتے تھے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی محققین نے یہ اعتراف کرنا شروع کر دیا ہے کہ موجودہ مروجہ عیسائیت پولوس کی اختراع ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ محرف اناجیل اور محفوظ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے پیش واؤں' نبیوں اور رسولوں کی طرح توحید کے علمبردار تھے۔ جب تک آپ اپنی قوم بنی اسرائیل میں رہے آپ کے حواری اور پیروکار بھی توحید پرست تھے الوہیت مسیح' اور کفارہ ایسے مشرکانہ عقائد سے ناآشنا تھے لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کے حواریوں نے دین مسیح یا مسیحیت کو تحریک بنانے اور بنی اسرائیل کے علاوہ دوسری اقوام تک پہنچانے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا' لیکن ان کے پیشواؤں نے یہ ظلم بھی کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ اور پھر خدا بنا لیا ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بائبل اور قرآن کی روشنی میں بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے اب ہم موجودہ عیسائیت کی تعلیمات پر گفتگو کریں گے یاد رہے کہ موجودہ عیسائیت کے عقائد کی بنیاد سینٹ پال یا پولوس نے رکھی ہے تو آیئے موجودہ عیسائیت کے اہم عقائد کا مطالعہ کریں۔

عقیدہ تثلیث:

یہاں تک تو بات واضح اور صاف ہے لیکن آگے چل کر اس مذہب نے خدا کے تصور کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ بڑی الجھی ہوئی ہیں' اور ان کا سمجھنا آسان نہیں ہے یہ بات تو ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے۔ باپ' بیٹا اور روح القدس اسی عقیدے کو عقیدہ تثلیث (Trinitarian Doctrine) کہا جاتا ہے لیکن بجائے خود اس عقیدے کی تشریح و تعبیر میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ یقینی طور سے کوئی ایک بات کہنا بہت مشکل ہے وہ تین اقانیم کون ہیں۔

جن کا مجموعہ ان کے نزدیک خدا ہے خود ان کی تعیین میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ "خدا باپ' بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے اور بعض کا کہنا ہے باپ' بیٹا اور کنواری مریم وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے پھر ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدا کے مجموع سے جسے تثلیث (Trinity) کہتے ہیں اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی ایک زبردست اختلاف پھیلا ہوا ہے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعہ خدا کی ترکیب میں ہے اور ان پر لفظ "خدا" کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کر دیا گیا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ یہ تین خدا ہی نہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے۔ غرض اس قسم کے بے شمار اختلافات ہیں جن کی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک "خواب پریشان" بن کر رہ گیا ہے

ہم اس جگہ اس عقیدے کی وہ تشریح کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبول عام معلوم ہوتی ہے یہ تعبیر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے۔

"تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے۔ لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی خدا ہیں اس لئے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو دی ہے کہ ہم ان کو تین آقا سمجھنے لگیں۔"

اسی بات کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) اپنی مشہور کتاب (On the Trinity) میں لکھتے ہیں۔

"عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اور جنہوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں کی روشنی میں ایک وحدت تیار کرتے ہیں۔ جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک ناقابل تقسیم امر ہے اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک خدا ہے اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا لہذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت میں ان کی حصہ دار ہے لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی۔ پنطیس پیلاطس نے اسے پھانسی دی اسے دفن کیا گیا اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جا رہا تھا۔ تب حسب ذیل حوالہ انجیل معنی خیز ہے:

"جب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ "تو میرا بیٹا ہے" (متی 5:17)

باپ:

عیسائیوں کے نزدیک "باپ" سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے جس میں اس کی صفت کلام اور صفت حیات سے قطع نظر کی گئی ہے یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے (Principly) کا درجہ رکھتی ہے مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس اکیوناس کی تشریح کے مطابق "باپ" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے جس میں باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا بلکہ یہ ایک خدائی

اصطلاح (Spiritual Terminology) ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اصل ہے جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے اوران میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے۔

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے الفریڈ ری گاروے نے لکھا ہے کہ:

"اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے۔"

بیٹا:

"بیٹے" سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام (word of God) ہے لیکن یہ انسانوں کی صفتِ کلام کی طرح نہیں ہے انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے ایکویناس لکھتا ہے۔

"انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوہری یا جسمانی وجود نہیں رکھتی اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے لیکن خدا کی صفتِ کلام خود ایک جوہر ہے جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے اسی لئے اس کو بالحقیقت نہ کہ بالمجاز بیٹا کہا جا سکتا ہے اوراس کی اصل کا نام باپ ہے۔"

روح القدس:

"روح القدس" (Holy Spirit) سے مراد باپ اور بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے یعنی اس صفت کے ذریعے خدا کی ذات (باپ) اپنی صفت علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے یہ صفت بھی صفت کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے اسی وجہ سے اسے ایک مستقل اقنوم (Person) کی حیثیت حاصل ہے عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو جب بپتسمہ دیا جا رہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ (دیکھئے متی 16:3) اور آگسٹائن کا وہ اقتباس جو عقیدہ تثلیث کی تشریح میں گذر چکا ہے) اوراس کے بعد جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا تو عید پینٹی کوسٹ کے دن یہی روح القدس آتشیں زبانوں کی شکل میں حضرت مسیح کے حواریوں پر نازل ہوئی تھی (دیکھئے کتاب اعمال)

تین اور ایک اتحاد:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باپ' بیٹا اور روح القدس میں سے ہر ایک کو خدا مان لیا گیا تو خدا ایک کہاں رہا وہ تو اعداداً تین ہو گئے یہی وہ سوال ہے جو عیسائیت کی ابتداء سے لے کر اب تک ایک چیستان بنا رہا ہے عیسائیوں کے بڑے بڑے مفکرین نے نئے نئے انداز سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی اور اسی بنیاد پر بے شمار فرقے اور نمودار ہوئے سالہا سال تک بحثیں چلیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی معقول جواب سامنے نہیں آ سکا خاص طور سے دوسری صدی عیسوی کے اختتام اور تیسری صدی کی ابتداء میں اس مسئلے کے جو حل مختلف فرقوں نے پیش کئے ان کا دلچسپ حال پروفیسر مارس ریلیکن نے اپنی فاضلانہ کتاب (Christian Doctrine Studitierin) میں بیان کیا ہے۔

جب اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایبونی فرقہ (Ebioniter) کھڑا ہوا تو اس نے پہلے ہی قدم پر ہتھیار ڈال دیئے اور کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا مان کر ہم عقیدہ توحید کو سلامت نہیں رکھ سکتے اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ پورے طور پر خدا نہیں تھے انہیں خدا کی شبیہ کہہ لیجئے خدا کے اخلاق کا عکس قرار دیا جا سکتا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے ایسے ہی خدا تھے جیسے "باپ"

اس فرقے نے عیسائی عقیدے کی اصل بنیاد پر ضرب لگا کر اس مسئلے کو حل کیا تھا بالعکس تمام کلیسا نے اس کی کھل کر مخالفت کی اس عقیدے کے لوگوں کو صاحبان الحاد و بدعت قرار دیا اور اس طرح مسئلے کا یہ حل قابل قبول نہ ہوا۔

ایک دوسرے پہلو سے یہ نظریہ کلیسا کے عام نظریات کے خلاف تھا اس لئے کہ کلیسا "بیٹے" کو بالکل "باپ" کی طرح بالذات خدا مانتا ہے اس لئے یہ فرقہ بھی ملحد قرار پایا اور بات پھر وہیں رہی۔

ایک تیسرا فرقہ پیٹری (Patriparrian) اُٹھا پراسیس (Prasceas) کالستس (Calistus) اور زیفارس (Zephyris) اس فرق (Firaq) کے مشہور لیڈر تھے انہوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا اور کہا کہ درحقیقت باپ اور بیٹا کوئی الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں جن کے لئے الگ الگ نام رکھ دیئے گئے ہیں خدا اور حقیقت باپ ہیں وہ اپنی ذات کے اعتبار سے غیر مرئی اور غیر فانی ہے انسان کی نظریں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور نہ انسانی عوارض اسے لاحق ہو سکتے ہیں لیکن چونکہ وہ خدا ہے اور خدا کی مرضی پر کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی اس لئے اگر کسی وقت اس کی مرضی ہو جائے تو وہی خدا اپنے اوپر

انسانی عوارض بھی طاری کر سکتا ہے وہ اگر چاہے تو انسان کے روپ میں لوگوں کو نظر آ سکتا ہے یہاں تک کہ کسی وقت چاہے تو لوگوں کے سامنے مر بھی سکتا ہے۔

بدعتی فرقوں کی طرف سے اس مسئلے کے حل کے لئے اور بھی بعض کوششیں کی گئیں لیکن وہ سب اس لئے نا قابل قبول تھیں کہ ان میں کلیسیا کے مسلمہ نظریئے کو کسی نہ کسی طرح توڑا گیا تھا اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل جامع اور مبسوط کتاب تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن نے لکھی ہے بعد کے تمام لوگ اسی کتاب کے خوشہ چیں ہیں اس کتاب کا انگریزی ترجمہ اے ڈبلیو ہیڈن نے کیا ہے جو (On The Trinity) کے نام سے چھپ چکا ہے اس کتاب کا بیشتر حصہ اگرچہ نقلی مباحث پر مشتمل ہے لیکن آخر کے صفحات میں آگسٹائن نے تین اور ایک کے اتحاد کو عقلاً جائز ثابت کرنے کے لئے کچھ مثالیں پیش کی ہیں ان مثالوں کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

دماغ کی مثال سے تثلیث کا اثبات:

آگسٹائن نے پہلی مثال یہ پیش کی ہے کہ انسان کا دماغ اس کے پاس علم کا ایک آلہ ہے عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ عالم معلوم اور آلہ علم جدا جدا تین چیزیں ہوتی ہیں اگر آپ کو زید کے وجود کا علم ہے تو آپ عالم ہیں زید معلوم ہے اور آپ کا دماغ آلہ علم ہے گویا۔

عالم: (جس نے جانا)

معلوم: (جس کو جانا)

آلہ علم: (جس کے ذریعہ جانا)

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے دماغ کو خود اپنے وجود کا علم بھی ہوتا ہے اس صورت میں عالم بھی دماغ ہے اور آلہ علم بھی وہ خود ہی ہے اس لئے کہ دماغ کو اپنا علم خود اپنے ذریعہ حاصل ہوا ہے اس صورت میں واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ

عالم: (جس نے جانا)

معلوم: (جس کو جانا)

آلہ علم: (جس کے ذریعہ جانا)

کی منطقی اور استدلالی بحث کی روشنی میں عیسائی مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا میں ''وحدت'' بھی حقیقی ہے اور کثرت بھی لیکن آگسٹائن نے جو مثال پیش کی ہے اس میں وحدت تو حقیقی ہے مگر کثرت حقیقی نہیں ہے بلکہ اعتباری ہے اس لئے اس سے تین اور ایک کا حقیقی اتحاد ثابت نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ عالم اور معلوم کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ جس طرح قاتل اور مقتول، خالق اور مخلوق اور صابر

اور مجبور ایک نہیں ہو سکتے۔

دوسری مثال:

آگسٹائن نے اسی طرح کی ایک اور مثال پیش کی ہے وہ کہتا ہے کہ ہر انسان کا دماغ اپنی صفت علم سے محبت رکھتا ہے اور اس محبت کا اسے علم ہے لہٰذا وہ اپنے علم کے لئے محب ہے اور محبت کے لئے عالم ہے یعنی دماغ: اپنے علم کے لئے محب ہے

دماغ ہی: اس محبت کیلئے ایک عالم ہے

لہٰذا یہاں تین چیزیں پائی گئیں دماغ، محبّ، علم اور یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں اس لئے کہ محبّ بھی دماغ ہے اور عالم بھی دماغ ہے اور دماغ خود ایک دماغ ہے۔ اسی طرح خدا کے تین اقنوم ہیں خدا کی صفت (باپ) اس کی صفت علم (بیٹا) اور اس کی صفت محبت (روح القدس) اور یہ تینوں ایک خدا ہیں۔

اس مثال کی بنیاد بھی اس مغالطے پر ہے کہ دماغ ایک ذات ہے اور محبّ اور عالم اس کی دو صفتیں ہیں جن کا کوئی مستقل اور حقیقی وجود نہیں ہے اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں باپ ایک ذات ہے۔

عیسائی مذہب صفت محبت کو مستقل جوہری وجود قرار دیتا ہے ان میں سے ایک ہر کو خدا کہتا ہے اور اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا نہیں ہے یہ صورت کسی طرح دماغ کی مذکورہ مثال پر چسپاں نہیں ہوتی اس لئے کہ اس مثال میں محبّ القدس باپ سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتا ہے۔

آگسٹائن نے اپنی کتاب میں انہی دو مثالوں کو اپنی ساری عقلی گفتگو کا محور بنایا ہے لیکن آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ دونوں مثالیں درست نہیں ہیں۔

عقیدہ تثلیث کا رد:

(1) یاد رکھو کائنات میں اللہ صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے بہت بلند ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اس کائنات میں جو کچھ ہے سب اس کے پروگراموں کی تکمیل میں سرگرم عمل ہے اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں وہ خود ساری کائنات کے لئے محکم سہارا ہے اور مسیح کو اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی عار نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ قرآن کریم میں سورہ اخلاص اور اس کے علاوہ متعدد آیات ایسی ہیں جن میں توحید باری تعالٰی کا ذکر ہے۔

(2) یعنی یقیناً اُن لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہیں۔

(3) یعنی یقیناً اُن لوگوں نے کفر کیا: جنہوں نے کہا بے شک اللہ تین خداؤں سے ایک ہے۔

حقیقت مسیح اور عقیدہ تثلیث کا رد قرآن کریم میں واضح طور پر موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ اور رفع تمام مشکوک و شبہات کیلئے مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

(i) سورہ البقرہ: آیت نمبر: 256/136/87

(ii) آل عمران: آیت نمبر: 84/59/55/52/45

(iii) النساء: آیت نمبر: 172/171/163/157

(iv) المائدہ: آیت نمبر: 116/114/112/110/78/75/72/46/17

(v) الانعام: آیت نمبر: 85

(vi) مریم: 34

(vii) الاحزاب: 7

(viii) الشوریٰ: 13

(ix) الزخرف: 63

(x) الحدید: 27

(xi) الصف: 14/6

(4) بائبل میں لکھا ہے کہ "سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا ایک ہی خدا ہے تو اپنے سارے دل اور ساری طاقت سے خداوند سے محبت رکھ۔"

(5) زبور میں لکھا ہے کہ "خداوند اسرائیل کا بادشاہ اور اسی کا فدیہ دینے والا اور الافواج یوں فرماتا ہے میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔"

خلاصہ عیسائی عقائد:

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائی مذہب کے عقائد کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی صفت کلام (یعنی بیٹے کا اقنوم) انسانوں کی فلاح کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود میں حلول کر گئی تھی جب تک حضرت مسیح دنیا میں رہے۔

یہ خدائی اقنوم ان کے جسم میں حلول کیے رہا یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ کو سولی پر چڑھا دیا اس وقت یہ خدائی اقنوم ان کے جسم سے الگ ہو گیا پھر تین دن کے بعد آپ دوبارہ زندہ ہو کر حواریوں میں دکھائی دیے اور انہیں کچھ ہدائتیں دے کر آسمان پر تشریف لے گئے مگر یہ عقیدہ طے

ہے کہ یہودیوں نے آپ کو سولی پر چڑھایا اس سے تمام عیسائی مذہب پر ایمان رکھنے والوں کا وہ گناہ معاف ہو گیا جو حضرت آدم کی غلطی سے ان کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا اس عقیدے کے چار بنیادی اجزاء ہیں۔

(1) عقیدہ حلول و تجسم (Ircarnation)
(2) عقیدہ مصلوبیت (Crucifixion)
(3) عقیدہ حیات ثانیہ (Resurrection)
(4) عقیدہ کفارہ (Redemption)

ہم ان میں سے ایک ایک جز کو کسی قدر بالاختصار سے بیان کرتے ہیں۔

عقیدہ حلول و تجسم:

حلول و تجسم کا عقیدہ سب سے پہلے انجیل یوحنا میں ملتا ہے اس انجیل کا مصنف حضرت مسیح کی سوانح کی ابتداء ان الفاظ سے کرتا ہے۔

"ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا۔" (یوحنا: 1,2)

اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے:

"اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔" (یوحنا 14:1)

عیسائی مذہب میں "کلام" خدا کے اقنوم ابن سے عبارت ہے جو خود مستقل خدا ہے اس لئے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم ختم ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے روپ میں آ گیا تھا مارس ریلسٹن اس عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کیتھولک عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی قدرتی صفات کو چھوڑے بغیر انسان بن گئی یعنی اس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کر لیں جو زبان و مکان کی قیود میں مقید ہے اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان مقیم رہی ہے۔"

"بیٹے" کے اقنوم کو مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود کے ساتھ متحد کرنے والی طاقت عیسائیوں کے نزدیک روح القدس تھی پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ روح القدس سے مراد عیسائی مذہب میں خدا کی صفت محبت ہے اس لئے عقیدے کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خدا کو اپنے بندوں سے محبت تھی اس لئے اس نے اپنی صفت محبت کے ذریعہ اقنوم کو دنیا میں بھیج دیا تا کہ وہ لوگوں کے اصلی گناہ کا کفارہ بن سکے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو انسان بھی خالق بھی ہو اور مخلوق بھی برتر بھی ہو اور کمتر بھی۔ عقیدہ تثلیث کی طرح یہ سوال بھی صدیوں سے بحث و تمحیص کا محور بنا رہا ہے اس سوال کے جواب میں اس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں کہ "علم مسیحیت (Christology) کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد پڑ گئی جہاں تک رومن کیتھولک چرچ کا تعلق ہے وہ اس سوال کے جواب میں زیادہ تر انجیل یوحنا کی مختلف عبارتوں سے استدلال کرتا ہے گویا اس کے نزدیک یہ عقیدہ نقلی دلائل سے ثابت ہے عقیدہ حلول کو انسانی سمجھ سے قریب کرنے کے لئے مثالیں پیش کرتا ہے کوئی کہتا ہے کہ "خدا" اور انسان کی مثال ایسی ہے جیسے انگوٹھی میں کوئی تحریر نقش کر دی جاتی ہے کوئی کہتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینے میں کسی انسان کی شکل منعکس ہو جائے تو جس طرح انگوٹھی اور تحریر کے نقش ہونے سے ایک ہی وجود میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں انگوٹھی اور تحریر اور جس طرح آئینے میں کسی شکل کے منعکس ہونے سے ایک ہی وجود میں دو حقیقتیں پائی جاتی ہیں۔

اسی طرح وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ صرف خدا ہی قدیم اور جاودانی ہے اور اس کا کوئی ساجھی نہیں اسی نے بیٹے کو پیدا کیا جب کہ وہ پہلے معدوم تھا لہٰذا نہ بیٹا جاودانی ہے اور نہ خدا ہمیشہ سے باپ ہے کیونکہ ایک ایسا وقت تھا جس میں بیٹا موجود نہیں تھا حالانکہ بیٹا باپ سے بالکل الگ ایک حقیقت رکھتا ہے اور اس پر تغیرات واقع ہو سکتے ہیں وہ صحیح معنی میں خدا نہیں ہے البتہ اس میں "مکمل" ہونے کی صلاحیت موجود ہے اور وہ ایک مکمل مخلوق ہے ایک عقل مجسم جو ایک حقیقی انسانی جسم میں پائی جاتی ہے اس طرح اس کے نزدیک مسیح ایک ثانوی خدائی کا حامل ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ نیم دیوتا (Demi God) جو خدائی اور انسانیت دونوں کی صفات سے کسی قدر حصہ رکھتا ہے لیکن بلند ترین معنی میں خدا نہیں ہے۔"

جس زمانے میں رومن کیتھولک نے یہ نظریات پیش کئے تھے اس زمانے میں خاص طور پر مشرق کے کلیساؤں میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ خود اس کا دعویٰ یہ تھا کہ تمام مشرقی کلیسا ہمارے ہم خیال اور ہم نوا ہیں۔

اسلام اور عیسائیت

(تقابلی جائزہ)

جدید عیسائیت کے دو بڑے مکاتب فکر رومن کیتھولک چرچ (روایتی عقائد کے پیرو) اور پروٹسٹنٹ (مارٹن لوتھر کے پیرو) کے مشترکہ بنیادی عقائد کا تقابل ذیل میں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کے اپنے ہی متشاکل بیانات اور قرآن عظیم کی آیات کی روشنی میں مختصراً اور جامع صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

تقابلی اقدار کو سمجھنے کیلئے ایک قاری کے ذہن میں دونوں ادیان کا اجمالی تعارف ذہن میں ہونا ضروری ہے۔ عیسائیت کا مجموعی مذہبی ادب بائبل کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ بائبل کے دو حصے ہیں ایک عہد نامہ قدیم (Old Testament) اور دوسرا عہد نامہ جدید (New Testament) کہلاتا ہے۔ دونوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(1) عہد نامہ قدیم مندرجہ ذیل صحائف اور کتب پر مشتمل ہے:

(1) پیدائش (2) خروج (3) احبار (4) گنتی (5) استثناء (6) یشوع (7) قضاۃ (8) روت (9) سموئیل (10) سموئیل 2 (11) سلاطین 1 (12) سلاطین 2 (13) تواریخ 1 (14) تواریخ 2 (15) عزرا (16) نحمیاہ (17) آستر (18) ایوب (19) زبور (20) امثال (21) دانی ایل (22) غزل الغزلات (23) یسعیاہ (24) یرمیاہ (25) نوحہ (26) حزقی ایل (27) واعظ (28) ہوسیع (29) یوایل (30) عاموس (31) عبدیاہ (32) یوناہ (33) میکاہ (34) ناحوم (35) حبقوق (36) صفنیاہ (37) حجی (38) زکریاہ (39) ملاکی۔

عہد نامہ جدید میں ذیل کے صحائف شامل ہیں:

(1) متی کی انجیل (2) مرقس کی انجیل (23) لوقا کی انجیل (4) یوحنا کی انجیل (5) رسولوں کے اعمال (6) رومیوں کے نام خط (7) کرنتھیوں کے نام دو خط (9) گلتیوں کے نام کا خط (10)

انسیوں کے نام کا خط (11) فلپیوں کے نام کا خط (12) کلسیوں کے نام کا خط (13) تھسلنیکیوں کے نام کے دو خط (15) تیمتھیس کے نام کے دو خط (17) ططس کے نام کا خط (18) فلیمون کے نام کا خط (19) عبرانیوں کے نام (20) یعقوب کا خط (21) پطرس کے دو خط (23) یوحنا کے تین خط (26) یہوداہ کا عام خط (27) یوحنا عارف کا مکاشفہ۔

عیسائیت کا پورا مذہبی لٹریچر انہی صحائف اور کتب پر مشتمل ہے۔ چاروں اناجیل کی حقیقت حسب ذیل ہے۔ اناجیل اربعہ میں سب سے پرانی انجیل مرقس کی خیال کی جاتی ہے۔ اس کے مرتب مرقس کے بارے میں ٹھیک ٹھیک کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی شخصیت کیا ہے البتہ مورخین اس پر متفق ہیں کہ وہ جو کچھ بھی ہو جناب مسیح علیہ السلام کے حواریوں اور ساتھیوں میں سے بہر حال نہیں ہے۔ اس نے پطرس کے قتل کے بعد روما میں ان باتوں کو جو اس نے پطرس سے مختلف اوقات میں سنی تھیں بغیر کسی ترتیب کے لکھ ڈالا۔ اندازہ یہ کیا جاتا ہے کہ یہ انجیل 65ء سے 70ء تک کے دور میں لکھی گئی۔ جس وقت مرقس نے اس انجیل کو مرتب کیا جناب مسیح علیہ اسلام کے شاگردوں میں اس وقت کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔

انجیل کا دوسرا نسخہ لوقا کی انجیل ہے۔ یہ شخص بھی جناب مسیح علیہ السلام کے کافی بعد کے زمانے کا ہے اور پولوس کے ساتھیوں میں سے ایک تصور کیا جاتا ہے۔ لوقا ایک طبیب تھا اور اس نے کسی معزز شخص کی خواہش پر اس کے لیے یہ نسخہ مرتب کیا۔ اس میں مرقس کی انجیل سے استفادہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا زمانہ تالیف بھی جناب مسیح علیہ السلام کے کم از کم 80 سال بعد کا ہے۔

انجیل کا تیسرا نسخہ متی کی انجیل ہے۔ اسے تیسرے نمبر پر پرانا نسخہ تصور کیا جاتا ہے۔ انجیل کا چوتھا نسخہ یوحنا (John) کی انجیل ہے۔ اس میں دوسری اناجیل کے بعض عقائد اور پولوس سے منقول عقائد کی تشریح کی گئی ہے جس سے اس کا زمانہ تحریر مرقس، متی اور لوقا کے بعد کا زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ ان چاروں اناجیل کے علاوہ انجیل برناباس ہے جس کا ذکر سن کر عیسائی آنکھیں چرانے لگاتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ انجیل برناباس کے ذکر سے ان کے مذہب کی قلعی کھل جاتی ہے۔ انجیل برناباس کے صحیفہ رسولوں کے اعمال میں لکھا ہے۔

"اور یوسف نام ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے برناباس یعنی "نصیحت کا بیٹا" رکھا تھا۔" (اعمال 36:4)

دوسری جگہ برناباس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

"کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا۔" (اعمال 24:11)

اور اسی حوالے میں آگے (26:11) کہا گیا ہے کہ برناباس ہی نے عیسائیوں کو مسیحی کا لقب دیا۔

برناباس کی انجیل سے عیسائی دنیا کو لاعلم رکھنے کا اہتمام جن اسباب سے کیا گیا ان میں اولین بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ برناباس نے پولوس کے اس کردار کو بے نقاب کر دیا جو جدید عیسائی عقائد کی تشکیل و ایجاد میں پولوس نے ادا کیا۔ دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں بہت کھل کر اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی نہیں دی جا سکی بلکہ گرفتاری کے وقت ہی رومی سپاہیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری یہوداہ کو جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے غداری کر کے رومیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیام کے بارے میں حقیری ایک رقم کے عوض مخبری کر دی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مغالطے میں گرفتار کر لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے فرشتوں کے ذریعہ وہاں سے اٹھا لیا تھا۔ یہوداہ جو سپاہیوں کی رہنمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نشاندہی کیلئے آیا تھا اس کی صورت کچھ ایسی ہو گئی کہ سب نے اسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر ان کی جگہ پکڑ لیا۔ اس کو سولی چڑھایا گیا۔ یہ صراحت جدید عیسائی مذہب کے عقائد کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔ اس بنا پر انجیل برناباس کو اس طرح غائب کیا گیا کہ صدیوں تک دنیا کو اس کی خبر تک نہ ہو سکی اگرچہ ایک نہایت ہی محدود حلقے میں سینہ بہ سینہ اس کا ذکر اور علم منتقل ہوتا رہا۔

تیسرا سبب انجیل برناباس سے عیسائی دنیا کو لاعلم رکھنے کا یہ تھا کہ اس میں جناب مسیح علیہ السلام کی تعلیمات نسبتاً زیادہ محفوظ اور درست طور پر منتقل ہوئیں۔ اب عیسائی عقائد کا اجمالی تقابل انہیں اناجیل اربعہ کی اپنی متضاد اور متخالف عبارات اور پھر قرآن حکیم کی آیات کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔

تثلیث

عربی زبان میں تین اشیاء کا مرکب تثلیث کہلاتا ہے۔ اسے عیسائی عقیدے میں Trinity (جو کہ Tri-Unity سے ماخوذ ہے) یا Trinitarian Doctrine کہتے ہیں۔ تثلیث سے مراد یہ ہے کہ خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے۔ (باپ) بیٹا (Word of God) اور روح القدس (Holy Spirit)

اس عقیدہ کے بارے میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر مبہم مختلف اور متضاد ہیں کہ کسی مقام پر یقینی طور پر پہنچنا ناممکن ہے کیونکہ بعض کہتے ہیں کہ باپ بیٹا اور روح القدس کا مجموعہ تثلیث ہے۔ بعض کے نزدیک باپ بیٹا اور کنواری مریم یہ تین اقانیم ہیں۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے یہ تین الگ الگ خدا بھی ہیں اور ان کا مجموعہ بھی خدا ہے۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ تینوں علیحدہ علیحدہ خدا ہیں لیکن

مجموعہ خدا سے کم تر ہے اور ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ تینوں نہیں بلکہ مجموعہ خدا ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا' جلد 22' ص 479 'Subject Trinity)

دراصل تثلیث کا عقیدہ عہد نامہ جدید کی مختلف عبارات سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مارس ریلٹن لکھتا ہے کہ بائبل کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں:

"عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے' جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے۔ اسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن سمجھا نہیں جا سکتا۔ اس لیے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے۔ وہ فی نفسہ کیا ہے ہمیں معلوم نہیں پس اتنی باتیں معلوم ہو سکیں ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں۔"

(Maurice Relton : Studies in Christian Doctrine P.3)

بعض عیسائی علماء کا کہنا ہے کہ عقیدہ تثلیث کا علم جزوی طور پر مخفی رکھا گیا ہے جس طرح دین اسلام کی کتاب قرآن عظیم میں حروف مقطعات یا بعض متشابہات کا علم مخفی رکھا گیا ہے۔

ہم اس جگہ اس عقیدے کی وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو عیسائیوں کے یہاں سب سے زیادہ مقبول عام معلوم ہوتی ہے۔ یہ تعبیر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے۔

"تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی خدا ہیں اس لیے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔"

اسی بات کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم اور فلسفی سینٹ آگسٹائن (St. Augstine) اپنی مشہور کتاب (On the Trinity) میں لکھتے ہیں:

"عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اور جنہوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ' بیٹا اور روح القدس مل کر ایک "خدائی وحدت" تیار کرتے ہیں' جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابل تقسیم ہے۔ اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک خدا

ہے اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا' لہٰذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے' اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیث وحدت میں ان کی حصہ دار ہے۔

عیسائیت کے یہی وہ بنیادی عقائد ہیں جنہوں نے صدیوں سے عقل انسانی کو الجھا رکھا ہے۔ ان عقائد پر بحث و تنقید کی پاداش میں یورپ کے لاکھوں دانشوروں کو ناقابل بیان اذیتوں اور وحشیانہ سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا اور لاتعداد اہل علم و خرد کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ان عقائد و نظریات نے نہ صرف ایک باقاعدہ مذہب کی صورت اختیار کی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات کو مسخ و معدوم کر ڈالا اور انسانیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا دیا۔

قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس غرض سے اس دنیا میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے کہ وہ لوگوں کو خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔ اس دعوت توحید کا مفہوم یہ تھا کہ خدا ایک ہے' کوئی اس کا شریک اور ہمسر نہیں' وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس کی بندگی اور اطاعت کی جائے۔ یہی حضرت مسیح علیہ السلام ابن مریم علیہ السلام کی دعوت اور یہی آپ کی تعلیمات کی اساس و بنیاد تھی۔

قرآن مجید حضرت مسیح علیہ السلام کے اس مشن کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف سے نافرمانی (اور نیت قتل) دیکھی تو کہنے لگے کہ کوئی ہے جو خدا کا طرفدار اور میرا مددگار ہو۔ حواری بولے کہ ہم خدا کے (طرفدار اور آپ کے) مددگار ہیں ہم خدا پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم (یعنی فرمانبردار) ہیں۔ اے پروردگار (جو کتاب) تو نے نازل فرمائی ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور تیرے پیغمبر کے متبع ہو چکے تو ہم کو حق کی گواہی دینے والوں میں لکھ رکھ۔" (سورہ آل عمران: 52'53)

الوہیت مسیح کے رد میں قرآن حکیم واضح الفاظ میں فرماتا ہے:

"وہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم علیہ السلام کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) مسیح خدا ہیں حالانکہ مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی اور (جان رکھو کہ) جو شخص خدا کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا خدا اس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔" (المائدہ: 72)

گویا اس طرح قرآن مجید نے بہت واضح الفاظ میں تثلیث کے عقیدہ کو مسترد کر دیا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے:

الله واحده لاشريك له

نے تثلیث کا عقیدہ رکھنے والوں کیلئے سخت وعید فرمائی ہے۔ اور ان میں فرقہ مرقوسیہ اور فرقہ نسطوریہ سرفہرست تھے۔

"وہ لوگ کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اگر یہ لوگ ایسے اقوال و (عقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔" (سورہ المائدہ: 73)

"تو یہ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف (خدا کے) پیغمبر تھے ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ (مریم خدا کی) ولی (اور سچی فرمانبردار) تھیں۔ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم ان لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں پھر (یہ) دیکھو کہ یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔" (سورہ المائدہ: 74، 75)

قرآن حکیم میں مشرکین کیلئے حسب ذیل اعلان ہے:

"اللہ بس شریک ہی کو معاف نہیں کرتا اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا اس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔" (سورہ النساء: 48)

ان آیات کریمہ کے استدلال سے عقیدہ تثلیث باطل ہو جاتا ہے۔ سورہ اخلاص کا جامع مضمون تثلیث کے رد کیلئے کافی ہے۔

عقیدہ حلول و تجسیم

عقیدہ حلول و تجسیم کا ذکر سب سے پہلے انجیل یوحنا میں ملتا ہے۔ حضرت مسیح کی سوانح کی ابتداء میں لکھا ہے:

"ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا۔" (یوحنا: 1:1 و 2)

اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے:

"اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔" (یوحنا: 14:1)

عیسائی مذہب میں کلام خدا کے اقنوم ابن سے عبارت ہے جو خود مستقل خدا ہے اس لئے یوحنا کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفت کلام یعنی بیٹے کا اقنوم مجسم ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے روپ میں آ گیا تھا۔ مارس ریلٹن اس عقیدے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کیتھولک عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی' خدائی کی صفات کو چھوڑے بغیر انسان بن گئی یعنی اس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کر لیں جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہے اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان مقیم رہی ہے۔"

(Studies in Christian Doctrine P.28)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مضمون نگار الفریڈ ای گاروے کہتے ہیں:

"وہ حقیقتاً خدا بھی تھے اور انسان بھی' ان کی شخصیت میں دونوں باتیں جمع ہو گئی تھیں۔"

خدائی حیثیت سے وہ "باپ" کے ہم رتبہ ہیں' اسی لئے انجیل یوحنا میں آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ:

"میں اور باپ ایک ہیں۔" (یوحنا: 30:10)

آگستائن لکھتے ہیں:

"علیٰ ہذا القیاس خدائی حیثیت سے انہوں نے انسان کو پیدا کیا اور انسانی حیثیت سے وہ خود پیدا کیے گئے۔"

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا بھی ہو اور انسان بھی؟ خالق بھی ہو اور مخلوق بھی؟ برتر بھی ہو اور کمتر بھی؟ عقیدہ تثلیث کی طرح یہ سوال بھی صدیوں سے بحث و تمحیص کا محور بنا رہا ہے۔ اس سوال کے جواب میں اس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں کہ "علم مسیحیت" (Christology) کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد پڑ گئی۔

عقیدہ حلول و تجسیم سے متعلق خود مذہبی رہنما اور عیسائی علماء کی آراء مختلف ہیں۔ بعض گروہ مسیح کو خدا مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے۔ جیمز میکی نن (James Mackinon) کے مطابق پال آف سموسٹا (Samosata) اور لوسین (Lucian) اس انکاری مہم کے ابتدائی لیڈر تھے۔

(1) From Christ to Constantine : James Mack.

(2) Britanaica : Vol 14, Page : 460)

بعد میں حلول و تجسم کے عقیدہ کے تحت عیسائیت بڑے بڑے فرقوں میں منقسم ہو گئی۔ جن کے نظریات میں شدید اختلاف تھا ان میں پولس (Paulician)، نسطوری اور یعقوبی فرقے سرفہرست تھے۔ ظہور اسلام کے وقت ان نظریاتی فرقوں کی لڑائی عروج پر تھی اور روم، شام اور فلسطین میں بڑے ہنگامے ہو رہے تھے۔

اللہ الاول والآخر کا قرآن حکیم میں فرمان ہے:

لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم
وقال المسيح يبنى اسرائيل اعبدوا الله ربى و ربكم

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ ہی ہے جو مسیح ابن مریم (کے روپ میں) ہے اور مسیح تو یہ کہتا ہے کہ اے بنی اسرائیل اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔" (سورہ المائدہ:72)

قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ سے عقیدہ حلول و تجسم کا بطلان ہوتا ہے۔

تفسیر حازن میں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ کے ذریعے عیسائیوں کے عقیدہ حلول و تجسم کو باطل قرار دیا۔ یہ عقیدہ فرقہ یعقوبیہ اور ملکانیہ کا تھا جو کہتے تھے کہ مریم نے الہ (خدا) کو جنم دیا کہ خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے جسم میں حلول کیا۔

عقیدہ مصلوبیت (Crucifixion)

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انہیں پطلیس پیلاطیس کے حکم سے یہودیوں نے سولی پر چڑھا دیا تھا اور سخت تکلیف والے درد سے ان کی وفات ہو گئی تھی۔ قرآن مجید نے بہت واضح اور دو ٹوک انداز میں اعلان کر دیا تھا کہ جناب مسیح علیہ السلام کو نہ سولی دی گئی نہ انہوں نے وفات پائی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھا لیا اور اس اعلان کے ذریعہ قرآن مجید نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں اس اتہام طرازی اور غلط بیانی کی نفی کر دی جس کو مان لینے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ العیاذ باللہ حضرت مسیح علیہ السلام جیسے خدا کے برگزیدہ نبی چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح سولی دے کر ذلت اور بدنامی کی موت سے دوچار کیے گئے۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"پھر اپنے کفر میں اتنے بڑھے کہ مریم پر سخت بہتان لگایا اور خود کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا

نہ صلیب چڑھایا بلکہ معاملہ ان پر مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس کے بارے
میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں ان کے پاس اس معاملے میں
کوئی علم نہیں ہے محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ انہوں نے مسیح علیہ السلام کو یقین
کے ساتھ قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اللہ زبردست طاقت
رکھنے والا اور حکیم ہے۔" (سورۃ نساء: 157-158)

جناب مسیح علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے لیے ایسی ذلت کی موت کہ انہیں چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح سولی پر چڑھا کر ہلاک کر دیا جائے قابل فہم نہیں کیونکہ خود "عہد نامہ عتیق" میں بھی یہ لکھا ملتا ہے کہ اگر کسی نے کوئی ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو تو اسے مار کر درخت سے ٹانگ دے۔

"تو اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے بلکہ تو اسی دن اسے دفن کر دینا
کیونکہ جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے (ایسا نہ ہو) کہ تو اس
ملک کو ناپاک کر دے جسے خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر دیتا ہے۔" (استثناء:
21-23)

یہاں واضح ہے کہ تورات کے مطابق جو شخص پھانسی پاتا تھا وہ خدا کی طرف سے لعنت زدہ قرار دیا جاتا تھا۔ انجیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام نے بڑے درد کے ساتھ خدا سے یہ دعا کی تھی کہ وہ انہیں اس اذیت اور ذلت کی موت سے بچا لے۔ مرقس کی انجیل میں آتا ہے:

"اور کہا اے ابا اے باپ تجھ سے سب کچھ ہو سکتا ہے اس پیالہ کو میرے پاس سے
ہٹا لے تب بھی جو میں چاہتا ہوں وہ نہیں بلکہ جو تو چاہتا ہے وہی ہو۔" (مرقس:
14-34)

متی میں اس طرح بتایا گیا ہے کہ:

"پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر ہو
سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے
ویسا ہی ہو۔" (متی: 26-39)

لوقا میں اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

"اے باپ اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹا لے تو بھی میری مرضی نہیں بلکہ تیری
ہی مرضی پوری ہو۔" (لوقا: 22-42)

اور انجیل ہی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام کی یہ دعا بارگاہ الٰہی

میں مستجاب ہوئی:

"اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اسی سے دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی۔" (عبرانیوں: 5-7)

یہودیوں میں بھی اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ جناب یسوع علیہ السلام کی صلیب پر موت واقع ہوئی یا نہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ انہیں قتل پہلے کر دیا گیا تھا اور صلیب پر بعد میں ان کی لاش لٹکائی گئی لیکن ایک دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ انہیں سولی چڑھا کر ہلاک کر دیا گیا۔ پہلا گروہ اپنے مؤقف کی تائید میں کتاب اعمال سے دلیل دیتا ہے کہ اس میں لکھا ہے:

"ہمارے باپ دادا کے خدا نے یسوع علیہ السلام کو جلایا جسے تم نے قتل کر کے صلیب پر لٹکا دیا تھا۔" (رسولوں کے اعمال: 5-30)

تصلیب مسیح کے حوالے سے انجیل برناباس کے علاوہ حال ہی میں ایک اور انجیل کا نسخہ جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے دریافت ہوا ہے جس میں صاف صاف لکھا ہے کہ مسیح کو سولی دینے سے پہلے انہیں آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔ پطرس کی اس دریافت شدہ انجیل کا حوالہ ہلمن سٹریٹر نے اپنی مشہور زمانہ کتاب اناجیل اربعہ (The Four Gospels) (مطبوعہ مکملین نیویارک 1961ء) میں درج کیا ہے اور وہاں پر صیغہ مجہول (Passive Voice) استعمال ہوا ہے یعنی "the Christ Was Taken" اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس فعل کا فاعل کوئی اور ہے یعنی اللہ تعالیٰ ورنہ جملہ اس طرح ہوتا "He took off"

عقیدہ حیات ثانیہ (Resurrection)

حیات ثانیہ کا عقیدہ اناجیل اربعہ میں مختلف مقامات پر مذکور ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم سولی پر وفات پانے اور قبر میں دفن ہونے کے بعد تیسرے دن زندہ ہو کر آسمان کی طرف تشریف لے گئے تھے۔

قرآن حکیم میں اس عقیدہ کا رد سورہ النساء کی آیت نمبر 156' 157 میں موجود ہے۔ اللہ عزیز حکیم کا ارشاد ہے:

وما قتلوہ یقیناً O بل رفعه الله اليه

ترجمہ: "اور بے شک انہوں (یہودیوں) نے اسے (مسیح) قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا تھا۔"

آیت مبارکہ میں استعمال کیا گیا "یقیناً" کا کلمہ اس عقیدہ حیات ثانیہ کو غیر یقینی بنا کر باطل

قرار دیتا ہے۔

عقیدہ کفارہ (Atonement or Redemption)

کفارہ کا عقیدہ عیسائیت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی بنیاد اس تصور پر رکھی گئی ہے کہ ابن آدم پیدائشی گناہگار ہے پس اگر کوئی انسان اس گناہ سے نجات پانا چاہتا ہے تو وہ اپنے گناہوں کی قیمت یا جرمانہ ادا کرے یا مقررہ سزا بھگتے۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام نے جو کہ کفارہ کا اہم اور بنیادی جز ہے خود کو سولی پر چڑھا کر ابن آدم کا پیدائشی گناہ اور تمام دوسری خطاؤں کا کفارہ خود ادا کر دیا۔

برٹانیکا میں کفارہ کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

> ''عیسائی علم عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے ایک گناہگار انسان فوراً خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے' اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کارفرما ہیں ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا' دوسرے یہ کہ خدائی صفت کلام (بیٹا) اس لیے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ اللہ کی رحمت کے قریب کر دے۔''

(Ref : Atonement Britannica Vol 2 Page, 651)

مسیحی علماء کا کہنا ہے کہ ابن آدم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور شجر ممنوع کا پھل کھا کر پوری انسانیت کو گناہگار بنا دیا۔ آدم کے بعد یہ گناہ ماں باپ کے ذریعے بچوں میں نسل در نسل داخل ہوتا رہے گا اور تا قیامت چلے گا۔ مسیح اسی لئے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تا کہ آدم علیہ السلام کے گناہ سے محفوظ رہ سکیں۔

مسیحی ادب میں اس موضوع پر لاکھوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ رومن کیتھولک کا عالم ایکویناس کہتا ہے کہ: ''ہمارے ماں باپ کے گناہ کی وجہ سے اصلی گناہ ان کی اولاد میں منتقل ہو گیا۔''

(The Summa Theologica Q. 81 Axt 3, P.66)

جبکہ پروٹسٹنٹ مکتبہ فکر کے حامی جان کالون (John Calvin) کا کہنا ہے: ''ہم بے قصور اور معصوم تھے آدم کا جرم خواہ مخواہ ہم پر ٹھونس دیا گیا۔''

اس عقیدہ کا رد ویسے تو اناجیل اربعہ کے بیانات سے مل جاتا ہے جب مسیح نے کہا: ''اے ابا! تجھ سے سب کچھ ہو سکتا ہے اس پیالے کو میرے پاس سے ہٹا لے۔'' (مرقس 14:36-36)

یا پھر مسیح علیہ السلام اپنے ایک شاگرد سے کہتا ہے اگر نیکی کر کے زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اللہ کے حکموں پر عمل کر۔

اسلام کفارہ کے اس غیر منطقی فلسفے اور تصور کو قبول نہیں کرتا۔ وہ صاف صاف اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ گناہوں کی بخشش اور معافی صرف خدا کے رحم و کرم' بندے کی پرخلوص توبہ اور برائی سے بچنے اور بھلائی اختیار کرنے کے لیے اس کی مسلسل سعی و جہد پر منحصر ہے کوئی شخص اذیتیں برداشت کر کے یا اپنی جان دے کر دوسروں کے گناہوں کی معافی اور بخشش کا ذریعہ ہرگز نہیں بن سکتا۔

قرآن مجید سے کفارہ کے تصور کا ابطال

اس سلسلے میں قرآن مجید نے متعدد مقامات پر کفارہ کے عیسائی تصور کی تردید کی ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

"اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال اسی پر ہے (ایمان لانے والو! تم یوں دعا کیا کرو) اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر۔ مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار! جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں' وہ ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر' ہم سے درگزر فرما' ہم پر رحم کر' تو ہی ہمارا مولیٰ ہے' کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔" (سورہ البقرہ: 286)

یہ آیت کفارہ اور ایک شخص کی بداعمالیوں کی سزا دوسروں کو بھگتنے یا دوسروں کی بداعمالیوں کی سزا کسی ایک شخص کے نیک اعمال یا اس کی قربانیوں سے دور ہو جانے کے تصور کی بالکل دوٹوک تردید کر دیتی ہے۔ اس آیت میں دو اہم اصول بیان کر دیے گئے ہیں۔

اولاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی مقدرت اور قوت و طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا اور احکام الٰہی انسانی ظرف و صلاحیت اور اس کی فطرت کے عین مطابق ہوتے ہیں۔

ثانیاً یہ کہ انسان اصلاح و تزکیہ کے باوجود نسیان و خطا سے کلی طور پر پاک نہیں ہو جاتا۔ انسان سے توقع صرف اتنی کی جاتی ہے کہ وہ اپنی بساط بھر اطاعت الٰہی اور بھلائی کے لیے جدوجہد کرے اور جہاں تک بھی ممکن ہو سکے برائی سے بچے۔ اگر انسان اخلاص کے ساتھ نیکی اختیار کرنے اور برائی سے بچنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے تو پھر اس سے جو کوتاہی رہ جائے یا لغزش ہو اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں رحمت و شفقت سے اس سے درگزر کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب خدا اور بندے کے درمیان تعلق کی یہ نوعیت ہو تو اس میں پیدائشی گنہگاری اور اس سے نجات کے لیے کسی کفارہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح سورہ آل عمران

میں ارشاد ہوتا ہے:

"مگر کیا بنے گی ان پر جب ہم انہیں اس روز جمع کریں گے جس کا آنا یقینی ہے۔
اس روز ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔"

(سورہ آل عمران: 25)

یہ آیت اس تصور کی قطعاً جڑ کاٹ دیتی ہے کہ انسان اپنے نیک اعمال کے بجائے کسی دوسرے کی نیکی یا اس کی قربانی کے بل پر اپنی بداعمالیوں کی سزا یا اس پر گرفت سے بچ سکتا ہے۔

اسلام نے اس حقیقت کو ضوء الشمس کی طرح واضح کر دیا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود جوابدہ ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مختلف انداز سے اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے:

سورہ الانعام میں ہے:

"کہہ دیجئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے۔ ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے اس وقت وہ تمہارے اختلافات کی حقیقت تم پر کھول دے گا۔" (سورہ الانعام: 164)

ایک دوسری جگہ بھی اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا کہ:

"کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔" (سورہ النجم: 38)

اور سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

"جو شخص ہدایت کی راہ اختیار کرتا ہے اسے فائدے کے لیے اختیار کرتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس کا نقصان بھی وہ خود بھگتتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور ہم کسی کو سزا نہیں دیتے جب تک (اس کی قوم یا اس کے علاقہ میں) کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔" (سورہ بنی اسرائیل: 15)

ان تمام آیات کا منشاء اور حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہر شخص اپنی صلیب آپ اٹھائے گا اور اپنے اعمال کی جزا و سزا خود بھگتے گا۔ یہ اعلان اگر ایک طرف اس غلط فہمی کو رفع کرتا ہے کہ کوئی شخص پیدائشی گنہگار نہیں، گناہ و ثواب کا فیصلہ اس کے اپنے اعمال کی بنیاد پر ہوتا ہے تو دوسری طرف یہ خوش فہمی بھی دور کر دیتا ہے کہ ایک شخص کو دوسرے کی قربانی یا اس کے اعمال نیک، جرائم پر گرفت و احتساب اور سزا سے نجات دلا سکتے ہیں۔ اسلام میں تو سزا کا تصور ہی یہ ہے کہ وہ اوپر سے مسلط نہیں ہوتا بلکہ اپنے سیاہ اعمال کا منطقی نتیجہ ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ اپنی دنیوی زندگی میں انسان اپنی تقدیر اور اپنے مستقبل کا معمار خود ہوتا ہے اور اس زندگی میں ہی وہ اپنے بارے میں اپنے عمل سے خود یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ ابدی اور دائمی زندگی میں وہ اپنے لیے مسرتیں اور راحتیں جمع کر رہا ہے یا سزائیں اور تکلیفیں۔

انجیل برناباس

یہ بات تو اب علمی دنیا میں ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی وہ اب دنیا سے مفقود ہو چکی ہے' اس وقت جو کتابیں "انجیل" کے نام سے مشہور ہیں' ان سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات ہے جسے مختلف لوگوں نے قلمبند کیا ہے اور اس میں آپ کی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ پایا جاتا ہے۔

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختلف شاگردوں اور حواریوں نے اس قسم کی انجیلیں لکھی تھیں' لوقا اپنی انجیل کے شروع میں لکھتے ہیں:

"چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں جب کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا۔" (لوقا 1:1 و 2)

لیکن عیسائی حضرات نے ان بہت سی انجیلوں میں سے صرف چار کو معتبر مانا ہے جو علی الترتیب متی' مرقس' لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں۔ باقی انجیلیں یا تو گم ہو چکی ہیں یا موجود ہیں مگر انہیں عیسائی حضرات تسلیم نہیں کرتے۔

لیکن آج سے تقریباً اڑھائی سو سال پہلے ایک کتاب دریافت ہوئی جو برناباس حواری کی طرف منسوب ہے۔ اس کتاب کی دریافت نے دنیا بھر میں ایک ہلچل پیدا کر دی اس لئے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ بے شمار باتیں ایسی موجود تھیں جن سے عیسائیت کا پورا ایوان منہدم ہو جاتا ہے بلکہ اس میں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بھی لکھا ہوا تھا۔

اس وقت سے لے کر آج تک بہت سے علمائے عیسائیت اور ماہرین تاریخ نے اس کتاب کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے اور تمام عیسائی علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ اصلی انجیل برناباس نہیں ہے بلکہ اس کا مصنف کوئی مسلمان ہے جس نے عیسائیت کو غلط ثابت کرنے کے لیے اسے برناباس حواری

کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

انجیل برناباس معروف اناجیل اربعہ سے بہت سی چیزوں میں مختلف ہے لیکن چار اختلاف ایسے ہیں جنہیں بنیادی اہمیت حاصل ہے:

(1) اس انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے "خدا" اور "خدا کا بیٹا" ہونے سے صاف انکار کر دیا ہے۔

(2) اس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے بتایا ہے کہ وہ مسیح یا مسیا جس کی بشارت عہد قدیم کے صحیفوں میں دی گئی ہے اس سے مراد میں نہیں ہوں بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصداق ہیں جو آخر زمانے میں مبعوث ہوں گے۔

(3) برناباس کا بیان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی بلکہ ان کی جگہ یہوداہ اسکریوتی کی صورت بدل دی گئی تھی جسے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھا اور سولی پر چڑھا دیا حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے آسمان پر اٹھالیا تھا۔

(4) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ حضرت اسحٰق نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

انجیل برناباس میں آنحضرتؐ کا اسم گرامی

انجیل برناباس کا عربی زبان میں ترجمہ ایک مغربی عیسائی عالم ڈاکٹر خلیل سعادت نے کیا ہے۔ چند اقتباسات حسب ذیل ہیں:

میں اس کے لائق بھی نہیں ہوں کہ اس رسول اللہؐ کے جوتے کے بند یا نعلین کے تسمے کھولوں جس کو تم مسیا کہتے ہو وہ جو کہ میرے پہلے پیدا کیا گیا اور اب میرے بعد آئے گا۔ (عربی ترجمہ مطبوعہ قاہرہ 1958ء)

اور جب کہ میں نے اس کو دیکھا میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا اے محمدؐ اللہ تیرے ساتھ ہو اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں۔ (عربی ترجمہ، ص 69)

شاگردوں نے جواب میں کہا اے معلم وہ آدمی کون ہوگا جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا؟ یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا بیشک وہ محمد رسول اللہؐ (عربی ترجمہ، ص 252 اردو ترجمہ ص 243)

میں تم سے سچ کہتا ہوں دل سے باتیں کرتا ہوں کہ سر آئینہ میرے بھی رونگٹے کھڑے ہوں گے اس لئے کہ دنیا مجھ کو معبود سمجھے گی اور مجھ پر لازم ہوگا کہ اس کے حضور میں حساب پیش کروں اللہ

کی زندگانی کی قسم ہے وہ اللہ کہ میری جان اس کے حضور میں کھڑی ہونے والی ہے کہ بے شک میں بھی ایک فنا ہونے والا آدمی ہوں' تمام انسانوں جیسا۔ (عربی ترجمہ 82)

اس انجیل کی دریافت

قدیم عیسائی لٹریچر میں انجیل برناباس کا ذکر ایک گمشدہ کتاب کی حیثیت سے ملتا ہے لیکن 1709ء میں شاہ پروشیا کے ایک مشیر کو جس کا نام کرومر تھا ایمسٹرڈم (Amsterdam) کے مقام پر کسی کتب خانے سے ایک کتاب ہاتھ لگی جو اطالوی زبان میں تھی اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ برناباس حواری کی لکھی ہوئی انجیل ہے' اس وقت تک صرف اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ کریمر نے یہ اطالوی نسخہ ایمسٹرڈم کے کسی صاحب حیثیت آدمی سے حاصل کیا تھا جو اسے انتہائی قیمتی کتاب سمجھتا تھا۔ کریمز نے یہ نسخہ شہزادہ آیوجین سافومی کو تحفہ کے طور پر دے دیا۔ اس کے بعد 1838ء میں آسٹریا کے پایہ تخت ویانا (Vienna) کے شاہی کتب خانے میں منتقل ہو گیا اور آج تک وہیں ہے۔

اس کے بعد اٹھارویں صدی کی ابتداء ہی میں ہڈلی کے مقام پر ڈاکٹر ہلمن کو انجیل برناباس کا ایک اور نسخہ دستیاب ہوا جو ہسپانوی زبان میں تھا۔ یہی نسخہ مشہور مستشرق جارج سیل کو ملا تھا جس سے اس نے اپنے ترجمہ قرآن میں مختلف اقتباسات نقل کیے ہیں۔

جارج سیل نے اس ہسپانوی نسخے پر جو نوٹ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ مذکورہ بالا اطالوی نسخے کا ہسپانوی ترجمہ ہے جو کسی اروغانی مسلمان مصطفیٰ عرندی نے کیا ہے۔ مصطفیٰ عرندی ہی نے اس کے شروع میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں اطالوی نسخے کی دریافت کا پورا حال تحریر ہے۔

اس دیباچے کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریباً سولہویں صدی کے اختتام پر ایک لاطینی راہب فرامرینو کو آرینوس بشپ کے کچھ خطوط دستیاب ہوئے جن میں سے ایک میں پولس پر سخت تنقید کی گئی تھی اور ساتھ ہی یہ لکھا تھا کہ انجیل برناباس میں پولس کی حقیقت خوب واضح کی گئی۔ جب سے فرامرینو نے آرینوس کا یہ خط پڑھا تھا اس وقت سے وہ مسلسل انجیل برناباس کی جستجو کرتا رہا۔

کچھ عرصے کے بعد اسے اس زمانے کے پوپ اسکٹس پنجم کا تقرب حاصل ہو گیا اور ایک روز وہ پوپ کے ساتھ اس کے کتب خانے میں چلا گیا۔ کتب خانے میں پہنچ کر پوپ کو نیند آ گئی اس عرصے میں فرامرینو نے وقت گزاری کیلئے کتابیں دیکھنی شروع کیں حسن اتفاق سے اس نے پہلی بار جس کتاب پر ہاتھ ڈالا وہ انجیل برناباس کا اطالوی نسخہ تھا۔ فرامرینو اسے حاصل کر کے بہت خوش ہوا اور اسے آستین میں چھپا کر لے آیا۔

یہ پوری روایت مستشرق سیل نے مصطفیٰ عرندی کے حوالے سے ترجمہ قرآن کے مقدمے

میں لکھی ہے۔ یہ ہسپانوی نسخہ جو سیل کے پاس تھا اب گم ہو چکا ہے البتہ اتنا معلوم ہے کہ 1774ء میں نسخہ ڈاکٹر ہیوٹ کے پاس آ گیا تھا اور اس نے اپنے لیکچروں میں بتلایا ہے کہ دو جگہ معمولی اختلاف کے علاوہ اطالوی اور ہسپانوی نسخوں میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اب دنیا میں صرف قدیم اطالوی نسخہ موجود ہے اسی سے ڈاکٹر منکھوس نے اس کا ترجمہ انگریزی سے عربی میں منتقل کیا۔ یہ عربی ترجمہ جناب سید رشید رضا مصری مرحوم نے 1908ء میں اپنے ایک مختصر مقدمے کے ساتھ شائع کر دیا۔ ڈاکٹر خلیل سعادت ہی نے اس انجیل کی فصلوں پر آیتوں کے نمبر ڈالے ہیں۔ اصل نسخے میں یہ نمبر موجود نہ تھے اور انہوں نے ہی اس کے شروع میں ایک طویل دیباچہ لکھا ہے جس میں اولاً انجیل برناباس کی دریافت کا مذکورہ بالا واقعہ تحریر ہے اور اس کے بعد ڈاکٹر خلیل سعادت نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ انجیل کسی ایسے یہودی شخص کی تصنیف ہے جو پہلے نصرانی اور پھر مسلمان ہو گیا تھا۔

یہ عربی ترجمہ ہندوستان پہنچا تو مولوی محمد حلیم صاحب انصاری ردولوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو 1916ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

انجیل برناباس کی حقیقت

انجیل برناباس کی حقیقت اور اس کی اصلیت کی تحقیق کرنے کیلئے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ برناباس کون ہیں؟ حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اور ان کے عقائد ونظریات کیا تھے؟ ان کے تعارف کا ایک جملہ سب سے پہلے ہمیں لوقا کی کتاب اعمال میں ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اور یوسف نام کا ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے برناباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی اس کا ایک کھیت تھا جسے اس نے بیچا اور قیمت لا کر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی۔" (اعمال 4:36 و 37)

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ برناباس حواریوں میں بلند مقام کے حامل تھے اور اسی وجہ سے حواریوں نے ان کا نام "نصیحت کا بیٹا" رکھ دیا تھا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انہوں نے خدا کی رضا جوئی کی خاطر اپنی ساری دنیاوی پونجی تبلیغی مقاصد کیلئے صرف کر دی تھی۔

اس کے علاوہ برناباس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہی تمام حواریوں سے پولس کا تعارف کرایا تھا۔ حواریوں میں سے کوئی یہ یقین کرنے کیلئے تیار نہ تھا کہ وہ ساؤل جو کل تک ہم لوگوں کو ستاتا اور تکلیف پہنچاتا رہا آج اخلاص کے ساتھ ہمارا دوست اور ہم مذہب ہو سکتا ہے لیکن یہ برناباس ہی تھے جنہوں نے تمام حواریوں کے سامنے پولس کی تصدیق کی اور انہیں بتایا کہ یہ فی الواقعہ تمہارے ہم مذہب ہو چکا ہے چنانچہ لوقا پولس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس نے یروشلم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی اور سب اس سے ڈرتے تھے کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے مگر برناباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا اور اس نے اس سے باتیں کیں اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی۔'' (اعمال 9:26 و 27)

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پولس اور برناباس عرصہ دراز تک ایک دوسرے کے ہمسفر رہے اور انہوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا۔ (دیکھئے اعمال 11:30، 12:25 وابواب 13، 15,14)

اس انجیل کے بالکل شروع میں جو عبارت ملتی ہے وہ یہ ہے:

''اے عزیزو! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے اس آخری زمانہ میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے آزمایا اس تعلیم اور آیتوں کے ذریعے جنہیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں ختنہ کا انکار کرتے ہیں جس کا اللہ نے ہمیشہ کیلئے حکم دیا ہے اور ہر نجس گوشت کو جائز کہتے ہیں۔ انہی کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا جس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر افسوس کے ساتھ اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے وہ حق بات لکھ رہا ہوں جو میں نے یسوع کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے تا کہ تم نجات پاؤ اور تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے اور تم اللہ کے حق میں ہلاک ہو جاؤ اور اس بنا پر ہر اس شخص سے بچو جو تمہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے جو میرے لکھنے کے خلاف ہوتا تا کہ تم ابدی نجات پاؤ۔''

کیا یہ عین قرین قیاس نہیں ہے کہ پولس سے نظریاتی اختلاف کی بنا پر اس سے جدا ہونے کے بعد برناباس نے جو عرصہ دراز تک حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہے تھے حضرت مسیح علیہ السلام کی ایک سوانح لکھی ہو اور اس میں پولس کے نظریات تنقید کر کے صحیح عقائد و نظریات بیان کیے گئے ہوں۔

انسائیکلو پیڈیا امریکانا کا مقالہ نگار اس انجیل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے ہم یہ معلوم کر سکیں کہ انجیل برناباس کے اصلی مضامین کیا تھے؟ تاہم اس نام سے اطالوی زبان میں ایک طویل صحیفہ آج

کل پایا جاتا ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے لکھا گیا ہے اور جس میں تصوف کا ایک مضبوط عنصر موجود ہے۔ 1907ء میں لانس ڈیل اور لارا نے اسے مدون کیا تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ یہ کسی ایسے شخص کی تصنیف ہے جس نے عیسائی مذہب چھوڑ دیا تھا اور غالباً یہ انجیل تیرہویں اور سولہویں صدی کے درمیان کسی وقت لکھی گئی ہے۔"

(انسائیکلو پیڈیا امریکانا' ص 262' ج 3 مقالہ برناباس)

انسائیکلو پیڈیا امریکانا کا اعتراف

چونکہ انجیل برناباس دوسری انجیلوں کی طرح رواج نہیں پا سکی اس لئے کسی غیر جانبدار کتاب سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کے مضامین کیا تھے؟ لیکن کلیسا کی تاریخ میں ہمیں ایک واقعہ ایسا ملا ہے جس سے اس کے مندرجات پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے اور جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ برناباس کی انجیل میں عیسائیوں کے عام عقائد ونظریات کے خلاف کچھ باتیں موجود تھیں۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کچھ دیر پہلے) ایک پوپ جیلاشیس اول کے نام سے گزرا ہے اس نے اپنے دور میں ایک فرمان جاری کیا تھا جو فرمان جیلاشیس کے نام سے مشہور ہے۔ اس فرمان میں اس نے چند کتابوں کے پڑھنے کو ممنوع قرار دیا تھا۔ ان کتابوں میں سے ایک کتاب انجیل برناباس بھی ہے۔ (دیکھئے انسائیکلو پیڈیا امریکانا' ص 262 ج 3 مقالہ برناباس اور چیمبرس انسائیکلو پیڈیا' ص 197' ج 6 مقالہ جیلاشیس اور مقدمہ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مسیحی)

اگرچہ بعض مسیحی علماء نے جیلاشیس کے اس فرمان کو بھی جعلی اور غیر مستند قرار دیا ہے۔ (مثلاً انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مقالہ جیلاشیس) لیکن اس کی کوئی دلیل ہمیں معلوم نہیں ہو سکی اور امریکانا کے مقالہ نگاروں نے اسے تسلیم کیا ہے۔

اندرونی شہادتیں

اگر یہ کتاب اصلی نہیں ہے تو یقیناً کسی مسلمان کی لکھی ہوئی ہو گی۔ چنانچہ اکثر نصرانی علماء کا دعویٰ یہی ہے اور لامحالہ اس کے لکھنے والے کا مقصد یہ ہو گا کہ اس کتاب کو برناباس کی تصنیف سمجھ کر لوگ عیسائیت سے برگشتہ ہو جائیں لیکن اس کتاب میں کئی باتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو اسے کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینے سے انکار کرتی ہیں۔

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کتاب میں ایک درجن سے زائد مقامات پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کا ذکر کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر تو لمبی

لمبی فصلیں آپؐ ہی کے ذکر جمیل سے بھری ہوئی ہیں۔ مثلاً دیکھئے 6:36،
14:39، 9:42، 19:44، 11:52، 9:54 فصل نمبر 96:72، 8،
17:57، 8:163، 15:136، 7:176، 17:220.

اب آپ غور فرمایئے کہ جو شخص اتنا ذہین اور وسیع المطالعہ ہو کہ انجیل برنباس جیسی کتاب تصنیف کر کے اسے حواریوں کی طرف منسوب کرنے کی جرات کر سکتا ہو کیا وہ اتنی موٹی سی بات نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس کثرت کے ساتھ بار بار آپؐ کا اسم گرامی کا ذکر کرنے سے لوگ شبہ میں پڑ جائیں گے' جو شخص معمولی سمجھ بوجھ رکھتا ہو وہ کبھی ایسی غلطی نہیں کر سکتا' یہ جعلساز کی فطرت ہے کہ وہ شبہ میں ڈالنے والی کھلی باتوں سے پرہیز کی کوشش کرتا ہے' ایسے موقع پر اس کیلئے آسان راستہ یہ تھا کہ وہ صرف ایک دو جگہوں پر آپؐ کا اسم گرامی ذکر کرتا اور بس بلکہ اس سے بھی بہتر طریقہ یہ تھا کہ انجیل یوحنا میں فارقلیط کے نام سے جو پیش گوئی مذکور ہے اسے جوں کی توں نقل کر کے فارقلیط کے بجائے آپؐ کا اسم گرامی لکھ دیتا۔

(2) اگر اس انجیل کا مصنف کوئی مسلمان ہے تو جگہ جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کرنے سے اس کا مقصد یقیناً یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت کو درست ثابت کرے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صراحتاً آپ کا نام لے کر آپ کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے ایسی صورت میں اسے چاہئے تھا کہ وہ اس کتاب میں ہر جگہ یا کم از کم ایک جگہ آپؐ نام احمدؐ ذکر کرتا اس لئے کہ قرآن کریم کی جس آیت کی وہ تصدیق کرنا چاہتا ہے اس میں یہی نام ذکر کیا گیا ہے' ارشاد ہے:

"اور (میں) اس رسولؐ کی خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔" (سورہ الصف: 6)

اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں ہر جگہ اسم گرامی "محمدؐ" ذکر کیا گیا ہے اور کسی ایک جگہ بھی "احمدؐ" کا لفظ موجود نہیں ہے۔

(3) اس کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ کہلوایا گیا ہے کہ عہد قدیم کی کتابوں میں جس "مسیح" یا "مسیا" کی بشارت دی گئی ہے اس سے مراد میں نہیں ہوں بلکہ "محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ (فصل نمبر 197 آیت 14)

اس کتاب میں بہت سی باتیں اسلامی تصورات کے بالکل خلاف ملتی ہیں' ان کی کوئی تاویل

سمجھ میں نہیں آتی۔ مثلاً (1) فصل نمبر 209 آیت 4، فصل نمبر 215 آیت 3 اور فصل نمبر 219 آیت 7 میں کچھ فرشتوں کے نام ذکر کیے گئے ہیں جن میں جبریل کے علاوہ میکائیل رفائیل اور اوریل بھی مذکور ہیں۔ موخر الذکر تینوں ناموں سے اسلامی ادب بالکل نا آشنا ہے۔

(2) فصل نمبر 219 و 220 میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کی اجازت دی جائے تاکہ میں اپنی والدہ اور شاگردوں سے مل آؤں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ انہیں دوبارہ دنیا میں بھیجا اور وہ اپنی والدہ اور شاگردوں سے کچھ دیر گفتگو کر کے پھر واپس تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ بھی اسلامی تصور کے خلاف ہے۔ آج تک کوئی مسلمان ہماری نگاہ سے ایسا نہیں گزرا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد تھوڑی دیر کیلئے واپسی کا قائل ہو۔

(4) فصل 105 آیت 3 میں آسمانوں کی تعداد نو بتلائی گئی ہے اگرچہ بعض فلاسفہ اس کے قائل رہے ہیں مگر قرآن کریم میں آسمانوں کی تعداد ہر جگہ سات ہی مذکور ہے۔ اس طرح کے بعض اور تصورات اس کتاب میں ایسے ملتے ہیں جو عام اسلامی نظریات کے قطعی خلاف ہیں یا کم از کم مسلمانوں کے یہاں معروف نہیں رہے۔ ان حالات میں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ یہ کتاب کسی مسلمان کی تخلیق تصنیف ہے۔

یہ تھے وہ قرائن جن کی موجودگی میں اس کتاب کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینا بہت بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اب ہم وہ قرائن پیش کرتے ہیں جن سے اس کتاب کا جعلی ہونا معلوم ہوتا ہے اور جن سے اکثر عیسائی حضرات اور اہل مغرب نے استدلال کیا ہے۔

(1) عیسائی حضرات کو اس انجیل کے اصل ہونے پر سب سے پہلا شبہ تو یہی ہے کہ اس میں بیان کردہ عقائد و نظریات اناجیل اربعہ کے بالکل خلاف ہیں۔

(2) دوسرا شبہ یہ ہے کہ اس کتاب میں بہت سے مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی مذکور ہے حالانکہ عام طور سے انبیاء علیہم السلام آئندہ کسی نبی کی پیش گوئی فرماتے ہیں تو صاف صاف نام ذکر کرنے کے بجائے اس کا حلیہ اور اس کے اوصاف بیان کرتے ہیں، اور وہ بھی عموماً تمثیلات اور اشاروں کنایوں میں بائبل میں کسی جگہ کسی آنے والے شخص کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔

(3) انجیل برناباس کے اصلی ہونے پر تیسرا شبہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اس انجیل کا

اسلوب بیان باقی انجیلوں سے کافی مختلف ہے لیکن ہماری رائے میں اول تو اسلوب بیان کے اختلاف کا فیصلہ اتنی جلدی سے نہیں کیا جا سکتا' اب تک انجیل برناباس کا کوئی عبرانی یا یونانی نسخہ دریافت ہی نہیں ہوا جس سے اناجیل اربعہ کا مقابلہ کیا جا سکے اور ترجموں کے ذریعہ اسلوب تحریر کا موازنہ بہت غیر محتاط ہو گا' اسلوب تحریر کا جس قدر اختلاف ترجموں سے معلوم ہوتا ہے وہ بہت نمایاں نہیں ہے جس کی بنا پر کوئی فیصلہ کیا جا سکے۔

دوسرے اگر واقعی انجیل برناباس اور دوسری انجیلوں میں اسلوب کا فرق ہے تو اس سے جعلی ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ ہر لکھنے والے کا طرز تحریر جدا ہوتا ہے۔ کیا یہ حقیقت سامنے نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے پہلی تینوں انجیلوں سے بے حد مختلف ہے اور اس بات کو تمام عیسائی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں' پادری جی ٹی مینلی بائبل پر اپنی مشہور کتاب میں لکھتے ہیں:

> تاہم یہ انجیل (یعنی انجیل یوحنا) مورد اعتراض رہی ہے کیونکہ یہ اناجیل متفقہ سے کئی طرح سے مختلف ہے بیشک اختلافات تو ہیں لیکن اگر ہم چوتھی انجیل کو اس کی اپنی خوبیوں کی روشنی میں دیکھیں تو اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یا تو مصنف خود چشم دید گواہ تھا یا کسی چشم دید گواہ کے بیانات و مشاہدات کو اس نے قلمبند کیا تھا۔"
> (ہمارکتب مقدسہ' صفحہ 348)۔

(4) انجیل برناباس کے اصلی ہونے پر چوتھا شبہ بعض حضرات کو یہ ہوا ہے کہ تجلی کے واقعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام جس پہاڑ پر چڑھے تھے اس کتاب کی فصل 42 آیت 19 میں اس کا نام "جبل طابور" ہے حالانکہ یہ تحقیق اناجیل اربعہ کے بہت بعد ہوئی ہے کہ اس کا نام "طابور" تھا۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ بات انجیل برناباس کی اصلیت کو نقصان نہیں فائدہ پہنچاتی ہے اس لئے کہ یہ عین ممکن ہے کہ اناجیل اربعہ کے مصنفین نے ناواقفیت کی بنا پر یا غیر ضروری سمجھ کر پہاڑ کا نام ذکر نہ کیا ہو برناباس نے اسے ذکر کر دیا اس قسم کے اختلافات خود اناجیل اربعہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

(5) انجیل برناباس کی اصلیت پر ایک اعتراض بعض لوگوں نے یہ کیا ہے کہ اس کے بہت سے نظریات چودھویں صدی کے مشہور شاعر ڈانٹے سے ملتے ہیں لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف ڈانٹے (Dante) ایک اطالوی شاعر جس نے ڈیوائن

کامیڈی (Divine Comedia) لکھی تھی) کا ہمعصر ہے لیکن اس اعتراض کی کمزوری محتاج بیان نہیں۔ دو انسانوں کے کلام میں اگر کچھ مطابقت پیدا ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے ایک لازماً دوسرے سے ماخوذ ہے ورنہ قول علامہ رشید رضا یہ ماننا پڑے گا کہ تورات کے تمام قوانین حمورابی کے قانون سے ماخوذ ہیں پھر اگر توارد مشکل معلوم ہوتا ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ ڈانٹے نے اپنے خیالات انجیل برناباس سے مستعار لئے ہوں؟

(6) ڈاکٹر خلیل سعادت نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اس میں بعض بحثیں فلسفیانہ انداز کی ہیں اور اناجیل اربعہ میں یہ انداز نہیں ہے لیکن اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اسلوب کا اختلاف اس کے جعلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ انجیل یوحنا کو دیکھئے اس کا شاعرانہ اور تمثیلات سے بھرپور انداز باقی تینوں انجیلوں سے کتنا مختلف ہے اس کی بہت سی عبارتیں تو ایسی ہیں کہ آج تک یقینی طور پر حل نہیں ہو سکیں مگر اسے تمام عیسائی معتبر انجیل مانتے ہیں۔

(7) ہمارے نزدیک انجیل برناباس کے قابل اعتماد ہونے پر سب سے زیادہ مضبوط اعتراض یہ ہے کہ یہ کتاب کسی قابل اعتماد طریقے سے ہم تک نہیں پہنچی جس شخص نے اسے پھیلایا اور عام کیا اس کے بارے میں ہمیں کچھ بھی معلومات نہیں ہیں کہ وہ کس قسم کا انسان تھا؟ اس نے فی الواقعہ یہ نسخہ کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اور ایک طویل عرصہ تک یہ نسخہ کہاں کہاں اور کس کس کے پاس رہا ہے؟

ہمارے نزدیک یہ سوالات بہت معقول اور درست ہیں اور جب تک ان کا کوئی تسلی بخش جواب نہ ملے ہو اس وقت تک اس کتاب کو یقینی طور پر اصلی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

لیکن بعینہٖ یہ سوالات بائبل کے ہر ہر صحیفہ کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں جن کا کوئی تسلی بخش جواب ابھی تک نہیں مل سکا۔ لہٰذا جو حضرات بائبل کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں ان کیلئے انجیل برناباس کو ناقابل اعتماد قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اس گفتگو سے ہم یہ دعویٰ کرنا نہیں چاہتے کہ یہ کتاب یقینی طور پر اصلی اور قابل اعتماد ہے' نہ ہم اسے یقینی طور پر الہامی اور آسمانی سمجھتے ہیں' نہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح ہے بلکہ ہماری گزارشات کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اس کا پایہ اعتبار بائبل کی کسی کتاب سے ہرگز نہیں ہے۔ جیسے ناقابل اعتماد طریقوں سے بائبل ہم تک پہنچی ہے ایسے ہی طریقوں سے یہ بھی پہنچی ہے جس طرح انجیل برناباس کے سلسلہ سند کریمر یا راہب فرامرینو پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اسی طرح

توریت کی سند ٹوٹتی پھوٹتی ہوئی زیادہ سے زیادہ خلیقاہ کاہن تک پہنچتی ہے۔ شاہ یوسیاہ کے زمانہ تک اس کا کوئی پتہ نشان نہ تھا اچانک یوسیاہ کے زمانہ میں خلیقاہ کاہن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے ہیکل کو صاف کرتے وقت تورات مل گئی ہے اور اس کے دعوے کو بغیر کسی تحقیق کے تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ (دیکھئے 2' سلاطین 3:22 تا 20)

یہی حال عہد قدیم کی دوسری کتابوں کا ہے کہ ان میں سے اکثر کے بارے میں تو یہی تحقیق نہیں ہو سکی کہ ان کا مصنف کون تھا؟ اور وہ کس زمانہ میں لکھی گئیں؟

عہد نامہ قدیم کا معاملہ تو بہت پرانا ہے خود اناجیل اربعہ کا یہی حال ہے کہ نہ ان کی کوئی سند موجود ہے نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ واقعی حواریوں یا ان کے شاگردوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ بڑے بڑے عیسائی علماء نے انہیں اصلی ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن ظن و تخمین کے سوا کچھ نہ کہہ سکے اور آخر میں اس بات کا کھلا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ دوسری صدی عیسوی سے پہلے ان انجیلوں کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ عیسائی علماء کے بے شمار اقوال میں سے ہم صرف ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے آپ کو اناجیل اربعہ کی حقیقت معلوم ہو سکے گی۔ مسٹر برنٹ ہلمین اسٹریٹر اناجیل اربعہ پر اپنی معروف کتاب (Four Gospels) میں لکھتے ہیں:

> "عہد نامہ جدید کی تحریروں کو الہامی صحیفوں کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے' کیا یہ کوئی کلیسائی اعلان تھا جس پر بڑے بڑے کلیساؤں کے ذمہ داروں نے اتفاق کر لیا تھا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں ہے' ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ 180ء کے لگ بھگ اناجیل اربعہ کو اطا کیہ افس اور روم میں یہ حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔"

(Four Gospels : Page 7)

گویا 180ء سے پہلے تو ان انجیلوں کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا اور اسٹریٹر نے یہ جو کہا کہ 180ء میں اناجیل اربعہ کو اطا کیہ وغیرہ میں تسلیم کر لیا گیا تھا اس کی بنیاد بھی اگناشس اور کلیمنس وغیرہ کے خطوط ہیں جن میں ان انجیلوں کے حوالے موجود ہیں لیکن خود یہ خطوط بے حد مشتبہ ہیں۔

جہاں تک مسلمانوں کے اصول تنقید کا تعلق ہے ان کی رو سے تو بلاشبہ انجیل برنا باس ایسی کتاب نہیں ہے جس پر یقینی طور پر اعتماد کیا جا سکے لیکن عیسائی علماء کے اپنے بیانات کی روشنی میں اناجیل اربعہ بھی کہاں قابل اعتبار ہیں۔

سکھ مت

سکھ مت

گرو بابا نانک

بابا جی ضلع شیخوپورہ کے ایک قصبے تلونڈی (موجودہ نام ننکانہ صاحب) میں 1449 عیسوی میں ایک کھتری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اگرچہ انہوں نے کتب سے کچھ زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی تاہم عنفوان شباب ہی سے وہ مراقبے اور گہری غور وفکر میں مستغرق رہتے تھے۔ اور قدرت نے انہیں فطرت سلیم سے بہرہ مند کیا ہوا تھا وہ ہر قسم کے دنیوی مشاغل کے بارے میں بے دلی کا اظہار کرتے تھے چنانچہ ان کے والد نے بڑی مشکل سے انہیں سلطان پور میں نواب دولت خان لودی حاکم صوبہ کی ذاتی ملازمت اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ نواب نے انہیں اپنے گھر کے سازو سامان کا محافظ مقرر کیا۔ اور وہ سالہا سال اپنے فرائض منصبی اپنے آقا کے حسب منشا سرانجام دیتے رہے مگر اپنے فرصت کے اوقات میں مراقبے کے دوران جنگلوں کی طرف نکل جاتے۔ ایک روایت ہے کہ ان مراقبوں کے دوران انہیں ایک دن اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا۔ اور دنیا میں یہ تبلیغ کرنے کا فریضہ ان کے سپرد ہوا۔ کہ اللہ صرف ایک ہے۔ جس کا نام حق ہے۔ وہ خالق ہے۔ دشمنی اور خوف سے مبرا ہے۔ لا فانی غیر مخلوق قائم بالذات اور فیاض ہے۔ اب نانک نے نواب کی ملازمت کو خیر باد کہا اور تیس سال کی عمر میں مبلغ بن گئے۔ انہوں نے متواتر سیاحتوں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جس کے دوران انہوں نے ہندوستان کے تمام اہم مقامات اور مسلمان اولیاء کے مزارات کی سیر کی۔ وہ جہاں بھی جاتے پنڈتوں اور صوفیوں سے مباحثے کرتے ان کے مذہبی عقائد اور رسوم کو بے نتیجہ ثابت کرتے اور نفس کشی اخلاقیات اور سچائی کی تعلیم دیتے۔ روایت ہے کہ انہوں نے ایران کا سفر کیا۔ اور مکہ معظمہ اور بغداد کی بھی زیارت کی۔ ایران اور افغانستان بھی گئے۔ سیر المتاخرین کے بیان کے مطابق نانک نے فارسی اور دینیات کی تعلیم ایک بزرگ سید حسین سے حاصل کی تھی۔ مگر جدید ہندو اور سکھ ناقدین اس کی تردید

کرتے ہیں۔

بہرحال میکالف (Macauliffe) تسلیم کرتا ہے کہ نانک فارسی سے اچھی خاصی واقفیت رکھتے تھے لیکن یہ بیان نہیں کرتا کہ نانک نے یہ تعلیم کس سے حاصل کی۔ نانک نے اپنی عمر کے آخری عشرہ میں دریائے راوی کے کنارے ایک گاؤں کرتار پور میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں وہ آخری وقت تک بے شمار زائرین کو جو ان کے تقدس کی وجہ سے دور دراز سے کشاں کشاں چلے آتے تھے۔ اپنے نئے مذہب کی تبلیغ کرتے رہے۔ اور ستر سال کی عمر میں 1539ء میں فوت ہو گئے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ جن میں سے سری چاند نے اداسی فرقہ کی بنیاد رکھی۔

اپنی وفات سے کچھ عرصے پہلے نانک نے اپنے ایک مخلص مرید انگد کو جو انہیں کی طرح کھتری تھا۔ سکھوں کے گرو کی حیثیت سے اپنا جانشین نامزد کیا۔ نامزدگی کی رسم ادا کرنے کے بعد انہوں نے اعلان کیا کہ انگد خود وہی ہیں اور ان کی اپنی روح اس میں حلول کرے گی۔ نانک پہلے ہی مسئلہ تناسخ ارواح کی اشاعت کر چکے تھے لیکن اس خاص اعلان سے سکھوں میں یہ عقیدہ مستحکم ہو گیا کہ نانک کی روح ہر آنے والے گروہ میں باری باری منتقل ہوتی رہے گی۔

یہی وجہ ہے کہ ان سب نے اپنی تحریروں میں اپنا قلمی نام نانک اختیار کیا۔ گرو انگد اپنے سال وفات 1552ء تک گرو رہے۔ ایک روایت کے مطابق گورمکھی حروف کی ایجاد انہیں کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ جس میں سکھوں کی مذہبی تصانیف محفوظ ہیں۔ لیکن یہ بھی بیان کیا گیا ہے گریرسن (Grierson) اور روز (Rose) نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ گورمکھی رسم الخط اس سے مختلف اور اس سے پہلے کی چیز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ روایت اس لیے مشہور ہو گئی کہ گرو انگد نے گرو نانک کی زندگی کے حالات اور ان کی تصانیف قلمبند کرنے کے لیے یہ رسم الخط اختیار کیا تھا۔

(A Glossary of the Tribes and Costes of the Panjab : H.A. Rose 1:677)

سکھوں کے تیسرے گرو امرداس کو انگد نے خود نامزد کیا تھا۔ ان کی گدی بائیس سال (1552 تا 1574) تک قائم رہی ان سے متعلق خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے سکھوں کی مذہبی اور معاشرتی تنظیم کے سلسلے میں سب سے پہلے قدم اٹھایا۔ انہوں نے مذہب کا پرچار بڑی باقاعدگی سے شروع کیا۔ ملک کے مختلف حصوں میں بیس سے زیادہ منجیاں (بیٹھکیں) قائم کی گئیں۔ یہاں ان کے بعض پرجوش چیلے سکھ مذہب کے عقائد کا پرچار کرتے تھے۔ سکھوں میں مساوات اور بھائی چارے کے جذبات کو فروغ دینے کے لیے انہوں نے ایک عام لنگر قائم کیا۔ جہاں بلا امتیاز سب اکٹھے مل کر کھانا کھاتے تھے۔

امرداس نے اکبر بادشاہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے۔ موخرالذکر گوندوال میں ان

کے مکان پر خود ان سے ملنے کے لیے گیا اور انہیں ایک بڑی جاگیر عطا کی اس واقعہ نے ان کی عزت کو چار چاند لگا دیے۔ اور یہ چیز نئے چیلوں کی تعداد میں اضافے کا باعث ہوئی۔

انہوں نے اخلاقیات کی تعلیم میں گرو نانک کی تعلیمات کی روح کو قائم رکھا۔ اور ہندوؤں کی خام پرستی خصوصاً رسم پرستی کی کھلم کھلا مخالفت کی اور نکاح بیوگان کے احکام جاری کیے۔ امرداس کا جانشین اس کا چہیتا مرید اور داماد رام داس مقرر ہوا جس نے سکھ مذہب کے اصولوں کی اور زیادہ وسیع پیمانے پر کامیابی کے ساتھ اشاعت کی۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ شہنشاہ اکبر اس کا بہت بڑا مداح تھا۔ شہنشاہ نے 1577ء میں اسے ایک وسیع قطعہ اراضی عنایت فرمایا۔ جہاں اس نے مقدس تالاب کا کام شروع کیا۔ جو بعد ازاں امرتسر کے نام سے موسوم ہوا (امرتسر یعنی آب حیات کا تالاب) تالاب کے اردگرد گرو نے ایک چھوٹا سا قصبہ تعمیر کروایا۔ جسے اس نے اپنے نام پر رام داس پور کے نام سے موسوم کر دیا۔ یہی قصبہ بعد میں موجودہ امرتسر کا پُر رونق شہر بن گیا۔ اس تالاب کی تکمیل اس کے بیٹے اور پانچویں گرو ارجن کے ہاتھوں ہوئی۔ جس نے اس کے وسط میں ہرمندر کی بنیاد رکھی۔ (اسے عرف عام میں دربار صاحب کہا جاتا ہے) اور سکھوں کے عبادت خانہ عام کی حیثیت سے اللہ کے نام پر وقف کر دیا۔ یورپین مصنف اسے گولڈن ٹمپل آف امرتسر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ گرو نے اعلان کر دیا تھا کہ رام داس کے تالاب میں اشنان کرنے سے انسان سے سرزرد ہونے والے تمام گناہ دُھل جائیں گے اور وہ اشنان کے ذریعے پاک ہو جائے گا۔

گرو ارجن 1581ء میں اپنے باپ کا جانشین ہوا اور اس کے بعد سے گرو کی گدی موروثی چیز بن گئی۔ ارجن نے سکھوں کو ایک فرقے کی حیثیت سے منظم کرنے کی مزید کوشش کی۔ سکھ مذہب کی سب سے بڑی خدمت جو اس نے سرانجام دی وہ گرنتھ کی تدوین تھی گرو انگد پہلے ہی سے گرو نانک کی تصانیف اور ان کی سوانح حیات قلمبند کرنے کا بیڑا اٹھا چکے تھے۔

گرو ارجن نے اس کام کو ترقی دی اور اس میں اگلے تین گروؤں کے شبدوں کا اضافہ کر دیا۔ جنہیں اس نے بڑی احتیاط سے جمع کیا تھا۔ ان میں سے اس نے اپنی بے شمار تحریریں بھی شامل کیں اور بہت سے ہندو یوگیوں اور مسلمان صوفیوں کی تصانیف کے اقتباس بھی درج کر دیے۔

منجملہ اور مقاصد کے گرو ارجن کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ دنیا جان لے کہ سکھ مذہب میں توہم پرستی نہیں ہے اور ہر نیک آدمی چاہے وہ کسی ذات اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو عزت اور احترام کے قابل ہے۔

گرو ارجن نے اس کتاب کی تالیف چھ سال کی محنت کے بعد 1604ء میں مکمل کی اور یہ آدی گرنتھ کے نام سے موسوم ہوئی۔ کیونکہ یہ دسم گرنتھ یا دسویں گرو کے گرنتھ سے ممیز ہے۔ گرو ارجن

ایک الوالعزم اور سرگرم رہنما تھا۔ اس نے مذہب اور دنیا داری کو اکٹھا کیا اور کارندوں کو ملک کے مختلف اضلاع میں گرو کے نام پر چندہ وصول کرنے کے لیے بھیجا جواب لوگ صرف اپنی مرضی سے دیا کرتے تھے۔ یہ اس کے لیے تمول اور اس کے ساتھ ساتھ شان و شوکت اور احتشام کا باعث بنا۔

گرو ارجن نے اپنے آپ کو سچا بادشاہ کے نام سے ملقب کیا۔ جو صاف طور پر اس کے سیاسی اقتدار کی ہوس کا آئینہ دار ہے۔ اس نے تجارت کے معاملے میں اپنے مریدوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اور انہیں تجارتی مشاغل اور سکھ مذہب کے پرچار کے لیے نہ صرف ہندوستان کے مختلف حصوں بلکہ افغانستان اور وسط ایشیا میں بھیجا۔

1606ء میں گرو ارجن نے شہزادہ خسرو کی جس نے اپنے والد شہنشاہ جہانگیر کے خلاف بغاوت کر دی تھی مالی امداد کی۔ شہزادہ کی شکست کے بعد بادشاہ کے حکم سے گرو کو لاہور میں قید کر دیا گیا۔ جہاں تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے وفات پائی۔ ارجن کے بیٹے اور جانشین ہرگوبند کے زمانے میں سکھ مذہب کو بھی فروغ حاصل ہوا۔

پہلے چار گرو نفس کشی اور سنتوش کے مبلغ تھے لیکن گرو ارجن نے دنیوی سیاست اور اقتدار کے حصول کی حکمت عملی اختیار کی۔ ہرگوبند طبعاً ایک سیاسی تھا اور بہادرانہ کھیلوں کا شیدائی اور نذرانوں کی باقاعدہ فراہمی نے اُس کو بے حد مالدار بنا دیا تھا اور اس نے جلد شاہانہ منصب اختیار کر لیا۔ وہ شہنشاہ جہانگیر کے خلاف دشمنی کے جذبات رکھتا تھا۔ اور باپ کی موت اسی کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اس کے فوجی زندگی اختیار کرنے کی ایک وجہ انتقام کی خواہش تھی۔

اس نے ملازمت میں عادی مجرموں، شورش پسندوں اور قزاقوں کی کافی تعداد بھرتی کر لی اور دریائے بیاس کے کنارے ہرگوبند پور کا ایک مضبوط قلعہ بنایا۔ جہاں سے نکل کر وہ میدانوں پر تاخت و تاراج کیا کرتا تھا۔ وہ آٹھ سو گھوڑوں کے ایک اصطبل کا مالک تھا۔

تین سو اسپ سوار ہر وقت اس کی خدمت میں موجود رہتے۔ اور ساٹھ توڑے دار بندوقچی اس کے محافظ تھے۔ گرو کی فوجی تنظیم کی خبریں جب شہنشاہ کے کانوں تک پہنچیں تو اس نے اسے دربار میں بلایا اور اسے گوالیار کے قلعے میں نظر بند کرنے کا حکم دیا۔ تاہم کچھ عرصہ بعد اسے رہا کر دیا گیا۔ اس قید کی وجہ سے اس کے دل میں مزید کدورت پیدا ہو گئی۔ جہانگیر کی وفات اور شاہجہاں کی تخت نشینی کے فوراً بعد ہرگوبند نے کھلم کھلا سرکشی اختیار کر لی۔ اور حکومت کے خلاف لڑائی پر آمادہ ہو گیا۔ چھ سال کے عرصے میں اس نے ان فوجیوں کو جو لاہور کے حاکم نے اس کے خلاف روانہ کئے تھے۔ تین دفعہ شکست دی۔ اسے شاہجہاں کی طرف سے انتقام کا خطرہ تھا۔ اس لیے وہ پہاڑیوں کی طرف نکل گیا۔ جہاں اس نے اپنی موت 1645ء تک اطمینان سے زندگی بسر کی۔

ہرگوبند کے عہد میں سکھ مذہب میں ایک بڑا تغیر واقع ہوا اب سکھوں کی زندگی محض تارک الدنیا سنتوں کی سی نہ تھی۔ اور ان کا گروہ محض مذہبی رہنما نہ تھا۔ بلکہ فوجی قائد بھی تھا۔ انہیں اپنی طاقت کا احساس ہوا۔ اور مستقبل میں اپنے سیاسی اقتدار کی جھلک نظر آئی۔ ہرگوبند کے بعد اس کا پوتا ہررائے جو اپنے دادا کے برعکس خاموش طبع تھا۔ جانشین ہوا۔ شاہجہاں کے سب سے بڑے بیٹے دارا شکوہ کے ساتھ اس کے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔

چنانچہ 1658 میں دارا اپنے چھوٹے بھائی اورنگ زیب کی مخالفانہ فوجوں کے تعاقب کی وجہ سے جلا وطنی میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ ہررائے نے دریائے بیاس عبور کرنے اور کسی محفوظ مقام پر پہنچنے میں اس کی مدد کی۔ بلاشبہ وہ اورنگ زیب کا نذر عتاب ہوگیا۔ جس نے اسے اس گستاخی پر باز پرس کے لیے دہلی بلایا۔

(History of the Sikhs by Cunningham P:47)

اس نے اپنی طرف سے اپنے بیٹے رام رائے کو بھیج دیا جسے اس کے باپ کے پرامن رویہ کی ضمانت کی خاطر بطور یرغمال شاہی دربار میں رکھ لیا گیا۔ ہررائے 1661ء میں فوت ہو گیا۔ اور اس کا چھوٹا بیٹا ہرکشن اس کا جانشین بنا۔ رام رائے نے اس کے خلاف اپنے حق کے لیے دعوی دائر کر دیا۔ اور اپنا مقدمہ اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا۔ اس شش سالہ گرو کو دہلی میں اپنے بھائی کے ساتھ مقدمہ کے فیصلہ کیلئے بلایا گیا۔ جہاں وہ چیچک کی بیماری سے 1664ء میں فوت ہو گیا۔

ہرکشن کی وفات کے بعد جانشینی سے متعلق جھگڑا پیدا ہو گیا اور بڑی مخالفت کے بعد متعدد امیدواروں میں سے ہرگوبند کے بیٹے تیغ بہادر کو گرو تسلیم کیا گیا۔ بایں ہمہ اس کے مخالفین نے اپنا مطالبہ جاری رکھا۔ اور ان میں سے بعض تو اس کے مد مقابل گرو بن بیٹھے تیغ بہادر ناراض ہو کر کوہ شوالک کی طرف چلا گیا اور وہاں انند پور کی بنیاد رکھی جس نے واقعات مابعد میں خاصا اہم کردار ادا کیا مزید برآں اس نے ہندوستان کا ایک طویل سفر اختیار کیا اور دکن اور مشرقی بنگال کی سیاحت بھی کی جہاں سکھ مذہب کے چھوٹے چھوٹے تخت پہلے سے موجود تھے۔ سفر کے دوران اس نے کچھ عرصے کے لیے پٹنہ میں قیام کیا۔ جو سکھوں کا بہت بڑا تخت (مذہبی مقام) تھا یہیں اس کا بیٹا گوبند رائے 1666ء میں پیدا ہوا جو سکھوں کے سیاسی اقتدار کا حقیقی بانی تھا۔ گرو کی حیثیت سے تیغ بہادر کا حلقہ اثر جنوب میں لنکا اور مشرق میں آسام تک پھیلا ہوا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ پنجاب واپس آ گیا جہاں اس نے اپنے چیلوں سمیت لوٹ کھسوٹ پر زندگی بسر کی۔ اس نے تمام مفروروں اور قانون شکنوں کو نہایت آسانی سے پناہ دے دی۔

(History of the Sikhs Cunningham P:64)

اس کا اقتدار ملک کی ترقی میں حائل ہوا اور شاہی دستوں نے اس پر چڑھائی کر دی اور اسے قید کر کے دہلی لے آئے جہاں اسے اورنگ زیب کے حکم سے 1675ء میں سزائے موت دی گئی۔ اپنے باپ کے قتل کے بعد اس کے بیٹے گووند رائے کو گرو تسلیم کر لیا گیا۔ گووند کی شخصیت سکھوں کی تاریخ میں سب سے نامور مانی گئی ہے وہ لڑکپن ہی میں گرو کی گدی پر بیٹھ گیا تھا۔

لیکن اپنی زندگی کے اختتام تک اس نے سکھوں کو جو ابتداء میں محض ایک مذہبی گن گیان والی جماعت تھی۔ ایک جنگجو قوم بنا دیا۔ جس کے مقدر میں تقریباً ایک صدی تک پنجاب کی حکمرانی لکھی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے والد کے قتل نے اس کے نوجوان ذہن پر ایک انمٹ نقش مرتسم کر دیا تھا۔ اس لیے اس کے دل میں اورنگ زیب کے خلاف شدید دشمنی پیدا ہو گئی تھی۔

اسے کبھی انتقام لینے کی جرات پیدا نہ ہوئی آرام وسکون کی زندگی گزارنے اور ایسی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے جو اسے قیادت کا اہل بنا دے پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔ وہ وہاں بیس سال تک سکونت پذیر رہا اور شکار کھیلنے اور مسلمانوں اور ہندوؤں کی مذہبی زبانوں اور ان کے مذاہب کے علم حاصل کرنے میں مشغول رہا اس کے دل میں جذبہ انتقام پرورش پاتا رہا۔ چنانچہ مغلوں کی حکومت کو تباہ کرنے کے اس نے منصوبے بنانا شروع کر دیئے۔

اس نے سکھوں میں جمہوری مساوات کے جذبات کو اُبھارا اور انہیں ایک قوم کی صورت میں منظم کرنے کا کام شروع کر دیا۔ اس نے ہر ایک کو اپنے حلقے میں شامل کر لیا۔ اور ذات پات کی رسم کے خلاف شدید جنگ شروع کر دی۔ ظاہر و باطن میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے اس نے پاہل کی رسم جاری کی۔ جو ایک خاص طریقے سے ادا ہوتی ہے۔ (جو یہ رسم ادا کرتا ہے وہ سکھ مت قبول کر لیتا ہے)

پاہل حاصل کرنے کے بعد ہر سکھ کو اپنے سر کے بال آئندہ کے لیے ناتراشیدہ چھوڑ دینے پڑتے ہیں۔ اور یکسانی قائم رکھنے کے لیے پانچ چیزیں رکھنی پڑتی ہیں جن کے نام ک سے شروع ہوتے ہیں۔ یعنی کچھ، کرپان، کڑا، کیس اور کنگھا۔

سنگھ کا لفظ بطور لاحقہ ہر نئے سکھ کے نام کے ساتھ لگایا جانے لگا۔ (سنگھ بمعنی شیر) اس کے بعد خود گرو نے بھی ہر گووند سنگھ کہلانا شروع کر دیا۔ اس نے نئے سکھوں کو خالصہ (خالص آزاد کیا ہوا) کے لقب سے نوازا۔

گووند سنگھ کو پہاڑوں میں کافی عرصہ سکونت کرنے کی وجہ سے سکھ بنانے کی مساعی کو با اطمینان جاری رکھنے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ سکونت سے اس کی غرض یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کی حکومت کے خلاف پہاڑی علاقوں کے متعدد سربرآوردہ لوگوں کی امداد حاصل کر سکے۔

لیکن ان مقاصد میں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ گووند کی طاقت میں اضافہ تو ہوتا گیا لیکن اسے کئی بار پہاڑیوں میں پسپائی ہوئی آس پاس کے علاقوں میں اس کی لوٹ مار کی وارداتیں بڑھ گئیں۔ اور اس کے تشدد میں اضافہ ہوتا گیا۔ راجاؤں نے اجتماعی طور پر اورنگ زیب سے مدد کی درخواست کی۔ جس نے سرہند کے گورنر کو ان کے ساتھ شامل ہو کر گرو پر حملہ کرنے کے احکام روانہ کر دیئے گئے۔ اس کے بعد جو لڑائی ہوئی اس میں گرو کو شکست ہوئی۔ اور اس نے انند پور کے قلعہ میں پناہ لی۔ (1701)ء میں یہاں شاہی فوجوں نے اسے گھیر لیا۔ یہ محاصرہ بہت طویل ہو گیا۔ اشیائے خورد و نوش میں کمی واقع ہو گئی اور اس کے پیرو اسے چھوڑ کر بھاگ گئے اس کا خاندان اس کی والدہ، بیویوں اور نوجوان بیٹوں سمیت سرہند کی طرف بچ کر نکل گیا۔ لیکن وہاں کے ہندو اہل کاروں کی سازش سے اس کے دو بچے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے گرو گووند خود بھیس بدل کر چند وفادار پیروؤں کے ساتھ چمکور چھوڑنے پر مجبور ہو گیا اور ایک بار پھر اُسے اپنی جان بچانے کیلئے بھاگنا پڑا وہ بھیس بدل کر اِدھر اُدھر پھرتا رہتا یہاں تک کہ وہ بھٹنڈا کے ویرانوں تک پہنچ گیا۔

اس کے پیرو اسکے اردگرد اکٹھے ہو گئے اور اپنے تعاقب کرنے والوں کو اس مقام پر پسپا کرنے میں کامیاب ہو گیا جو اس وقت سے مکتسر (یعنی نجات کے تالاب) سے موسوم ہے۔ یہ ان سکھوں کی یادگار ہے جو اس لڑائی میں کام آئے۔

کچھ عرصہ کیلئے گرو گووند ہانسی اور فیروز پور کے درمیان دمدمہ میں مقیم ہو گیا اور وہاں مذہبی پرچار اور رسم گرنتھ کی تصنیف میں مصروف رہا جسے سکھ لوگ گرو ارجن کے آدی گرنتھ کا تکملہ یا ضمیمہ خیال کرتے ہیں۔

اسی اثناء میں اورنگ زیب عالمگیر کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا بہادر شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے والد کی حکمت عملی کے برعکس گرو کے ساتھ مفاہمت کی کوشش کی اس نے اسے دکن کی فوجی کمان عطا کر دی۔ جہاں وہ اپنا عہدہ سنبھالنے کے لیے چلا گیا۔ لیکن وہاں پہنچنے کے تھوڑے عرصہ بعد اس کے ایک افغان ملازم نے کسی ذاتی رنجش کے باعث اس پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے وہ گوداوری کے کنارے ناندیر کے مقام پر فوت ہو گیا (اکتوبر 1708ء) مرتے وقت اس نے کسی کو اپنا جانشین نامزد کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ گرنتھ کو اپنا آئندہ گرو اور رب تعالیٰ کو اپنا واحد محافظ تصور کریں۔ اس طرح اس نے گُروؤں کی جانشینی کا سلسلہ ختم کر دیا گووند اپنے نصب العین کی تکمیل نہ کر پایا تھا۔ کہ موت کا وقت آ پہنچا۔ مگر اس کی روح سکھوں میں بہادری کا جذبہ پھونکتی رہی۔ گووند سنگھ کا جانشین بندہ ہوا۔ لیکن گرو کی حیثیت سے نہیں بلکہ سکھوں کی فوجی قائد کی حیثیت سے وہ ایک کشمیری راجپوت تھا۔ اور بیراگی سلسلے سے تعلق رکھتا تھا۔

دکن میں گرو گوبند سے ملاقات کے بعد اس نے سکھ مذہب اختیار کر لیا تھا اور بندہ یا خادم لقب اختیار کیا۔ گوبند نے بندہ کو پنجاب کی طرف جانے کا حکم دیا تاکہ وہ سکھوں کو اس کے بچوں کے قتل کا انتقام لینے اور مسلمانوں کا اقتدار ختم کرنے کی غرض سے متحد ہو جانے پر آمادہ کرے۔ سکھ اس کی طرف جوق در جوق آئے اور اس کے جھنڈے تلے لڑنے اور جان دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ بندہ طبعاً جاہ طلب تھا اور گرو کے احکام کی تعمیل کے ساتھ سیاسی اقتدار کے حصول کا خواہاں تھا۔ اس نے پنجاب میں وسیع پیمانے پر راہ زنی کی وارداتیں شروع کر دیں اور اپنے متعلقین میں آزادی سے مال غنیمت تقسیم کیا اس کی وجہ سے مجرم، بھنگی، موچی اس قماش کے دوسرے جو سکھوں میں بکثرت موجود تھے۔ اس کی طرف کھینچے چلے آئے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ پر بہت سرعت سے زوال آنا شروع ہو گیا اس کے بیٹوں اور پوتوں کے مابین تخت کے لیے متواتر لڑائی جھگڑے کی وجہ سے سکھوں کو کھلم کھلا اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ بندہ کی مجرمانہ سرگرمیاں کسی مزاحمت کے بغیر جاری رہیں۔ وہ ڈاکوؤں اور راہ زنوں کی ایک فوج کے ساتھ مسلمانوں کو ہزاروں کی تعداد میں بے رحمی سے قتل کرتا اور قصبہ بہ قصبہ لوٹتا ہوا دہلی کے عین قرب و جوار میں جا پہنچا۔ مال غنیمت کی توقعات اور گرو کے بچوں کے انتقام کے جذبے نے بندہ کے چیلوں کی تعداد میں بہت اضافہ کر دیا۔ مئی 1710ء میں انہوں نے سرہند کی بدبخت بستی پر جہاں بچوں کو قتل کیا گیا تھا دھاوا بول کر قبضہ کر لیا اور اسے لوٹ مار اور قتل و غارت کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ سکھوں نے اس قصبے کے باشندوں پر ہیبت ناک مظالم توڑے اور اُن کو ذبح کر ڈالا۔ ان کی تخریبی سرگرمیاں عین دہلی تک جا پہنچیں۔ شہنشاہ بہادر شاہ جو دکن کی طرف گیا ہوا تھا۔ ان مظالم کی خبریں سن کر پریشان ہو گیا اور اصلاح احوال کیلئے پنجاب کا رخ کیا۔

شاہی فوجوں نے بندہ کو شکست دی لیکن وہ خود بچ کر ملحقہ پہاڑیوں کی طرف نکل گیا۔

1712ء میں بہادر شاہ کی وفات کے بعد اُس کے بیٹوں کے مابین تخت نشینی کے لیے جنگ ہوئی جس میں جہاندار شاہ کو کامیابی ملی۔ گیارہ ماہ کی مختصر حکومت کے بعد وہ اپنے بھتیجے فرخ سیر کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور یہ دہلی کی روبہ زوال سلطنت کے تخت پر آ بیٹھا۔ فرخ سیر نے سکھوں کے مظالم ختم کرنے کا کام پنجاب کے گورنر عبدالصمد خاں کے سپرد کیا۔ اس نے بھاری فوج کے ساتھ بندہ کا تعاقب کیا اور دریائے راوی پر گورداس پور کے قلعے میں گھیر لیا اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ بالآخر 1716 میں اُسے دہلی لا کر سزا کے طور پر ختم کر دیا گیا۔

بندہ کے کردار میں کسی لحاظ سے بھی کوئی دلکشی نہیں تھی۔ سکھوں کے نقطہ نظر سے بھی وہ تعظیم وتکریم کا مستحق نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے مقاصد خود غرضی پر مبنی تھے اور تمام وسائل مفسدانہ تھے وہ شاہی

منصب اختیار کرنے کے علاوہ اپنا ایک الگ فرقہ بنانا چاہتا تھا اور سابق گرو گووند سنگھ کی ہدایات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گیارھواں گرو بن بیٹھا تھا۔

مزید برآں اس نے سکھ مذہب کے عقائد اور رسوم عبادت میں کچھ تبدیلیاں بھی کیں۔ ان واقعات کی بناء پر گووند سنگھ کے بہت سے پر جوش مریدوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ تاہم اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس کی قیادت میں سکھوں کو مزید فوجی تربیت کا موقع ملا اور وہ ایک فوجی طاقت بن گئے۔

بندہ کی شکست اور موت کے بعد ردعمل کا زمانہ شروع ہوا۔ فرخ سیر کے عہد میں سکھوں کو قرار واقعی سزائیں دی گئیں۔

انہیں باغی قرار دے دیا گیا۔ ان میں سے اکثر نے اپنا مذہب چھوڑ دیا۔ لیکن جو راسخ العقیدہ تھے انہیں پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینا پڑی۔ پنجاب کے مغل گورنروں خصوصاً معین الملک نے جو میر منو کے نام سے زیادہ مشہور تھا۔ فرخ سیر کی تعزیر حکمت عملی کو جاری رکھا اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ سکھ قوم بالکل معدوم ہو جائے گی۔ مگر سلطنت مغلیہ کے زوال کی رفتار بہت تیز تھی اور پنجاب میں احمد شاہ ابدالی کے متعدد حملوں کی وجہ سے خاص طور پر زیادہ کمزور ہو گئی تھی۔ صوبے کی منتشر حالت سکھوں کے لیے سازگار ثابت ہوئی۔ جو بتدریج دوبارہ ابھرنے اور منظم ہونا شروع ہو گئے۔ انہوں نے متعدد قلعے تعمیر کیے اور غیر محفوظ قصبوں کے لیے بے دریغ لوٹ مار سے دولت حاصل کی۔ ان کی قومی سرگرمیوں کا مرکز امرتسر تھا۔ جسے انہوں نے بہت مضبوط بنا لیا اور اس میں توسیع کی۔ شہزادہ تیمور جو اپنے باپ احمد شاہ درانی کی طرف سے پنجاب پر حکومت کرتا تھا۔ سکھوں کا مخالف تھا۔

1756ء میں اس نے امرتسر پر حملہ کیا اور "ہر" مندر کو منہدم کر دیا۔ سکھوں نے اس کا انتقام لینے کے لیے اپنی فوجوں کو بڑی تعداد میں جمع کیا اور نہ صرف شہزادے کو لاہور سے نکالنے میں کامیاب ہوئے بلکہ لاہور پر عارضی طور پر قبضہ کر لیا۔

ان کے فوجی سردار جسا سنگھ کلال (شراب کشید کرنے والا) نے اپنے نام کا سکہ (جس کی طبع فارسی میں تھی) جاری کر دیا۔ لیکن رگھوبا کے زیر کمان مرہٹوں کی آمد (1768) پر وہ لاہور سے نکل گئے اور احمد شاہ نے پانچویں بار پنجاب کا رخ کیا۔ اس نے پانی پت کی مشہور لڑائی (1761ء) میں مرہٹوں کو عبرتناک شکست دی۔ مگر جونہی اس نے پنجاب چھوڑا سکھ پھر نکل آئے اور انہوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کر لی۔

اب احمد شاہ محض ان کا زور توڑنے کے لیے واپس آیا اور اپنے چھوڑے ہوئے مقبوضات پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

لدھیانے میں 1762ء میں گھسان کی لڑائی ہوئی جس میں اُس نے سکھوں کو بڑی خونریزی کے بعد شکست فاش دی۔ لیکن اس کو جلد ہی قندھار میں ایک بغاوتِ فرو کرنے کے لیے پنجاب کو چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد سکھ واپس آ گئے اور 1763ء میں انہوں نے سرہند کے افغان گورنر زین خان کو شکست دی اور سرہند کو تاخت و تاراج کر کے ویران کر دیا۔ ایک بار پھر انہوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اب کی دفعہ ان کی گرفت زیادہ مضبوط تھی۔ وہ امرتسر میں اکٹھے ہوئے اور پنجاب میں خالصہ حکومت کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ 1764ء کا ہے۔

اور اسے اقتدار اعلیٰ قومی مجلس ''گرومتہ'' کے سپرد کیا گیا۔ سکھ حکومت کے سکے پر یہ فارسی کتبہ درج تھا۔

دیگ و تیغ و فتح و نصرت بے درنگ
یاف از نانک گرو گوبند سنگھ

اب وہ عام خطرہ جو سکھوں کو درپیش تھا۔ رفع ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ الگ الگ ہو گئے۔ اور متعدد ریاستوں اور گروہوں میں جن کو مسلیں کہتے تھے منقسم ہو گئے۔ ان مسلوں کی تعداد بارہ تھی۔ جن کا اپنا اپنا سردار خود مختاری سے حکومت کرتا تھا۔ ان پر کوئی حاکم متعین نہیں تھا اور مذہب کے سوا ان کے درمیان کوئی چیز مشترک نہیں تھی۔

گروہ بندیوں کے ذریعے وہ تفرق اور برتری حاصل کرنے کے لیے اکثر خانہ جنگیوں میں معروف رہتے تھے۔ وہ اچھی طرح منظم نہ تھے۔ ان کے اقتدار اور عہدوں میں بھی تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا۔

تیس سال کی اس غیر مستقل حکومت کے بعد پنجاب میں رنجیت سنگھ اُٹھا۔ جس نے ان مخالف گروہوں کو ایک مضبوط سلطنت کی شکل میں متحد کر دیا۔

بارہ سال کی عمر میں وہ اپنے والد کی جاگیر کا وارث ہوا 1792ء سے بتدریج برسر اقتدار آنے لگا۔ 1799 میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ جو اب بھی پنجاب کا اصلی مالک سمجھا جاتا تھا اسے ایک شاہی فرمان کے ذریعے لاہور کی حکومت عطا کر دی۔

لاہور پر قبضہ ہو جانے کے بعد 1804ء میں امرتسر بھی رنجیت سنگھ کے ماتحت آ گیا۔ پنجاب کے ان دو مشہور شہروں پر قبضے نے اس کی شخصیت کو نمایاں اور اس کے وقار میں اضافہ کر دیا۔ اس نے مہاراجہ کا لقب اختیار کر لیا اور ملک گیری جاری رکھی حتیٰ کہ اس نے تمام مسلوں کا اپنی سلطنت سے الحاق کر لیا۔ انگریزوں کے ساتھ جو اب دریائے ستلج تک کے علاقے پر قابض ہو گئے تھے۔ رنجیت سنگھ کے تعلقات دوستانہ تھے۔ 1809ء میں دونوں حکومتوں کے درمیان اتحاد کا معاہدہ ہوا جس

کی رنجیت سنگھ نے پابندی کی اس نے ایک مضبوط فوجی طاقت کی تنظیم کی جو بعض یورپی جرنیلوں خصوصاً فرانسیسی جرنیلوں کی تربیت یافتہ تھی جو پہلے نپولین کے ماتحت کام کر چکے تھے اور واٹرلو (Waterloo) کی جنگ کے بعد مہاراجا کی ملازمت کے لیے پنجاب میں آئے۔

اس فوج کی مدد سے اس نے تمام پنجاب پر قبضہ کر لیا اور 1819ء میں کشمیر اور 1839 میں ایک نہایت مستحکم سلطنت چھوڑ کر جو ستلج سے ہندوکش تک پھیلی ہوئی تھی فوت ہو گیا۔ لیکن اس کے جانشینوں میں سے کوئی بھی نظم و نسق قائم رکھنے کا اہل نہیں تھا۔ اس کے تین بیٹے یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ سازشوں کا دور دورہ رہا۔ جو غارتگری، خانہ جنگی اور غیر معمولی خونریزی پر منتج ہوئے۔ فوج قابو سے باہر ہو گئی اور تمام ملک میں دہشت پھیل گئی۔ آخر کار دربار کی طرف سے فوجی سرداروں کو ستلج پار کرنے اور انگریزوں کے زیر اقتدار علاقے پر حملہ کرنے پر آمادہ کرنے کی مساعی شروع ہو گئی۔ جن کا سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ تا آنکہ 1849ء میں پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور اس طرح سکھ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ سکھ مذہب کا نصب العین ہندوؤں کے مذہبی عقائد کی تطہیر تھا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بابا نانک اسلامی تعلیمات سے متاثر تھے۔ چنانچہ ان کا عقیدہ توحید، بنی نوع انسان کی مساوات اور بت پرستی سے اجتناب وغیرہ یہ سب اسلامی اثرات کا ثمر ہے۔[1]

سکھوں کی مذہبی کتاب کا نام گرنتھ ہے۔ اس کے پہلے حصے کا نام جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے "آدی" گرنتھ ہے۔ جسے پانچویں گرو ارجن نے تالیف کیا تھا۔ یہ کتاب پہلے پانچ گروؤں کے شبدوں پر مشتمل ہے۔ نیز اس میں نانک کے زمانے سے پہلے مصلحین اور صوفیاء خصوصاً کبیر، نام دیو، جے دیو، راما نند اور شیخ فرید کی تصانیف کے اقتباسات بھی درج ہیں۔

گرنتھ تمام تر منظوم ہے۔ جس میں مختلف اوزان کے اشعار۔ اس کا بیشتر حصہ گرمکھی رسم الخط میں قدیم ہندی میں لکھا گیا ہے۔ بعض اجزا دوسری مختلف ہندوستانی بولیوں اور زبانوں میں لکھے گئے ہیں۔ جن میں سنسکرت بھی شامل ہے۔ مزید برآں (گرمکھی رسم الخط میں) فارسی کی کہانیاں اور چند اشعار بھی موجود ہیں۔ دوسرے حصے کو جسے دہم گرنتھ (یا دسویں گرو کی گرنتھ) کہتے ہیں گرو گووند سنگھ نے مدون کیا تھا۔ اور وہ زیادہ تر اس کے اپنے مضامین پر مشتمل ہے۔

اس کا بیشتر حصہ آدی گرنتھ کی طرح اللہ تعالیٰ کی تعریف میں بھجنوں پر مشتمل ہے۔ لیکن اس میں گووند سنگھ کے خود نوشتہ سوانح حیات بھی قلمبند ہیں جو وچتر ناٹک (عجیب و غریب ڈراما) کے نام سے موسوم ہے۔ نیز اس میں ان ہندی شعراء کا متفرق کلام بھی شامل ہے جو اس کی ملازمت میں تھے۔

سکھوں کے ذیلی فرقے کئی ہیں لیکن مشہور دو ہیں۔ (1) کیس دھاری یا سنگھ (2) سہج

دھاری۔ اول الذکر پاہل شدہ سکھوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس لیے گرو گوبند سنگھ کے کٹر پیرو ہیں۔ موخوالذکر حقیقت میں وہ سکھ تھے جنہوں نے اس پاہل کی رسم کو تسلیم کرنے اور جنگجو خالصاؤں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ دوسرے مشہور فرقے یہ ہیں۔

(1) نانک پنتھی: جو جنگجو تو نہیں، مگر سکھ سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ان قدیم گروؤں کے پیرو ہیں۔ جو گرو گوبند سنگھ کی بتائی ہوئی رسموں اور طریقوں کی تقلید کو ضروری خیال نہیں کرتے۔ لہٰذا ان کی خصوصیات زیادہ تر منفیانہ ہیں۔ وہ تمباکو نوشی کی ممانعت نہیں کرتے اور نہ ہی وہ لمبے بال رکھنے پر مصر ہوتے ہیں۔ وہ پاہل شدہ نہیں ہوتے۔ دوسرے الفاظ میں وہ سہج دھاری فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

(2) اداسی (تارکین دنیا) بھی، نانک پنتھیوں کی طرح، سہج دھاری فرقے میں شامل ہیں۔ وہ اس سلسلے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جس کی بنیاد نانک کے بیٹے سری چند نے رکھی تھی۔ وہ مجرد رہتے ہیں اور ان کے اصول و عقائد میں ہندوؤں کے راہبانہ عقائد کی بہت زیادہ جھلک پائی جاتی ہے۔

(3) اکالی (اکال یعنی رب کریم لایزال کے پرستار) جنگجو فرقہ ہونے کی حیثیت سے جس کی بنیاد گوبند سنگھ نے رکھی تھی۔ وہ ذاتی طور پر دوسرے تمام سکھ سلسلوں سے زیادہ کٹر عقائد کے حامل ہیں۔ اور ان میں اب تک مخصوص جنگی روح باقی ہے۔

(4) بندائی یا بندہ پنتھی! یعنی وہ سکھ جنہوں نے بندہ گیارھواں گرو تسلیم کیا تھا، مگر جٹ خالصے بندہ کی بدعت کے برعکس گرو گوبند کے عقائد کے شدید پابند ہیں۔

(5) مذہبی (عام تلفظ مزبی) نو گرویوں کی جماعت کے ان افراد کے نمائندے ہیں جو پاہل کی رسم کے ذریعے سکھ بنے تھے۔

(6) رام داسی (گرو رام داس کے پیروں، جو انہیں کے ہاتھوں سے پہلے سکھ بنے) کے نام کا اطلاق ان چماروں (موچیوں) پر ہوتا ہے جنہوں نے پاہل کی رسم ادا کی تھی۔

سکھوں کے گردوارے پنجاب کے بیشتر علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور گردوارے امرتسر، گورداس پور اور فیروز پور کے اضلاع میں پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ان کے نزدیک مقدس ترین امرتسر کا طلائی مندر، یعنی دربار صاحب اور "نانک کی جائے پیدائش" ننکانہ صاحب (پنجاب، پاکستان) ہیں۔ جہاں ہر سال میلوں کا انعقاد ہوتا ہے۔

سکھوں کے دور حکومت میں دفتری زبان فارسی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں منشی

عزیز الدین اور فقیر خاندان کے دوسرے بہت سے افراد ملازم تھے۔ اس دور میں فارسی کے کئی مصنف بھی پیدا ہوئے۔ لیکن جہاں تک اسلامی آثار و عمارات اور تہذیب و تمدن کا تعلق ہے۔ سکھوں کا دور مجموعی اعتبار سے ایک تاریک دور تھا۔ جس میں مساجد و مقابر کی بے حرمتی ہوئی اور عبادات میں خلل ڈالا گیا۔ چنانچہ اس تباہی اور بے دردی کے خلاف حضرت سید احمد بریلوی کی قیادت میں علم جہاد بلند ہوا اور وہ عین معرکہ جہاد میں بمقام بالاکوٹ 1830ء میں شہید ہوئے۔ سید صاحب کی مہم اگرچہ سیاسی اور فوجی لحاظ سے کامیاب نہ ہوئی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس نے مسلمانوں میں ایک بار پھر عرفان انسانیت کا جذبہ پیدا کیا اور ان احیائی تحریکوں کو قوت ملی۔ جو اس کے بعد انگریزوں کے خلاف پیدا ہوئی تھیں۔

تحریک پاکستان کے وقت سکھوں نے ہندو قوم کا ساتھ دیا اور قیام پاکستان کے فوراً بعد فسادات پنجاب میں انہوں نے بھرپور حصہ لیا۔ تاہم سکھوں کے بعض مقامات مقدسہ (ننکانہ وغیرہ) پاکستان میں ہیں۔ جس کے لیے حکومت پاکستان سہولتیں مہیا کرتی رہتی ہے۔ شاید اسی باعث سکھوں کا عمومی رویہ اب اتنا معاندانہ نہیں رہا۔ بہر حال سکھ اب بھارت کے صوبہ پنجاب میں ایک موثر قوت ہیں۔

تعلیمات سکھ مت

گرونانک صاحب کی روایتی سوانح عمریوں سے جو سکھ روایات میں ''جنم ساکھیوں'' کے نام سے معنون ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ گرونانک صاحب کا مذہبی رجحان روز بروز نمایاں ہوتا جارہا تھا۔ جو ان کے والد مہتہ کالو کے لیے سخت تشویش کا باعث تھا۔

مہتہ کالو اپنے واحد صاحبزادے نانک کے مذہبی استغراق کو دیکھتے ہوئے ان کے دنیوی مستقبل کے بارے میں بہت پریشان تھے۔ روایات میں باپ اور بیٹے کی اس مادی اور روحانی رجحانات کی کشمکش سے متعلق بہت سے واقعات منقول ہیں۔

یہاں ہم ''محض ایک واقعہ کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو گرونانک کی افتادِ طبع پر بخوبی روشنی ڈالتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مختلف طریقوں کے ناکام ہو جانے پر مہتہ کالو نے اپنے صاحبزادے کو ایک معقول رقم دے کر گاؤں کے ایک آدمی کے ساتھ کر دیا تاکہ گرونانک بازار میں جا کر تجارت کا سامان خریدیں اور آزادانہ طور پر اپنے کاروبار کی ابتدا کریں۔

گرونانک جو اس وقت عنفوان شباب کی سرحدوں پر قدم رکھ رہے تھے اور اپنی روحانی طلب میں سرگرداں رہتے تھے اس موقع پر انکار نہ کر سکے اور تجارت کی رقم لے کر ''نفع بخش سودا''

کرنے کی غرض سے بازار روانہ ہوئے۔

راستے میں جنگل میں ان کی مڈبھیڑ سادھوؤں کی ایک جماعت سے ہوئی جو کئی وقت سے فاقہ کشی میں مبتلا تھے۔ ان سے دریافت حال کے بعد گرونانک صاحب بازار پہنچے اور سامان تجارت کی جگہ تمام پونجی ان سادھوؤں کے لیے کھانے پینے کا سامان خریدنے میں خرچ کر دی۔ اس سلسلے میں جو ہنگامہ ہوا اس میں مہتہ کالو کے سرپرست مقامی زمیندار کو بھی جو گرونانک کے طرفدار تھے مداخلت کرنا پڑی۔ گرونانک نے اس نفع بخش سودا کو "سچا سودا" کا نام دیا۔

ایک آخری تدبیر میں گرونانک کو ان کے بہنوئی جے رام کے پاس سلطان پور کے شہر میں بھیج دیا گیا جہاں جے رام نواب دولت خان لودھی کی سرکار میں ملازم تھے۔ اپنی ابتدائی تعلیم کی بنیاد پر گرونانک صاحب کو بھی نواب کی انتظامیہ میں جگہ مل گئی اور ان کو سرکاری گودام کا نگران مقرر کر دیا گیا۔

اس وقت گرونانک صاحب کی عمر 18، 19 سال سے زیادہ نہ تھی مگر یہ ان کی ذاتی قابلیت، خاندانی اثرات اور نواب کے دربار میں جے رام کے رسوخ کا نتیجہ تھا۔

اس طرح کچھ عرصے کے لیے گرونانک صاحب نے دنیاوی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کا بیڑا اٹھالیا۔ یہیں سلطان پور کے دوران قیام میں ان کی بہن نانکی اور بہنوئی کی کوششوں سے گرونانک صاحب کی شادی بھی بٹالہ کے ایک کھتری خاندان میں ملکھنی نامی خاتون سے ہوگئی جس سے ان کے دو صاحبزادے سری چند اور لکشمی داس پیدا ہوئے۔

سلطان پور ملازمت کے دوران جس کی مدت آٹھ یا نو سال سے زیادہ نہیں تھی گرونانک صاحب نے اپنے روحانی ذوق کی تسکین کا سامان مہیا کر رکھا تھا۔ چونکہ وہ خود بہت حساس طبیعت کے مالک تھے اور شعر کہنے پر قدرت رکھتے تھے اس لیے وہ اپنی روحانی کیفیت کے دوران اللہ واحد کی حمد و ثنا اور عشق حقیقی میں ڈوبے ہوئے اشعار مرتب کرتے تھے۔ (1)

گرونانک صاحب ندی کے کنارے بیٹھ جاتے اور دن چڑھے تک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اپنے اشعار میں کیرتن کی شکل میں کرتے رہتے تھے۔ جب کہ مردانہ اپنے رباب کی موسیقی میں ان کا ساتھ دیتا۔ اس طرح شام کو بھی روزمرہ کے معمولات سے فراغت پا کر رات گئے تک یادالٰہی کی محفل جمتی تھی۔ ان محفلوں میں اکثر کچھ دوسرے عقیدت مند بھی شامل ہو جاتے تھے۔

دنیا میں تقریباً سبھی مذہبی رہنماؤں اور مذہب کے بانیوں کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا مرکزی واقعہ ضرور پیش آیا جس نے اپنے روحانی اثرات کی بنا پر صاحب واقعہ کی زندگی کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔

ایک اس واقعہ سے پہلے کی زندگی اور ایک اس کے بعد کی پھر ایسے تمام واقعات کا یہ بھی خاصہ ہے کہ اس شخصیت کی پوری زندگی اسی مرکزی واقعہ کے اثرات کے تابع رہتی ہے۔

خواہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو لیجئے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو یا ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی سیرت کو دیکھئے۔ سب کی حیات مبارکہ دو حصوں میں منقسم رہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن صبح کو جب گرونانک صاحب اپنے معمول کے مطابق ندی میں نہانے کے لیے اترے تو وہ غوطہ لگانے کے بعد باہر نہیں نکلے۔ ان کے کپڑے ندی کے کنارے پائے گئے اور تمام لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ ندی میں ڈوب گئے۔ نواب دولت خان نے جو گرونانک صاحب کو بہت عزیز رکھتے تھے انہوں نے تمام غوطہ خوروں اور جال ڈالنے والوں کے ذریعے انتہائی کوشش کی۔

تین دن بعد گرونانک صاحب دوبارہ نمودار ہوئے لوگوں کی انتہائی حیرت کا جواب انہوں نے بڑی خاموشی سے دیا۔ انہوں نے زبان کھولی تو پہلا کلمہ ان کی زبان سے یہی نکلا
"نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان" (1)

گرونانک صاحب اللہ رب العزت کے حضور میں تھے جہاں انہیں براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے عشق الٰہی کا جام عطا ہوا اور ذکر الٰہی کی اشاعت کی ذمہ داری سونپی گئی۔

اس واقعہ کے بعد گرونانک صاحب کی زندگی میں ایک بنیادی انقلاب آ گیا۔ تمام ذمہ داریوں اور لوگوں سے قطع تعلق کر کے وہ جنگل میں گوشہ نشین اور یاد الٰہی میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے شہر کا رخ کیا مگر یہ محض عزیزوں اور دوستوں سے رخصت ہونے کے لیے تھا۔

جس کے بعد ان کا ارادہ اکناف عالم میں گھوم پھر کر ذکر الٰہی کو عام کرنے کا تھا۔ متعلقین کے اصرار پر جو ان کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے فرمایا:

"ہوں ڈھاڈی دے کار کارے لایا
رات رہے کے دار دھر ہو فرمایا

"میں ایک بے کار گویا تھا مجھے (مالک نے) کام میں لگا دیا ہے۔ شروع ہی سے اس نے مجھے دن رات اپنی حمد و ثناء کا حکم دیا ہے۔"

ڈھاڈی ہے محل کھم سی بلایا
سچی صنعت صلاح کپڑا پایا

ترجمہ : مالک نے گویے کو اپنے سچے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا جہاں اس نے تعریف اور سچی عزت کا انعام پایا۔

سچا امرت نام بھوجنوں آیا
گرمت کھا دار رج تن سکھ پایا

اس وقت سے اسم حق اس کی خوراک بن گیا۔ جو بھی اس خوراک کو کھائے گا وہ مکمل مسرت سے بہرہ ور ہوگا۔

ڈھاڈی کرے پساؤ شبد و جایا
نانک سچی صلاح پورا پایا

ترجمہ : اللہ کی حمد و ثناء کر کے میں اس کی تعریفوں کو عام کر رہا ہوں نانک اللٰہی سچی تعریفیں بیان کر کے میں نے اس کو مکمل طور پر پا لیا ہے"

اس وقت سے گرونانک صاحب کا سیاحت کا دور شروع ہوتا ہے جو تین مختلف وقفوں کے ساتھ تقریباً 25 سال پر محیط ہے۔ پہلے سفر میں جو 1497ء سے لے کر بارہ سال تک جاری رہا، وہ مشرقی ہندوستان میں بنگال اور آسام تک اور واپسی میں اڑیسہ اور وسط ہند ہوتے ہوئے راجستھان تک کے تمام مشہور ہندو مذہبی مقامات پر گئے اور اپنے مسلک کی تبلیغ کی۔

اس سفر سے 1509ء میں واپسی پر انہوں نے کچھ عرصہ نیلے کے اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ قیام کیا اور پھر 1510ء کے قریب دوسرے سفر پر روانہ ہوئے۔ اس سفر سے وہ 1515ء میں واپس ہوئے۔ (1)

شمال کا یہ سفر جو غالباً 1515ء میں کسی وقت شروع ہوا تھا 1517ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد وطن میں ایک مختصر قیام کیا اور آخری سفر پر روانہ ہو گئے۔

اس سفر میں جو گرونانک صاحب کو سعودی عرب، عراق، ایران اور وسط ایشیا تک لے جانے والا تھا انہوں نے ایک حاجی اور مسلم فقیر جیسا لباس اختیار کر رکھا تھا۔

گرونانک صاحب کی دوسرے سفر سے واپسی پر ان کے ایک عقیدت مند اجینا رندھاوا اور کچھ دوسرے کسانوں نے ایک قطعہ اراضی ان کی نذر کیا تھا جہاں گرونانک صاحب نے ایک گاؤں کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام کرتار پور تھا۔ گورنانک صاحب نے اپنے اہل و عیال کو اسی گاؤں میں بلوا لیا جو مرتے دم تک اس گاؤں میں رہے۔

اپنی عمر کے آخری اٹھارہ برسوں میں گرونانک کا ایک فقیر اور درویش کا چولا اتار کر بحیثیت ایک گرہست کے کرتار پور میں قیام سکھ مذہب کے بنیادی اداروں کے لیے ان کے "اداسیوں" کے

زمانے سے زیادہ معنی خیز ثابت ہوا۔

ان کی عمر کے اس آخری دور میں جب ان کی شہرت بحیثیت ایک بزرگ شخصیت کے دور دور تک پہنچ چکی تھی، کرتارپور میں ان کا ''ڈیرہ'' ایک مرکزی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

روزانہ صبح و شام کو ''کیرتن'' کی محفل ہوتی تھی جس میں گرونانک صاحب کا اثر کلام پڑھا جاتا تھا۔ نئے آنے والے اور پرانے معتقدین یا امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا، سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا تھا۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ گرونانک صاحب نے اپنی مذہبی جماعت کیلئے کس حد تک کوشش کی لیکن وہ عشق الٰہی کے نشے میں سرشار ایک روحانی شخصیت تھے جنہوں نے اپنی طلب میں اسرار کائنات کو پا لیا تھا۔ ان کے اعلیٰ روحانی مقام اور اخلاص سے متاثر ہو کر ان کے گرد عقیدت مندوں کا ایک حلقہ قائم ہو گیا تھا۔

البتہ گرونانک صاحب کا اپنی روحانی تعلیم کے تسلسل کو باقی رکھنے کے لیے اپنے دوران حیات ہی ایک جانشین کا انتخاب کیا۔

اس عہد کے ہندوستان میں پیدا ہونے والی متعدد بھکتی سے متعلق روحانی شخصیتوں کی طرح ان کے کلام کے جو باقیات محفوظ رہ جاتے ہیں اس سے آنے والی نسلوں میں روحانی رجحان رکھنے والے ذاتی طور پر فیضان حاصل کرتے رہے۔

سکھ عقیدے کے مطابق گرونانک صاحب نے اس ''نور'' کو جو ان کے اندر جلوہ گر تھا انگد کے اندر منتقل کر دیا اور اس کو گرو کے مقام پر بٹھا کر خود مرید کی حیثیت سے نذرانہ پیش کیا۔ یہ صورتحال جس میں ''من تو شدم تو من شدی'' والا معاملہ پورے طور پر عمل میں آ گیا تھا 22 ستمبر 1539ء کو گرونانک صاحب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

نانک کی تعلیمات

ان کی تعلیمات کا اہم ترین پہلو اخوت و مساوات کا پرچار تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ کوئی ہندو ہے اور نہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہندومت اور اسلام دونوں افراط اور تفریط سے پاک نہیں ہیں۔

انہوں نے بت پرستی کی شدید مذمت کی خدا کو انہوں نے ''گہری'' کا نام دیا۔ جو وشنو کے کے القابات میں سے ایک لقب تھا۔ نانک کا تصور اللہ تھا کہ وہ ناقابل فہم قید زماں و مکان سے آزاد لیکن ہر شے میں سمایا ہوا ہے۔

پنجاب صدہا سال سے اسلامی حکومت کے ماتحت چلا آ رہا تھا۔ لاہور، سرہند، پاک پتن،

ملتان، اوچ، پانی پت اور دیگر مقامات بڑے بڑے صوفیاء و اولیاء کے مراکز رہ چکے تھے اور شیخ اسماعیل بخاری، سید علی ہجویری، بابا فرید گنج شکرؒ، علاؤ الحق، جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں اور دوسرے بزرگوں کے نام انتہائی احترام سے لیے جاتے تھے اور ان کی پارسائی، پرہیزگاری اور شفقت کی وجہ سے ہندو مسلمان یکساں ان کے معتقد تھے یہ وہ زمانہ تھا جس میں نانک نے ان چشمہ ہائے معرفت سے اپنی پیاس بجھائی۔

نانک بھی کبیر کی طرح ہندو اور مسلمانوں کو ملانا چاہتا تھا۔ نانک نے ذات باری تعالیٰ کی عظمت اور اس کی تمام صفات سے متعلق جو کچھ کہا، کوئی مسلمان اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ وہ ذات پات کا سخت دشمن تھا۔

اس کے نزدیک اللہ کے سب بندے یکساں ہیں۔ وہ واضح طور پر "اللہ رحمٰن رحیم" کا ذکر کرتا ہے۔ وہ "اوتار" اور "حلول" کے عقیدے کا منکر ہے۔ وہ ہندو سے کہتا ہے کہ بے معنی رسوم اور گنگا کے پانی کو پوتر جاننا سب بیکار ہے جب تک معرفت الٰہی حاصل نہ ہو جائے۔

نانک عمر بھر نیکی کی دعوت دیتا رہا اور احتراز کی تلقین کرتا رہا۔ اس نے ریاکاری، خودغرضی، دنیاداری اور جھوٹ کے خلاف آواز بلند کی۔

اس نے یہ بھی کہا کہ تمام انسانوں کو ایک دن اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اور عمل نیک کے سوا کسی کو نجات نہ ہوگی۔ نانک کے اپنے کلام میں اکثر مقامات پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و ثناء پائی جاتی ہے۔ اس نے قرآن کو چشمہ ہدایت بتایا ہے۔

اس کو اسلام کے کسی عقیدے سے اختلاف نہیں۔ اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھائی بھائی بن کر رہنے کی تلقین کی۔ مزید تعلیمات حسب ذیل ہیں:

1۔ توحید (محبوب حقیقی کا تعین)

سلطان پور میں گرونانک کو مرکزی روحانی تجربہ ہوا تھا۔ اس کا سب سے پہلا شعر (بنیادی کلمہ کی شکل میں ہوا۔ گرونانک صاحب کا ذات خداوندی کا تصور نہایت ایجاز کے ساتھ لیکن جامع شکل میں آیا۔)

ذیل میں ہم مول منتر کو نقل کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ گرونانک صاحب کا عقیدہ توحید اسلامی نظریہ توحید سے مختلف نہیں تھا۔ وہ کہتا ہے:

1۔ ایک اونکار (خدا ایک ہے)

2۔ ست نام (اس کا نام سچا ہے)

3۔ کرتا پرکھ (وہی فاعل مطلق ہے)

4۔ نربھو (وہ بے خوف ہے)

5۔ نرویر (اس کی کسی سے دشمنی نہیں)

6۔ اکال مورتی (وہ ازلی اور ابدی ہے)

7۔ اجونی (بے شکل وصورت ہے)

8۔ سیہ بھن (قائم بالذات ہے)

9۔ گر پرسادی (خود اپنی توفیق ورضا سے حاصل ہوتا ہے)

یہ صحیح ہے کہ گرونانک صاحب نے اس ایک اللہ لاشریک لہ کو یاد کرنے کے لیے مختلف نام استعمال کیے ہیں جن میں سے کچھ ہندوستانی بھاشا سے ماخوذ ہیں مثلاً ہری، گوبند، موہن، الکھ، اکم، کرنہار وغیرہ۔

اور کچھ مسلم روایات سے متعلق ہیں جیسے اللہ، خدا، رحیم، کریم، رب وغیرہ ان سے مراد وہی ایک ذات واحد ہے جو تمام کا پروردگار ہے۔ نہ کسی سے پیدا ہے اور نہ کوئی اس سے پیدا ہے اور نہ وہ کسی شکل وصورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح اپنے روحانی تجربے کی بنیاد توحید پر قرار دیتے ہوئے گرونانک صاحب نے عقیدت ومحبت کے ساتھ اسی ایک خدا کی بندگی اور عبادت پر زور دیا ہے۔

2۔ عشقِ الٰہی (مسلک عشق)

محبوب حقیقی کو متعین کر دینے کے بعد دوسرا اہم مسئلہ اس ذات حق کے تئیں انسان کے رویے کا تھا۔ دوسرے الفاظ میں کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اللہ شاہد وحاضر کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اس لیے اللہ خالق کی مرضی کے مقابلے میں اپنی ذات مرضی اور خواہش کو ختم کر کے راضی برضا رہتے ہوئے ہی انسان اللہ الملک القدوس تک پہنچتا ہے۔

گرونانک صاحب کو اللہ رحیم کی طرف سے عشق کی لہر اس وقت ودیعت کی گئی جب کہ وہ اس کے دربار میں بذات خود حاضر کیے گئے تھے۔ نمونے کے طور پر یہاں کچھ شعر نقل کیے جاتے ہیں۔

”سوچے سوچ نہ ہووئی جے سوچے لکھ وار

غور وفکر کے ذریعے انسان خدا کو پا سکتا خواہ لاکھوں دفعہ سوچ بچار کرے۔

چپے چپ نہ ہووئی جے لائے رہا لوتار

خاموشی اختیار کر کے انسان دماغی سکون حاصل نہیں کر سکتا ہے خواہ مراقبہ ہی میں کیوں نہ غرق رہے۔

بھوکیا بھوک نہ اوتری جے بنا پوریاں بھار

”حرص کے بندے کی حرص ختم نہیں ہو سکتی خواہ دنیا کی قیمتی چیزوں کے ڈھیر لگا لے۔

سبس سیانپا لکھ ہوئی تے اک نہ چلے" نال انسان لاکھ ہشیار ہو لیکن اللہ رب العزت کے دربار میں کوئی کام نہیں آتا۔"

کیوں سچیارا ہوئیے کیوں کوڑے تٹے پال
ہم کیوں کر سچے بن سکتے ہیں اور کیوں کر جھوٹ کا پردہ چاک ہو سکتا ہے۔
حکم رضائی چالنا نانک لکھیا نال
تقدیر کے لکھے پر مکمل طور پر راضی برضارہ کرائے نانک یہ ممکن ہے)
حکمے ہوونی آ کار حکم نہ کہیا جائی
اللہ کے حکم سے ہی جسموں کی ساخت ہوتی ہے حکم کے اوصاف بیان سے باہر ہیں۔
حکمے ہوونی جیو حکمے ملے وڑیائی
اس کے حکم سے ہی روحیں پیدا ہوتی ہیں اور اسی کے حکم سے ہی عزت ملتی ہے۔
ناحکے بخشیش اک حکمے سدا بھواٹیاہی
ایک اس کے حکم سے انعامات سے نوازا جاتا ہے اور ایک اس کے حکم سے آواگون کے چکر میں گرفتار رہتا ہے۔
حکمے اندر سب کوئی، باہر حکم نہ کوئی
تمام کائنات اس کے حکم کی تابع ہے اور کسی کی مجال نہیں جو اس سے باہر ہو سکے۔
نانک حکم جے بوجھے تے ہومے کرئے نہ کوئی
(گرو گرنتھ صاحب ۱۱)
نانک اگر انسان تقدیر الٰہی کو پہچان لے تو کبھی انانیت کے پاس نہ پھٹکے۔

اوپر سب سے آخری مصرعے میں جس چیز کو (انانیت) سے تعبیر کیا گیا ہے وہ مسلک عشق یا بھگتی کے مطابق انسان کے رحمن تک پہنچنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اکثر صوفیا اور بھگتوں نے انسان کے احساس "میں" اس کو تمام نفسانی امراض کی جڑ بتایا ہے۔

ایسا اس لیے بھی ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی ذات سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے اور جب تک وہ اپنی ذات کو مرکز کائنات سمجھ کر اس کی بندگی میں لگا رہے گا۔

"اس کو خدا کی محبت اور بندگی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ منجملہ دوسرے صوفیاء اور سنتوں کے گرو نانک صاحب نے بھی عشق الٰہی کے حصول اور اس کے ذریعے اللہ تک پہنچنے کے سلسلے میں انسان کے اپنی انانیت سے چھٹکارا پانے پر بہت زور دیا ہے۔

اپنے کلام میں ایک جگہ وہ انانیت کے بنیادی مرض کو اور اس کی عام کارفرمائی کو واضح

کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ہوں وچ آیا ہوں وچ گیا''

انسان ''میں'' کے احساس کے ساتھ آیا ہے اور اسی کے ساتھ چلا جاتا ہے۔

''ہوں وچ جمیا ہوں وچ ہوا''

''میں'' کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے اور ''میں'' کے ساتھ مر جاتا ہے۔

''ہوں وچ دتا ہوں وچ لیا''

میں کے ساتھ ہی کچھ دیتا ہے اور میں کے ساتھ کچھ کھو دیتا ہے۔

ہوں وچ کھٹیا ہوں وچ گیا

میں کے ساتھ ہی کماتا ہے اور میں کے ساتھ میں ہی جاتا ہے۔

ہوں وچ ہے ہوں وچ رووے

میں کے ساتھ ہی ہنستا ہے اور میں کے ساتھ روتا ہے۔

ہوں وچ بھریے ہوں وچ دھووے

میں کے ساتھ ملوث (ناپاک) ہوتا ہے اور میں کے ساتھ پاک ہوتا ہے۔

ہوں وچ جاتی جنسی کھودیے

میں کے ساتھ ہی اپنی ذات اور جنس کھوتا ہے

ہوں وچ مورکھ ہوں وچ سیانہ

میں کے ساتھ ہی انسان بے وقوف ہوتا ہے اور میں کے ساتھ ہی عقل مند ہوتا ہے۔

موکھ مکتی کی سار نہ جانا

مکتی اور نجات کی قدر نہیں جانتا ہے

ہوں وچ سایہ ہوں وچ چھایا

میں کے ساتھ ہی دولت اور اس کی چھاؤں ہے۔

ہوں ے کر کر جیت اپایا

اسی وجہ سے مخلوقات کی پیدائش ہے۔

ہوں ے بوجھے تاں در سوجھے

اگر انسان اس ''میں'' کی حقیقت کو سمجھ لے تو اس کو خدا کا دروازہ مل جائے۔

گیان وہوڑاں کتھ کتھ لوجھے

بنا معرفت کے انسان فضول بحث و مباحثہ میں پڑا رہتا ہے۔

ــ نانک حکمی لکھے لیکھ

نانک خدا کے حکم کے مطابق تقدیر لکھ دی گئی ہے۔

ــ جیہا ویکھی بتیا ویکھ"

جیسا انسان خدا کو سمجھتا ہے ویسا ہی خدا اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔

3۔ نفس کی پاکیزگی:

انانیت کے ساتھ ساتھ گرونانک صاحب نے اس سے متعلق بعض دوسری نفسانی خرابیوں مثلاً خواہشات، لالچ، دنیا سے تعلق، غصہ وغیرہ کو بھی اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے خیال میں اس طرح کی اندرونی بیماریوں سے نجات پائے بغیر عشق الٰہی کے راستے میں آگے بڑھنا بہت مشکل ہے۔

4۔ ذکر الٰہی: (سمرن)

ایک طرف تو گرونانک نے ان مواقع سے انسان کو بچنے کی تلقین کی اور دوسری طرف اپنے کلام میں مختلف انداز سے ان صفات اور خوبیوں کو سراہا ہے اور ان کی تلقین کی ہے اور عشق الٰہی کے حصول یا اس کی بارآوری کی راہ دکھلائی ہے۔

اس سلسلے میں سب سے بنیادی چیز جو کہ سکھ مت کا طریق عبادت بھی کہی جا سکتی ہے چنانچہ ذات الٰہی کے لیے گرونانک صاحب کی ایک عام اصطلاح ست نام کی ہے۔ یہاں نام حق سے مراد ذات حق ہے۔ چنانچہ اگر اس لفظ کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ "فلاں شخص کو نام کی دولت حاصل ہوگئی" تو اس کے یہ معنی بھی لیے جا سکتے ہیں۔

کہ اس شخص کو عشق حقیقی کی دولت حاصل ہوگئی۔ گرونانک اور سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کے تمام کلام میں نام کا استعمال ان مختلف معانی پر حاوی نظر آتا ہے۔

نام سمرن کا ایک عام طریقہ ہر وقت اللہ قادر مطلق کا نام لیتے رہنا ہے جو خدا کے لیے سکھوں کی عام اصطلاح واہگوری کی صورت میں مختلف دنیوی مشاغل میں مصروفیت کے وقت بھی دین دار سکھ دہراتے رہتے ہیں لیکن اس کی ایک خصوصیت صبح نہار منہ اٹھ کر، نہا کر، گرنتھ صاحب میں سے منتخب کلام پڑھتے ہیں اور بعض سکھ نام سمرن کے لیے ایک چھوٹی تسبیح کا استعمال کرتے ہیں جس پر بار بار مختلف اسمائے الٰہی دہرائے جاتے ہیں۔

بہر حال نام سمرن کا سب سے اہم اور مفید طریقہ "کیرتن" کی شکل میں ہے۔

جہاں با جماعت موسیقی کے ساتھ گربانی کا ورد ہوتا ہے، جو لوگ لحن کے ساتھ پڑھنے میں

شریک نہیں رہتے، وہ ادب کے ساتھ بیٹھ کر سنتے ہیں اور اس طرح نام سمرن میں شریک رہتے ہیں۔

توقع یہ کی جاتی ہے کہ اس طرح مختلف طریقوں پر نام سمرن کے ذریعے رفتہ رفتہ انسان کے شعور پر ذات الٰہی کا تصور چھا جاتا ہے اور اس کو وہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے جہاں وہ دائمی طور پر یاد الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔

خواہ ظاہری اعتبار سے وہ کتنے ہی دینوی کام میں مصروف رہے۔

سادھو سنگت، سیوا اور رزق حلال

نام سمرن کے علاوہ جو چیزیں گرونانک صاحب کے نزدیک عشق الٰہی کے حصول میں معاون ہوتی ہیں ان میں سادھو سنگت (نیک صحبت) سیوا۔ خدمت خلق ایمانداری کی روزی کمانا اور دوسروں کو اس میں شریک کرنا۔

نیز انکسار مخلوق سے محبت اور ہمدردی جیسی صفات شامل ہیں۔

"اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ گرونانک صاحب رہبانیت کے سخت مخالف تھے۔ ان کے نزدیک اسی سماج میں رہتے ہوئے اور گھر بار والی زندگی گزار کر خدا کو یاد رکھنا ہی کمال زندگی ہے اور اسی کی انہوں نے تعلیم دی۔"

لیکن ان تعلیمات کے باوجود گرونانک صاحب کے نزدیک عشق کی ایک پراسرار منطق توفیق الٰہی ہے۔ اس طرح پھر اصل اختیار اور پیش قدمی خدا ہی کی ذات سے منسوب ہو جاتی ہے۔

البتہ گرونانک صاحب کے یہاں یہ تصور ضرور ملتا ہے کہ انسانی کوشش توفیق الٰہی کو متوجہ کرنے اور اس کے حوصلے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

6۔ رسالت کا اقرار

بابا نانک کا فرمان ہے: "م" محمد من تول من کتاباں چار۔

من خدائے رسول نوں سچا ای دربار۔ (جنم ساکھی ولایت والی ص 247) یعنی ہر ایک انسان کے لیے اللہ واحد کی توحید کے ساتھ اس کے عمل رسالت کا ماننا ضروری ہے۔

7۔ ارکان اسلام

سری گورو گرنتھ صاحب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بابا صاحب نے اذان دی۔ نماز پڑھی لوگوں کو زکوۃ اور روزے رکھنے کی تلقین کی اور حج کیا۔

8۔ قرآن حکیم

قرآن مجید سے متعلق فرماتے ہیں حل پردان کتب قرآن یعنی حل یگ میں خدا نے دنیا کی ہدایت کے لیے قرآن شریف کو منظور فرمایا ہے۔ ایک شخص کے سوال پر بابا صاحب فرماتے ہیں قرآن کتب کمائیے، یعنی قرآن شریف پر عمل کرو کرچانن صاحب ایویں ملے۔

اس سے جو روشنی پیدا ہو گی اس میں اللہ ملے گا۔

"بابا صاحب قرآن مجید سے متعلق فرماتے ہیں

توریت انجیل زبور تریہہ پھرن ڈتھے دید

رہیا فرقان کیڑے حل یگ میں پروان

یعنی میں نے توریت، انجیل، زبور اور وید پڑھ اور سن کر دیکھ لیے ہیں۔ قرآن مجید ہی دنیا کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے منظور فرمائی ہے۔

پنج وقت نماز گزاریئے، پڑھے قرآن کتب قرآنا

یعنی پانچ وقت نماز میں قرآن شریف کی تلاوت کی جاتی ہے۔ بابا نانک صاحب قرآن مجید کا جو نسخہ سفر میں اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے وہ ضلع فیروز پور کے گوردوارہ میں آج تک موجود اور محفوظ ہے۔

9۔ قیامت کا تصور

بابا نانک کا قیامت سے متعلق بھی وہی عقیدہ ہے جو مسلمانوں کا ہے یعنی ایک دن "آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے سب فنا کے پردے میں چلے جائیں گے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہ جائے گی۔

بابا نانک صاحب بہشت اور دوزخ کے قائل تھے آپ فرماتے ہیں

عملاں والے ٹٹ دن ہو من بے پروا

مٹی چھٹے نانکا حضرت جناں پنا

یعنی قیامت کے دن وہ لوگ جن کے اعمال اچھے اور نیک ہوں گے وہی بے فکر ہوں گے نانک کہتا ہے وہی لوگ نجات پائیں گے جن کی پشت پناہی حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کریں گے۔

10۔ کرم اور آواگون کا تصور

جہاں تک زندگی کے بنیادی مسئلہ کا تعلق ہے اس سلسلے میں گرونانک صاحب نے قدیم

ہندوستانی نقطہ نظر سے اتفاق کیا ہے۔ یعنی کرم اور آواگون کے عقیدے کو کافی حد تک درست مانا ہے۔

اس کے خیال میں جب تک انسان عشق الٰہی میں کمال حاصل کر کے خدا کو نہیں پا لیتا وہ بار باراس دنیا میں مختلف شکلوں میں جنم لیتا رہے گا۔

ایک واحد اور ایسا نادر موقع آتا ہے جب انسان کا جنم ہوتا ہے اور یہ صرف انسان کی صورت میں پیدا ہو کر ہی ممکن ہے کہ انسان خدا کی سچی محبت کے ذریعے نجات حاصل کر سکے۔

گویا جو لوگ اس وقت انسان کی شکل میں ہیں اگر انہوں نے اللہ کی سچی بندگی کے ذریعے اس کی کرم نوازی اور خوشنودی حاصل کرنے کا یہ قیمتی موقع کھو دیا تو پھر انہیں 48لاکھ سال تک زندگی کے مختلف روپ سے گزر کر جس میں بے جان چیزوں، نباتات، حشرات الارض اور حیوانات کے مختلف مدارج شامل ہیں نجات تک پہنچنا پڑتا ہے اور جب تک انسان کی حیثیت سے پیدا ہو کر اللہ کی بندگی کے قابل بن سکے اور پھر اپنی کسی نیکی کی وجہ سے نجات حاصل نہ کر لے وہ اسی دنیا کے چکر میں پڑا رہتا ہے۔

11۔ گرو کا تصور

گرونانک کی تعلیمات کا ایک اور جزو جس نے سکھ روایات کی نشوونما میں نمایاں کردار ادا کیا وہ ”گرو“ کا تصور ہے۔ بھگتی کی متصوفانہ روایت میں یہ تصور گرونانک صاحب سے بھی پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ عشق الٰہی کے حصول اور خدا تک پہنچنے کے لیے ایک پہنچے ہوئے پیرومرشد سے ارادت ضروری ہے۔ جس کی رہنمائی اور تعلیم خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ثابت ہو گی۔ چنانچہ ان کے کلام میں خدا تعالیٰ کے لیے گرو یا ست گرو کی اصطلاح بہت عام ہے، جس نے حقیقت تک ان کی رہنمائی کی۔

گرونانک صاحب اور دوسرے سکھ گروؤں نے بار بار اللہ العظیم تک پہنچنے کے سلسلے میں انسانی گرو کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ انسانی گرو ہی وہ وسیلہ ہے جو بندوں کو رب العالمین تک پہنچاتا ہے۔ اس سلسلے میں گرونانک صاحب اور دوسرے گروؤں کے اقوال موجود ہیں۔

البتہ نمونے کے لیے ہم یہاں گرونانک صاحب کا ایک شعر نقل کیے دیتے ہیں۔

گر پوڑی بیڑی گرو کر تلہا پری ناؤ

خدا کا ”نام“ حاصل کرنے کے لیے گرو ہی سیڑھی ہے، گرو ہی بیڑا اور کشتی ہے۔

گر سر ساگر بوہتو گر تیرتھ

گناہوں کا سمندر پار کرنے کے لیے گرو ہی جہاز ہے اور وہی زیارت گاہ اور اشنان کے لیے پاک دریا ہے۔

سکھ گروؤں کے کلام میں مندرجہ ذیل دونوں معانی میں گرو کی اصطلاح کو استعمال کیا گیا

ہے۔ یعنی ایک طرف ذات الٰہی کے لیے اور دوسری طرف انسانی گرو کے لیے اس طرح یکساں انداز میں مذکور ہوا ہے۔

بیشتر اوقات یہ بتانا کہ یہاں متعین طور پر دونوں میں سے کون مراد ہے، بہت مشکل نظر آتا ہے البتہ یہ واضح رہے کہ گرونانک اور دوسرے سکھ گروؤں نے اپنے بندہ اور انسان ہونے پر بہت زور دیا ہے اور ان کی شخصیت میں الوہیت کے ساتھ اشتراک کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ سکھ مت میں ایک تیسرے معنی میں گرو کا استعمال اس پیغام حق کے لیے ہوا ہے۔

جو سکھ گروؤں اور دوسرے صوفی سنتوں نے جن کا کلام گروگرنتھ صاحب کا حصہ ہے اپنے اشعار کے ذریعے بندوں میں عام کیا ہے، یہ کلام جو شبد یا بانی کے نام سے معتون ہے ایک نوع سے الہامی سمجھا جاتا ہے۔

اور چونکہ یہ کلام معرفت الٰہی اور اس سے متعلق اخلاقی تعلیمات پر مبنی ہونے نیز اپنی تاثیر کے اعتبار سے انسانوں کی خدا تک رہنمائی کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ اس لیے سکھ گروؤں نے اس کو بھی گرو قرار دیا ہے۔

شبد بانی کے سلسلے میں یہی تصور تھا جس نے سکھوں کے دسویں گرو، گروگوبند سنگھ کے لیے یہ مرحلہ بہت آسان کر دیا کہ وہ اپنے بعد "انسانی" گروؤں کے سلسلے کو ختم کر دیں۔

ان کے بعد گرنتھ صاحب ہی جس میں سکھوں کے لیے تمام تسلیم شدہ بانی یا شبد جمع ہیں آئندہ ہمیشہ کے لیے سکھوں کا گرو قرار پائے چنانچہ آج سکھ اسی مقصد میں مجموعہ اشبد کو گرو مانتے ہیں اور اپنی رُوحانی رہنمائی کے لیے اس میں شامل کلام کو کافی وشافی سمجھتے ہیں۔

احمدیت

احمدیت

احمدیت جسے مرزائیت اور قادیانیت بھی کہا جاتا ہے جدید ترین مذاہب میں سے ایک ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں ضلع گرداسپور کے علاقہ قادیان کے رہائشی مرزا غلام احمد نے ایک گنجلک اور متکسرہ محاولت کے تحت اس مذہب کی بنیاد رکھی۔ ایک ایسا مذہب جو کسی بھی پلیٹ فارم پر مثبت انداز میں پنپ نہ سکا۔ ایک ایسا مذہب جس کا بانی مرزا غلام احمد جہاں بے شمار بیماریوں میں مبتلا تھا وہاں اسے مرض نسیاں کا عارضہ بھی لاحق تھا۔ اپنی کہی ہوئی بات یا حدیث دوسرے دن بھول جاتا تھا۔ یہ ایک ایسا پیامبر اور محافظ تھا جو اپنے ارشادات و اقوال کا پاس نہ رکھ سکا بہت سی ایسی پیش گوئیاں جن کو یقینی اور درست قرار دیا تھا اس کی اپنی ہی زندگی میں غلط ثابت ہوئیں۔ ایسی لاتعداد غلطان و ملطان معلومات احمدیوں نے اپنی ہی مشتہرہ کتابوں میں مہیا کی ہیں۔ تفصیل آگے چل کر بیان کی جائے گی۔ یہاں پہلے مرزا صاحب کے اختصاری احوال و اقوال بیان کیے جاتے ہیں۔ مرزا غلام احمد 1841 عیسوی میں ضلع گرداسپور کے موضع قادیان میں پیدا ہوا۔ والد کا نام مرزا غلام مرتضٰی بیان کیا جاتا ہے۔

مرزا غلام احمد کا دعویٰ ہے کہ وہ امتی ہے اور اس کی تمام تر تعلیم بذریعہ الہام ہوئی ہے حالانکہ مختلف مورخین کا بیان ہے کہ اس نے متعدد اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ ایک دوسری جگہ اس نے اپنی تعلیم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

> ”بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں نوکر میرے لیے معلم رکھا گیا۔ جس نے قرآن مجید اور چند کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ جب میری عمر دس برس ہوئی تو ایک عربی خوان معلم مولوی صاحب میرے لیے مقرر کیے گئے جن کا نام فضل احمد

تھا۔"

مرزا غلام احمد کے اساتذہ میں سید گل علی شاہ بٹالوی کا نام بھی آتا ہے۔ مولانا رفیق دلاوری اپنی کتاب رئیس قادیان میں مرزا غلام احمد کی تعلیم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ان کی تعلیم ادھوری رہی اور انہیں کسی فن میں دسترس حاصل نہ تھی۔ خصوصاً حدیث، فقہ، تفسیر کلام وغیرہ میں بہت تھوڑا ادراک تھا۔"

نوجوانی میں مرزا غلام احمد نے گھر والوں کے طعنوں کی وجہ سے سیالکوٹ جا کر رہائش اختیار کر لی اور وہاں ضلع کچہری میں ملازمت اختیار کر لی۔

سیالکوٹ کی ملازمت کے دوران مرزا غلام احمد نے "مختاری" کا امتحان دیا، لیکن فیل ہو گیا۔ مرزا غلام احمد کا بیان ہے کہ وہ سات سال تک سیالکوٹ میں رہا جبکہ مرزا بشیر احمد کے بیان کے مطابق مرزا غلام احمد 1864ء سے 1868ء تک صرف چار سال سیالکوٹ میں مقیم رہا۔ مرزا غلام احمد نوکری سے دلبرداشتہ ہو کر واپس قادیان پہنچا تو اس کے والد نے اس کو جھگڑالو اور مقدمہ بازی کا اہل قرار پایا اور مقدموں کی پیروی اس کے سپرد کر دی اور وہ ایک زمانہ دراز تک انہی کاموں میں معروف رہا۔

کچھ عرصہ بعد مرزا غلام احمد نے شہرت و نمود کی خاطر غیر مسلموں سے مناظرے شروع کر دیئے وہ لاہور آیا اور یہاں مولوی حسین بٹالوی جو مسجد چینا والی میں خطیب تھے کے پاس اقامت پذیر ہوا اور آریوں اور عیسائیوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ چند ہی دنوں میں وہ "مناظر اسلام" سے مشہور ہو گیا۔

چند ماہ بعد وہ واپس قادیان چلا گیا اور آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کر دیا چونکہ بحث و مباحثہ مقصود نہ تھا بلکہ غرض نام و نمود اور شہرت طلبی تھی۔ اس لیے آریوں کی ہر شرط و مطالبہ کسی نہ کسی بہانے ٹال دیا جاتا تھا اور اپنی طرف سے ایسی ناقابل قبول شرطیں پیش کرتا تھا کہ مناظرہ کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔

غلام احمد مرزا اپنے والد مرزا غلام مرتضیٰ کی وفات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ

"قسم ہے آسمان کی جو قضا و قدر کا مبداء ہے اور قسم اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہو گا مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور اعزاز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب غروب کے بعد فوت ہو جائے گا۔"

لاہور سے واپسی کے بعد مرزا غلام احمد عملیات و وظائف کی دنیا میں کھو گیا اور قادیان سے

باہر رات کے وقت ایک خندق میں بیٹھ کر کالے علم کا چلہ کرنے لگا۔ ان دنوں اس نے عجیب وغریب خواب دیکھنا شروع کیے اور اس دوران اس نے اپنی غذا کم کر دی اور نفلی روزے رکھنا شروع کر دیے۔ اس کے نتیجے میں وہ ازحد کمزور اور ذہنی مریض بن گیا۔ حتیٰ کہ اسے مراق کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ مرزا کا اپنا بیان ہے کہ

''میں دائم المریض ہوں'' ہمیشہ دردِ سر، کمی خواب، تشنج اور دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آئی ہے، وہ سلسل البول کا بھی مریض بھی تھا۔

مرزا غلام احمد کو مراق کا مرض لاحق ہوا تو اس نے دعویٰ کرنا شروع کر دیا اور شیام لال نامی ایک ہندو لڑکے کو اپنا ''کاتب وحی'' بنا لیا۔ اب مرزا نے لنگر جاری کر دیا اور لوگوں کو اپنے نام نہاد الہامات سے مرعوب کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے ''مستجاب الدعوت'' ہونے کے سلسلے میں اشتہارات شائع کروائے تو لوگ دور دور سے اس کے پاس آنے لگے۔ اسی دوران لوگوں نے مرزا سے بیعت کی درخواستیں شروع کر دیں۔

مرزا ہر ایک کو یہی کہتا کہ ابھی ہم کو کسی سے بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا۔ اس وقت تک صبر کرو جب تک حکم الٰہی نہ آئے۔

مرزا نے اپنے ماننے والوں کو بتایا کہ اس نے رب العالمین کو اور ملائکہ کو دیکھا ہے۔

مرزا غلام احمد نے مذہبی وعلمی دنیا میں اپنے آپ کو منوانے کے لیے مختلف علمائے دین سے مواد حاصل کر کے ''براہین احمدیہ'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ یہ کتاب چار جلدوں میں 1880ء سے 1884ء تک کے عرصہ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں اس نے اشتہار بازی کے ذریعے بے شمار لوگوں سے پیسہ بٹورا۔

کتاب کی اشاعت کے دوران اس کی قیمت بڑھاتا رہا۔ پہلے قیمت پانچ روپے مقرر کی پھر دس روپے کر دی اور بعد میں پچیس روپے سے لے کر سو روپے تک وصول کرنے کا مطالبہ کیا۔ مرزا نے متنبہ کیا تھا کہ کتاب چار ہزار آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہوگی، لیکن صرف 562 صفحات پر مشتمل تھی۔ اس طرح وہ لوگوں کا جمع کیا ہوا پیسہ ہضم کر گیا۔ لوگوں نے اسے چور، مردم خور، مال حرام خور وغیرہ کے نام سے گالیاں دینا شروع کر دیں۔ تو اس نے اس سلسلے میں ایک اشتہار شائع کیا کہ میں نے کتاب مرتب کرنے کے لیے جو محنت کی تھی اور خون پسینہ بہایا تھا وہ کم نہیں تھا اور کہا:

''کیا وہ کتاب بغیر مال صرف کرنے کے چھپ گئی تھی؟'' کافی عرصہ بعد مرزا نے اعلان کیا کہ میں اعتراض کرنے والوں کو ان کی رقم واپس کر دوں گا لیکن یہ عہد وفا نہ ہوا اور لوگوں کا ہزاروں روپیہ ہضم کر کے بیٹھ گیا۔

اس کتاب میں مرزا احمد نے "براہین احمدیہ" کے سلسلہ میں مسلمانوں کا دس ہزار سے زائد روپیہ خورد برد کیا۔ اس کتاب میں مرزا غلام احمد نے ہندوؤں اور ان کی بہو بیٹیوں کو جی بھر کے گالیاں دی ہیں اور غیر مسلموں کو اسلام سے متنفر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس کے جواب میں ہندوؤں نے پیغمبر اسلام کی ذات گرامی پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیا۔

جب مرزا غلام احمد کا شہرہ ہو گیا اور اس نے الہام کا دعویٰ شروع کر دیا تو اس کے ایک یار غار حکیم محمد شریف کلانوری نے اسے مشورہ دیا کہ وہ "مجددیت" کا دعویٰ کر دے۔ چنانچہ مرزا نے مجددیت کا دعویٰ کر دیا اور اس کے حاشیہ برداروں نے لوگوں کو اسے مجدد ماننے کی ترغیب دینا شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں اشتہارات بھی شائع کیے گئے جو بیرون ملک بھی بھجوائے گئے اور تمام سرکاری اہلکاروں کو بھی پوسٹ کیے گئے۔

ان دنوں حکیم نورالدین، جو مرزا غلام احمد کے انتقال کے بعد اس کا جانشین بنا، ریاست جموں و کشمیر میں سرکاری ملازم تھا۔ مرزا غلام احمد اس کا شہرہ سن کر کشمیر پہنچا اور دس بارہ روز تک حکیم نورالدین کے پاس قیام پذیر رہا اور یہاں دونوں نے آئندہ کیلئے لائحہ عمل مرتب کیا۔ حکیم نورالدین نے اسے قوت باہ کے لیے دواء بھی دی تا کہ اس میں پچاس مردوں کی جنسی طاقت جمع ہو جائے۔

اب مرزا محمد یار نے انفرادی حیثیت میں لوگوں سے بیعت لینے کا سلسلہ شروع کر دیا پھر کچھ عرصہ بعد لوگوں کو بیعت کی عام دعوت دینا شروع کر دی۔ اس نے عام بیعت پہلی بار 23 مارچ 1889ء کو لدھیانہ میں لی۔ دعوت بیعت سے متعلق اشتہارات بھی شائع کیے گئے۔

بیعت کے سلسلہ میں وہ ہوشیار پور ہو گیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد جب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو لدھیانہ میں ازسرنو بیعت کی طرح ڈالی۔ سب سے پہلے حکیم نورالدین نے بیعت کی۔

مرزا غلام احمد "براہین احمدیہ" میں خفیف انداز سے مسیحیت کا دعویٰ کر چکا تھا۔ اس نے کتاب میں مثیل مسیح ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ "چونکہ اس عاجز کو مسیح سے مشابہت تامہ حاصل ہے اس لیے خداوند کریم نے مسیح کی پیش گوئی میں ابتدا سے اس عاجز کو بھی شریک رکھا ہے۔"

اب اس نے مسیح کا دعویٰ علی الاعلان کرنا شروع کر دیا۔ مرزا غلام احمد نے اپنی ایک کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو مصلوب ہو کر فوت ہوئے اور نہ ہی آسمان پر اٹھائے گئے بلکہ وہ مصلوب ہو کر کشمیر پہنچ گئے اور یہیں فوت ہوئے اور اس سلسلے میں نہایت ہی بے سروپا باتیں کی ہیں۔ اس نے کہا۔

"آنحضورؐ نے جس عیسیٰ کے آج سے تیرہ سو سال پہلے نزول فرمانے کی اطلاع دی تھی، وہ میں ہوں۔"

مرزا غلام احمد نے مجددیت کا دعویٰ کیا تو راسخ العقیدہ علمائے دین نے فتویٰ دیا کہ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ زندیق ہے۔ انہی دنوں مشہور عالم دین مولانا مہاجر مکی نے غلام احمد قادیانی کے کفر کا فتویٰ جاری فرمایا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علمائے دین نے بھی اسے کافر قرار دیا مکہ معظمہ کے مفتی اعظم رئیس القضاۃ شیخ عبداللہ حسن نے اپنے فتویٰ میں لکھا کہ:

"حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد ہم کہتے ہیں کہ مدعی نبوت کے کفر میں کوئی شک نہیں کیونکہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا اس لیے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

"و ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله و خاتم النبیین

ترجمہ: محمدؐ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور لیکن اللہ کے رسولؐ ہیں اور اس سلسلہ نبوت میں آخری نبی ہیں۔

"جو شخص قادیانی کے دعویٰ کی تصدیق کرے یا اس کی متابعت کرے وہ بھی مدعی نبوت کی طرح کافر ہے اور اہل اسلام سے اس کا رشتہ صحیح نہیں۔"

علمائے مکہ و مدینہ کے فتویٰ کے بعد مصر، شام اور فلسطین کے مفتیان عظام کے فتوے بھی ہندوستان پہنچ گئے جنہوں نے مرزا غلام احمد کو بالاتفاق مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے مبنی بر کفر دعوے

مرزا غلام احمد قادیانی نے مندرجہ ذیل قسم کے دعوے کیے ہیں:

(1) میں مجدد ہوں۔

(2) میں مثیل مسیح ہوں، میں مسیح موعود ہوں۔ میں مسیح ابن مریم بنایا گیا ہوں اور مسیح کی بجائے نازل ہونے والا شخص ہوں۔

(3) حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ صلیب پر سے زندہ اترے اور ہجرت کر کے کشمیر پہنچ گئے اور یہیں وفات پائی۔ (مسیح بلاد ہندوستان میں)

(4) گو اللہ نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصے میں میرا نام مریم رکھا۔ "براہین احمدیہ" سے ظاہر ہے دو سال تک صفت مریمیت میں، میں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشوونما پاتا رہا۔

جب اس حالت پر دو سال گزر گئے تو مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کر گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخری کئی مہینوں بعد بذریعہ الہام مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔

(5) آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ بجز اس کے جو آپ کی امت میں ہو۔ اور آپ کا کامل پیرو ہو اور اس نے آپ کی روحانیت سے پورا پورا فیض اور روشنی حاصل کی ہو۔

ایسے کامل پیرو کے لیے نبوت کی کوئی حد بندی نہیں اور نہ یہ نبوت محمدی سے الگ کوئی نبوت ہے بلکہ یہ خود احمد ہی ہے، جو دوسرے آئینہ میں ظاہر ہوا کوئی شخص خود اپنی صورت پر، جس کو اللہ تعالیٰ آئینہ میں دکھاتا اور ظاہر کرتا ہے، ظہور نہیں کرتا پس جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو وہ ہو بہو وہی ظہور کرتا ہے۔

(6) مرزا غلام احمد قادیانی میرے سوا کسی کا نام نہیں اس نام کے عدد پورے تیرہ سو ہیں۔

(7) فرشتوں کا عروج و نزول کوئی چیز نہیں۔

(8) حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ نہیں کر سکتے تھے۔

(9) میں مستجاب الدعوات ہوں۔ میری دعا سے مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں میں اپاہجوں، کوڑھیوں اور اندھوں کو تندرست کر سکتا ہوں۔

(10) آنحضورؐ پر دجال کی حقیقت منکشف نہیں ہوئی تھی۔ ریل گاڑی دجال کا گدھا ہے۔

(11) میں کرشن ہوں۔

(12) میں کلکی اوتار ہوں۔

(13) میں مہدی موعود ہوں۔

(14) مرزا اور میری جماعت کا عقیدہ ہے کہ "مہدی" کے بارے میں تمام حدیثیں جو اس کے آنے کے بارے میں ہیں ہرگز قابل وثوق اور قابل اعتبار نہیں ہیں۔

(15) میں وہی مہدی ہوں جس کی نسبت ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ سے اوپر ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکر کیا وہ تو بعض انبیاء سے بھی بہتر ہے۔

(16) وہ آخری مہدی جو نزول اسلام کے وقت اور گمراہی کے پھیلنے کے زمانہ میں براہ راست خدا سے ہدایت پانے والا اور اس آسانی فائدہ کو نئے سرے سے انسانوں کے آگے پیش کرنے والا تقدیر الٰہی میں مقرر کیا گیا تھا، جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، وہ میں ہی ہوں۔

(17) میں سچا مہدی ہوں کیونکہ میرے تین سو تیرہ مرید ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت:

مسلمانوں اور قادیانیوں کے مابین اختلافات کا پہلا اور بنیادی نکتہ عقیدہ ختم نبوت ہے۔ سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات کی روشنی میں ختم نبوت کی بڑے اطمینان سے تصدیق ہو جاتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

الٓمٓO ذلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين O الذين يومنون بالغيب و يقيمون الصلوة و مما رزقنهم ينفقونO والذين يومنون بما انزل اليك و ما انزل من قبلك و بالآخرة هم يوقنونO

ترجمہ: الٓمٓO یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ یہ ہدایت ہے پرہیز گاروں کیلئے جو پوشیدہ باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو رزق ہم ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس چیز پر ایمان لائے جو تیری طرف اتارا گیا اور اس چیز پر بھی ایمان لاتے ہیں جو کچھ تجھ سے پہلے (یعنی تورات، زبور اور انجیل وغیرہ) نازل کیا گیا اور یہ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ وما انزل من قبلک سے مراد تمام ادیان اور تمام الہامی کتب ہیں۔"

مندرجہ بالا آیات میں تین اہم نکات قابل غور ہیں یعنی۔

1: یہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ پر اتارا گیا یعنی قرآن حکیم اور پھر فرمایا

2: یہ پرہیز گاران کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تجھ سے پہلے نازل کی گئیں۔

اور

3: پھر فرمایا یہ لوگ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔

پس نتیجہ یہی مستنبط ہوتا ہے کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا اور تیرے بعد صرف قیامت ہے جس پر اہل تقویٰ یقین رکھتے ہیں۔

وگرنہ آیات اس طرح ہوتیں

والذين يومنون بما انزل اليك و ما انزل من قبلك و ما ينزل من بعدك و بالأخرة هم يوقنون

من بعدك سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل ہونے والے دیگر ادیان اور کتب

سماوی مراد لی جاسکتی تھیں۔تب (نعوذ باللہ) اس میں براہین احمدیہ بھی شامل ہوتی قادیانی مرزا غلام احمد کو نبی مانتے تھے جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ذیل میں مسلمانوں کا عقیدہ ختم نبوت پر قرآن وحدیث کے حوالے سے روشنی ڈالی جارہی ہے۔قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب میں فرمایا گیا ہے:

ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین

ترجمہ:(محمد تم میں سے کسی شخص کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں میں آخری نبیؐ ہیں۔)

عربی لغات میں ''خاتم'' کے ایک معنی ہیں ''مہر'' اور ''خاتم النبیین'' کے معنی ہوئے ''نبیوں پر مہر'' یعنی وہ آخری نبی جو نبوت پر مہر ہے۔اور جس کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔اس آیت میں لفظ ''خاتم'' کو بعض علمائے کرام نے ''ت'' کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور ''ت'' کی زیر کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ان سے مراد ''آخری نبیؐ'' ہے یعنی ان کے نزدیک ''خاتم النبیین'' سے مراد آخری نبی ہی ہے۔''خاتم'' اسم فاعل ہے اور اس کا معنی ہے ختم کرنے والا۔

اس صورت میں ''خاتم النبیین'' کے معنی سلسلہ انبیاء کو ختم کرنے والا ہوں گے۔یعنی وہ نبی جس پر نبوت ختم ہوگئی۔

''لسان العرب'' میں ہے کہ ''ختم'' کا معنی ختم کرنا ہے۔کہا جاتا ہے کہ ''ختم اللہ امرہ بالخیر''

''یعنی: اللہ اس کا معاملہ بھلائی پر ختم کرے۔ ہر چیز کی انتہا کو ''خاتم'' کہتے ہیں اس کی جمع ''خواتم'' آتی ہے۔

لغت میں ''ختم'' کا معنی روکنا بھی ہے۔اس کا عمومی مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کو دوسری اشیاء میں ملنے سے بچانا۔خاتم کا معنی مہر لگانا بھی ہے۔یعنی کسی دوسری چیز پر مہر لگا کر بند کر دینا۔خاتم کا ایک معنی انگوٹھی بھی ہے۔

بقول راغب اصفہانی ''ختم'' اور ''طبع'' کا معنی کسی چیز کو کندہ کرنا اور چھاپ اور مہر سے ثبت کرنا ہے۔ پہلا لفظ (ختم) کبھی کبھی مجازاً اپنے آپ کو کسی چیز سے بچانے یا محفوظ کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔''مفردات'' راغب اصفہانی کے مطابق ''خاتم النبیین'' کا معنی ہے: وہ نبی جس کی آمد پر سلسلہ نبوت ختم ہوگیا۔

تاج العروس میں مذکور ہے:

"رسول اللہ کے ناموں میں سے خاتم اور خاتم (تائے مجرور اور تائے منصوب کے ساتھ) بھی ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ ان کی آمد پر نبوت ختم ہو گئی۔"

علامہ ابن جریر طبری نے مذکورہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اس نے نبوت ختم کر دی اور اس پر مہر لگا دی اب وہ دروازہ قیامت تک کسی کے لیے نہیں کھلے گا۔"

امام طحاوی آئمہ سلف خصوصاً امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اور یہ کہ حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اس کے نبی اور محبوب ہیں اور وہ آخری نبی، سید الاولیاء اور سید المرسلین ہیں اور رب العالمین کے محبوب ہیں"

علامہ ابن حزم مذکورہ آیت کے مفہوم کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

"بلاشبہ حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد نزول وحی کا سلسلہ ختم ہے وجہ یہ ہے کہ وحی کا نزول صرف نبی پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسولؐ اور آخری نبی ہیں۔"

قاضی عیاض عقیدہ ختم نبوت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اور سلسلہ نبوت پر مہر لگا دی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ثانیہ سے رسول اللہ کے آخری نبی ہونے کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ وہ جب آئیں گے تو انہی کی شریعت کے پیروکار ہوں گے۔"

(بحوالہ کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، جلد سوم، ص 113)

عقیدہ ختم نبوت احادیث کی روشنی میں

رسول اکرم کا فرمان ہے:

(1) کانت بنو اسرائیل تسودھم الانبیاء کلما نبی خلفه نبی و لا نبی بعدی و سیکون خلفا

ترجمہ: (بنی اسرائیل کی رہنمائی انبیاء کرتے تھے جب ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا، خبردار! میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بس خلفاء ہوں گے۔)

(2) ان مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه و اجمله الا موضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به یفرحون له و یقولون ھذه اللبنة و انا خاتم

النبیین (بخاری)

ترجمہ: مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایک شخص کی طرح ہے جس نے ایک گھر تعمیر کیا اور اسے بہت خوبصورت بنا دیا لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ رہنے دی۔ لوگ اس گھر کے گرد چکر لگاتے اور خوشی کا اظہار کرتے اور کہتے یہ اینٹ کیوں نہیں لگاتے؟ پس میں ہی یہ خشت اور میں ہی آخری نبی ہوں۔

(3) افضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب و احلت لی الغنائم و جعلت لی الارض مسجداً طھوراً و ارسلت الی الخلق کافتہ بی النبیون

اور اس حدیث میں ختم نبوت کی وضاحت اس طرح ہے:

ترجمہ: مجھے دوسرے انبیاء پر چھ باتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جامع کلمات عطا ہوئے ہیں دشمنوں کے دلوں میں میرا خوف طاری کیا گیا ہے۔ میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور زمین میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی اور مجھے تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

اور پھر خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(4) ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی بعدی (ترمذی)

ترجمہ: بے شک رسالت اور نبوت ختم ہو چکی اس لیے میرے بعد کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی

جو شخص بھی اپنے لیے دعویٰ نبوت کرتا ہے یا یہ سمجھتا ہے کہ کوئی اسے حاصل کر سکتا ہے اور صفائے قلبی سے منصب نبوت پا سکتا ہے" جیسا کہ بعض فلسفیوں اور نام نہاد صوفیوں کا دعویٰ ہے کہ اسی طرح جو نبوت کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن اپنے اوپر وحی نازل ہونے کا مدعی ہے۔ ایسے تمام لوگ کافر اور حضرت محمدؐ کے منکر ہیں کیونکہ وہ ہمیں بتا چکے ہیں کہ وہ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ اطلاع منجانب اللہ تھی کہ اس نے نبوت بند کر دی ہے اور وہ تمام کائنات کی طرف مبعوث ہوئے۔ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ ان الفاظ کا اس ظاہری مفہوم کے سوا اور کوئی مطلب نہیں اور اس سے مختلف تشریح یا خاص معنی لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے اجماع اور احادیث دونوں

کی رو سے ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔"

علامہ بیضاوی اپنی کتاب "انوار التنزیل" میں لکھتے ہیں کہ:

"محمد رسول اللہ انبیاء کی آخری کڑی ہیں، جنہوں نے ان کے سلسلہ کو ختم کر دیا ہے اور سلسلہ ختم نبوت پر مہر لگا دی ہے۔"

ایک اور حدیث مبارک ہے:

(5) انا محمد و انا احدو انا الماحی الذی لیمحی بی الکفر و انا الحاشر الذی یحشر الناس علی عقبی و انا العاقب الذی لیس بعدہ نبی (بحوالہ: الجامع الصحیح، مسلم)

ترجمہ: (میں محمد ہوں اور میں وہ ماحی (مٹا دینے والا) ہوں جس کے ذریعے کفر مٹا دیا جائے گا اور میں حاشر ہوں جس کے پیچھے لوگ اکٹھے ہوں گے اور میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔)

چند مزید احادیث پیش ہیں:

(6) ان اللہ لم یحث نبیاً الاحذرا امتہ الدجال و انا آخر الانبیاء و انتم آخر الامم و ھو الخارج فیکم الامحالۃ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھیجا اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا اور میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو اور وہ لازماً تمہارے اندر نکلے گا۔

(7) لا نبوۃ بعدی الاالمبشرات (قیل و ما المبشرات یا رسول اللہ) قال الرویاء الحنستہ و قال الرویاء الصالحۃ

ترجمہ: میرے بعد کوئی نبوت نہیں مگر مبشرات (عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! مبشرات کیا ہیں؟) آپ نے فرمایا اچھے اور نیک خواب)

(8) و انہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم لہ' انا خاتم النبیین لا بنی بعد ی

ترجمہ: اور بے شک میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے خبردار! میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(9) لا نبی بعدی و لا امة بعد امتی

ترجمہ: میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کسی نبی کی امت نہیں۔

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے اور مختلف الفاظ میں قطعی اعلان فرما دیا تھا کہ وہ آخری نبی ہیں اور یہ کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ کہ ان پر نبوت ختم ہو چکی ہے اور یہ کہ ان کے بعد نبوت اور رسالت کے مدعی کذاب ہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ "خاتم النبیین" کی اس سے زیادہ مستند معتبر اور فیصلہ کن اور کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ رسول کریمؐ کا ارشاد بذات خود معتبر اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ رسول اللہ کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کون قرآن کریم کے فہم و تعبیر کا اہل ہوگا۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص ختم نبوت کے مختلف معنی پیش کرتا ہے تو وہ کسی بھی قسم کی سزا یا لعنت سے محفوظ نہیں رہنا چاہیے۔

مسلم کی تعریف:

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور مجریہ 1973ء کی دفعہ 260(3) کے پیراگراف (الف) میں "مسلم کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

"مسلم سے کوئی ایسا شخص مراد ہے جو وحدت و توحید قادر مطلق اللہ تبارک تعالیٰ، خاتم النبیین حضرت محمد کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھتا ہو اور پیغمبر یا مذہبی مصلح کے طور پر کسی ایسے شخص پر ایمان نہ رکھتا ہو نہ اسے مانتا ہو جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس لفظ کے کسی بھی مفہوم یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا ہو، یا جو دعویٰ کرے۔"

مرزائی غیر مسلم ہیں

مرزائی چونکہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تو مانتے ہیں لیکن آپ کو آخری نبی نہیں مانتے اور مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے علمائے اسلام کے فتوئی اور دستور پاکستان مجریہ 1973ء کی رو سے ''غیر مسلم'' ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور مجریہ 1973ء کی دفعہ 260 میں غیر مسلموں'' کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

''غیر مسلم سے کوئی ایسا شخص مراد ہے جو مسلم نہ ہو اور اس میں عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ، پارسی فرقے سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص ''قادیانی گروپ'' یا ''لاہوری گروپ'' کا جو خود کو ''احمدی'' یا کسی نام سے موسوم کرتا ہو کوئی شخص یا کوئی بہائی یا جدولی ذاتوں میں سے کسی سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص شامل ہے۔''

دستور پاکستان کی مذکورہ دفعہ میں صاف طور پر مرزائیوں کو کافر قرار دیا گیا ہے۔

مرزائی مرزا غلام احمد کو ''نبی'' ان کی بیوی کو ''ام المومنین'' ''خلیفہ المومنین'' اور خلیفۃ المسلمین'' کے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا القابات صرف خاتم النبیین کی ذات مبارک، ازواج مطہرات، اہل خانہ، صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے لیے مخصوص ہیں۔ علمائے امت کے متفقہ فتوئی کے مطابق کسی بھی دوسرے شخص یا اس سے تعلق رکھنے والوں کے لیے استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ اس لیے یہ احمدی تعزیرات پاکستان کی خلاف ورزی کر کے فوجداری جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔

مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 میں کہا گیا ہے:

''جو کوئی الفاظ کے ذریعے، خواہ زبانی ہوں یا تحریری، یا مرئی نقوش کے ذریعے یا کسی تہمت کنایہ یا درپردہ تعریض کے ذریعے بلاواسطہ رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کی کسی زوجہ مطہرہ (ام المومنین) یا رسول کے خلفائے راشدین یا ساتھیوں (صحابہ کرام) میں سے کسی کے متبرک نام کی توہین کرے گا تو کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔"

مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 (ب) میں قادیانی کی طرف سے مرزا غلام احمد کے اہل خانہ اور ساتھیوں وغیرہ کے لیے مخصوص القاب و خطابات استعمال کرنے کے خلاف بالصراحت کہا گیا ہے کہ:

(1) قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) کوئی شخص جو الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے۔

رسول پاک حضرت محمدؐ کے خلیفہ یا صحابی کے علاوہ کسی شخص کو امیر المومنین، خلیفۃ المومنین، صحابی یا رضی اللہ عنہ کے طور پر منسوب کرے یا مخاطب کرے۔

رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ مطہرہ کے علاوہ کسی ذات کو "ام المومنین" کے طور پر منسوب کرے یا مخاطب کرے۔

رسول پاکؐ کے خاندان (اہل بیت) کے کسی فرد کے علاوہ کسی شخص کو اہل بیت کے طور پر منسوب کرے یا مخاطب کرے، یا

اپنی عبادت گاہ کے طور پر منسوب کرے یا موسوم کرے یا پکارے، اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہو گا۔

مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 (ج) میں کہا گیا ہے کہ:

"قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) کوئی شخص جو بلاواسطہ یا بالواسطہ خود کو مسلمان ظاہر کرے یا اپنے مذہب کو اسلام کے طور پر موسوم کرے یا منسوب کرے" خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے اپنے مذہب کی تبلیغ یا تشہیر کرے یا دوسرے کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دے یا کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو مجروح کرے اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہو گا۔"

خلاصہ:

(1) اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور مجریہ 1973ء کی دفعہ 260 (3) کے پیراگراف (ب) کی رو سے احمدی، مرزائی یا قادیانی غیر مسلم ہیں۔

(2) مرزائیوں کا مرزا غلام احمد کے ساتھیوں کو صحابی، خلیفۃ المومنین، مرزا صاحب کی بیوی کو "ام المومنین" ان کے خاندان کے افراد کو "اہل بیت" اور اپنی عبادت گاہ کو "مسجد" کہنا مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 (ب) کی رو سے قابل تعزیر جرم ہے، جس کی سزا تین سال تک سزائے قید اور جرمانہ ہے۔

(3) مرزائیوں کا اپنی مذہبی عبادت کے لیے بلانے کے کلمات یا طریقے کو "اذان" کے نام سے موسوم کرنا مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 (ب) پیراگراف (2) کی رو سے جرم ہے جس کی سزا تین سال تک کی قید مع جرمانہ ہے۔

(4) مرزائیوں کا خود کو مسلمان کہنا قابل تعزیر جرم ہے جس کی سزا زیر دفعہ 298 (ج) تین سال تک قید مع جرمانہ ہے۔

(5) مرزائیوں کا اپنے مذہب کی تبلیغ کرنا یا کسی کو اپنے مذہب میں شامل ہونے کی ترغیب دینا جرم ہے جس کی سزا زیر دفعہ 298 (ج) تین سال تک قید مع جرمانہ ہے۔

قرآن عزیز یہودیوں کو جھوٹے خداؤں اور بتوں کی پوجا اور عزیر (عزرا) (Ezra) کی مبالغہ انگیز تعظیم پر اور عیسائیوں کو حضرت عیسٰی علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کی پرستش پر نہایت سختی کے ساتھ ملامت کرتا ہے۔

"کیا تم نے اُن لوگوں کا حال نہیں دیکھا جنھیں کتاب کے علم میں سے تھوڑا سا حصہ دیا گیا ہے۔ وہ بتوں اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے مقابلہ میں زیادہ صحیح راستے پر ہیں۔"

"یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے بنیاد باتیں ہیں جو یہ لوگ اگلے منکروں کی تقلید میں منہ سے نکالتے ہیں۔ انھوں نے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھادیں۔

"یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔"

"ان اہل کتاب میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تمھیں تمھارے ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں۔ نماز قائم رکھو اور زکوۃ دیتے رہو اور تم جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے آگے بھیجو گے اُسے اللہ کے پاس پہنچ کر پاؤ گے۔"

اسلام

(ھو اکبر الادیان)

اسلام

(ھو اکبر الادیان)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی بنیاد رکھی وہ ان کے نام کی مناسبت سے عیسائیت اور ان کے لقب کی مناسبت سے مسیحیت کہلاتا ہے۔ اس طرح حضرت موسیٰ زرتشت یا مہاتما بدھ جو مذاہب لائے وہ انہی کے ناموں سے موسوم ہیں لیکن حضرت محمدؐ جس مذہب کے معلم تھے اس کا نام سے متعلق نہیں بلکہ اس کا نام اسلام رکھا گیا۔

دین محمدیؐ کو مناسب طور پر سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم لفظ اسلام کے صحیح معنوں سے کماحقہ واقف ہوں۔ عربی قواعد لغت میں کلمہ اسلام کی اصل س ل م ہے اور اسلام ثلاثی مزید فیہ کے باب افعال سے مصدر ہے جس کا معروف معنیٰ ہے قبول کرنا' تسلیم کرنا' سلم (یعنی س ل م) کے ابتدائی معنی ہیں سکون' قرار' قرض سے عہدہ برائی اور ہر قرض سے سبکدوشی۔ اس سے جو اسم ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں امن' سلامتی' نجات۔

اس کا وسیع مفہوم حصول تقویٰ کی خاطر جدوجہد۔ اسلام میں جو اخلاقی اصول مضمر و مجسم ہیں ان کا لب لباب قرآن کی دوسری سورہ بقرہ میں ذیل کے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

> ''ان پرہیز گاروں کیلئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں' جو کتاب تم پر نازل کی گئی اس پر اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی ہیں ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ خدا کی ہدایت سے فیض یاب ہیں۔'' (البقرہ: 1 تا 5)

اسلامی نظام کے بنیادی ارکان حسب ذیل ہیں:

(1) خالق کل کی وحدت غیر مجسمیت' قدرت اور ہمہ گیر محبت پر ایمان

(2) نوع انسانی باہمی اخوت اور ہمدردی
(3) جذبات سفلی کی تسخیر
(4) تمام نعمتوں کے بخشنے والے کا شکریہ اور احسان
(5) حیات بعد الممات میں تمام انسانی اعمال کی باز پرس۔

ذات باری کی قدرت ومحبت کے جو اعلیٰ اور عظیم اور عالی شان تصورات قرآن نے پیش کیے ہیں ان کے مقابلے کی کوئی چیز دنیا کی کسی زبان میں نہیں ملتی۔ خدا کی وحدت سے اس کی غیر مادیت' اس کی عظمت و جبروت اور اس کا رحم وکرم قرآن کی سب سے فصیح و بلیغ ہیجان پیدا کرنے والی عبادتوں کے مستقل اور لامتناہی موضوع ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی نور اور روحانیت کا ایک دریا ہے جو رکے تھمے بغیر موجزن ہے اور شکوک و اوھام کا شائبہ بھی موجود نہیں۔ شروع سے آخر تک کہیں کوئی دعویٰ بے دلیل نہیں پایا جاتا۔ ہر بات میں صرف انسان کا شعور باطنی اور اس کی عقل وجدانی سے خطاب کیا گیا ہے۔

آیئے اب ہم ان مذہبی تصورات پر ایک نگاہ ڈالیں جو اس وقت اقوام عالم میں رائج تھے۔ جب پیغمبر اسلامؐ نے اپنی پیغام رسانی کا آغاز کیا۔ کفار عرب کے یہاں الوہیت کا تصور افراد و قبائل کے تمدنی اختلافات کے پہلو بہ پہلو مختلف تھا۔ بعضوں کے یہاں وہ فطرت کو لباس رحمانی پہنانے کی حد تک مقابلتاً بلند تھا اور بعضوں کے یہاں خالی بت پرستی کی حد تک گرا ہوا۔ مثلاً گندھی ہوئی مٹی یا ایک لکڑی یا ایک پتھر کی پوجا۔ بعض ایک آئندہ زندگی پر اعتقاد رکھتے تھے اور بعضوں کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ زمانہ قبل اسلام کے عربوں کے یہاں ایسے درخت تھے جن سے استخارہ کیا جاتا تھا اور غیبی بشارتیں دینے والی پجارنیں تھیں۔ آلات تناسل کی پوجا سے بھی وہ نہ آشنا نہ تھے۔ چنانچہ پتھر اور لکڑی کے مندر بنا بنا کر عساکر ساوی کی طرح تولیدی قوتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ یہ قرین قیاس نہیں کہ جب یہ غیر متمدن بادیہ نشین ہوا کے وہ جھکڑ دیتے تھے جو پورے کے پورے علاقوں کو اپنی لپٹ میں لے لیتے تھے۔ یا جب ان کی نظر واہمہ کے بنائے ہوئے ان حسین مناظر پر پڑتی تھی جو مسافر کو دھوکہ دیتے ہوئے تباہی کی طرف لے جاتی تھی تو ان کے ذہن میں یہ خیال پیدا نہ ہوتا تھا کہ یہ کسی دست غیب کی شعبدہ طرازیاں ہیں۔ چنانچہ ایک غیبی طاقت کے خالق کا ناقابل فہم اور مبہم سا تصور عربوں کی شعوری دنیا کی فضا میں منڈلانے لگا۔

غالباً یہودیوں نے جنہیں عموماً تاریخ میں نظریہ وحدانیت کے بہت بڑے محافظ خیال کیا جاتا ہے اس تصور کی تشکیل میں مدد دی ہو گی لیکن خود انہوں نے اس حقیقت کا عملی مظاہرہ کیا کہ جب کسی قوم کے ضابطہ دینی میں کوئی تاریخی اور عقلی عنصر موجود نہ ہو جو اسے ثبات بخش سکے تو اس کے

خیالات میں کیسا عجیب وغریب قلب ماہیت واقع ہو جاتا ہے۔

یہودی مختلف ادوار میں اور مختلف واقعات کے زیر اثر عرب میں داخل ہوئے تھے۔ چنانچہ قدرتی امر تھا کہ ان میں تارکین وطن پناہ گزینوں اور نو آبادکاروں کے جو مختلف گروہ تھے ان کے افکار وخیالات میں بہت سی گونا گونی تھی۔

جن لوگوں کو اہل آشور اور اہل بابل نے دیس نکالا دیا تھا لازمی تھا کہ ان کے تصور ربانی میں ان لوگوں کے تصور ربانی کی نسبت جنہیں قیصران روم نے جلا وطن کیا تھا انسان سے جسمانی مشابہت اور جذباتی مماثلت کا عنصر زیادہ ہو۔ بنی اسرائیل کے جن خواص طبعی نے انہیں اپنے اصلی وطن میں جہاں ان کی بے راہ روی کی مذمت کرنے والے ارباب بصیرت موجود تھے بار بار بت پرستی کی لعنت میں مبتلا کیا تھا۔ وہ انہیں عربوں کے الحاد وشرک سے کیوں کر محفوظ رہ سکتے تھے؟ قدرتی بات تھی کہ وہ رب ابراہیم کے تصور میں اللہ واحد کے مادی تصور کی آمیزش کریں چنانچہ انہوں نے حرم کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم کا ایک بت نصب کیا جس کے پہلو میں ایک مینڈھا قربانی کیلئے تیار کھڑا تھا۔

جو یہودی بعد کے ادوار میں آئے ان میں اصنام پرستوں کی بہت بڑی اکثریت تھی۔ ان گروہوں میں قوانین دینی کی اطاعت بت پرستی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قانون نویسوں اور راہبوں کا احترام پرستش سے ہٹنے لگا۔ یہ حضرات اپنے متعلق یہ خیال کرتے تھے کہ وہ امت کے مربی ومحافظ' قانون' روایت کے برقرار رکھنے والے اور قوانین الٰہی کے عین مطابق زندگی بسر کرنے کے جیتے جاگتے نمونے اور آئینے میں وہ اپنے آپ کو زندہ امت سمجھتے تھے اور عام عقیدہ یہ تھا کہ خدا سے راہ ورسم رکھنے کی بدولت وہ مستقبل کے بارے میں بشارتیں دینے کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ وہ بھی اپنے آپ کو اور اللہ رب العزت کے خاص الخاص منظور نظر تصور کرتے تھے۔

جوزیفس (Josephus) کے قول کے مطابق یہودیوں کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا احترام اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ اللہ کے نام کے بعد ان کے نام کی عزت کرتے تھے اور یہ عزت انہوں نے حضرت عزیر (عزرا) کو منتقل کر دی تھی جنہوں نے خاندان کیانی کے عہد میں یہودی قانون اور زندگی کو نشاۃ ثانیہ بخشی۔

مزید بریں قیاس غالب ہے کہ یہود کے عامۃ الناس نے خاص بتوں کی پوجا مکمل طور پر ترک نہ کی تھی۔ جو ایک طرح کے خاندانی دیوتا تھے۔ جن کے بت انسانی شکل پر بنائے جاتے تھے اور جن سے ہر موقع پر شگون لیا جاتا تھا بلکہ جنہیں اغلب رومیوں کی طرح محافظ دیوتا خیال کیا جاتا تھا۔ یہ بت پرستی یقیناً کفار عرب سے اور بھی استوار ہو گئی تھی۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا تو یہودیہ ایک قوم تھی۔ یعنی یہودہ کے پرستاروں کی

قوم جو اللہ کی وحدت کا نظریہ اور یہ تصور کہ ایک افضل و اعلیٰ ارفع ذاتی ساری کائنات کے اپنے حیطہ قدرت و رحمت میں لیے ہوئے ہے۔ قبول کرتی تھی۔ اس قوم کے یہاں ہر طرح کی انسدادی کوششوں کے باوجود الوہیت کا تصور یا تو کافر قوموں سے مس کے باعث مسخ ہو چکا تھا۔ یا غیر اہل کتاب قوموں کے فلسفے کے زیر اثر متغیر ہو گیا تھا۔ ایک طرف تو کلدانی مجوسی فلسفے نے یہودی روایات پر اپنی متصرفانہ انگلیوں کے ان مٹ نشان چھوڑے تھے اور دوسری طرف یہودیوں کے بہترین دماغوں نے جہاں یونانی اور رومی فلسفیوں کو ایک عظیم سبب اول کے تصور سے آشنا کیا تھا وہاں خود اسکندریہ کے مکتبوں میں ایسے ایسے افکار و خیالات بھی سیکھے تھے جو ان کے وحدانی مذہب کے ساتھ کوئی مطابقت نہ رکھتے تھے۔ کہیں ہندو اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کے جم غفیر کو لیے ہوئے تھے' کہیں مجوسی زردشتی اپنے دو مخالف خداؤں کو لئے ہوئے جو ایک دوسرے پر غلبہ کیلئے برسر پیکار تھے۔ کہیں یونانی' رومی اور مصری اپنے پجاریوں سے پست تر تھے۔ یہ تھی مذہب دنیا کی حالت۔ اس وقت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تعلیم و تلقین کا آغاز کیا۔ اپنے تمام حسین خوابوں اور اپنی تمام دور دراز امنگوں کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذہن ان سب دعووں سے مبرا تھا جو ان کے مجنونانہ جوش رکھنے والے پیروؤں نے ان سے منسوب کیا تھا۔ انہوں نے کبھی خدا کا تتمہ یا ذات خداوندی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

اگرچہ عہد حاضر کی عیسائیت میں ایک فکری اختلاف پیدا ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ گزشتہ قرنوں کی تشبیہ کے ورثے کا جوا اتار کر نہیں پھینک سکی۔ قرناً بعد قرن اس معلم عظیم کی تاریخ سے انسان صنعتی کا ہر عنصر خارج کیا جاتا رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی شخصیت انسانوں کے ایک طومار میں گم ہو کر رہ گئی ہے۔ اور کئی صدیوں تک مراقبے میں رہنے کے باوجود اس بزرگ ہستی کے چہرے پر سے توہمات کی دھند کا پردہ ہٹا نہیں سکی۔ روز بروز یہ فکر کہ اس کی زندگی کو ایک نئی شکل اور ٹھوس پن بخشتی ہے اور ایک ابہامی عقیدے میں مجسم کر دیتی ہے بہت سے ذہن عالمگیر باپ کی دور افتادگی سے گھبرا کر ایک انسانی شخصیت میں جسے وہ الہیت کا درجہ بخشتے ہیں ایک درمیانی منزل تلاش کرنے میں لگ جاتے ہیں' ایک قریبی معبود کی یہ ضرورت ہی وہ چیز ہے جس نے جدید عیسائیت کو مجبور کیا ہے کہ اسے گوشت پوست کا پیرہن پہنائے اور ایک بشر نما رب کے طور پر اس کی پرستش کرے۔

"جدید عیسائیت کے نقائص" کے فاضل مصنف کا خیال ہے کہ جس تواتر سے بنی نصاریٰ نے خدا کا بیٹا ہونے کے دعوے اور خدا کی طرح معبود بنائے جانے کا تقاضا کیا ہے وہ بجائے خود اس کی الوہیت کا ثبوت ہے۔ ہم اس امر سے مطلق انکار کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی

اپنے آپ کو اللہ واحد اور احد کا بیٹا کہا۔ ان معنوں میں جن معنوں میں عیسائی علمائے الٰہیات اور متکلمین نے ان الفاظ کو سمجھا ہے۔ میتھیو آرنلڈ نے حتمی طور پر ثابت کیا ہے کہ نئی انجیل کی عبارات کئی امور کے اعتبار سے کاملاً ناقابل اعتماد ہیں۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کا تعلق ہے ہمیں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے کہ یہ افسانہ کیونکر تدریجاً گھڑا گیا۔ لیکن اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ جو الفاظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب کیے جاتے ہیں وہ انہوں نے فی الواقع استعمال کیے ہیں پھر بھی کیا ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے خدا کا اکلوتا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ کیا عیسائی متکلمین نے اس مشرقی درویش کا نام نہیں سنا جو اب حلاج کے نام سے مشہور ہے اور جس نے خود رب تعالیٰ ہونے کا دعویٰ کیا تھا؟ اس نے کہا تھا ''انا الحق'' یعنی میں خدا ہوں' میں سچائی ہوں۔ چنانچہ مسلم علماء نے اسے کفر کا مجرم گردانا اور سزائے موت کا حکم سنا دیا۔ اس طرح ایک سادہ لوح انسان جس کا سینہ جوش معرفت سے لبریز تھا موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بابیوں کا اب بھی یہ عقیدہ ہے کہ ان کا آقا الباب نہیں کیا گیا تھا بلکہ یہ معجزانہ طریقہ سے آسمان پر پہنچا دیا گیا تھا۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب ابو مغیث الحلاج نے اپنے آپ کو حق اور باب نے اپنے آپ کو جنت کا دروازہ کہا تو ان کا منشا یہ دعویٰ کرنا تھا کہ وہ اللہ کے شریک ہیں؟ اور اگر ان کا منشا تھا بھی تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا دعویٰ بجائے خود دلیل ہے؟ لیکن جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں ہم ہرگز یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن کے تصورات میں جب ہم انہیں ان کے پیروؤں کے چڑھائے ہوئے ملمع سے پاک کر کے دیکھیں ان کی اپنی صفات یا شخصیت کے بارے میں مبالغہ کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ کسی موقع پر بھی ایسے الفاظ استعمال کیے جن سے ان دعوؤں کا جواز دستیاب ہو سکے جو ان پیروؤں نے ان کے سر منڈھ دیئے ہیں۔ ان کا اللہ کی الوہیت کے بارے میں جو تصور تھا وہ ساری نوع انسانی پر حاوی تھا۔ ان کے نزدیک تمام انسان خدا کے بچے ہیں اور وہ خود کے بچے ہیں اور وہ خود ابدی باپ کے بھیجے ہوئے ایک معلم تھے۔ اس طرح عیسائیوں کے سامنے بشری فضیلت کی ایک زندہ مثال موجود تھی۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ عیسائی خدا کا ایک منزہ تر تصور اخذ کرتے لیکن ہوا یہ کہ چھ صدیوں کے مرور نے حضرت عیسیٰ کی شخصیت کے اردگرد ایسے قصوں کا ایک ہالہ سا ڈال دیا جنھوں نے ان کے اپنے ارشادات کے علی الرغم انہیں الوہیت کا مجسمہ یعنی خدا کا اوتار بنا دیا۔ دنیا نے آقا کی جگہ بندے کی پرستش شروع کر دی۔ عوام الناس میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ جدید فیثا غورثیت (Neo pythogoreanism) افلاطونیت' یہودی و یونانی فلسفے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے اس عجیب و غریب امتزاج کو سمجھ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے یا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک مجسم رب کے طور پر پوجنا شروع کر دیا یا قدیم زمانہ کی تبرکات پرستی کی طرف عود کیا یا حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کی والدہ مطہرہ کو چھوٹی دیوی بنا کر پوجنے لگے۔ عیسائیت کے اہم فرقے نے تو یہاں تک غلو کیا کہ عیسائیوں نے دیومنڈل سے اللہ تعالیٰ کو خارج کر کے اس کی جگہ حضرت مریم کو دے دی اور ایک بل دار کیک چڑھاوا چڑھا کر ان کی پوجا کرنے لگا۔

اس بل دار کیک کو Collyris کہتے تھے۔ جس پر اس فرقے کا نام رکھا گیا۔ نلیس کی کونسل (The Council of Nice) میں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماہیت وجبلیت کے بارے میں آخری فیصلہ کیا گیا بعض ایسے لوگ بھی تھے جن کا عقیدہ تھا کہ (God the Father) آسمانی باپ کے علاوہ اور رب بھی ہیں۔ حضرت مسیح اور حضرت مریم کیلئے کہا جاتا ہے کہ روسی کلیسا والے اب بھی حضرت عیسیٰ کی والدہ کو تثلیث کا تکملہ تصور کرتے ہیں۔ توہم کی طویل رات میں عیسائی نبی ناصری کی تعلیم سے بہت دور بھٹک گئے تھے۔ بتوں، ولیوں اور متبرک باقیات کی پرستش دین عیسوی کا ایک جزو لاینفک بن چکی تھی۔ وہ سب طور طریقے جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مذمت کی تھی یہ سب خباثت ورذائل جن کو انہوں نے ممنوع قرار دیا تھا ایک ایک کر کے ان کے مذہب میں داخل ہو گئی تھیں۔ وہ مقدس سرزمین جس پر اس محترم معلم نے زندگی کے دن گزارے تھے معجزوں اور خارق عادت شعبدوں کے بادلوں میں گھر گئی تھی اور عیسائیوں کے دماغی اعصاب تقلید اور اندھا دھند اعتقاد کی بدولت مفلوج ہو گئے تھے۔

جو مذہبی ہٹ دھرمیاں ہم نے اوپر بیان کی ہیں ان سب کا قلع قمع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد زندگی تھا۔ جب بھی اس ملک الکلام نے اپنا آوازہ حق بلند کیا جس میں کلام اللہ کی الہامی گونج ہوتی تھی تو چاہئے اس کے مخاطب عرب کے بت پرست قبیلے ہوں یا مسخ شدہ عیسائیت اور یہودیت کے پیرو۔ اس نے کبھی عقل کی سرحدوں سے تجاوز نہ کیا اور ہمیشہ ان لوگوں کو اپنے عقائد کی انسانیت سوز مہملیت پر شرمندہ کیا۔ وحدت اللہ کا داعی اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تاریخ کے میدان میں انسان کے اس رجعت پسندانہ رجحان سے کہ وہ مخلوق ہستیوں کو خالق کائنات کا شریک ٹھہرانے سرگرم جہاد دکھائی دیتا ہے۔ قرآن میں بار بار ایسی جوش وخروش اور آتش نوائی سے بھری ہوئی عبارتیں نظر آتی ہیں۔

> "تمہارا رب ایک ہی رب ہے۔ اس رحمٰن و رحیم کے سوا کوئی اور رب نہیں۔ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں، رات اور دن کے لگاتار ایک دوسرے کے بعد آنے میں ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے سمندروں میں چلتی ہیں۔ بارش کے اس پانی میں جسے ابر آسمان سے برساتا ہے اور جس کے ذریعے وہ مردہ زمین کو نت نئی زندگی بخشتا ہے اور پھر زمین پر ہر قسم کی جاندار مخلوق

کو پھیلاتا ہے۔ ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مطیع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں ان سب چیزوں میں سمجھدار لوگوں کیلئے اللہ کی نشانیاں ہیں لیکن ان سب کے باوجود کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا رب بناتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی انہیں اللہ سے رکھنی چاہئے۔" (البقرہ: 163-164-165)

اور اسلام تو یہ ہے:

"وہی ہے جو تمہیں بجلیاں دکھا کر ڈراتا بھی ہے اور امیدیں بھی دلاتا ہے اور جو پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھاتا ہے بادلوں کی گرج اس کی خوبیوں کی اور فرشتے اس کی ہیبت کی تسبیح کرتے ہیں۔ وہ کڑکتی ہوئی بجلیاں بھیجتا ہے اور جب لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں تو اس وقت ان بجلیوں کو جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے۔

اسی کو پکارنا حق ہے وہ دوسری ہستیاں جنہیں یہ لوگ اسے چھوڑ کر پکارتے ہیں ان کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتیں۔ انہیں پکارنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر یہ سمجھے کہ پانی خود اس کے منہ تک پہنچ جائے گا' حالانکہ وہ کبھی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔" (سورۃ الرعد' آیت نمبر 12 تا 14)

"اس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور وہ بہت بالا و برتر ہے۔ ان لوگوں کے شرک سے۔ اس نے انسان کو ایک ننھی سی بوند سے پیدا کیا اور انسان کو دیکھو کہ وہ کھلے بندوں جھگڑالو اور بڑ بولا بن گیا۔ اس نے چوپائے بنائے جن سے تمہیں گرم پوشاک بھی حاصل ہوتی ہے' خوراک بھی اور دوسرے فائدے بھی۔ جب تم انہیں چرنے کو بھیجتے ہو اور شام کو گھر واپس لاتے ہو تو وہ تمہارے لئے سرمایہ جمال بنتے ہیں۔" (النحل: 6,5,4,3)

"اور اس نے رات اور دن' سورج اور چاند کو تمہارے کاموں پر مامور کر رکھا ہے اور تمام ستارے بھی اس کے تابع فرماں ہیں۔ وہی ہے جس نے سمندروں کو تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے اور تم دیکھتے ہو کہ جہاز سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے چلتے ہیں تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو پھر کیا یہ ممکن ہے کہ وہ جو پیدا کرتا ہے وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے ایک برابر ہوں؟ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔ اللہ فی الحقیقت بڑا بخشنے والا رحیم ہے۔ وہ

تمہارے کھلے اور چھپے دونوں کاموں سے واقف ہے۔ ہیں وہ ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کرتیں بلکہ خود مخلوق ہیں۔ وہ مردہ ہیں نہ کہ زندہ۔" (النحل 11, 12, 14, 17, 20,19,18)

"اللہ جس کے سوا کوئی رب نہیں زندہ جاوید ہے اور کائنات کا قائم رکھنے والا ہے۔ اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ لگتی ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اس کا ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی جناب میں کوئی سفارش کر سکے؟ جو کچھ بندوں سے اوجھل ہے اسے بھی اور جو کچھ ان کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے۔ جو کچھ اس کے علم میں ہے وہ ان کے حیطہ اور ادراک میں نہیں آ سکتا۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ خود کسی چیز کا علم انہیں بخشے۔ اس کی کرسی حکومت' آسمانوں اور زمین دونوں کو محیط ہے اور ان کی نگہبانی اس کیلئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں۔" (البقرہ: 255)

"وہ دن کو رات کے پردے سے ڈھانپ دیتا ہے اور پھر رات دوڑتی ہوئی اس کا تعاقب کرتی ہے۔ سورج' چاند اور تارے اس کے مطیع ہیں' خبردار رہو کہ اسی کا کام ہے خلق کرنا اور حکم فرمانا۔" (الاعراف: 54)

"کہو کہ اللہ ایک ہے اور کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس نے کسی کو اور نہ اس کو کسی نے جنا۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔" (الاخلاص)

"سب تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ رحمٰن اور رحیم ہے اور جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ یعنی ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا جو تیرے معیوب نہیں ہوتے اور جو بھٹک نہیں گئے۔" (الفاتحہ: 1 تا 7)

"میں پناہ لیتا ہوں خدائے صبح کی ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے بنائی۔"

(الفلق: 2-1)

اسلام دین فطرت ہے

"تم چاہے پکار کر بات کہو وہ تو چپکے سے کہی بات کو بلکہ اس سے بھی مخفی تر بات کو جانتا ہے۔" (طہٰ: 7)

"ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ کہو سب کچھ اللہ کا ہے۔ جس نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔" (الانعام: 12)

"اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن سے اس کے سوا کوئی واقف نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ بحر و بر میں کیا کچھ ہے۔ کوئی پتا ایسا نہیں جھڑتا جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی چھپا ہوا دانہ ایسا نہیں اور کوئی ہری یا سوکھی چیز ایسی نہیں جو اس کی کھلی ہوئی کتاب میں درج نہ ہو۔ وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور دن کے وقت تم جو کام دھندہ کرتے ہو اس سے واقف ہے۔ پھر دوسرے روز وہ تمہیں اٹھاتا ہے تاکہ تمہاری مقرر کی معیاد پوری ہو۔ آخرکار تم اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے اور اس وقت وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔" (انعام: 59-60)

"وہ اللہ ہی ہے جو دانے اور گٹھلی کو پھوڑتا ہے زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے۔ یہ ہے اللہ! تم کدھر بہکے چلے جاتے ہو۔" (الانعام: 95)

"وہی پردہ شب کو چاک کر کے صبح نکالتا ہے۔ اسی نے آرام کیلئے رات بنائی۔ اس نے سورج اور چاند کو دن اور رات کے حساب کے لیے پیدا کیا۔ یہ ہے وہ اہتمام جو اس توانا و دانا رب نے کیا ہے۔ (الانعام 92)

"یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار۔ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ لہذا اس کی بندگی کرو، کیونکہ وہ ہر چیز کا کفیل ہے۔" (الانعام 102)

"نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں لیکن وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ کیونکہ وہ نہایت باریک بیں اور باخبر ہے۔" (الانعام 103)

"کہو کہ میری نماز میری عبادت' میرا جینا' میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔" (الانعام 163)

"کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں سب وہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔ اور وہ پرندے بھی جو پر پھیلاتے اُڑ رہے ہیں۔ سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی اپنی تسبیح معلوم ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اُسی کی طرف ہر ایک کو پلٹنا ہے۔" (النور 42, 21, 24)

"وہی زمین اور آسمان کی بادشاہی کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔" (الاعراف 158)

"وہی ازل سے ابد تک زندہ رہنے والا ہے اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہی تم سب ایمان خالص سے اُسے پکارا کرو۔" (المومن 65)

"وہی ہے جس نے تمہیں بنا کھڑا کیا۔ جس نے تمہیں کان اور آنکھیں دیں اور دل بھی دیا لیکن کتنے کم ہیں وہ لوگ جو اس کے شکرگزار ہیں وہی جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اس کی طرف تم اکٹھے لوٹو گے۔ (الملک 23, 24)

"اے خدا مجھے ان گناہ گاروں میں داخل نہ کر۔" (المومنون 94)

"وہی ہے جس نے رات تمہارے اوڑھنی کے طور پر بنائی اور تمہارے آرام کی خاطر اور جس نے دن تمہارے دوبارہ جی اٹھنے کی خاطر بنایا۔ (الفرقان 47)

"کون ہے اس کے سوا جو مصیبت زدوں کی پکار سنتا ہے اور جب وہ اسے پکارتے ہیں اور اُن کی گتھیاں سلجھا دیتا ہے اور جو تمہیں روئے زمین پر اپنا نائب بناتا ہے۔
(النحل 62)

"اللہ زبردست ہر چیز کو جاننے والا گناہ گار کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔
(المومن 2,1)

"کہو کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش شروع کردوں حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ ہر شخص جو کچھ بھی کماتا ہے۔ اس کا ذمہ دار وہ خود ہوتا ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا بالآخر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ اس وقت وہ تمہارے اختلافات کی حقیقت تمہیں بتلا دے گا۔

(الانعام 165)

"وہ ہر چھپی اور کھلی چیز کو جاننے والا بہت بڑا اور سب سے اونچا ہے...... چاہے کوئی چپکے سے بات کہے یا پکار کر چاہے کوئی رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہو یا دن کی روشنی میں سربازار پھر رہا ہو۔ اس کے لیے سب یکساں ہیں۔" (الرعد 9,8)

"اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ رکھا ہوا ہو۔ چراغ ایک شیشے میں ہو اور شیشہ طاق میں رکھا ہو۔ شیشے کی یہ شان ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا وہ ایک مبارک درخت یعنی زیتون کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے۔ جو نہ کسی مشرق کی طرف ہو نہ مغرب کی طرف اور جس کا تیل ایسا بھڑک اٹھنے والا ہے کہ اگر اس کو آگ نہ بھی لگے تو پھر بھی وہ خود بخود جل پڑے اور جب اس کو آگ لگ جائے تو نور ہی نور ہو جائے۔ اللہ اپنے اس نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے۔ اور اللہ

لوگوں کی ہدایت کے لیے یہ مثالیں بیان فرماتا ہے۔ وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (النور 35)

"وہ ایسے گھروں میں عبادت کرتے ہیں جنھیں بلند کرنے کا اور جن میں اپنے نام کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان گھروں میں وہ صبح وشام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔"

(النور 36)

"جن لوگوں کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت نماز و ادائے زکواۃ سے غافل نہیں کر دیتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سے آنکھیں اُلٹ جائیں گی انجام ان لوگوں کا یہ ہوگا کہ اللہ انہیں اُن کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور مزید اپنے فضل سے نوازے گا اللہ جسے چاہتا ہے۔ بے حساب دیتا ہے۔ (النور 38,37)

"جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی ایسی مثال ہے جسے ایک چٹیل میدان میں سراب جیسے پیاسا دور سے پانی سمجھے ہوئے تھا۔ مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ بھی نہ پایا۔ بلکہ قضائے الٰہی کو پایا۔ چنانچہ اللہ نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔ (النور 39)

"یا پھر اُن کی مثال ایسی ہے جیسے بڑے گہرے سمندر میں اندرونی اندھیرے جن پر ایک موج چھائی ہوتی ہے۔ اس پر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل غرض اوپر تلے بہت سے اندھیرے جن پر ایک موج چھائی ہو۔ ایسے اندھیرے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے جسے اللہ نور نہ بخشے اسے کہیں سے بھی نور میسر نہیں ہوسکتا۔

(النور 40)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ پرندے جو پر پھیلائے اُڑ رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی دعا اور اپنی اپنی تسبیح جانتا ہے اور جو یہ سب کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے واقف ہے۔ (النور 41)

"کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ ایک بادل کو دوسرے بادل کی طرف آہستہ آہستہ چلاتا ہے۔ پھر ان کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے اور انہیں سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ اس بادل کے خول میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے ہیں اور وہ آسمان سے اولوں کے پہاڑ برساتا ہے۔ پھر وہ جن پر چاہتا ہے انہیں گراتا ہے

اور جنھیں چاہتا ہے۔ ان سے بچا لیتا ہے۔ اور بجلی کی چمک کا یہ حال ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اب آنکھیں نکال لے جائے گی۔ (النور 43)

"رات اور دن کا اُلٹ پھیر وہی کر رہا ہے۔ اس میں آنکھوں والوں کے لیے ایک سبق ہے۔ (النور 44)

"اللہ الخالق الباری المصور الوھاب الرزاق و الفتاح نے قرآن کی شکل میں مظاہر فطرت سے اپنی قدرت وحکمت کی جو شہادتیں پیش کیں۔ اُن کی بہترین مثالوں میں سے ایک مثال سورہ الرحمٰن ہے۔

چنانچہ ارشاد جمیل ہے:

"سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں اور پیڑ اور پودے اسے سجدہ کرتے ہیں اور اُسی نے آسمان کو اونچا کیا اور ایک ترازو متعین کی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو اور انصاف سے سیدھی ترازو تولو اور تول کو نہ گھٹاؤ اس نے خلقت کے واسطے زمین بنائی جس میں میوے ہیں اور کھجور ہیں جن کے پھل پر غلاف ہوتا ہے اور غلہ ہے جس میں بھُس ہوتا ہے اور خوشبودار پودے بھی ہیں۔" (الرحمٰن 8)

"اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بنایا اور جنات کو خالص آگ سے۔" (الرحمٰن 15)

"پھر اُس نے آسمان کی طرف توجہ کی جو اس وقت محض ایک دھوآں سا تھا۔ (حٰم: 11)

"وہ دونوں مشرقوں اور اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔" (الرحمٰن 17)

"اس نے دو دریاؤں کو یوں پہلو بہ پہلو چلایا کہ وہ بظاہر باہم ملے ہوتے ہیں لیکن درحقیقت ان کے درمیان ایک ایسا پردہ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔" (الرحمٰن 24)

"سب آسمانوں اور زمین والے اُسی سے اپنی اپنی حاجتیں مانگتے ہیں۔ وہ روز ایک نیا کام کرتا ہے۔" (الرحمٰن 29)

"ہر انسان کی تقدیر کی تختی ہم نے اس کے گلے میں لٹکا رکھی ہے اور قیامت کے دن ہم اسے اس کا نوشتہ اعمال دکھائیں گے۔ جسے وہ ایک کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔ (بنی اسرائیل 13)

"قسم ہے انسان کی روح کی اور اُس ذات کی جس نے اُسے درست بنایا اور اُسے

بد کرداری و پرہیز گاری دونوں کی تمیز بخشی۔ یقیناً وہ شخص مُراد کو پہنچا جس نے اپنی روح کو پاک کر لیا اور نامُراد ہوا وہ شخص جس نے اُسے خاک میں ملا دیا۔"

(الشمس 7 تا 10)

"کیا تجھے اللہ رحمٰن کے بنائے ہوئے میں کچھ خلل دکھائی دیتا ہے؟ دوبارہ نگاہ ڈال کہیں بھی تجھے کوئی نقص نظر آتا ہے؟ ایک بار پھر نگاہ ڈال۔ تیری نگاہ عیب نکالنے میں ناکام ہو کر اور تھک کر لوٹ آئے گی۔" (الملک 4,3)

"وہ مری ہوئی زمین کو دوبارہ زندگی بخشتا ہے۔ اسی طرح تم دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔ (الروم 19)

"یہ آسمان اور یہ زمین دونوں اس کے حکم سے قائم ہیں۔ بالآخر جب وہ تمہیں پکارے گا تو تم زمین کے اندر سے نکل کر کھڑے ہو جاؤ گے۔" (الروم 25)

"جب سورج تہہ کر دیا جائے گا جب تارے گر پڑیں گے جب پہاڑ چلنے لگیں گے۔ جب اونٹنیاں بے مہار پھریں گی۔ جب جنگلی جانوروں میں ہلچل مچ جائے گی جب روحوں کے جوڑے بندیں گے۔ جب ان بیٹیوں سے جو جیتی گاڑ دی گئی تھیں۔ یہ پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں ماری گئیں۔ جب اعمال ناموں کے ورق کھولے جائیں گے۔ جب آسمان چھلکے کی طرح اُتار دیئے جائیں گے۔ جب دوزخ کی آگ دہکائی جائے گی اور جب جنت قریب آ جائے گی۔ اس وقت ہر روح کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کیا ساتھ لے کر آئی ہے۔"

(التکویر 1 تا 14)

"(اے محمدؐ) تمہیں اس گھڑی کا کیا علم ہے؟ اُس کا علم صرف تمہارے رب ہی کو ہے۔ تمہارا کام تو صرف اتنا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو جو ڈرنے والے ہیں اُن سے ڈراؤ۔" (النزعت 45,44,43)

"تمہیں کیا خبر ہے کہ وہ ہو کر رہنے والی چیز کیسی ہے؟ ثمود اور عاد نے اس کھڑ کے والی چیز کو جھٹلایا۔ چنانچہ ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے اور رعا ایک تیز و تند ہوا سے برباد ہو گئے۔" (الحاقہ 3 تا 6)

پھر بھی اس قدرت و جبروت کے باوجود اس کی ربوبیت و رحمت ہمہ گیر ہے۔ "قسم ہے چڑھتی دھوپ کی اور چھائی ہوئی رات کی کہ تمہارے رب نے نہ تمہارا ساتھ چھوڑا اور نہ تم سے بیزار ہوا۔ یقیناً تمہارا مستقبل ماضی سے بدرجہا بہتر ہوگا۔ بالآخر

وہ تمہیں اتنا کچھ دے گا کہ تمہارا دل خوش ہو جائے گا۔ کیا اُس نے تمہیں ایک یتیم نہیں پایا۔ اور پھر تمہیں ٹھکانا نہیں دیا؟ تمہیں بھٹکا ہوا نہیں پایا اور پھر ہدایت نہیں دی؟ تمہیں نادار نہیں پایا اور پھر تمہیں مالدار نہیں بنایا؟ (ان کے شکر میں) یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو اور اللہ کے احسانوں کا تذکرہ کرتے ہو۔"

(الضحیٰ)

"کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تمہیں یونہی (کسی حکمت کے بغیر) پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس واپس نہیں لائے جاؤ گے؟۔" (المومنون 115)

"اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم سے بھول ہو جائے...... ہم سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے......" (البقرہ 286)

"اے مولا! ہم پر رحم کر کیونکہ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

(مومنون 118)

"کوئی شخص کسی اور کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھاتا اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔" (بنی اسرائیل 15)

"قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اُسے ایک برکت والی رات میں اُتارا۔ ہم ہیں آگاہ کرنے والے۔" (الدخان 6,2)

"ہم نے قرآن تم پر اس لیے نہیں اُتارا کہ تمہارے لیے باعث تکلیف ہو۔"

(طٰہٰ 2)

یوں رواں دواں چلی جاتی ہے یہ معجزہ کتاب، جس کا خطاب انسان کے اشرف جذبات سے ہے۔ یعنی اُس کے شعور باطنی سے اور اس کی حس اخلاقی سے اور یوں یہ بت پرستانہ عقائد کی انسانیت سوزی کو بے نقاب اور ثابت کرتی ہے۔ کوئی سورت ایسی نہیں جس میں خدا کی قدرت، رحمت اور وحدت کے موضوع پر کوئی پرجوش وخروش عبارت نہ ہو۔ قادر مطلق کے بارے میں اسلام کا جو تصور ہے۔ اس سے متعلق عیسائی مصنفین غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ وہ خدائے اسلام کو یوں پیش کرتے ہیں کہ گویا وہ "ایک بے رحم اور جابر حاکم ہے۔ جو انسانوں سے شطرنج کے مہروں کی طرح کھیلتا ہے۔ اور اپنی بازی کا نقشہ جماتے وقت اس امر کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا کہ مہروں کا کیا حشر ہوگا" آئیے ہم دیکھیں کہ آیا یہ خاکہ درست ہے۔ اسلام کا رب عظیم قادر مطلق ہے، عالم کل ہے، عادل کامل ہے۔ رب العلمین ہے، آسمانوں اور زمین کا صانع ہے، زندگی اور موت کا خالق ہے، جس کے قبضہ اختیار میں

حکومت ہے اور اٹل قوت' جو عرش معلیٰ کا مالک اور ساری موجودات پر حاوی ہے' قوی ہے' متعال ہے' اخلاق ہے' مناع ہے' صورت گر ہے' حکیم ہے' عادل ہے' حق ہے' سریع الحساب ہے۔ وہ ہر شخص کی نیکی و بدی کی چیونٹی کے برابر مقدار سے بھی واقف ہے اور اس کے فرمانروا بندے جس انعام کے مستحق ہیں اس کے ایک ذرہ سے بھی وہ انہیں محروم نہیں رکھتا۔ لیکن قادر مطلق اور علیم و حکیم ہونے کے ساتھ ہی وہ بادشاہ ہے۔ ایک مقدس ہستی ہے امن قائم رکھنے والا ہے د وعدے کا پکا ہے۔ اپنے بندوں کا محافظ ہے۔ یتیموں کا ملجا ہے۔ محروموں کا ماوی ہے۔ مصیبت زدوں کا آسرا ہے۔ وہ نعمتوں کا مالک ہے۔ ایک آقائے کریم ہے۔ رحمٰن ہے۔ سمیع ہے۔ شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ رحم کھانے والا ہے۔ انتہائی درجے کا درگزر کرنے والا ہے۔ جسے انسان کے ساتھ اس سے بھی زیادہ محبت ہے۔ جتنی ایک مادہ پرندے کو اپنے بچوں سے ہوتی ہے۔

قادر مطلق کا رحم و کرم قرآن حکیم کے سب سے شاندار موضوعوں میں سے ایک موضوع ہے۔ وہ لقب یعنی الرحمٰن جس سے ہر سورت شروع ہوتی ہے اور جس سے اللہ بار بار پکارا جاتا ہے۔ بجائے خود اس امر کا مظہر ہے کہ اس رحمت ربی پر جس نے تمام موجودات کو اپنے دامن میں سمیٹ رکھا ہے کیسا صمیمی ایمان قرآن کی روح میں جاری و ساری ہے۔

دین اسلام ہر دین پر غالب ہے

آغاز نبوت

آپ غار حرا میں مشغول عبادت تھے کہ اللہ تعالی کا فرستادہ فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہوا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا۔ اقراء (پڑھ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا۔ "ما انا بقاری" میں پڑھنا نہیں جانتا۔ فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سینہ سے لگایا اور پھر کہا۔ اقراء اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پہلا جواب دہرا دیا۔

فرشتے نے ایک بار پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سینے سے لگایا اور دبایا پھر کہا اقراء آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ فرشتہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سینہ سے لگا کر بہت زور سے دبایا اور سورہ علق کی پہلی پانچ آیات تلاوت فرمائیں۔

اقرا باسم ربك الذی خلق ○ خلق الانسان من علق ○
اقرا وربك الاكرم ○ الذی علم بالقلم ○ علم الانسان
مالم يعلم○

ترجمہ: "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو پیدا کیا لوتھڑے سے پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

یہ پہلا دن تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھاری بوجھ ڈال دیا گیا گو آپ کو اسی دن کا انتظار ایک عرصہ سے تھا۔ یہی وہ نور ہدایت تھا۔ جس کی تلاش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کو تھی۔ وہ سکون قلب جس کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متلاشی تھے۔ نصیب ہو گیا یہ وہ عالمگیر پیغام

تھا۔ جس کو پوری دنیا تک پہنچانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری تھی۔ آپ کچھ گھبرا سے گئے۔ جسم سردی سے کانپنے لگا اور پسینہ پھوٹ پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم عالم گھبراہٹ میں اپنے گھر پہنچے اور اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے چادر اوڑھادو۔ انہوں نے تعمیل حکم کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ سکون ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود پر گزرنے والا پورا واقعہ تفصیل سے سنایا۔

حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دینے کے بعد مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کسی عظیم مرتبہ پر فائز فرمایا ہے۔ آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ وہ خدا خود آپ کی حفاظت کرے گا۔ آپ تو لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں ان کا درد بانٹنے والے ہیں۔ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔

وہ تورات کا عالم تھا اور اہل یہود میں سے تھا۔ جب اس نے سارا قصہ سنا تو کہنے لگا۔ یہ تو وہی فرشتہ تھا جو حضرت موسیٰ کی طرف بھی آیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی خبر ہماری تورات میں بھی مرقوم ہے۔ مگر افسوس کہ میں اس مشکل وقت میں موجود نہ ہوں گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم آپ کو مکہ سے نکال دے گی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کیا مجھے مکہ سے نکال دیا جائے گا۔ ورقہ بن نوفل نے کہا۔ ہاں کیوں کہ ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم ایسا ہی کرتی آئی ہے۔ (کیونکہ ورقہ بن نوفل نے آپؐ کی نبوت کی شہادت دی۔ اس لیے ان کا شمار بھی اصحاب میں کیا جاتا ہے) اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد ورقہ بن نوفل فوت ہو گیا بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ ورقہ بن نوفل کے پاس اصلی تورات کے علوم موجود تھے۔ حالانکہ تاریخ بتلاتی ہے کہ تورات میں تبدیلی قبل مسیح کے زمانے میں ہو چکی تھی بعد ازاں کچھ عرصہ کیلئے سلسلہ وحی رک گیا۔ وحی کے رک جانے کو (فترۃ الوحی) کہتے ہیں۔

یہ دورانیہ تقریباً تین سال تک کا کہا گیا ہے پھر دوسری وحدی نازل ہوئی اور اس میں آپ کو یوں خطاب فرمایا گیا۔

یاایہا المدثر ○ قم فانذر ○ وربك فكبر ○ وثيابك فطهر ○

(سورہ المدثر)

ترجمہ: اے لبادہ نبوت اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے صاف رکھ پہلی وحی میں یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ پاک نے انسان کو لکھنا پڑھنا قلم کے ذریعہ سکھایا۔ جبکہ دوسری وحی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمت باندھ کر فریضہ تبلیغ ادا کرتے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کو واضح کرنے اور ظاہری و باطنی طہارت و نظامت کو قائم کرنے کا حکم دیا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طہارت انسان کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ اللہ پاک نے سب سے

پہلے اس کی طرف دھیان مبذول کرایا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ کا اشارہ ملتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور چپکے چپکے اپنے قریبی اعزا اور دوستوں کو پیغام الٰہی پہنچانا شروع کیا۔ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ آپؐ پر ایمان لائیں مردوں میں حضرت ابوبکرؓ بچوں میں سے حضرت علیؓ اور غلاموں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام زید بن حارث دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ اور آپؐ کی آواز پر لبیک کہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ملا کہ اب اپنے رشتہ داروں اور قرابت داروں کو دعوت اسلام دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دعوت کا انتظام کر کے اپنے رشتہ داروں کو اکٹھا کیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے ان سے کہا کہ سامنے پہاڑ کے پیچھے ایک بہت بڑا دشمن حملہ کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے: تو کیا تم لوگ میرا یقین کرلو گے سب نے لبیک آواز میں جواب دیا کہ جی ہاں کیونکہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں سنا۔ آپؐ نے فرمایا: تو میری بات غور سے سنو۔ خدا ایک ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ بتوں کو پوجنا چھوڑ دو یہ تمہارے کسی کام نہیں آسکتے۔ یہ سننا تھا کہ تمام لوگ بھڑک اٹھے اور کہنے لگے کیا تم نے ہمیں اس لیے بے عزت کرنے کو بلایا تھا وہ غصہ میں آکر چلے گئے۔

ابتداء میں سورہ المدثر کی پہلی آیات کی تعمیل بجا لانا ایک کٹھن مرحلہ تھا اس لئے یہ ذمہ داری نہایت سست رفتاری سے چلنا شروع ہوئی۔ یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ ایمان لانے والوں میں زیادہ تر غلام یا باہر سے آکر آباد ہونے والے اور عوامی طبقہ کے لوگ تھے۔ خواص کو اس لیے یہ پسند نہ تھا کہ اس میں مساوات کا درس دیا جاتا تھا۔ انکی توہین ہوتی تھی نیز وہ خود کو اہل اللہ بھی کہتے تھے۔ کیونکہ وہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے۔ ان کو اپنی حکومت اپنی گدیاں چھوڑنا پسند نہ تھا۔ بلکہ وہ ان لوگوں کو بھی طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے جو مشرف با سلام ہو چکے تھے۔ غلاموں کو گرم ریت پر لٹا کر اوپر بھاری پتھر رکھ دیے جاتے بلکہ ایک کی آنکھیں ہی نکال دی تھیں۔ صحابہ کرامؓ کہتے اسلام کا نشہ ایسا نشہ ہے کہ ایک بار جس کو لگ جائے۔ تو یہ چھوڑا نہیں جا سکتا۔ ان پر جتنا ظلم کیا جاتا ان کا ایمان اتنا ہی پختہ ہو جاتا۔ پہلے پہل انفرادی مخالفت جاری رہی لیکن بعد میں اس نے بھی اجتماعی رنگ اختیار کرلیا۔ قبیلے نے اپنا یہ فرض بنالیا کہ مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچائیں آبائی طور طریقوں کو بچانے کے لئے عزت و ناموس اور بزرگی کے واسطے دیئے جانے لگے لیکن دین کی آواز آہستہ آہستہ قلب و ذہن فتح کرتی چلی گئی اور قریش کے مظالم حد سے بڑھنے لگے حتیٰ کہ:

ہجرت حبشہ:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اب تک اسلام قبول کرنے والوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دیدی۔ مسلمانوں کا یہ مختصر قافلہ جس میں بارہ مرد اور چار خواتین شامل تھیں

ماہ رجب 5 نبوی میں رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر جہاز میں سوار ہو کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی گو عیسائی تھا۔ لیکن نیک خو اور ہمدرد انسان تھا۔ اس نے قافلہ کو امان دیکر ملک میں رہنے کی اجازت دیدی۔

جب قریش کو مسلمانوں کے ہجرت کر جانے کا علم ہوا۔ تو انہوں نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو تحائف دیکر حبشہ روانہ کیا کہ وہ حبشہ کے بادشاہ کو مسلمانوں سے بدظن کریں اور یہ بھی عرض کریں کہ مکہ سے بھاگ کر آنے والے یہ مہاجرین قریش کے مجرم ہیں۔ لہذا ان کو واپس کیا جائے۔ قریش کے وفد نے نجاشی کو بہت ورغلایا یہاں تک بھی کہا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا ہے۔ ہمارے دیوتاؤں کو بُرا بھلا کہتے ہیں آپ کو ہماری بات کا یقین نہ ہو تو آپ ان لوگوں سے خود تصدیق کر سکتے ہیں۔ بادشاہ نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا۔ حضرت جعفرؓ نے نجاشی کی موجودگی میں ایک تقریر کی جس نے نجاشی کو بہت زیادہ متاثر کیا۔

حضرت جعفرؓ نے اپنی تقریر میں فرمایا: ہم جاہل تھے۔ بت پرستی کرتے تھے۔ ہمسایوں سے بُرا سلوک کرتے تھے۔ کمزوروں پر ظلم کرتے تھے۔ تو اللہ پاک نے ہماری طرف رسول بھیجا جس نے تعلیم دی۔ اور کہا خدا کو ایک جانو بت پرستی چھوڑ دو صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ ہم اس پر ایمان لے آئے اسی وجہ سے یہ ہماری جان کے دشمن بن گئے۔ جب تقریر ختم ہوئی تو نجاشی بول اٹھا۔ یہ تو بالکل وہی باتیں ہیں جو عیسائیت میں ہیں۔ یقیناً یہ لوگ سچے ہیں اس نے وہ تمام تحائف وفد کو واپس کر دیے اور مسلمانوں کو بھی ملک چھوڑنے سے روک دیا۔ وفد قریش نے ایک چال اور چلی انہوں نے عیسائی پادریوں کو الٹی سیدھی باتیں بنا کر خوب بھڑکایا۔ پادریوں نے نجاشی سے عرض کی کہ ان مسلمانوں سے یہ دریافت کیا جائے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے؟ نجاشی نے ایک بار پھر حضرت جعفرؓ سے پوچھا تو حضرت جعفرؓ نے فرمایا: اسلام ایک الہامی دین ہے۔ اس کی روح سے حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ کے بندے۔ اللہ کے رسول اور اسکی روح ہیں۔ آپ کا یہ جواب سن کر نجاشی بہت خوش ہوا اور کہنے لگا خدا کی قسم! حضرت مسیح علیہ السلام اس سے ذرہ بھر بھی زیادہ نہیں ہیں۔

مسلمانوں کو حبشہ میں قیام کئے کچھ ہی ماہ گزرے تھے کہ یہ خبر پھیلا دی گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ حبشہ میں مقیم مسلمانوں نے یہ خبر سنی تو انہوں نے واپسی کا پروگرام بنا لیا۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ کیونکہ یہ خبر غلط تھی۔ صرف ان کو دھوکا دینے کے لئے مشہور کر دیا گیا تھا۔ اب انہوں نے واپس حبشہ جانا مناسب خیال نہ کیا اور چھپ چھپا کر مکہ میں رہنے لگے۔

آخر کب تک چھپے رہتے۔ جونہی قریش کو ان کی مکہ میں آمد کا علم ہوا تو انہوں نے ان پر زندگی اجیرن کر دی۔ کونسا ظلم تھا جو ان پر روا نہ رکھا گیا۔ ان مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے ایک بار پھر حبشہ کا رخ کیا۔ اس دفعہ ہجرت کرنے والوں میں تراسی مرد اور بیس عورتیں شامل تھیں۔ یہ لوگ ہجرت مدینہ تک حبشہ ہی میں مقیم رہے مکہ میں اسلام رفتہ رفتہ پھیلتا گیا۔ جسے قریش ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کا معاشی اور سماجی طور پر بائیکاٹ کیا جائے۔ (نبوت کے پانچویں سال آپ نے معراج کا سفر کیا اور بیت المعمور تک گئے۔ اس سفر میں مسلمانوں پر ایک ماہ کے روزے اور پانچ روزانہ کی نمازیں فرض کی گئیں۔) لہٰذا بنو ہاشم کا مکمل معاشرتی بائیکاٹ کر دیا گیا۔ بنو ہاشم کے تمام لوگ مکہ سے تین میل دور ایک پہاڑی تنگ گھاٹی میں چلے گئے۔ یہ جگہ شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہو گئی۔ مسلمان تین سال تک یہاں عسرت و تنگ دستی اور کسمپرسی کی زندگی گزاری۔ کھانے پینے کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے درختوں کے پتے کھا کر گزارا گیا۔ آخر قریش ہی کے چند نیک سرداروں کو مسلمانوں کی حالت زار پر ترس آیا اور انہوں نے خانہ کعبہ میں لکھ کر لٹکایا گیا معاہدہ پھاڑ کر پھینک دیا اور مسلمانوں کو واپس مکہ لے آئے۔ جونہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے ہمراہ مکہ واپس آئے تو انہیں دو جانکاہ صدمے برداشت کرنا پڑے۔

عام الحزن:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شفیق اور مہربان چچا حضرت ابوطالب انتقال فرما گئے ابھی اس صدمہ کا دکھ کم نہ ہوا تھا کہ چند دنوں بعد آپ کی زندگی کی غمگسار ساتھی حضرت خدیجہؓ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ یہ دونوں واقعات 10 نبوی میں پیش آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تنہا رہ گئے۔ اسی وجہ سے اس سال کو "عام الحزن" کا نام دیا جاتا ہے۔ جب مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمدرد کم اور دشمن زیادہ ہو گئے تو آپؐ نے طائف کا رخ کیا اس سفر میں حضرت زید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے وہاں سب سے بڑا خاندان عمیر تھا۔ جو رئیس القبائل کہلاتا تھا۔ اس کے علاوہ تین بھائی عبد یالیل، مسعود اور حبیب تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جس کا جواب انہوں نے نہایت گستاخانہ انداز میں دیا اور ساتھ ہی چند آوارہ منش لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ جنہوں نے آپؐ پر آوازیں کسنا شروع کر دیں اور پتھر برسائے۔

انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ کس کو مار رہے ہیں ان کے پتھروں سے آپؐ لہولہان ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم سے اتنا خون گرا کہ آپؐ کے نعلین مبارک بھی خون سے تر بتر ہو گئے۔

زیدؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غنڈوں کے نرغے سے نکال کر قریب واقع ایک انگوروں کے باغ میں لے گئے وہاں جا کر آپؐ کے چہرہ اقدس اور دیگر جسم سے خون صاف کیا۔ وہ باغ ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ اس نے آپ کو پانی اور انگور لا کر دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوش جان فرمائے۔

حضرت زیدؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ طائف کے لوگوں کے لئے بد دعا کیجئے۔ لیکن آپؐ چونکہ رحمۃ اللعالمین بن کر آئے تھے یہ کہہ کر بددعا سے انکار کر دیا کہ ہوسکتا ان کی نسل سے کوئی مسلمان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آپؐ کے پاس بھیجا۔ جنہوں نے اجازت طلب کی کہ "آگر آپؐ فرمائیں تو میں دونوں پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا کر طائف کا نام ونشان تک مٹادوں۔" لیکن آپؐ نے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔ البتہ یہ دعا فرمائی:

اے میرے خدا! اپنی کمزوری اور طاقت کی کمی اور لوگوں کی نظر میں ہیچ ہونے کی تیری طرف شکایت کرتا ہوں اے رب! اے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے تو کس کی طرف مجھے سپرد کرے گا۔ کسی اجنبی شخص کی طرف جو مجھ سے ترش روئی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ یا قریب دوست کی طرف جس کے قبضہ میں تو نے میرا معاملہ دیا ہے۔ اگر تیری ناراضگی مجھ پر نہیں۔ تو ان تمام باتوں کی مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ لیکن تیری حفاظت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس کے ساتھ ساری تاریکیاں پاش پاش ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جس سے دنیا وآخرت کے اُمور اصلاح پذیر ہوتے ہیں۔ اس بات سے میں تیرے منور چہرے کی پناہ میں آتا ہوں کہ مجھ پر تیری ناراضگی ہو یا تیرا غصہ ہو۔ تیرے حضور عذر کرتا ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور کوئی طاقت اور قوت نہیں مگر تیرے ساتھ۔

مدینہ جسے پہلے یثرب کہتے تھے یہاں سے لوگ ہر سال حج کرنے مکہ آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنے والے اہل یثرب کو دعوتِ اسلام دیتے رہتے۔ مدینہ کے دو قبیلوں اوس وخزوج کو یاد آگیا کہ مدینہ میں رہنے والے یہودی ایک نبی کی آمد کی پیش گوئی کرتے رہتے تھے۔ پس قبیلہ خزرج کے چھ افراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے مدینہ جا کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ اگلے سال بارہ نفوس نے عقبہ کی پہاڑی پر آپ کی بیعت کر لی۔ حتیٰ کہ قبیلہ اوس کے سردار بھی مسلمان ہو گئے۔ اس سے اگلے سال حج کے موقع پر 75 لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اہل مدینہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے ان لوگوں کو کہا کہ اگر وہ آپ کی حفاظت رفاقت اور حمایت کی ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھا سکتے ہیں تو آپؐ کو لے جائیں وگرنہ نہیں۔ قبیلہ خزرج کے سرداروں نے حلف دیا کہ وہ آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے وفادار رہیں گے۔ اور آپؐ سے درخواست کی کہ آپ مدینہ تشریف لے چلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔

اس موقع پر ابوالہشیم نے بات کاٹ کر عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں اور یہود میں جو تعلقات ہیں۔ وہ بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب آپؐ کو اقتدار حاصل ہو جائے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو چھوڑ کر آ جائیں؟ سیرت ابن ہشام جلد اول میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارا خون میرا خون۔ تم میرے ہو میں تمہارا ہوں۔ 13 نبوی بیعت عقبہ ثانی کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایک ایک دو دو کر کے مکہ چھوڑ کر مدینہ پہنچنے کی ہدایت فرمائی۔ مسلمان اپنے گھربار، عزیز، رشتہ داروں کو چھوڑ کر مدینہ جانا شروع ہو گئے۔ قریش مکہ اور کفار نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمان مکہ نہ چھوڑیں۔ ان پر سختی کی گئی۔ پہرے لگائے گئے لیکن وہ مسلمانوں کو نہ روک سکے۔ یہاں تک کہ سب کے سب مسلمان مدینہ جا پہنچے مکہ میں صرف تین افراد حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ باقی رہ گئے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے۔ پہلے صحابہ کرام کو مدینہ روانہ کیا اور آخری مسلمان کے جانے تک مکہ میں موجود رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذات خداوندی پر مکمل بھروسہ تھا۔ اس لئے دنیاوی اسباب حفاظت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ یہ عین ممکن تھا کہ اگر آپؐ پہلے خود مدینہ جاتے تو کفار مکہ مسلمانوں کو ایک ایک کر کے قتل کر دیتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنا گوارہ نہ کیا۔ اس لئے پہلے صحابہ کرام کو مدینہ روانہ فرمایا اور خود حکم خداوندی کا انتظار کرنے لگے۔

قریش کو بھی دکھ تھا کہ مسلمان ان کے ہاتھوں سے بحفاظت نکل گئے انہوں نے دارالندوہ میں ایک خفیہ اجلاس بلایا تاکہ حضورؐ کی ترقی کو روکیں۔ اس اجلاس میں تمام سردار قریش شامل ہوئے اور تمام رؤساء نے اپنی اپنی طرف سے تجاویز دیں۔ سب نے ابوجہل کی طرف سے دی جانیوالی تجویز پر اتفاق کر لیا۔ تجویز یہ تھی کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی منتخب کر کے ایک جماعت تیار کی جائے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بنی ہاشم کی طاقت دم توڑ دے گی اور اس طرح ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائیگا۔

ہجرت مدینہ:

کفار مکہ کے منتخب کردہ افراد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو محاصرہ میں لیکر آپ کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگے۔ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ پاک نے اپنے فرشتوں کو حکم دیکر بھیجا کہ وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پروں کے سائے میں لیکر منزل مقصود

مدینہ منورہ تک پہنچا دیں۔ نیز رب تعالی نے اپنے پیارے نبی کو کفار کے ارادوں سے بھی باخبر کر دیا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو طلب کیا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر لیٹے رہیں اور لوگوں کی امانتیں واپس کر کے مدینہ پہنچ جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے رب تعالی کا نام لیکر گھر سے باہر آئے۔ کفار گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ بیت اللہ کو دیکھ کر اتنا فرمایا۔ مکہ تو مجھے دنیا سے عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچے جو پہلے ہی سے منتظر تھے۔ تھوڑا سا زادراہ لے کر گھر کے عقبی دروازہ سے نکل کر شہر کی جنوبی سمت روانہ ہوئے اس طرف پہاڑ واقع ہے۔ جس کی چڑھائی خطرناک اور سنگلاخ ہے۔ ان راستہ پر چلتے رہنے سے آپؐ کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے۔ راستے میں ایک غار آیا جو غار ثور کہلاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے خود اس غار میں داخل ہوئے۔ خوب اچھی طرح اسکو صاف کیا اور تسلی کر لینے کے بعد حضور کو تشریف لانے کے لیے عرض کی۔ آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ تین دن تک اس غار میں مقیم رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ جو جوان عمر تھے۔ رات کو غار میں سوتے اور دن نکلتے ہی شہر میں چلے جاتے۔ دشمنوں کے منصوبوں کا پتہ لیتے اور کھانے پینے کا سامان لیکر شام کو واپس غار میں پہنچ جاتے۔ حضرت ابوبکرؓ کا ایک غلام رات کے وقت بکریاں لیکر آجاتا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا دودھ نوش فرماتے۔ دشمن آپ کی تلاش میں غار ثور تک پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ ان کی آوازیں سن رہے تھے اور فکر مند ہو رہے تھے کہ اگر انہوں نے اندر جھانک لیا تو کیا ہوگا۔ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا تو فرمایا:

لاتحزن ان اللہ معنا (سورۃ توبہ)

گھبراؤ نہیں۔ اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہے۔

جب تین دن گزر گئے اور دشمن بھی تھک ہار کر بیٹھ گیا تو کفار نے اعلان کیا کہ جو کوئی رسول کریم صلعمؐ اور ابوبکرؓ کو پکڑ کر لائے گا اسے ایک سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ یہ خبر سن کر سراقہ نامی کافر نے راستوں کی خبر لینا شروع کر دی۔ جب اسے علم ہو گیا کہ فلاں راستے سے فلاں لوگ جا رہے ہیں تو اس نے اپنا تیز رفتار گھوڑا انہیں راستوں کی طرف دوڑانا شروع کر دیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کو دیکھ کر اور انعام کے لالچ میں آکر اپنے گھوڑے کو تیز دوڑانے کے لئے مہمیز لگائی تو گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ سراقہ بھی زمین بوس ہو گیا۔ کپڑے جھاڑ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا۔ اس بار قدرت الٰہی سے گھوڑا گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ وہ گھوڑے سے اترا۔ فعل نکالی تو جواب نفی میں ملا۔ اس طرح اس کی ہمت جواب دے گئی۔ لیکن اسے

یہ یقین ہو گیا کہ سواری رسول خدا ہی کی ہے۔
اگر میں نے ان کو پکڑنے کی کوشش کی تو میری اپنی جان بھی جا سکتی ہے۔ اپنی جگہ پر ساکن کھڑا ہو گیا اور زور سے آواز لگائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ کی آواز سن کر سواری روک لی۔ سراقہ چل کر آپؐ کے پاس پہنچا۔ اور امان چاہی اسے امان مل گئی وہ واپس مکہ لوٹ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مکہ سے روانگی کی اطلاع اہل یثرب کو مل چکی تھی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ ہر روز مدینہ سے باہر نکل آتے اور انتظار کی گھڑیاں گنتے رہتے۔ شام کو مایوس ہو کر واپس لوٹ جاتے۔ آخر وہ مبارک گھڑی آ پہنچی جب ان کی مراد بھر آئی۔ حضور سرور عالم اپنے یار غار حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ قبا پہنچے۔ قبا مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک آبادی کا نام ہے۔ یہاں چند انصاری خاندان رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ایک مسلمان انصاری کلثوم بن الہدم کو اپنی میزبانی کا شرف بخشا۔
قبا میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو آج بھی مسجد قبا کے نام سے قائم ہے۔ قبا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ روز قیام فرمایا۔ اسی جگہ حضرت علیؓ بھی آپ کو آن ملے۔
جب مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ جانے کی تیاری کی۔ سورہ توبہ میں مسجد قبا کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جب سوئے مدینہ چلے تو لوگ راستہ کے دونوں جانب آپ کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ مدینے کی لڑکیوں نے دف بجا کر خوشی کے گیت گائے۔ جیسے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری ان لوگوں کے سامنے سے گزرتی لوگ پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے اور خوشی سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے۔ راہ میں جب محلہ بنی سالم آیا تو جمعہ کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلا جمعہ یہاں ادا فرمایا۔ ہر شخص کی یہ تمنا بلکہ خواہش تھی کہ آپؐ اس کے گھر تشریف رکھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی عقیدت اور محبت دیکھی تو ان کو نا اُمید نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہہ دیا کہ میری ناقہ جس گھر کے سامنے رک جائے گی اسی کے گھر قیام ہوگا۔ ناقہ کو آزادانہ چھوڑ دیا گیا۔ وہ حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے گھر کے سامنے جا کر رکی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے سات ماہ تک اسی گھر میں مقیم رہے۔
اسی دن سے سن ہجری کا آغاز ہوا۔ آپ کی عمر عزیز کے ترپن سال گزر چکے تھے۔ سن عیسوی کی تاریخ 24 ستمبر 622ء تھی۔ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نئی زندگی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں کو اپنا ایک الگ وطن نصیب ہوا تھا۔ جہاں ان کا اپنا قانون زندگی چلتا تھا۔ یہ مقام وہ مطلع آفتاب تھا جہاں سے اس کی کرنوں کو دنیائے عالم کے ہر کونے میں

پھیلنا تھا اور ان کو تا قیامت روشن رکھا تھا۔

مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلا کام یہ کیا کہ مسجد کے لیے زمین پسند فرمائی اور مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد کا نام مسجد نبوی رکھا گیا۔ یہ اسلامی سلطنت کا اسمبلی ہال' دارالمشاورت' سفارت کاروں سے ملنے کی جگہ' اسلام کے قوانین جاری کرنے کی جگہ سب سے بڑی اسلامی عدالت' اسلام کی پہلی تعلیمی درسگاہ تھی۔ جہاں طالبان علم قیام فرماتے اور علم حاصل کر کے اپنی پیاس بجھاتے۔ اس مسجد کے ساتھ امہات المومنین کے لیے حجرات تعمیر کیے گئے۔ جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔ تو امہات المومنین کو مکہ سے مدینہ بلوایا گیا۔ انہی حجروں میں سے ایک حجرے کا دروازہ مسجد نبوی میں کھلا تھا۔ جس کے ذریعے حضور پاک مسجد میں تشریف لاتے۔ مسجد نبوی کے ایک کونے میں ایک چبوترہ بنایا گیا جہاں لوگ رہتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے اپنے گھر نہ تھے۔ اس لئے انہیں اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ابوھریرہؓ ان میں نمایاں صحابی تھے۔

مواخات:

مدینہ پہنچنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرا کام یہ کیا کہ انصار و مہاجرین میں مواخات قائم فرمائی کیونکہ مہاجرین اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینہ پہنچے تھے۔ انہیں زندگی گزارنے کے لیے سہارے کی ضرورت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری کو ایک مہاجر کا بھائی بنا دیا۔ انصار بھائیوں نے بھی کھلے دل سے ان کو بھائی کے طور پر قبول کرتے ہوئے اپنا آدھا مال' دولت' گھر ان کے نام کر دیا۔

یہاں تک کہ جس کی دو بیویاں تھیں۔ اس نے ایک بیوی کو اس لئے طلاق دیدی کہ وہ اس کے مہاجر بھائی سے نکاح کرے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اہم کام سے فارغ ہوئے تو حفاظت مدینہ کی طرف دھیان دیا۔

میثاق مدینہ:

مدینہ میں یہودیوں کا بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا۔ وہ دولت مند بھی تھے' کاروبار بھی ان کے ہاتھوں میں تھا۔ مدینہ میں اس وقت تک قیام امن نہیں ہو سکتا تھا' جب تک ان یہودیوں سے کوئی معاہدہ طے نہ پا جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ایک معاہدہ طے کیا جس کی شرائط حسب ذیل تھیں۔

1- خون بہا اور فدیہ کا سابقہ نظام برقرار رہے گا۔

2- یہود کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

3- مسلمان اور یہودی ایک دوسرے کے دوست بن کر رہیں گے۔ جب کوئی بیرونی دشمن ان میں سے کسی ایک پر حملہ کریگا تو دونوں ملکر مدافعت کریں گے ایک پر حملہ دوسرے پر حملہ تصور ہوگا۔

4- جب کسی سے صلح کی جائیگی تو دونوں فریقوں کی رضا مندی سے ایک سے صلح دوسرے سے صلح تصور ہوگی۔

5- اگر فریقین میں کوئی جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوگا تو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور ثالث تسلیم کیا جائیگا۔ میثاق مدینہ طے پا جانے کے بعد ظاہری طور پر کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔ اب مسلمانوں کو بیرونی خطرات سے نپٹنے کی تیاری کرنا تھی۔ جو اس لئے بھی ضروری تھی کہ اسلام کی راہ صاف ہو۔ یہ تمام کام ہجرت کے پہلے سال میں کیے گئے۔

اب کچھ ذکر غزوات کا جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے لڑے۔ یہ کفار اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ ان کا قلع قمع از حد ضروری تھا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب جیسے بہادر و دلیر اسلام لا چکے تھے۔ انہوں نے کھلا کھلم حرم میں نماز ادا کرنا شروع کر دی۔ اس صورت حال سے قریش پریشان ہو گئے۔ اور انہوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانے شروع کر دیئے۔

احوال ما قبل ہجرت

قریش کے بڑے بڑے لوگوں کے ایمان لانے کے باعث ایک طرف مسلمانوں کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا تو دوسری طرف مکہ کے کفار کو تشویش ہونے لگی۔ انہوں نے مسلمانوں کو طاقت سے کچلنے کا فیصلہ کیا اور ان پر اذیتیں ڈھانا شروع کر دی انگاروں پر ڈالا جاتا' پانی میں ڈبویا جاتا' سر رسیوں سے جکڑ کر بازاروں وگلیوں میں گھسیٹا جاتا۔ حضرت بلالؓ پر تو وہ ظلم توڑے گئے کہ سن کر آدمی لرز جاتا تھا۔ چنانچہ تنگ آ کر مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ کسی ایسی جگہ پناہ لی جائے جہاں سکون ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت پر مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ حبشہ ہجرت کر گیا۔ جہاں اس زمانے میں منصف مزاج و رحمدل عیسائی نجاشی کی حکومت تھی۔ لیکن نجاشی نے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے مسلمانوں کو بلایا اور پوچھا کہ اس نئے دین کے چیدہ چیدہ اصول بتائیں۔ جب حضرت جعفرؓ بن عبدالمطلب نے اسے بتایا کہ ہم جاہل تھے' بت پرستی کرتے تھے۔ ہمسایوں سے بُرا سلوک کرتے تھے' کمزوروں پر ظلم کرتے تھے۔ تو اللہ نے ہماری طرف نبی بھیجا۔ جس نے تعلیم دی کہ خدا کو ایک جانیں اور بت پرستی چھوڑ کر اسی کی عبادت کریں تو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اسی لئے ہماری قوم ہمارے خون کی پیاسی ہو گئی ہے۔ نجاشی متاثر ہوا اور کہا کہ یہ مذہب و عیسائیت تو ایک ہی چراغ کے

پرتو لگتے ہیں اس نے قریشی سرداروں کے تحفے واپس کر دیے اور مسلمانوں کو ملک بدر کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر قریش سرداروں نے چال چلی کہ مسلمان چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں کی طرح خدا کا بیٹا تسلیم نہیں کرتے اس لئے انہوں نے کچھ پادریوں کو بھڑکایا جنہوں نے نجاشی سے مطالبہ کیا کہ ان مسلمانوں کو دوبارہ بلا کر یہ بات پوچھی جائے۔ تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہماری الہامی کتاب قرآن کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اس کے رسول اور اس کی روح تھے نجاشی خوش ہوا اور کہا بخدا حضرت مسیح ذرہ بھر بھی اس سے زیادہ نہیں تھے۔ مسلمان حبشہ میں ابھی چند ماہ ہی رہے تھے کہ خبر گرم ہوگئی اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ مہاجرین وطن واپس گئے تو مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔ چنانچہ واپس جانے کی بجائے یہ لوگ چھپ چھپا کر مکہ میں ہی رہنے لگے۔ دوبارہ مسلمانوں پر جب ظلم کے پہاڑ ڈھائے گئے تو ایک قافلہ ایک بار پھر حبشہ پہنچ گیا جو ہجرت مدینہ تک وہیں ٹھہرا رہا اسی دوران جب اسلام آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ کفار مکہ نے جل کر یہ فیصلہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم آنحضرت کو ان کے حوالے نہیں کر دیتے بنو ہاشم کا مکمل معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے حضورؐ کے چچا ابوطالب آپ کو ان ظالموں کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور سوائے ابولہب کے قبیلہ کے تمام لوگ مکہ سے تین میل ایک مقام میں قیام پذیر ہو گئے۔ جو بعد میں شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہو گیا۔ تین برس کے اس عرصے میں بنو ہاشم نے سخت مصائب برداشت کیے یہاں تک کہ کبھی وہ پتے کھا کر گزارہ کرتے۔ آخر قریش کے چند سرداروں نے بنو ہاشم سے معاشرتی بائیکاٹ کا معاہدہ پھاڑ دیا۔ جو اہل مکہ نے خانہ کعبہ کی دیوار پر معلق کر رکھا تھا اور یہ قبیلہ واپس اپنے گھروں کو لوٹ لیا۔ ایک آپ کے سب سے بڑے محافظ و مہربان چچا ابوطالب انتقال کر گئے اور دوسرا چند روز بعد ہی آپ کی زوجہ حضرت خدیجہؓ وفات پا گئیں آپ مکہ والوں سے مایوس ہو کر تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے جہاں آپؐ پر غنڈے چھوڑ کر آپ کو زدوکوب کرا کر زخمی کرا دیا گیا وقت نے ایک بار پھر کروٹ لی۔ یثرب یعنی مدینہ منورہ کے لوگ ہر سال حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی تبلیغ کی مدینہ کے دو قبیلے اوس و خزرج کو خیال آیا کہ مدینے کے یہودی ایک نبی کی آمد کی پیش گوئی کرتے رہتے تھے چنانچہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی مسلمان ہو گئے۔ واپس مدینہ آ کر انہوں نے بھی تبلیغ شروع کر دی۔ اگلے سال حج کے موقع پر بارہ دوسرے آدمیوں نے عقبہ کی پہاڑی پر آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ مصعب بن عمیر مدینہ آنے والے حج کے موقع پر پچھتر دیگر آدمیوں نے عقبہ کی پہاڑی پر اسلام قبول کر لیا۔ مدینہ والوں نے آپ کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ اس موقع پر آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے اہل مدینہ سے کہا کہ اگر وہ آپ کی رفاقت و حمایت کی ذمہ داری کو قبول کرنے کے اہل ہوں تو آپؐ ان کو لے جائیں ورنہ

نہیں خزرج کے سرداروں نے آپؐ سے وفاداری کا حلف اٹھایا اور آپ سے درخواست کی کہ آپؐ مدینہ تشریف لے آئیں چنانچہ آنحضرتؐ نے مکہ کو خیر باد کہہ کر مستقل طور پر مدینہ منورہ جانے کا فیصلہ کیا اور وہاں جا کر ایک آزاد ریاست قائم کر دی۔ یہ تاریخی اعتبار سے انتہائی اہم واقعہ ہے سیرت کی کتابوں میں ہجرت مدینہ کے بہت سے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ اول یہ کہ بعثت سے پہلے وہ اہل مکہ جو آپؐ کے اخلاق حمیدہ کے گن گایا کرتے تھے وحی کے بعد آپ کی تبلیغ حق سے اتنے مشتعل ہو گئے کہ آپ کی جان کے دشمن ہو گئے تھے ایسے ضدی لوگوں میں دین پھیلانا مشکل ہو گیا تھا۔ اس لئے اسلام کے لئے مدینہ بہترین مرکز تھا۔ دوم اہل مکہ صرف دین حق کے ہی خلاف نہیں تھے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ مومنین اولین پر وہ ظلم ڈھائے گئے جن کو سن کر روح کانپ جاتی ہے سوم یہ کہ ہجرت حبشہ سے مسلمانوں کو تجربہ ہوا تھا کہ وہ دوسری جگہ رہ کر زیادہ بہتر طریقہ پر معبود حقیقی کے احکامات کی بجا آوری کر سکتے ہیں۔ لیکن حبشہ کے مقابلے میں مدینہ میں چونکہ اسلام پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ مقام حبشہ سے زیادہ بہتر تھا۔ چہارم مدینہ دفاعی اعتبار سے اہم مقام تھا۔ مکہ جانیوالے تمام قافلے یہاں سے ہی گزرتے تھے۔ جس سے بعد میں مسلمانوں کو کافی فائدہ ہوا۔ پنجم مکہ میں آپ کو اذیتیں دینے کے بعد بھی کفار خوش نہیں ہوئے تھے انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بھی مکمل کر لیا تھا۔ جس کی اطلاع ہو گئی۔ چنانچہ آپؐ نے تمام امانتیں حضرت علیؓ کے حوالے کر کے انہیں اپنے بستر پر لٹایا اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر مکہ سے تین میل دور غار ثور میں تین روز قیام کیا پھر آٹھ دن کے مسلسل سفر کے بعد مدینہ منورہ پہنچ گئے اس اعتبار سے اس واقعہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

ہجرت کے بعد مسلمان مدینہ میں نہ صرف یہ کہ امن وسکون کے ساتھ رہنے لگے بلکہ اشاعت اسلام بھی زوروں پر تھی۔ یہ صورتحال مکہ کے لئے باعث تشویش تھی انہوں نے مدینہ میں منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کو لکھا مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیا جائے ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کریں گے۔ وہ اگرچہ اس حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔ لیکن مسلمان اس سے محتاط ہو گئے۔ قریش مکہ ہر گرمیوں میں شام کی طرف سامان تجارت لے کر جاتے تھے مکہ کے ہر شخص کی خوشحالی کا انحصار ہی اس کاروان کی تجارت پر ہوتا تھا۔ مکہ سے شام جانے والے قافلے کی راہ میں مدینہ پڑتا تھا۔ اہل مکہ مسلمانوں سے متواتر شرائط کرتے رہتے تھے۔ ایک بار قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ انصاری جو اپنے دوست امیہ بن خلف کے ساتھ خانہ کعبہ کے طواف کو جا رہے تھے ابوجہل نے ان کو دھمکی دیدی انہوں نے جواب میں کہا کہ اگر اہل مکہ مدینہ والوں کو طواف سے روکیں گے تو ان کا شام جانے والا راستہ بند کر دیا جائے گا۔ اہل مکہ یمن کے لوگوں کو مدینہ آنے پر راستہ روک دیتے تھے۔ اس کے علاوہ قریش

مسلسل جنگ کی تیاریاں کرتے تھے۔ جن کی اطلاع کسی نہ کسی طرح مدینہ میں مسلمانوں کو پہنچ جاتی تھی چنانچہ مدینہ کے چھوٹے چھوٹے گروہ ادھر ادھر جاتے اور اہل مکہ کے بارے میں خبریں حاصل کرتے۔ اس دوران آنحضرت بھی کئی بار مدینہ سے باہر گئے اور قرب و جوار کے قبائل سے معاہدے کر کے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا اسی دوران ایک دفعہ عبداللہ بن جحش بارہ آدمیوں کو ساتھ لے کر دشمنوں کی خبریں حاصل کرنے نخلہ کی طرف گئے ہوئے تھے۔ راستے میں اتفاق سے قریش کے کچھ آدمی مال تجارت لے جاتے ہوئے مل گئے۔ عبداللہ نے ایک آدمی عمرو بن خصوصی کو تیر مار کر ہلاک کر دیا اور دو آدمیوں کو گرفتار کر لائے اگرچہ آنحضرتؐ اس حرکت پر ناراض ہوئے تاہم ابن خصوصی کے قتل پر قریش مکہ مشتعل ہو گئے اور بدلہ لینے کے لئے تیار ہو گئے انہی دنوں قریش کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرداری میں شام سے واپس آ رہا تھا کہ کسی نے خبر اُڑا دی کہ مسلمانوں نے اس قافلے کو لوٹنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اہل مکہ حملہ کرنے کے لئے نکل دوڑے۔ راستے میں معلوم ہوا خبر جھوٹی تھی ابوسفیان صحیح سلامت مکہ پہنچ گئے ہیں۔ قریش کے کچھ سردار لڑائی کو فضول سمجھتے تھے اور واپس جانے کا مشورہ دے رہے تھے۔ لیکن ابوجہل جنگ پر مصر تھا تنگ آ کر بنی زہرہ عدی قبائل واپس چلے گئے۔

جنگ بدر 2 ھجری بمطابق 624ء سن عیسوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی تو آپ تین سو تیرہ جانثاروں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے قریش نے بدر کے مقام پر پہلے ہی پہنچ کر جنگی اہمیت کے مقامات پر قبضہ جما لیا تھا۔ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی۔ اس جنگ کی خاص بات یہ تھی کہ یہاں بھائی بھائی اور بیٹا باپ کے خلاف لڑ رہا تھا۔ اس جنگ میں کفار مکہ کو شکست فاش ہوئی ابوجہل و عتبہ سمیت ستر کافر مارے گئے جبکہ چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ دراصل عتبہ اور دوسرے قریشی سردار پہلے ہی جنگ کے خلاف تھے۔ جس سے کفار کی فوج میں ایک طرح کا نفاق تھا۔ سورج مسلمانوں کے پیچھے جبکہ کفار کے چہرے سورج کے سامنے تھے۔ مسلمان چڑھائی پر تھے۔ مسلمان کفار کے مقابلے میں زیادہ منظم اور بے فکر تھے بلکہ ان میں زبردست جوش و خروش تھا اس جنگ کے بہتر سے بہتر نتائج برآمد ہوئے اول فتح بدر نے مسلمانوں کو نصرت و فوقیت بخشی' معرکہ بدر کے بعد یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمان حق کی نہ صرف اشاعت جاری رکھیں گے بلکہ اس کی حفاظت تلوار کے ذریعہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ دوم مکہ سے بے سروسامانی میں ہجرت کرنیوالے مظلوم مسلمانوں نے اس دن ظالموں کو طاقت کے ذریعے زیر کرنے کی ابتداء کی تھی بقول علامہ شبلی بدر کا معرکہ حقیقت میں اسلام کا سنگ بنیاد تھا سوم اسلام کے بعض جانی دشمن اپنے انجام کو پہنچ گئے تھے۔ ابوجہل' عتبہ' رقبہ' سعد بن العاصی اور امیہ بن خلف ان لوگوں کی حیثیت قریش میں طاقتور سرداروں کی تھی چہارم اس جنگ کے بعد عرب کے بعض قبائل نے

اسلام کی مخالفت چھوڑ دی تھی۔ پنجم یثاق مدینہ کے فریق یہودی اب مسلمانوں کی طاقت سے خائف ہو کر مدینہ چھوڑنے پر مجبور تھے۔ ششم اسیران جنگ سے مسلمانوں کا حسن سلوک تاریخ انسانیت میں یادگار مثال بن گیا۔ اس طرح مسلمانوں نے کفار مکہ کی پہلی بھر پور جنگ میں انہیں یہ سبق دیدیا کہ مسلمان اتنے کمزور نہیں کہ وہ اپنے دین کی حفاظت نہ کرسکیں۔

جنگ احد 3ھ 625ء:

جنگ بدر کے بعد اہل مکہ انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ گھر گھر میں صف ماتم بچھی تھی۔ قریش کے نئے رئیس ابوسفیان نے تہیہ کیا۔ جب تک مقتولین بدر کا بدلہ نہ لے لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ اس نے دوسو شہسوار ساتھ لئے اور مدینہ کی طرف چل دیا۔

قریش نے اپنے لشکر کی صف بندی کے بعد جنگ کا آغاز کیا اور سب سے پہلے مشرکوں کا سردار اور علمبردار طلحہ میدان میں آیا۔ اس کا مقابلہ حضرت علیؓ نے کیا۔ ایسا کاری وار کیا کہ طلحہ کا کام تمام ہوگیا۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے اس کا بھائی عثمان آیا۔ اسے حضرت حمزہ نے جہنم داخل کر دیا۔ پھر لڑائی شروع ہوئی۔ اسلام کے سپاہیوں نے اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ قریش میدان چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔ مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ کوہ عینین پر جن افراد کو متعین کیا تھا وہ اپنی پوزیشن چھوڑ کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ جب خالد بن ولید نے درہ کے راستے کو خالی دیکھا تو اس نے مسلمانوں پر حملہ کروا دیا۔ مسلمان حملے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر اس حملے میں شہید ہو گئے۔ مسلمانوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت محمدؐ شہید ہو گئے۔ کیونکہ حضرت مصعبؓ کی شکل میں آنحضرتؐ کی مشابہت تھی۔ مسلمان دلبرداشتہ ہو گئے۔ اور حوصلہ ہار گئے۔ کافروں کو حضورؐ کے پاس جانے کا موقع مل گیا۔ ملعون نے آپؐ کا بازو زخمی کر دیا اور عتبہ نے پتھر مار کر آپؐ کے دو دانت شہید کر دیئے۔ جب مسلمانوں نے یہ دیکھا تو وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

اس لڑائی میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے جنگ ختم ہونے پر قریش کی عورتوں نے مسلمان شہدا کی لاشوں کی بے حرمتی کی ان کے ناک کان کاٹ ڈالے۔

ابوسفیان کی بیوی نے تو حد ہی کر دی اس نے حضور کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکلوا کر کچا چبا لیا۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ مسلمانوں کے ظاہری نقصان کو دیکھ کر منافقوں کفار اور قریش کے حوصلے بلند ہو گئے۔ انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ مسلمانوں کو مٹایا جا سکتا ہے۔

جنگ احد کے نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے یہود نے بھی سر اٹھانا شروع کر دیا۔ حالانکہ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ان سے یثاق مدینہ کیا گیا تھا۔ جس کی لازمی شرط یہ تھی کہ فریقین پُرامن رہیں گے۔ لیکن یہود نے عہد شکنی کرتے ہوئے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

غزوہ قنیقاع پیش آیا اسکی فوری وجہ یہ تھی کہ انصار کی ایک خاتون نقاب اوڑھ کر قنیقاع میں گئی۔ ایک یہودی نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے اسے بے نقاب کر دیا۔ مسلمان یہ نظارہ دیکھ رہا تھا اس نے یہودی کا سرتن سے جدا کر دیا۔ یہودیوں نے مسلمان کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپؐ بنو قنیقاع تشریف لائے۔ اور فرمایا: "اگر تم نے مسلمانوں کی ایذا رسانی سے ہاتھ نہ روکا اور صلح کے معاہدے پر عمل نہ کیا تو تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا جو قریش کے ساتھ ہوا۔"

بنو قنیقاع کے بددماغ سرداروں نے جواب دیا:

"اے محمدؐ آپ دھوکے میں نہ رہیں۔ تم نے تو ایسی قوم سے مقابلہ کیا ہے۔ جو فن حرب سے ناآشنا ہے۔ بخدا ہمارے ساتھ سابقہ پڑا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے۔"

آپؐ نے اس کو کھلا اعلان جنگ سمجھا آپؐ 20 شوال 2 ہجری کو صحابہ کو ساتھ لے کر بنو قنیقاع کی طرف بڑھے۔ آخر یہودی اس بات پر رضامند ہو گئے کہ جو فیصلہ اللہ کا نبی کر دے گا ہمیں منظور ہوگا۔

آپ نے یہ فیصلہ فرمایا:

کہ یہ علاقہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ چنانچہ قبیلہ بنو قنیقاع کو شام کی جانب نقل مکانی کرنا پڑی۔

غزوہ بنو نضیر:

قبیلہ بنو عامر کے دو افراد کو بنو نضیر نے قتل کر دیا تھا۔ جن کا خون بہا ادا کرنا باقی تھا۔ حضورؐ ان مقتولین کی دیت کا مطالبہ لے کر بنو نضیر کے پاس گئے۔ تو یہود نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔

انہوں نے ایک یہودی عمرو بن حجاش کو ایک مکان کی چھت پر چڑھا دیا۔ تاکہ وہ اوپر سے بھاری پتھر پھینک کر اللہ کے نبی کو ختم کر دے۔ آپ کو اس بات کا علم ہو گیا۔ آپ فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔

آپؐ نے ان کو پیغام بھجوایا کہ

"تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ کیونکہ تم نے معاہدہ توڑا ہے۔ ورنہ دس دنوں کے بعد جو بھی ہمیں شہر میں دکھائی دے گا اسے مار دیا جائے گا۔"

بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے حضورؐ کے پیغام کا جواب یہ دیا کہ ہم کسی حالت میں

بھی یہ شہر خالی نہیں کریں گے۔ آپ جو ہمارے خلاف کر گزریں۔ دوسری جانب انہوں نے اپنے گھروں میں کھانے پینے کا سامان جمع کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے ایک سال کا سامان اکٹھا کر لیا اور قلعہ بند ہونا شروع ہو گئے۔

جب حیؔ بن اخطب کا جواب موصول ہوا تو آپؐ نے بنونضیر کا محاصرہ کیا۔ یہود پندرہ دن قلعہ بند رہے آخر مقابلہ کی ہمت نہ پا کر مدینہ چھوڑنے پر تیار ہو گئے لہذا وہ خیبر منتقل ہو گئے۔ خیبر یہودیوں کا گڑھ تھا۔

ماہ شعبان 7 ہجری کو قبیلہ سے لڑائی لڑنا پڑی۔ اس لڑائی میں چھ سو آدمیوں کو قیدی بنا لیا۔ دس آدمی مارے گئے۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت کے طور پر قبضہ میں لی گئی تھیں۔

یہودی خیبر کے آس پاس اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ سارے قبائل متحد ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ ان کے کچھ سردار ابوسفیان سے ملے۔ قریش کو موقع کی تلاش تھی جب انہیں یہودیوں کی طرف سے خوشخبری ملی تو ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔

غزوہ خندق یا احزاب:

مسلمان بھی یہود کے منصوبوں سے غافل نہ تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کا ایک قبیلہ رہ گیا تھا۔ جو قبیلہ بنو قریظہ کہلاتا تھا۔ اس نے بھی غزوہ خندق میں بدعہدی کی جس کی سزا اسے مل گئی۔ مسلمان چاہتے تھے کہ لڑائی مدینے میں رہ کر لڑی جائے۔ انہوں نے مدینے کے گرد ایک پانچ گز گہری خندق کھودی۔ جس میں اسے بیس دن لگے۔ پھر اس میں پانی بھر دیا گیا۔ غطفان بنو اسد اور بنو سعد نے دس ہزار افراد کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف کوچ کیا۔ خندق نے ان کا راستہ روک لیا۔

جہاں خندق کم چوڑی تھی وہاں سے حملے کی کوششیں کی گئیں لیکن وہ زندہ واپس نہ آئے۔ محاصرہ طول کھینچتا رہا۔ قریش کی مشکلات بڑھتی گئیں۔ ایک روز اتنی زور کی آندھی آئی کہ ان کے خیمے ہوا سے اُڑ گئے۔ اس کے ساتھ ہی زوروں کی بارش ہوئی سامان اور جانوروں کا حال بارش سے خراب ہو گیا۔ ابوسفیان اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔

فتح مکہ:

جب غزوہ احزاب کو ایک سال بیت گیا تو مسلمانوں نے حج بیت اللہ کا پروگرام بنایا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ جب حج شروع ہوا تو آنحضرتؐ نے رویا میں دیکھا کہ وہ اپنے صحابہ کے ساتھ طواف کعبۃ اللہ کر رہے ہیں۔ آپؐ نے صحابہ کو حج کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے مدینے میں پھیل گئی۔ مسلمان زیارت کعبہ کے لئے مدت سے بے چین تھے۔

ذوالقعدہ 6 ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چودہ سونفوس کو ہمراہ لیکر عمرہ کے لئے روانہ ہوئے آپؐ نے قربانی کے لئے اونٹ بھی ساتھ لے لئے اور احتیاطاً تمام مسلمانوں کو اپنے ہتھیار نیام میں رکھنے کی تاکید بھی کی۔ احرام باندھا گیا۔ جب اہل مکہ کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی۔ تو انہوں نے لشکر تیار کیا۔ تاکہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکیں۔

جب حضورؐ کو اس بات کی خبر ملی تو صحابہ اکرام کو مشاورت کے لئے طلب کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے تجویز پیش کی کہ ہم عمرہ کی نیت سے آئے ہیں اگر کوئی مزاحمت کرے گا تو اس سے لڑنا پڑے گا حضورؐ کو یہ تجویز پسند آئی۔

جب ثیتہ المراء کا مقام آیا تو اونٹنی بیٹھ گئی۔ لشکریوں نے کہا کہ اونٹنی دھوکہ دے گئی ہے۔ مگر آپؐ نے فرمایا اونٹنی دھوکہ نہیں دے رہی بلکہ تمہاری حرمات اللہ کے خلاف خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ حضورؐ نے اونٹنی کو جھڑکا وہ اُٹھ کر چل دی اور آپؐ حدیبیہ کی دوسری جانب کنویں پر اتر گئے۔ قریش نے ایک لشکر آپؐ کو روکنے کے لیے جمع کر رکھا تھا۔ آپؐ نے بدیل بن ورقہ کے ذریعے قریش کو پیغام بھجوایا کہ مسلمانوں کے ساتھ طویل المیعاد معاہدہ کریں۔

بدیل نے عروہ بن مسعود ثقفی کو پیغام بھجوایا تو اس نے کہا کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اسے قبول کرلو۔

آپؐ نے حضرت فراش بن اُمیہ کو قریش کی طرف روانہ کیا۔ قریش نے قاصد سے اچھا سلوک نہ کیا بلکہ ایک فوجی دستہ مسلمانوں پر حملہ کی غرض سے بھیجا جسے مسلمانوں نے دیکھ لیا۔ پورے دستے کو گرفتار کرلیا گیا۔ جب انہیں آپؐ کی خدمت میں بھیجا گیا تو آپؐ نے سب کو آزاد کر دیا۔ اور حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر قریش بھیجا۔ قریش نے ان کو بھی اپنے قابو میں کرلیا۔ مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ خدانخواستہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے۔ جب انکی واپسی میں تاخیر ہوئی۔

بیعت رضوان:

تو حضورؐ نے فرمایا جب تک عثمانؓ کا بدلہ نہیں لیں گے واپس نہیں جائیں گے آپؐ نے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرامؓ سے بیعت لینا شروع کر دی۔ تمام جانثاروں نے اپنی جان قربان کرنے کی بیعت کی۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ جس کی شہادت قرآن مجید کی سورۃ الفتح میں دی گئی ہے۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونك تحت
الشجرة فعلم مافی قلوبهم فانزل السكينة عليهم
واثابهم فتحا قريباo (سورہ الفتح: آیت 18)

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا۔ اللہ کو وہ بھی معلوم تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کیا۔ اور ان کو لگے ہاتھ فتح دیدی۔

ابھی بیعت لیے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت عثمانؓ مکہ سے صحیح سلامت واپس پلٹے انہوں نے بھی دست رسالت مابؐ پر اس قسم کی بیعت کی۔

قریش کے سمجھدار لوگوں نے اپنے سفیر سہیل بن عمرو کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا اور پیغام بجھوایا کہ صلح صرف اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ مسلمان امسال بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں۔ تاجدار رسالت نے ان کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔

ان کی شرائط درج ذیل تھیں:

(1) مسلمان بغیر عمرہ ادا کیے واپس چلے جائیں گے۔

(2) آئندہ برس صرف تین دن کے لیے آئیں گے۔

(3) ہتھیار ساتھ نہیں لائیں گے البتہ تلوار لانے کی اجازت ہوگی وہ بھی نیام میں ہوگی۔

(4) مکہ میں رہنے والوں کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

(5) جب کوئی شخص مدینہ جائے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن مکہ آنیوالوں کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

(6) عرب کے قبائل کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ جس کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں کر سکیں گے۔

جب یہ معاہدہ تحریر میں لایا جا رہا تھا اسی وقت ابو جندلؓ سہیل کا لڑکا زنجیروں میں جکڑا ہوا مسلمانوں کو آ کر ملا اور امان چاہی مگر حضور نے ابو جندل کو سمجھا کر واپس کر دیا۔ اس معاہدہ کی اساس پر 8 ہجری میں بالآخر مکہ فتح ہو گیا۔

آپؐ نے مسلمانوں کو اپنی قربانیاں کرنے اور احرام کھولنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد قبیلہ بنوخزاعہ مسلمانوں کا دوست بن گیا۔ جب کہ قبیلہ بنو بکر نے قریش کی حمایت کا اعلان کیا۔

قرآن مجید میں اس صلح کو فتح مبین کا نام دے کر سورۃ فتح کی ابتدائی آیات میں یوں بیان کیا ہے۔

انا فتحنالك فتحا مبينا

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی۔

یہ صلح مسلمانوں کی جیت بنی۔ آپؐ تین دن قیام کرنے کے بعد مدینہ روانہ ہو گئے۔ اس

فتح کے نتیجے میں مسلمان اب آزادانہ گھومنے پھرنے لگ گئے۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ کافروں کو مسلمانوں کا معاشرتی نظام دیکھنے کا موقع ملا۔ اسلام کا سکہ اندرونی طور پر یعنی مدینہ کے گردونواح میں بیٹھ چکا تھا۔ اب وقت تھا کہ دعوت اسلام دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کو دی جائے۔

اسلام چونکہ عالمگیر مذہب ہے اس لیے دنیا کے ممالک کو دعوت اسلام دینا بھی فرائض نبوت میں شامل تھا۔ کیونکہ اللہ کریم نے سورۃ آل عمران کی آیت 64 میں اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

قل یا ھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم الاتعبد الا اللہ ولا نشرك به شیاء ولایتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ○

ترجمہ: آپؐ فرما دیجئے کہ اے اہل ایمان آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے تمہارے درمیان (مسلم ہونے میں) برابر ہے۔ یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔

جب مسلمانوں کو صلح حدیبیہ کے بعد کچھ اطمینان ہوا۔ ایک روز آپؐ نے تمام صحابہ کرامؓ کو اکٹھا کیا اور خطبہ دیا۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ اللہ نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ اور فرمایا ایک اس بات کا خیال رکھنا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا تم جاؤ اور میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔ اس کے بعد آپؐ نے بہت سے خطوط لکھوا کر مختلف بادشاہوں کو بھجوانے کے لیے اصحاب کی ذمہ داری لگائی۔

یعنی قیصر روم کی طرف حضرت وحید کلبیؓ کو ایران کے خسرو پرویز کی طرف حضرت عبداللہ بن حذافہ کو روانہ کیا۔ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کو عزیز مصر کی طرف حبشہ کے نجاشی کی طرف حضرت عمرؓو بن امیہ کو بھیجا بعد میں دمشق کے حاکم کو حضرت شجاعؓ بن وہب الاسد کے ذریعہ شرجیل حاکم بصرہ کو حضرت عمرؓو بن العاص کے ذریعے اور شاہ بحرین کو حضرت علاؓ بن حضرمی کے ذریعے سے دعوت نامے ارسال فرمائے۔

ایران اور بصرہ کے حاکموں نے سفیروں سے گستاخانہ سلوک کیا۔ بلکہ بصرہ کے حاکم نے تو سفیر کو قتل کر دیا حبشہ کے شاہ نجاشی نے سلام قبول کر لیا۔ مصر کے بادشاہ مقوقس نے بھی حضورؐ کی خدمت میں تحفے بھیجے جن میں دو لونڈیاں بھی تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام ماریہ تھا۔ انہیں پیغمبر خدا نے اپنے حرم میں داخل کر کے امہات المومنین کا مرتبہ عطا کیا اور دوسری شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت کی زوجیت میں دیدی گئی۔

ہرقل نے اپنے علماء کو طلب کیا اور انہیں دعوت اسلام قبول کر لینے کا مشورہ دیا لیکن وہ نہ

مانے۔ حاکم بحرین نے بھی اسلام میں داخل ہونا قبول کیا۔

دمشق کے حاکم نے پہلے تو اپنا رعب جمانے کی کوشش کی مگر بعد میں سفیر کو باعزت روانہ کیا۔ حاکم یمامہ نے یہ شرط عائد کی کہ اگر رسول خداؐ نصف حکومت مجھے دینے کا وعدہ کریں تو میں مسلمان ہونے کو تیار ہوں۔

جب سفراء کرام نے اپنے اپنے فرائض کو پورا کر کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے بادشاہوں کے خلاف اپنے ردعمل کا اظہار یوں کیا۔ ایران کے بادشاہ سے متعلق فرمایا کہ اس نے نامہ مبارک کے پُرزے نہیں کیے۔ بلکہ اپنی سلطنت کے پرزے کیے۔ اور عہد خلیفہ سوم میں ایران کا بادشاہ اپنا ملک چھوڑ کر کابل چلا گیا اور حالت جلا وطنی میں مر گیا۔

یہ پیغامات 6 سے 9 ہجری تک بھجوائے جاتے رہے تھے۔ مدینے سے نکل کر جب بنونضیر خیبر جا کر آباد ہوئے تو انہوں نے وہاں پہلے سے موجود یہودیوں کو بھڑکایا۔ چونکہ خیبر کو یہودیوں نے اپنا مرکز بنا لیا تھا اور مضبوط قلعے قائم کر لیے تھے۔

غزوہ خیبر

ایک انصاری جس کا نام عبداللہ بن عتیک تھا نے حضور اکرمؐ کی اجازت سے حیّ بن اخطب کے جانشین ابورافع سلام بن ابی الحقیق کو قتل کر دیا۔ سلام کے بعد اسیر بن زرام نے قبیلہ کی سرداری سنبھالی۔ اور مختلف قبائل کا دورہ کر کے ایک لشکر جرار تیار کیا۔

آپؐ نے ایک مرتبہ پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ کو چند صحابہ کے ساتھ بھیج کر تحقیق کروائی۔ انہوں نے اسیر سے ملاقات کر کے حضور کا پیغام پہنچایا۔ پیغام میں اس کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ مدینہ آ جائے تا کہ اسے خیبر کی حکومت دی جائے اسیر نے اپنے ساتھ تیس افراد لیے اور اونٹوں پر اس طرح سوار ہو کر سوئے مدینہ روانہ ہوئے کہ ہر اونٹ پر ایک یہودی اور مسلمان سوار تھا۔ بالآخر جب مصالحت اور مسالحت کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو مسلمانوں کا سولہ سو مجاہدوں کا لشکر حضورؐ کی سربراہی میں جانب خیبر روانہ ہوا۔ خیبر میں چھوٹے بڑے دس قلعے تھے۔ ان قلعوں میں تقریباً بیس سپاہی مقیم تھے۔ سب سے مضبوط اور بڑے قلعہ کا نام قموص تھا۔ اور عرب کا مشہور پہلوان بھی اس قلعہ میں رہتا تھا اور قلعہ کا رئیس اعظم تھا۔

پہلا حملہ قلعہ ناعم پر کیا گیا اور پھر یکے بعد دیگرے چھوٹے قلعے فتح کر لیے گئے سب سے سخت مقابلہ قلعہ قموص کو فتح کرنے کے لیے کیا گیا۔ پہلے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو قلعہ فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ پھر حضرت علیؓ کو اس کام کے لیے بھیجا گیا۔ انہوں نے دو مشہور پہلوانوں کا کام تمام کیا۔

جب قلعہ قموص پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو یہودیوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ مقابلہ سے دستبردار ہو

گئے۔ لیکن حضور اکرمؐ سے یہ درخواست کی کہ ان کی زمین اور مکانات ان کے پاس رہنے دیے جائیں۔ آپؐ نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے خیبر کی تمام جاگیریں' باغات' کھیت' قلعے ان کو اس شرط پر دے دیے کہ وہ کل پیداوار کا نصف بطور خراج مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرائیں گے۔

صلح حدیبیہ کی رو سے اگلے سال ادائیگی عمرہ کے لیے مسلمان مکہ میں تشریف لے گئے اہل مکہ نے معاہدہ کی رو سے تین دن کے لیے مکہ شہر کو خالی کر دیا۔ خود مکہ سے باہر چلے گئے۔ مسلمان بھی ادائیگی عمرہ کے بعد باامن وامان واپس مدینہ چلے گئے۔

8 ہجری میں غزوہ موتہ پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بصرہ کے حاکم شرحبیل (Shurahbil) بن عمرو غسانی کے نام حضورؐ نے جو دعوت نامہ حضرت حارثؓ بن عمیر کے ذریعے روانہ فرمایا تھا۔ تو حاکم بصرہ نے سفیر کو قتل کر دیا تھا۔ جس کا قصاص لینا ضروری تھا۔

آپؐ نے لشکر اسلام کو جہاد پر روانہ فرمایا۔ آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ کو امیر لشکر بنا لیا جائے۔ اگر جعفرؓ بھی نہ رہیں۔ تو عبداللہؓ بن رواحہ کو سپہ سالار بنا دینا اگر وہ بھی چل بسیں تو پھر سب ملکر جس کو مناسب سمجھیں اپنا امیر بنا لیں۔ مزید یہ بھی نصیحت فرمائی کہ:

1- راہبوں کو تکلیف نہ پہنچانا۔
2- کسی خاتون پر ہاتھ نہ اٹھانا۔
3- بچوں اور بوڑھوں کو تہ تیغ نہ کرنا۔
4- سایہ دار سبز درختوں اور پھل دار درختوں کو نقصان نہ پہنچانا۔
5- کسی رہائشی عمارت کو منہدم نہ کرنا۔
6- اظہار تعزیت کے لیے اس جگہ جانا جہاں حارثؓ بن عمیر کو شہید کیا گیا تھا۔ شرحبیل حاکم بصرہ نے ایک لاکھ نفوس اکٹھے کر کے لشکر تیار کیا۔ بھلا تین ہزار کی ان کے سامنے کیا حیثیت تھی۔ شوق شہادت تھا۔

مسلمانوں نے آخر میں لشکر' امارت خالد بن ولید کو دیدی۔ وہ ایک قابل اور بہادر جرنیل تھے۔ انہوں نے دشمن کا مقابلہ پامردی سے کیا۔ دشمن پے در پے حملوں سے حواس باختہ ہو گیا اور شام ہوتے ہی وہ بھاگ نکلا۔ مسلمانوں نے کچھ دور تک ان کا پیچھا کیا لیکن وہ ہاتھ نہ آئے۔ بارہ صحابی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔

صلح حدیبیہ کی رو سے بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ اور قبیلہ بنو بکر قریش سے جا ملے تھے۔ ابھی دو سال بھی گزر نہیں پائے تھے کہ ان دونوں قبائل میں جھڑپیں ہونا شروع ہو گئیں۔

ایک شب بنو بکر کے تین افراد نے بھیس بدل کر بنو خزاعہ کے ساتھ تلواریں چلائیں۔ بنو خزاعہ کی مجبوری تھی وہ حرم میں داخل ہو گئے۔ بنو بکر نے حرم کا بھی خیال نہ کیا۔

فتح مکہ

قبیلہ بنوخزاعہ کا سردار جس کا نام عمرو بن سالم تھا۔ اپنے ساتھ چالیس ناقہ سواروں کو لیکر مدینہ پہنچا۔ آپؐ اس وقت صحابہ کو لیکر مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عمرو نے تمام روائیداد آپ کو سنائی اور یہ بھی کہا کہ قریش نے بد عہدی کی ہے آپؐ نے فرمایا کہ ہم تمہاری امداد کریں گے۔ اسی وقت ایک قاصد کو قریش کے پاس شرطیں لکھ کر بھیجیں کہ ان میں سے کوئی ایک پسند کریں اگر نہیں تو پھر............

1- مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے۔

2- قریش بنو بکر کی امداد نہ کریں۔

3- یہ اعلان کیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قاصد کا پیغام سنتے ہی قریش کی طرف سے قرطہ بن عمرو نے جواب دیا۔ کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے۔ انہوں نے فوراً ابوسفیان کو بھیجا کہ مدینہ جاکر معاہدے کی تجدید کرآئے۔ لیکن حضورؐ نے معاہدے کی تجدید سے انکار کر دیا۔

10 رمضان 8 ہجری کو مسلمانوں کا دس ہزار کا لشکر مکہ پر چڑھائی کے لیے چل پڑا۔ سفر بڑی تیزی سے طے کیا جا رہا تھا کہ راہ میں حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ جو اپنے بال بچوں کو لیکر مدینہ کی طرف آرہے تھے۔ لشکر سے ملے۔ حضورؐ نے بچوں اور خواتین کو مدینے روانہ کر دیا اور صرف عباس کو اپنے ہمراہ لیا۔

آپؐ نے لشکر کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں پھیل جانے کی ہدایت فرمائی۔ رات کے وقت یہ ہدایت کی گئی کہ ہر ایک ٹولی آگ روشن کرے گی۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ پھیلا ہوا لشکر تعداد میں زیادہ معلوم ہو۔ جب چرواہوں نے قریش کو اس لشکر کی خبر دی تو انہوں نے تین افراد جن میں ابوسفیان، حکیم بن حزم اور حذیل بن ورقہ شامل تھے۔ بدقسمتی سے تینوں کو گرفتار کر لیا۔ آپؐ نے ابوسفیان کو معاف کر دیا۔ جس نے کلمہ توحید پڑھ لیا۔ حضرت عباسؓ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی

کہ یارسول اللہ! آج اس موقع پر ابوسفیان کو خاص عزت بخشی جائے۔

سرکار دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے لے گا۔ اسکو امان دی جائے گی۔ اور جو شخص ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائیگا۔ اس کو بھی امان دی جائے گی۔

مختلف سمتوں سے مختلف دستے مکہ میں داخل ہوئے۔ صرف ایک دستے کو مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا۔

اس دستے کی کمان حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی راہ میں چند کافر مورچے سنبھالے ہوئے تھے۔ جونہی حضرت خالدؓ کا دستہ ان کے قریب سے گزرا۔ انہوں نے تیروں کی بارش کر دی۔

حضرت خالدؓ نے بڑی ہمت سے مقابلہ کیا اور کئی افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ جواب ملا کہ پہل دشمنوں نے کی تھی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: "قضائے الٰہی یہی تھی"۔ آپؐ نے کچھ دیر آرام فرمایا۔ پھر اس قصوی ناقہ پر سوار ہو کر سوئے حرم چلے۔ اس طرح جیسے فاتح چلے۔

آپؐ نے سواری پر ہی سات بار طواف کعبۃ اللہ کیا اور بیت اللہ کے اردگرد جتنے بت موجود تھے ان کو لکڑی کی ٹھوکر سے مارتے جاتے اور زبان سے یہ کلمہ پڑھتے جاتے۔

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

"حق آیا اور باطل بھاگا' یقیناً باطل بھاگ ہی جاتا ہے۔"

جب طواف سے فارغ ہوئے تو کعبۃ اللہ کے بردار عثمان بن ابی طلحہ کو بلوایا۔ چابی طلب کی۔ جب کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا تو اندر لاتعداد بت تھے آپؐ اس وقت تک اندر داخل نہ ہوئے جب تک تمام بتوں کو باہر نہ نکال دیا گیا۔

حضرت عمرؓ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور تمام تصویروں کو جنھیں قریش اپنا خدا سمجھتے تھے باہر نکال دیا۔ آپؐ نے خانہ کعبہ کے دروازے میں کھڑے ہو کر مختصر خطبہ دیا جس کے الفاظ یہ تھے۔

"ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا' اس نے اپنے بندے کی مدد کی' تمام جتھوں کو تنہا پایا اور شکست دی۔ ہاں آج تمام تفاخر' تمام انتقامات میرے قدموں کے نیچے ہیں۔

صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہے۔

اس مختصر سے خطبہ کے بعد قوم قریش کو مخاطب کر کے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں سب کے سب بیک زبان پکار اُٹھے "اخ کریم وابن اخ کریم" جس

کے معنی ہیں تو شریف بھائی ہے اور شریف بھائی کا بیٹا ہے۔

آپ ؐ نے فرمایا: ''حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے کہا تھا'' کہ

قال لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم

ترجمہ: ''فرمایا آج تم پر کوئی گرفت نہیں اللہ تم سب کو بخشنے والا ہے۔''

(سورہ یوسف: آیت 92)

چند سنگین مجرموں کے علاوہ حضورؐ نے سب کی خطائیں معاف کر دیں وقت نماز ہوا تو حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ چند قریش کو اذان سن کر دکھ ہوا ایک بولا' اچھا ہوا' کہ میرا باپ اذان سننے سے پہلے دنیا سے اٹھ گیا۔ اللہ نے میرے والد کی عزت رکھ لی۔ ایک بولا کہ اب جینے کا کیا فائدہ۔ اس لیے جینا بیکار ہے حضورؐ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دی۔ آپ ؐ ہر شخص کو نصیحت کرتے جاتے تھے۔

1- میں خدا کے ساتھ کسی کو بھی اس کی ذات' صفات' عبادت میں شریک نہ کروں گا۔

2- میں چوری نہ کروں گا۔ خون ناحق نہ کروں گا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن نہ کروں گا۔ کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

3- امر بالمعروف میں رسولؐ کی اطاعت بقدر استطاعت کرونگا۔

بعد میں عورتوں سے بھی بیعت لی اور انہوں نے کہا:

1- کسی کے سوگ میں اپنا مونہہ نوچیں گی نہ چہرہ پیٹیں گی۔

2- اور نہ گریبان چاک کریں گی' نہ سیاہ کپڑے پہنیں گی نہ قبر پر سوگواری میں بیٹھیں گی۔

غزوہ حنین

جب مکہ فتح ہو چکا تو قبیلہ بنو ہوازن اور بنو ثقیف نے مسلمانوں سے آخری لڑائی لڑنے کی تیاریاں شروع کی۔

خبر مسلمانوں تک پہنچی تو نبی کریمؐ نے دفاع کی تیاری کا حکم دیا۔ آپ ؐ بارہ ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر حنین کی طرف چل پڑے۔ چونکہ اس بار مسلمانوں کے پاس مکمل جنگ کا سامان موجود تھا۔ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ ان کے منہ سے کلمات تفاخر نکل گئے کہ

''آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے۔'' اللہ پاک کو ان کے یہ کلمات پسند نہ آئے۔ اس کا پتہ ہمیں سورہ توبہ کی آیت نمبر 25 سے چلتا ہے۔

و یوم حنین اذا اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیأ

وضاقت علیکم الارض بمار حبت ثم ولیتم مدبرین ○

ترجمہ: حنین کے دن جب تمہاری کثرت تمہیں اچھی لگی پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی تب تم پیٹھ دے کر پھر گئے۔

حنین کی لڑائی اوطاس پہاڑ کے دروں اور پر پیچ وادیوں کے درمیان لڑی گئی تھی اور جب دشمنان اسلام کو مجاہدین کے آنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے راستوں میں خود کو روپوش کر لیا۔ جب اسلامی لشکر ان کے قریب سے گزرا تو انہوں نے تیروں کی بارش کر دی۔

دو ہزار افراد جن کا تعلق مکہ سے تھا اور نو مسلم تھے۔ بھاگ نکلے۔ ایسے وقت میں حضورؐ کے گنتی کے چند جانثار باقی رہ گئے آپؐ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے اور یہ اعلان کیا کہ "میں خدا کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ مہاجرین وانصار کو آواز دو انہوں نے نعرہ بلند کیا۔ اے گروہ انصار! اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! حضرت عباسؓ کی اس آواز نے جادو کا کام کیا۔ پلک جھپکنے میں لشکر اسلام کے جانثار آواز کی طرف پلٹے اور وہ زور کا معرکہ ہوا کہ دشمن اپنے ستر زخمیوں کو میدان کارزار میں تڑپتا چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اس ہاری ہوئی فوج کا کچھ حصہ اوطاس میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ آپؐ نے چند جانثاروں کو بھیج کر ان کو تتر بتر کر دیا۔ بعد میں انہیں دھمکی دی کہ تمام باغات اجاڑ دیئے جائیں لیکن وہاں کے لوگوں نے درخواست گزاری کی کہ ایسا نہ کیا جائے۔ جو منظور کر لی گئی۔

دوسری جانب طائف کے لوگوں نے لوہے کے لمبے لمبے ٹکڑے گرم کر کے دبابوں کے ذریعے مسلمانوں پر پھینکے۔ جن کی وجہ سے مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ بیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔ مگر شہر تھا کہ فتح ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ آپؐ نے نوفلؓ بن معاویہ کو بلا کر مشورہ لیا۔ اس نے جواب دیا کہ دشمن چھپ کر بیٹھ گیا ہے۔ اگر کوشش جاری رکھی تو ضرور ہاتھ آ جائے گا۔ اگر چھوڑ دیا تو ہمیں نقصان ہوگا۔ آپ کو اس کی رائے اچھی لگی چنانچہ بیس دنوں کے بعد محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ جب آپؐ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو یہ دعا فرمائی۔

اللھم اھد ثقیفاً و ایت بھم

ترجمہ: (اے اللہ ثقیف کو ہدایت کر اور ان کو میرے پاس لے آ)

چند ہی دنوں میں رسولؐ کی دعا کے اثر سے یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ جب آپؐ محاصرہ اٹھا کر جعرانہ پہنچے تو مال غنیمت کی گنتی فرمائی۔ مسلمانوں کے ہاتھ چھ ہزار جنگی قیدی، چوبیس ہزار

اونٹ' چالیس ہزار بکریاں' چار ہزار اوقیہ چاندی لگی۔ جسکو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ یتیموں اور مسکینوں کے لیے رکھ دیا گیا۔ رحمت دو عالم نے ان کی گزارش منظور کرتے ہوئے چھ ہزار قیدی آزاد کر دیئے۔

غزوہ تبوک

رسول اللہؐ نے اپنی حیات طیبہ میں جس آخری غزوہ میں حصہ لیا اس کو غزوہ تبوک کا نام دیا گیا ہے۔ یہ 9 ہجری میں پیش آیا۔ واقعات یوں ہیں کہ شام سے آنے والے تاجروں نے مدینہ میں یہ بات مشہور کر دی کہ قیصر نے حملہ کی تیاری کا پروگرام بنایا ہے۔ جب حضور کو علم ہوا تو آپؐ نے تجویز کیا کہ ملک میں افراتفری مچانے کی بجائے اگر سرحد پر دشمن کو روکا جائے تو بہتر ہے یہ ایسا وقت تھا کہ فصل پک چکی تھی اور گرمی زوروں پر تھی۔ ایک تیسرا طبقہ جو اوپر سے مسلمان اور اندر سے کافر تھا۔ انہیں لڑائی میں جانا ناگوار گزرتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور حضرت علیؓ کو چھوڑ دیا تا کہ کوئی خرابی پیدا ہونے کی صورت میں اس کا سدباب کر سکیں۔ ابھی اسلامی لشکر راستہ میں تھا کہ حضرت علیؓ ان سے آملے۔

انہوں نے پوچھنے پر جواب دیا کہ کافر اور منافق مجھے بزدلی کا طعنہ دیتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے 9 سو اونٹ' سو گھوڑے' ہزار درہم لا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کا سارا مال' حضرت عبدالرحمٰن نے چالیس ہزار درہم پیش کیے۔

حضرت عمرؓ نے اپنا نصف اثاثہ ابوعقیل نے دو سیر چھوہارے پیش کیے۔ جب مسلمانوں کا لشکر تبوک پہنچا تو پتہ چلا کہ یہ ساری خبر جھوٹی تھی۔ البتہ ایلیا کا عیسائی حکمران آپؐ کے پاس حاضر ہوا اور اطاعت قبول کی۔

حکم جندل نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ عبداللہ بن ابی یہودی ہجرت سے پہلے ان کی تاجپوشی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن آمد رسولؐ کی وجہ سے معطل کر دی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں صرف ایک فرد دکھائی دیتا ہے جس نے بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔

یہ تھے ہادی برحق' غریبوں کے حامی' یتیموں کے مولیٰ' دکھیوں کے سہارے' خیر البشر حضرت محمد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب منافق مرا تو آپؐ نے اپنا کرتہ اتار کر اس پر ڈال دیا۔ اور اس کے جنازے میں شرکت کی۔

وفود کی آمد

8 ہجری سے 10 ہجری تک تقریباً سو سے زائد وفود چل کر رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس سے پہلے اتنے لوگ کبھی نہ مسلمان ہوئے تھے۔ جب مسلمانوں نے مکہ کی عظیم فتح بغیر خون بہائے حاصل کی تو کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور انہیں مسلمانوں کی طاقت کا احساس ہوا۔ اس لئے زیادہ وفود فتح مکہ کے بعد آئے۔

حضور فریضہ حج کیلئے جا رہے تھے۔ (آپ نے اپنی پوری زندگی میں ایک بار حج کیا) ہر فرد اس سعادت کو حاصل کرنے کیلئے تیار ہو گیا۔ اردگرد سے کثیر تعداد میں لوگ مدینہ کی طرف آنا شروع ہو گئے۔

حجتہ الوداع

26 ذیقعدہ 10 ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرما کر چادر تہبند باندھی نماز ظہر ادا کرنے کے بعد مدینے سے باہر قدم رکھا تمام امہات المومنین کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا جب یہ قافلہ ذوالحلیفہ پہنچا جو مدینہ کا میقات ہے وہاں رات بھر قیام فرمایا اگلے دن دوبارہ غسل فرمایا۔ دو رکعت نماز ادا کی اور اپنی سواری قصویٰ پر سوار ہوئے احرام باندھا اور اسی مقام سے لبیك اللھم لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد و النعمته لك و الملك لا شریك لك کا ترانہ بلند کرتے ہوئے اس مقدس سفر پر روانہ ہوئے۔

راستے میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ آ آ کر ساتھ ملتے گئے جب یہ قافلہ حج مکہ کی سرحد میں داخل ہوا تو اس کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار ذوالحجہ کو بروز اتوار مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ جب کعبتہ اللہ پر نظر پڑی تو زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

اے خدا اس گھر کو اور زیادہ عزت و شرف دے سب سے پہلے طواف کعبہ کیا پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا فرمائی صفا و مروہ پر تشریف لے گئے بیت اللہ کی جانب منہ کر کے فرمایا:

> ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کے لیے بادشاہت ہے اور اس کے لئے حمد ہے وہ زندہ رکھتا ہے اور وہی مارتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے کوئی معبود نہیں مگر وہ اکیلا اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی۔''

8 ذوالحجہ کو تمام حجاج سمیت منیٰ میں قیام فرمایا ظہر سے عشا تک کی نمازیں وہاں ادا کیں۔

9 ذوالحجہ کو سورج طلوع ہونے کے بعد وادی نمرہ میں پہنچے پھر یہاں سے روانہ ہو کر عرفات میں قیام فرمایا۔

یہاں حاجیوں کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب تھا سب کی زبانوں سے رب جلیل کی تمجید و تقدیس کے الفاظ نکل کر فضا کو معطر کر رہے تھے آپ ناقہ پر سوار ہو کر میدان میں آئے اور خطبہ دیا۔

اے لوگو! میری بات اچھی طرح سن لو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد پھر میں کبھی اس موقع پر تمہارے درمیان ہوں گا۔

حجتہ الوداع کے بعد آپؐ مدینہ تشریف لے گئے 11 ہجری ماہ صفر میں آپ بیمار ہوئے۔ بیماری کی حالت میں بھی عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ایک دن جب کچھ افاقہ محسوس کیا تو حکم دیا کہ مجھے غسل کرایا جائے غسل کے بعد آپؐ مسجد میں تشریف لے گئے۔ اور نماز پڑھائی بعد نماز ایک چھوٹا سا خطبہ فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار عطا فرمایا کہ وہ دنیا عقبیٰ اور خدا کی نعمت دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے لیے قبول کرے۔ مگر آپ نے خدا کی نعمت کو ترجیح دی۔''

اولاد مطہرہ

رسول اللہ صلعم کی اولاد کی تعداد میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ آپ کی اولاد کی تعداد چھ تھی جن میں دو بیٹے قاسمؑ ابراہیم جو بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور چار بیٹیاں زینبؓ رقیہؓ ام کلثوم اور فاطمۃ الزہرا۔

ابن اسحاق کے بقول آپؐ کے دو صاحبزادے اور بھی ہیں۔ جن کے نام طاہر اور طیب تھے۔ اگر آپؐ کے تمام اقوال اکابرین کو جمع کریں تو آپؐ کی اولاد کی تعداد بارہ ہو جاتی ہے۔ ابراہیم کے علاوہ تمام اولاد حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سے تھی جبکہ ابراہیم حضرت ماریہؓ کے بطن سے ہوئے۔

ازواج مطہرات

آپؐ نے سب سے پہلے پچیس سال کی عمر میں مالدار بیوہ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپؐ نے دوسرا نکاح نہ کیا۔ ان کے فوت ہونے کے بعد آپؐ نے حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر الصدیقؓ سے عقد فرمایا۔ حضرت عائشہ کی عمر کم تھی اسی وجہ سے رخصتی فوراً نہیں کی۔ پھر آپؐ نے ایک پختہ عمر بی بی جس کا نام حضرت سودہؓ تھا سے نکاح کیا۔ یہ ایک صحابی کی بیوہ تھیں۔ یہ پانچ سال آپؐ کے ساتھ رہیں۔

حضرت عائشہؓ کی رخصتی بھی ہجرت کے دوسرے سال عمل میں آئی۔ آپؐ نے زیادہ شادیاں 1 ہجری سے 10 ہجری تک کیں۔ ان شادیوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ اگر مرد حضرات لقمہ جنگ بن جائیں تو خواتین کی خبر گیری اور اخلاق حسنہ کے زیور سے آراستہ کرنے کے لئے عورتوں کا

ہونا لازمی ہے۔

کیونکہ اسلام ایک شخص کو چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے۔اس طرح آپؐ نے حضرت حفصہ بنت عمر کو عقد میں لیا انکی وفات 54 ہجری میں ہوئی۔

حضرت زینبؓ بنت خزیمہؓ

حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہؓ

حضرت جویریہؓ بن حارثؓ

حضرت زینبؓ بنت جحشؓ

حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ

حضرت میمونہؓ بنت حارثؓ ازواج مطہرات میں شامل تھیں۔

اس طرح تعداد بارہ بیان کی جاتی ہے۔

اسلامی تعلیمات

اللہ تعالی پر ایمان لانا' قرآن مجید میں فرشتوں پر ایمان لانا' ملائکہ پر ایمان بہت ضروری ہے۔تمام انبیاء پر ایمان' حضرت محمد کو خاتم النبیین ماننا' روز آخرت پر ایمان' لہٰذا قیامت پر ایمان لانا بھی مسلمان کے لیے ضروری ہے۔اچھی یا بُری تقدیر پر ایمان' انسان کچھ کاموں میں صاحب اختیار اور کچھ پر اس کا بس نہیں چلتا' جیسے دل کا دھڑکنا' خون کا جسم میں گردش کرنا انسان کے اختیار میں نہیں۔ جناب نبی مکرمؐ سے ایک اجنبی شخص نے دریافت کیا۔ایمان کیا ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: ایک اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اسکی کتابوں' اس کے رسولوں' یوم حشر پر' اچھائی بُرائی جو سب اللہ کی طرف سے ہے۔ان سب کو سچ جاننا اور ماننا ایمان ہے۔

قرآن مجید کی سورہ النساء کی آیت 136 میں موجود ہے۔ارشاد کیا گیا:

یایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ والکتب الذی نزل علی رسولہ والکتب الذی انزل من قبل ۝ ومن یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضل ضلا لا بعیدا۝

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اعتقاد رکھو اللہ کے ساتھ اس کے رسول کے ساتھ' اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے آپؐ پر نازل فرمائی۔اور اس کتاب کے ساتھ جو کہ پہلے نازل ہو چکی اور جو شخص اللہ تعالی کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا' اسکی کتابوں کا' تو وہ گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

اسلامی معاشرت کے چند بنیادی اصول

اسلامی مساوات

دین اسلام جسے افضل الادیان کہا جاتا ہے کا اہم ترین پہلو مساوات ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

(الحجرات:13)

ترجمہ: "اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تا کہ ہم ایک دوسرے کو پہچانیں اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔"

حجتہ الوداع کے موقع پر رسول کریمؐ نے فرمایا:

"لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں مگر تقوئی کے سبب۔"

اخوت

قرآن حکیم میں واضح الفاظ میں اخوت اور بھائی چارہ پر زور دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔ اور حدیث مبارک میں بھی ہے:

"تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اتحاد و اتفاق

قرآن حکیم میں اتحاد و اتفاق پر بڑا زور دیا گیا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و اعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا

(سورہ آل عمران: 103)

رسول کریمؐ فرماتے ہیں۔ ایک مومن دوسرے مومن کیلئے ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک عمارت کا ایک جزو دوسرے جز کو قوت دیتا ہے۔ پھر اپنی انگلیوں کو ملا کر مثال بتائی اور کہا یہ اس طرح ایک دوسرے سے مل جل کر قوت دیتی ہیں۔ رسول کریمؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔ ایسے شخص کی مجھ سے سفارش کرو تم کو ثواب ہو گا۔ اور اللہ نے اپنے نبیؐ کی زبان پر جو چاہتا ہے پورا کرتا ہے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ تو مومنوں کو ایک دوسرے سے رحم محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا جیسا کہ بدن میں ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارے اعضاء بخار اور بیداری میں اس کے شریک ہو جاتے ہیں۔

جان مال اور آبرو کی حرمت

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق

"اور جان کو قتل نہ کرو۔ جسے اللہ نے حرام ٹھہرا دیا ہے۔ سوائے اس کے کہ انصاف چاہو۔" (سورہ الانعام: 151، سورہ اسراء: 33)

رسول کریمؐ فرماتے ہیں تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہے جیسے آج کے دن کی حرمت ہے۔ (خطبہ حجۃ الوداع)

مذہبی آزادی

ارشاد الٰہی ہے:

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی

- ترجمہ: "دین (اسلام) میں کوئی سختی نہیں بے شک ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔" (سورہ البقرہ: 256)

دین اسلام پر اجمالاً و اکمالاً ایک بلیغانہ اور بالغانہ نظر دوڑانے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی اشاعت تلوار کے زور پر نہیں بلکہ حلاوت لسان کے بل بوتے پر ہوئی۔ تاریخ میں متعدد

واقعات ایسے ہیں کہ لوگ میٹھی زبان کے بل بوتے پر دین اسلام میں وارد ہوئے۔

خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہجرت سے پہلے ایسے لوگوں کی عیادت کیلئے بھی چلے جاتے تھے جو دن بھر آپ کو تنگ کرتے رہتے تھے وہ آپؐ کی شیریں زبان دیکھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔ ہمارے سامنے ہجرت حبشہ کا واقعہ بھی ہے اور سفر طائف بھی' ہمارے سامنے شعب ابی طالب کے کٹھن دن بھی ہیں اور فتح مکہ بھی جب ابو سفیان کو امان ملی اور فتح مکہ کے دن مسلمانوں کے سر فخر سے حراء پہاڑ سے بھی زیادہ بلند نظر آ رہے تھے۔

دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور تدبیر و تعمیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم' تابعین' تبع تابعین' انصار و مہاجرین' ائمہ کرام اور علماء دین نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

روایت ہے کہ امام اعظم حضرت نعمان بن ثابت المعروف بامام ابی حنیفہؒ کو ایک یہودی جو آپ کا ہمسایہ تھا بہت تنگ کیا کرتا تھا۔ وہ روزانہ بوقت نماز فجر آپ پر کوڑا پھینکا کرتا تھا۔ ایک روز اس یہودی نے کوڑا نہ پھینکا آپ کو تشویش لاحق ہوئی اور اس کی خیریت معلوم کرنے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ صاحب فراش ہیں۔ یہودی آپ کی عیادت سے اس قدر خوش ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔

آداب معاشرت

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل حیات طیبہ لوگوں کیلئے ایک مثال اور نمونہ ہے۔ آپؐ معاشرہ میں نبوت سے پہلے ہی صادق اور امین کے القاب سے پکارے جاتے تھے۔ تمام لوگ آپؐ کی ذہانت و متانت کے گرویدہ تھے۔ حلف الفضول اور حجر اسود کی تنصیب کے واقعات شاہد ہیں کہ اہل مکہ آپؐ کی شخصیت سے مرعوب و مرغوب ہو چکے تھے۔

آپؐ کی مثالی حیات کو قرآن حکیم نے متعدد آیات سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

ترجمہ: ''بے شک رسول اللہ صلعم کی زندگی تمہارے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔

(سورہ الاحزاب: 21)

اور فرمایا:

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعلمین

ترجمہ: ''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے باعث رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

(سورہ الانبیاء: 7)

یوں تو قرآن عزیز کی ہر آیت کا رجوع ذا ارتکاز بالواسطہ یا بلاواسطہ معاشرتی آداب ہی

ہے تاہم سورہ البقرہ، سورہ النساء، سورہ النور، سورہ الحجرات اور سورہ الرحمن معاشرتی آداب کو زیادہ اہمیت کے ساتھ اجاگر کرتی ہیں۔

سورہ البقرہ کی یہ آیت معاشرتی نشیب و فراز کی بھرپور عکاس اور متقاضی ہے:

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب ولکن البر من امن باللہ و الیوم الاخر و الملئکۃ و الکتاب و النبین و اتی المال علی حبہ ذوی القربی و الیتمی و المساکین و ابن السبیل و السائلین و فی الرقاب و اقام الصلوۃ و اتی الزکوۃ و الموفون بعھدھم اذا عاھدوا و الصابرین فی الباساء و الضراء و حین الباس اولئك الذین صدقوا و اولئك ھم المتقون O

ترجمہ: ''نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مونہہ مشرق او مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ (انسان) ایمان لائے اللہ پر، قیام پر، فرشتوں پر، کتاب (قرآن حکیم) پر اور تمام انبیاء پر اور اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں اور غلاموں کو دے اور وہ نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کرے اور (یہی وہ لوگ ہیں) جو اپنا عہد پورا کرتے ہیں جب یہ عہد کرتے ہیں اور یہی مصیبت، سختی اور تنگی کے وقت صبر کرنے والے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیشہ سچ کہا اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔'' (سورہ البقرہ:177)

تصور محنت

جب کسی انسان میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے تو ہر کامیابی اس کے قدم چومنے لگتی ہے کیونکہ یہ احساس اسے محنت و کاوش کی طرف لے جاتا ہے اور سستی، کاہلی اور غفلت سے نجات دلاتا ہے۔ یاد رکھئے دنیا میں ناکامی اور تنزلی کے پیچھے صرف ایک ہی عنصر کارفرما ہوتا ہے اور وہ ہے سستی اور غفلت کا عنصر کیونکہ انسان جب کسی کام کو التواء میں ڈالتا ہے بعدازاں وہ خود التواء کا شکار ہو جاتا ہے، ایک چھوٹا سا جملہ ''چلو پھر سہی'' اسے زندگی کے خوشگوار لمحوں سے کوسوں دور لے جاتا ہے۔

اللہ رب العزت نے محنت کرنے والوں کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے:

وان لیس للانسان الا ما سعی

ترجمہ: ''اور انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے کوشش کی۔''

(سورہ النجم: آیت :39)

اور ایک اور موقع پر فرمایا:

ومن ارادالاخرة وسعی لها سعیها وهو مومن فاولئك
كان سعیهم مشكورا O

ترجمہ: "اور جو آخرت کا ارادہ کرلے اور اس کیلئے خوب کوشش کرے پس (ایک تو) وہ صاحب ایمان ہے دوسرا یہی وہ لوگ ہیں جن کی کوشش رنگ لائے گی۔"

(سورہ بنی اسرائیل: 19)

اللہ رحمٰن ورحیم کا کہنا ہے کہ یہی سعی انسان کے حصول و وصول کا ثمر ہے۔ ایک دن یہی کوشش اس کی کامل رہنما بن جائے گی اور عدل ورحم کے ترازو سے نکال کر اس کی راہیں متعین کرے گی اور پھر جنت یا دوزخ دونوں میں سے کسی ایک کے حوالے کر دے گی۔

ایسے موقع پر انسان کو کچھ یاد نہیں رہے گا۔ پس جس کے اعمال وزن میں کم ہوں گے وہ اپنی سستی اور کاہلی کو کوسے گا اور اس کے سوا کچھ نہ کر سکے گا۔ سورہ النازعات میں ہے:

فاذا جاء ت الطامة الكبرى O يوم يتذكر الانسان
ماسعىO

ترجمہ: "پس جب سب سے بڑی مصیبت آئے گی اس دن آدمی یاد کرے گا اس کوشش کو جو اس نے کی تھی۔" (سورہ النازعات: 34-35)

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے الجامع الصحیح کے آغاز میں جس حدیث مبارک کو شامل کیا ہے وہ انسانی روح کے تمام تر تقاضوں کو پورا کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور وہ حدیث مبارک یہ ہے:

انما الاعمال بالنیات

بلاشبہ انسان کے ہر اچھے یا برے ارادے کا انحصار اس کی نفسانی خواہش پر ہے۔
پس اس کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرتا ہے یا جس کو وہ پانا چاہتا ہے۔

یعنی کسی کام کی نیت ہی وہ پہلا قدم ہے جو اسے برائی یا اچھائی کے راستے پر دور تک لے جاتا ہے۔ تاہم داعی اسلام کے توسط سے یہی بات درست ہے کہ محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی اور انسان کو وہ ضرور ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

تکریم انسانیت

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو قابل احترام بنایا ہے۔ اس وجہ سے اسلامی معاشرہ میں ہر انسان کا احترام ضروری ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

ولقد کرمنا بنی ادم و حملنھم فی البر و البحر و رزقنھم من الطیبت و فضلنھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا O

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری پر سوار کیا اور ان کو کھانے کیلئے پاکیزہ چیزیں دیں اور جن مخلوقات کو پیدا کیا ان میں سے اکثر پر ان کو فضیلت دی۔'' (سورہ الاسراء: 70)

اور سورہ تین میں اللہ خالق کریم نے واضح طور پر فرما دیا کہ انسان اپنے برے اعمال کی بدولت اسفل سافلین میں چلا گیا اس نے اپنی نفسانی خواہشات کی بلاوجہ تسکین و تکمیل کیلئے معاشرہ کو اونچ نیچ اور ذات پات کی حدود کی نذر کر دیا اور حیات دنیا جو سوائے متاع غرور کے کچھ نہیں سب کچھ اسے ہی اصل سمجھ بیٹھا اور پھر ایک وقت آیا کہ اسلامی معاشرہ منقسم و منتشر ہو کر اپنی پہچان کھو بیٹھا۔ لوگ علیحدہ علیحدہ اتفاق سے رہنے لگے یعنی اتحاد و یگانگت کا الگ الگ نعرہ لگانے لگے تاہم جب معاشرہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہاں اتفاق و افتراق کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب رنگوں پر سیاہ رنگ غالب آ جاتا ہے تو باقی تمام رنگ بھی سیاہ نظر آنے لگتے ہیں لیکن اپنی اصلیت نہیں چھوڑتے یعنہٖ اسلامی معاشرہ اپنے اصل رنگ یا وجودیت سے دور نہیں گیا اور تکریم انسانیت کا تصور ہمیشہ مقدم رہے گا۔

عائلی زندگی

قرآن مجید میں یہ امر واضح ہے کہ شادی کے چار فوائد ہیں۔ ایک عفت' دوسرا سکون' قلب' تیسرا بقائے نسل' اور چوتھا حفظ صحت۔

(1) عفت

عفت اور پرہیز گاری انسانیت کا ایک قیمتی جوہر ہے اور یہ انمول جوہر شادی سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً حتی یغنیھم اللہ من فضلہ

''اور جو شادی کا سامان نہیں پاتے اپنے تئیں بچائے رکھیں۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے۔'' (سورہ النور: 33)

صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول کریم نے فرمایا:

"اے جوانوں کے گروہ جو کوئی تم میں سے نکاح کی طاقت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو نیچے رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور جو نکاح کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ روزہ رکھے کیونکہ یہ شہوتوں کو توڑتے ہیں۔"

دوسری جگہ قرآن میں آتا ہے:

هن لباس لكم و انتم لباس لهن (سورہ البقرہ: 187)

"عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم عورتوں کیلئے لباس ہو۔"

اس آیت میں نکاح کی اہمیت کو اہمیت لباس سے متماثل قرار دیا گیا ہے۔

(2) سکون قلب

شادی سکون قلب کا ذریعہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

هو الذی خلقكم من نفس واحدة و جعل منها زوجها ليسكن اليها

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس سے وہ سکون حاصل کرے۔" (سورہ الاعراف: 189)

ایک اور موقع پر ارشاد ہے:

ومن اياته ان خلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها و جعل بينكم مودة و رحمة

ترجمہ: "اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہارے لئے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنائے کہ تم ان میں سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے آپس میں محبت اور رحمت رکھی۔" (سورہ الروم: 21)

(3) بقائے نسل

تخلیق انسان اور اس خلق کے پیچھے بلوغ المرام صرف اور صرف ایک ہی تھا اور وہ تھا ظہور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پس اسی خلق کی تشکیل و ترکیب کیلئے خلق آدم و ماغیرہ سب وجود میں آئے جیسا کہ حدیث قدسی ہے:

لولاك لما خلقت الافلاك

بقائے نسل کا فلسفہ اور اس کے اصول و مناصح کا ارتکازی ہدف خلق حبیب اللہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

اس منشاء کی وفا کیلئے سورہ النساء میں ارشاد ہے:

یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالا کثیراً و نساء

"اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔"

(4) حفظ صحت

بعض اوقات غیر شادی شدہ لوگ طویل العمر ہونے یا غلط کاریوں کا شکار ہونے کی وجہ سے خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شادی خلاف فطرت عوامل اور غلط کاریوں سے بچاتی ہے اور انسان کی صحت برقرار رہتی ہے۔

اس احسن اقدام کی حوصلہ افزائی کیلئے سورہ النساء میں مسلمانوں کے جذبہ نکاح کو خوب سراہا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ (سورہ النساء: آیت: 3)

ترجمہ: "پس جو عورتیں تمہیں پسند آ جائیں ان سے نکاح کرو، دو دو، تین تین اور چار چار پس اگر تمہیں خدشہ ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک شادی ہی کافی ہے۔"

اور سورہ النساء میں ارشاد ہے:

ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما

ترجمہ: "اور اپنی جانوں کو خود قتل نہ کرو بلاشبہ اللہ تم سب پر مہربان ہے۔"

اور نسل انسانی کی صحت اور بقاء کیلئے خلاف فطرت عوامل کے امتناع کے سلسلے میں حکم الٰہی ہے:

ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ

"اور اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

نکاح کی اہمیت

اسلام نے نکاح کو ایک متبرک اور مقدس معاہدہ قرار دیا ہے۔ جس میں ہر عاقل اور بالغ

مسلمان کو شامل ہونا ضروری ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

و انکحوا الایامی منکم و الصلحین من عبادکم و امائکم ان یکونوا فقرآء یغنیھم اللہ من فضلہ و اللہ و اسع علیھم O (سورہ النور:32)

"اور جو تم میں سے بے نکاح ہیں اور ان کے نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو صلاحیت رکھتے ہیں۔اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا جاننے والا ہے۔"

خاوند اور بیوی کے حقوق و فرائض

اسلام سے قبل ہر قوم اور ہر مذہب میں عورت کو کنیز اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔اسلام آیا تو اس نے عورت کو عزت دی' نام دیا' چار دیواری دی' تحفظ دیا' ایک پہچان دی اور اس کے مقام کو بلند کیا۔ حتیٰ کہ وہ بھی انسانی معاشرے کا ایک فرد سمجھی جانے لگی۔روحانی نقطہ نگاہ سے عورت کی حیثیت کو مرد کی حیثیت کے برابر قرار دیا گیا۔ارشاد الٰہی ہے کہ اللہ تم میں سے کسی عمل کرنے والا کا عمل ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہو۔دوسری جگہ آتا ہے اور جو نیک عمل کرتا ہے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو جنت میں داخل ہوگا۔مادی لحاظ سے بھی عورت کے حقوق کو مرد کے برابر قرار دیا ہے۔وہ مرد کی طرح روپیہ کما سکتی ہے اور جائیداد کی مالک ہو سکتی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

للرجال نصیب مما ترك الوالدان والا قربون و للنساء نصیب مما ترك الوالدان والا قربون

"مردوں کیلئے اس میں سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی رشتے داروں نے چھوڑا اور عورتوں کیلئے اس میں سے ایک حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ دیں۔" (سورہ النساء:7)

ایک مستشرق نے عورت کے رتبہ کے بارے میں لکھا ہے۔آپ نے عورت کو مملوکیت سے نکال کر مالکیت کا درجہ بخشا اور اس کو پہلا شرعی وارث قرار دیا جس کے اغراض کی حفاظت قانون اسلام پر واجب ہے۔

بیوی کے حقوق

اسلام نے ایک مرد کیلئے عورت کو اپنے حلقہ زوجیت میں لانے کیلئے ایک معاہدہ تشکیل دیا

ہے جس کو اسلامی اصطلاح میں نکاح کہا جاتا ہے۔

ارشادالٰہی ہے:

فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة اوما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعلوا (سورہ النساء: آیت: 3)

"ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں۔ وہ دو اور تین اور چار چار اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی یا جس کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے یہ زیادہ نزدیک ہے تا کہ تم ناانصافی نہ کرو۔"

ارشادالٰہی ہے:

فانکحو ھن باذن اھلھن و اتوھن اجورھن بالمعروف

"سو انہیں ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح میں لاؤ اور ان کو دستور کے مطابق ان کے مہر دے دیا کرو۔" (سورہ النساء: آیت 25)

اسلام نے عائلی زندگی کو خوشگوار بنانے اور نظم و نسق برقرار رکھنے کیلئے شوہر اور بیوی دونوں کیلئے فرائض مقرر کر دیئے۔ جن کی بجا آوری سے گھریلو زندگی جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

عورت کا مقام

ادیان عالم میں اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو مکمل طور پر فطری اصولوں پر مبنی ہے۔ یہی وہ خوشگوار فضا ہے جس کے اندر انسان سکون سے سانس لے سکتا ہے اور یہی وہ سیدھا سادہ اور ہموار راستہ ہے جس پر وہ بغیر کسی ٹھوکر کے چل کر منزل مقصود پا سکتا ہے۔ اسلام نے انسان کو رہنے کیلئے ایک ایسا معاشرہ فراہم کیا جس کے وضع کردہ اصولوں پر عمل کر کے انسان نہایت ہی آرام دہ اور پرسکون زندگی بسر کر سکتا ہے۔

دیگر مذاہب کا معاشرتی نظام بالخصوص بدھ مت اور ہندو مت کا نظام اس قدر گھناؤنا اور گھٹن والا ہے کہ اس کے اندر رہ کر ہر ذی روح پناہ مانگتا ہے۔ ہندومت میں عورت کو معاشرتی اعتبار سے کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔ ستی (Sati) جیسی ظالمانہ رسم اس نظام کی واضح مثال ہے۔

بالعکس تمام اسلام جیسے عظیم اور عالمگیر دین نے عورت کو ایک باعزت مقام عطا کیا اور اسے برابری کا حقوق سے نوازا۔ سورہ الاحزاب میں اللہ رحمٰن و رحیم نے مرد اور عورت کو باہمی تکمیل و تعمیر سے ان الفاظ میں یاد کیا ہے:

ان المسلمین و المسلمات و المومنین و المؤمنات و

القانتين و القانتات و الصادقين و الصادقات و الصابرين و الصابرات و الخاشعين و الخاشعات و المتصدقين و المتصدقات و الصائمين و الصائمات و الحافظين فروجهم و الحافظات و الذاكرين الله كثير و الذكرات اعد الله لهم مغفرة و اجرا عظيما O

ترجمہ: ''بے شک اسلام قبول کرنے والے مرد اور اسلام قبول کرنے والی عورتیں' ایمان لانے والے اور ایمان لانے والیاں' فرماں برداری کرنے والے اور فرماں برداری کرنے والیاں' سچائی کی راہ پر چلنے والے اور سچائی کی راہ پر چلنے والیاں' صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں' عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں' خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں' روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں' اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ان سب کیلئے اللہ نے بخشش اور بہت بڑا انعام تیار کر رکھا ہے۔'' (سورہ الاحزاب: آیت: 35)

رسالتمآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کیلئے بہتر اور میں اپنے اہل خانہ کیلئے تم سب سے بہتر ہوں۔

(2) نان نفقہ

شوہر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کیلئے روزگار کا بندوست کرے۔ نص قرآنی ہے:

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض و بما انفقوا من اموالهم

ترجمہ: ''مرد (بہت سے معاملات میں) عورتوں پر غالب ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ مرد اپنے مالوں میں سے ان پر خرچ کرتے ہیں۔'' (سورہ النساء: آیت: 34)

مرد عورتوں پر' نبوت' خلافت' عقل و دانائی' امامت' اذان' خطبہ' جماعت' جمعہ' تکبیر' حد و قصاص کی شہادت' وراثت میں حصہ' نماز و روزہ میں کامل ہونے اور نکاح و طلاق میں مختار ہونے میں' غالب ہیں اور زیادہ فضیلت والے ہیں۔

قرآن حکیم میں ایک اور موقع پر ارشاد ہے:

لينفق ذو سعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما

اتاہ اللّٰہ

ترجمہ: ''پس چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے اور جس پر اس کا رزق تنگ ہو جائے وہ اس میں سے نفقہ دے جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے۔''

باہمی مصالحت

اگر خاوند اور بیوی کے درمیان اختلاف اور رنجش پیدا ہو جائے تو دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مگر قرآن مجید میں آتا ہے:

و ان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما

ترجمہ: ''اور اگر تم کو میاں بیوی کے آپسی جھگڑے کا خوف ہو تو ایک ثالث مرد والوں کی طرف سے اور ایک ثالث عورت والوں کی طرف سے بھیجو یہ دونوں اگر دونوں (میاں بیوی کی) صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان کا آپس میں میل کرا دے گا۔(سورہ النساء: آیت: 35)

حق مہر کی ادائیگی

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

و اتوا النساء صدقتھن نحلۃ فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریا O

ترجمہ: ''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو اور پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے خوب مزے سے کھاؤ''

(سورہ النساء: آیت:4)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ

ترجمہ: ''پس تم جن عورتوں کو اپنے نکاح میں لانا چاہتے ہو ان کے مقرر شدہ مہر ان کو ادا کرو۔'' (سورہ النساء: آیت: 24)

علاوہ ازیں حق مہر سے متعلق مزید احکامات کی تفصیل حسب ذیل آیات میں دیکھیں:

(1) سورہ النساء: آیت: 25

(2) سورہ المائدہ: آیت: 5

(3) سورہ الاحزاب: آیت: 50
(4) سورہ الممتحنہ: آیت: 10
(5) سورہ الطلاق: آیت: 6

بیویوں میں عدل

ایک سے زیادہ شادیوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"پس اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہیں کرو گے تو ایک ہی یا جس کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے یہ زیادہ تر نزدیک ہے تاکہ تم ناانصافی نہ کرو گے۔"

شوہر کے حقوق

قرآن و سنت میں ازدواجی زندگی کو استوار رکھنے کیلئے بیوی کے چند فرائض متعین کیے ہیں۔ان کا بجالانا عورت کیلئے بہت ضروری ہے۔وہ فرائض حسب ذیل ہیں:

(1) رویہ درست رکھنا۔
(2) اطاعت کرنا۔
(3) حفظ غیب۔
(4) گھر کی دیکھ بھال۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

فالصالحات قانتات حافظات للغیب

"نیک عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے مال و آبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔" (سورہ النساء: 34)

رسول کریمؐ فرماتے ہیں:

عورت جب پانچوں وقت نماز ادا کرے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی آبرو کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔"

گھر کی دیکھ بھال سے متعلق رسول کریمؐ فرماتے ہیں:

"یعنی عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگران اور جوابدہ ہے۔"

والدین کے حقوق

نیک سلوک

قرآن وحدیث میں والدین کے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے۔قرآن مجید میں آتا ہے:

''اور تمہارے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اف تک نہ ہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے تعظیم سے بات کرو اور ان کیلئے نرم دلی سے عاجزی کا بازو بچھا اور عرض کر اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا۔'' (سورہ بنی اسرائیل: 24-23)

والدین کی تعظیم وتکریم سے متعلق مندرجہ ذیل آیات دیکھیں اور مزید تفصیلی معلومات کیلئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام' اردو دائرہ معارف اسلامیہ' مستند تفاسیر اور دیگر مستند کتب کا مطالعہ کریں۔

(1) سورہ البقرہ: 83

(2) البقرہ: 180

(3) البقرہ: 215

(4) سورہ النساء: 36

(5) سورہ النساء: 135

(6) سورہ الانعام: 151

(7) سورہ لقمان: 14

(8) سورہ مریم: 14

(9) سورہ العنکبوت: 8

(10) سورہ الاحقاف: 15

(11) سورہ الاحقاف: 17

(12) سورہ ابراہیم: 41

(13) سورہ النمل: 19

(14) سورہ البقرہ: 233

(15) سورہ نوح: 28

والدین کی اندھی تقلید جہالت ہے

ارشاد الٰہی ہے:

"اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا ہے کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا اگر چہ ان کے بڑے نہ کچھ عقل سے کام لیتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں۔ (سورہ البقرہ: آیت:170)

والدین کے لئے خرچ کرنا

"تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ جو کچھ بھی اچھے مال سے خرچ کرو پس وہ والدین کیلئے ہے۔" (سورہ البقرہ: آیت :215)

اولاد کے حقوق

افلاس کے خوف سے قتل نہ کرو۔قرآن مجید میں آتا ہے:

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق

"اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ مار ڈالو ہم ہی انہیں رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ان کا مار ڈالنا بڑی غلطی ہے۔" (سورہ بنی اسرائیل: 31)

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:

"بے شک وہ گھاٹے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے لاعلمی میں قتل کر دیا۔" (سورہ الانعام: 140)

اولاد کی صحت اور تعلیم وغیرہ سے غفلت بھی قتل اولاد میں شامل ہے۔

اولاد کی تربیت

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

یاایھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم ناراً

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔" (سورہ التحریم: 6)

رسول کریمؐ نے فرمایا:

"ایک آدمی کا اپنی اولاد کو ادب دینا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے۔"

شفقت و مہربانی

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک اعرابی رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کیا آپؐ بچوں کو چومتے ہیں ہم تو انہیں نہیں چومتے۔ آپؐ نے فرمایا کیا یہ سب تیرے اور میرے اختیار میں ہے جب کہ اللہ نے تیرے دل سے رحمت کا جذبہ ہی کھینچ لیا ہے۔

عفو اور درگزر کرنا

"اے لوگو جو ایمان لائے اور تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔" (سورہ التغابن: 14)

دعا کرنا

میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر۔

میراث

اللہ تعالیٰ نے تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں تاکید کی ہے مرد کا حصہ عورتوں کے حصہ کے برابر ہو پھر اگر اولاد میں یا دو اس سے اوپر عورتیں ہوں تو ان کیلئے اس کی دو تہائی ہے اور اگر اکیلی ہو تو اس کیلئے نصف ہے۔ رسول کریمؐ فرماتے ہیں چنانچہ پیدا ہو کر روئے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور وارث قرار دیا جائے۔

قرآن حکیم میں جن مواقع پر اولاد کے حقوق و فرائض کا ذکر کیا گیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(1) سورہ البقرہ: 233
(2) سورہ الانفعال: 28
(3) سورہ سبا: 37
(4) سورہ الممتحنہ: 3
(5) سورہ المنافقون: 9
(6) سورہ التغابن: 15
(7) سورہ آل عمران: 10
(8) سورہ توبہ: 55

(9) سورہ توبہ: 85

(10) سورہ المجادلہ: 17

اسلامی نظریہ حیات کا مفہوم

ایک مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت سے اسلامی تعلیمات کے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف اسلام زندگی کے بنیادی حقائق پر سے پردہ ہٹاتا ہے اور بنی نوع انسان کو یہ بتاتا ہے کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کائنات میں انسان کا کیا مقام ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اسلام عقائد کی شکل میں زندگی کی حقیقت سے انسان کو روشناس اور متعارف کراتا ہے اور کائنات اور زندگی کے بارے میں صحیح زاویہ نظر عطا کرتا ہے۔

دوسری طرف اسلام اجتماعی زندگی کو اعتدال اور توازن کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

اس نظریہ حیات کی مزید وضاحت یوں بھی کی گئی ہے کہ حقیقت میں انسان کو دو قسم کی ضرورتیں لاحق ہوتی ہیں۔ مادی اور روحانی۔ لیکن انسان کی عجلت پسندی اور غرض پرستی ہمیشہ مادی ضرورتوں کو روحانی ضرورتوں پر ترجیح دیتی ہے۔ بڑی وجہ ہے کہ صرف اسی نقطہ نظر کے تحت آج تک انسانی وحدتیں وجود میں آتی رہی ہیں۔ انبیاء و مرسلین اور ان کے سچے تابع فرمان کے سوا کسی نے ثانی الذکر ضرورتوں کا احساس نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ مادی ضرورتوں کا احساس جب حد اعتدال سے بڑھ جائے اور روحانی احساس گم ہو کر رہ جائے اور مادی تقاضے اس احساس پر غالب آ جائیں تو اس حالت کو قرآن حکیم نے ''ہوائے نفس'' اور شہوات سے تعبیر کیا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے نبی اگر آپ یہود و نصاریٰ کی طرح مادہ پرستانہ خواہشات کی پیروی کریں گے تو خدا کے مقابلے میں آپ کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔''

(سورہ بقرہ: 120)

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

ترجمہ: ''ان کے بعد ایسے لوگ کتاب کے وارث بنے جو دینوی زندگی کے ساز و سامان پر مٹنے لگے اور دعویٰ یہ کہ ہمیں ضرور بخش دیا جائے گا۔''

(سورہ الاعراف: 169)

اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اس میں مادیت اور روحانیت میں اعتدال اور توازن قائم کر دیا گیا ہے اور اس کے فلسفہ حیات کے تمام اجزاء سیاست و عمرانیت، اقتصادیت و معیشت، تہذیب و تمدن اور مذہب اور روحانیت باہم اس طرح مربوط ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا

اپنی جگہ اور اپنے مقام پر قائم رہنا ناگزیر ہے اور اگر اس نظام زندگی کی کوئی کڑی اپنی جگہ سے ہل جائے تو پوری انسانی زندگی میں فتنہ وفساد برپا ہو جائے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: ''اگر حق (اللہ تعالیٰ کا نظام حیات) ان کی خواہشات اور خود ساختہ رسم و رواج کا تابع ہو جائے تو ساری کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے''

(سورہ المومنون:71)

انبیاء اور رسل کی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ وہ زندگی کے منتشر اجزاء میں از سر نو ربط پیدا کریں اور انسانوں کو افراط اور تفریط کی راہوں سے ہٹا کر نقطہ اعتدال اور توازن پر لا کر کھڑا کر دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی تصریح فرما دی ہے:

''اور ہم نے رسولوں کو مبین اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان بھی اتاری تا کہ انسان نقطہ عدل پر کھڑے ہو جائیں۔'' (سورہ الحدید:25)

بلکہ اسلام میں مقصود بالذات چند مابعد الطبیعاتی حقائق ایسے ہیں جن کی تکمیل کیلئے عالم مادی محض واسطہ اور ذریعہ ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جس طرح ایک معمار کو مکان کی تعمیر کے لئے چند مخصوص اوزار کی ضرورت ہوتی ہے بعینہٖ مقصود بالذات تو اسلام تھا جبکہ عالم مادی ایک ذریعہ اب ظاہر ہے کہ ذریعہ اور واسطہ کو اصل مقصد تصور کر لینے سے اجزاء زندگی میں انتشار وفساد کا پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے جبکہ مذہب اسلام اس انتشار وفساد کو ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت نہیں کرتا۔ اسی بنا پر وہ اقوام عالم کے مادہ پرستانہ طریقوں کی نہایت شدت سے مخالفت کرتا ہے۔

غرض کہ وطن ہو یا قوم، نسل ہو یا قبیلہ، خود ساختہ شعار قومی ہو داعیہ معیشت، اقتصادیات ان میں سے ہر چیز مذہب اسلام میں محض ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور اصل مقصد کے حصول کیلئے صرف ایک واسطہ کے طور پر کام آ سکتی ہے۔ اگر اسے رکن اول کی جگہ دی جائے اور اصل مقصد کو پیچھے دھکیل دیا جائے تو اسلامی فلسفہ حیات کی عمارت متزلزل ہو کر رہ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کے نزدیک ہر وہ چیز صنم باطل کی حیثیت رکھتی ہے جو اسے اصل مقصد سے ہٹا کر اپنی جانب پھیرے۔

مگر اس سلسلے میں اقوام حاضرہ کے نقطہ ہائے نظر بالکل الگ ہیں جو چیزیں ہماری نظر میں سب سے آخری جگہ پاتی ہیں وہ ان کی نظر میں سب سے اول مقام رکھتی ہیں بلکہ ان کی نظر میں ان حقیر مادی مقاصد کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہی نہیں۔ ان فلسفہ ہائے اجتماع میں اخلاقی اقدار کیلئے کوئی جگہ و مقام نہیں۔

اسلامی نظریہ حیات کی خصوصیات

اگرچہ اقوام کی زندگی اور تمدن میں نمایاں اسلامی اثرات کا تعین وتجدید ناگزیر ہے تاہم اس فلسفہ حیات انسانی کی نمایاں خصوصیات اور قیمتی عطیہ کو متعین کرنے کیلئے اس باب میں کوشش کی جائے گی جن پر نوع انسانی کی رہنمائی' اصلاح وفلاح اور تعمیر وترقی کا انحصار ہے اور اس سے اسلام کی انقلاب انگیزی' آفاقیت اور اندرونی طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔

(1) اسلامی نظام زندگی

اسلامی نظام زندگی یا فلسفہ حیات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا نظام زندگی ہے جو انسان کی عقل کی کوشش کا نتیجہ نہیں اور نہ ہی انسان کی خود ساختہ ارتقائی منزل ہے بلکہ اس فلسفہ حیات یا نظام زندگی کا دارومدار ہدایات ربانی اور وحی الٰہی پر منحصر ہے۔ اس نظام حیات کے اجزاء ترکیبی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ہیں۔ جس نے زمین وآسمان اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے اور جس پر نوع انسانی کے تمام احوال خواہ وہ ماضی ہوں' حال ہوں یا مستقبل سب کے سب عیاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نظام زندگی مخلوقات کے بنائے ہوئے نظام حیات سے زیادہ بہتر و مستقل ہے کیونکہ انسانی ذہن میں اتنی وسعت وفراست نہیں ہے کہ وہ ہر زمانے' ہر ملک و مقام کیلئے بنے ہوئے نظام' جزوی اور وقتی فلاح و بہبود کی خاطر نظام خالق سے بہتر قرار دے دے کیونکہ مذہب اسلام اس خالق و مالک کائنات کا ایسا عطا کردہ نظام زندگی ہے جس نے انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کیا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کی مادی اور جسمانی ضرورتوں کا سامان مہیا کیا وہاں انسان کی روحانی' اخلاقی' تہذیبی اور تمدنی ضروریات کی بھی تشکیل کر دی ہے اور اس مقصد حیات کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر ملک وقوم میں اپنے مقرب بندے (انبیاء ورسل) بھیجے تاکہ وہ ان الہامی ہدایات وروشنی کے ذریعہ انسانوں کو صراط مستقیم پر گامزن کرے۔ جو ان کے اللہ تعالیٰ نے بچھایا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جس کی ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ (سورہ الشوریٰ: 13)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نوع انسانی پر بہت بڑا احسان ہے۔ جس نے تخلیق آدم کا مقصد واضح کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ:"تحقیق اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا۔ جب ان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی (اللہ تعالیٰ کی) آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔" (سورہ آل عمران:164)

ایک مکمل ضابطہ حیات

دنیا کے تمام نظام ہائے زندگی کے مقابلے میں اسلام سب سے بہتر نظام حیات پیش کرتا ہے کیونکہ یہ تمام فطری تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور شعبہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی قومی ہو یا بین الاقوامی معاشی ہو یا سیاسی معاشرتی ہو یا قانونی۔ غرضیکہ زندگی کا ہر شعبہ اسلام کی واضح ہدایات سے حریت ہے۔ بعض اوقات یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ مذہب انسان کا ذاتی شخصی اور انفرادی معاملہ ہے۔ عالم کے دیگر مذاہب کے بارے میں تو یہ بات درست ہو سکتی ہے لیکن اسلام اس نہج کا مذہب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس مذہب اسلام کیلئے "دین" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس اعتبار سے اسلام کو محض عبادات تک مخصوص و محدود کرنا درست نہیں۔ جیسا کہ سورہ المائدہ کی آیت نمبر 3 میں ارشاد ہے۔ اسی طرح سورہ البقرہ میں فرمایا گیا۔

"اے اہل ایمان اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔" (سورہ البقرہ آیت نمبر 208)

اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک مسلمان کی زندگی کا ہر پہلو اور ہر شعبہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور رضا کے مطابق ہوتا ہے اور وہ اپنی زندگی کے سارے افعال و اعمال اور اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کرنے والا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کو شیطان کی پیروی قرار دیا گیا ہے۔

جبکہ شیطان ابتداً اللہ تعالیٰ کا پرستار تھا لیکن جب اسے ایک ایسا حکم دیا جو اس کے نفس پر گراں گزرا (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا) تو اس نے انکار کر دیا اور گمراہی وضلالت کا شکار ہوا اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں رجیم ومردود ٹھہرا۔

(3) وحدت ومساوات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی عنایت وعطاء اور دنیا پر باقی رہنے والا احسان وحدت بنی نوع انسان کا تصور ہے۔ اس سے پہلے انسان قبائل واقوام کے اونچے نیچے طبقات اور تنگ

نسلی دائروں میں بٹا ہوا تھا اور ان طبقات کا باہمی اتنا بعد و فرق تھا جتنا انسان و حیوان' آزاد و غلام اور عابد و معبود کا فرق ہو سکتا ہے۔ آپؐ سے پہلے وحدت و مساوات کا تصور خواب و خیال بن چکا تھا۔ خطبہ حجۃ الوداع کا متن زبردست انسانی مساوات کا داعی ہے۔ قرآن حکیم میں وحدت و مساوات کو نہایت صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "اے لوگو اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم (سب) کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطے سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں (تقویٰ اختیار کرو) بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگران ہے۔" (سورہ النساء: 1)

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "اے لوگو ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے پورا خبردار ہے۔" (سورہ الحجرات: 13)

اس لیے دین اسلام اقوام' نسلوں' خاندانوں اور تمام ملکوں کا اجتماعی حق اور دولت مشترکہ کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں کوئی نسل کسی دوسری پر اور نہ کوئی قبیلہ کسی قبیلہ پر فوقیت رکھتا ہے اور نہ اس تفوق اور امتیاز میں نسل و خون معیار کا درجہ رکھتے ہیں۔ اصلاً معیار فضیلت فرد کا محنت و لیاقت اور جہاد و اجتہاد میں تفوق ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی سند سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ:

ترجمہ: "اگر علم ثریا پر بھی ہو تو اسے بھی کچھ فرزندان ایران حاصل کر لیں گے۔"

عرب کے علماء نے ہر زمانے میں علوم میں تفوق و امتیاز پیدا کرنے والے عجمی علماء کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور انہوں نے ان کے علم و تجربے کا لوہا مانا ہے اور ان کی امانت و علمی قیادت کا اعتراف کیا ہے اور انہیں تعظیمی القاب سے یاد کیا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے امام بخاریؒ کو امیر المومنین فی الحدیث کا خطاب دیا ہے اور ان کی کتاب الجامع الصحیح کو کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب قرار دیا ہے۔

(4) سادہ اور عقلی دین

دین اسلام کی تعلیمات سادہ یعنی آسان اور قابل فہم ہیں اور انسانی عقل اور وجدان (ضمیر) ان کی تائید کرتے ہیں۔ مذہب اسلام اندھی تقلید و اطاعت کا مطالبہ نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں لوگوں کی بار بار توجہ اس بات کی طرف دلائی گئی ہے کہ وہ فکر، عقل اور تدبیر کی قوتوں کو استعمال میں لا کر دین اسلام کو سمجھیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''بھلا یہ لوگ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔'' (سورہ محمد: آیت 24)

تدبر کی اس منزل کو پانے کیلئے جس روشنی کی ضرورت ہے وہ علم ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حاصل کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ مثلاً ارشاد نبوی ہے:

ترجمہ: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔''

چنانچہ یہ اسلام ہی کی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ اہل عرب جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے جہالت کے اندھیروں اور تاریکیوں میں زندگی گزار رہے تھے ایمان و اسلام کی دولت پا کر علم وتہذیب کے علمبردار بن گئے اور انہوں نے بہت سے علوم وفنون ایجاد کئے۔ ان میں سے بے شمار علوم محض کتاب اللہ کے رہین منت ہیں۔

(5) دین و دنیا کی وحدت

قدیم مذاہب اور خاص طور پر مسیحیت نے انسانی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ جس میں ایک دین کیلئے اور دوسرا دنیا کیلئے مخصوص تھا اور اسی طرح اس کرہ ارض کو بھی دو کیمپوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک کیمپ دینوی (دنیا والوں کا) لوگوں کا تھا اور دوسرا دین داروں کا تھا اور یہ دونوں کیمپ صرف الگ ہی نہ تھے بلکہ ان کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل تھی۔ دونوں کے درمیان آہنی دیوار کھڑی تھی اور دونوں میں پنجہ آزمائی اور رسہ کشی جاری تھی۔ ہر ایک کا یہ عقیدہ تھا کہ دین و دنیا کے درمیان ازلی اور ابدی دشمنی ہے۔ اس لئے اگر کوئی ایک سے تعلق رکھتا ہے تو اس کیلئے دوسرے سے قطع تعلق بلکہ اس کے خلاف جنگ لازمی ہے کیونکہ ان کے کہنے کے مطابق بیک وقت دو کشتیوں میں سوار ہونا ناممکن ہے۔

معاشی جدوجہد اور خوش حالی دار آخرت اور خالق کائنات سے غفلت برتے بغیر نہیں حاصل کی جا سکتی، اسی طرح حکومت اور سلطنت کو دینی و اخلاقی تعلیمات اور خوف خدا سے الگ رکھ کر ہی باقی رکھا جانا ممکن ہے اور دوسری طرف مذہبی زندگی رہبانیت اور دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کے بغیر

نہیں گزاری جا سکتی۔

اس کے برعکس دین اسلام جو ایک عالمگیر مذہب ہے ایک جہانگیر نظام حیات پیش کرتا ہے اور دین و دنیا میں کوئی تفریق نہیں کرتا۔ وہ انسان کی دنیاوی فلاح کا بھی اتنا ہی ضامن ہے جتنا اخروی فلاح کا۔

چنانچہ ارشاد ہے:

ترجمہ: "اور دنیا سے اپنا حصہ لینا نظر انداز نہ کرو۔" (سورہ القصص: 77)

اگر انسان اس دنیاوی زندگی کو دینی ہدایات کے تحت گزارے تو دنیا کا یہ رہن سہن اخروی زندگی کے سنوارنے کا ذریعہ اور راستہ ثابت ہوگا۔ ایک دوسری جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔" (البقرہ: 201)

فقہ

فقہ کے ایک لغوی معنی شق اور فتح کے ہیں جیسا کہ علاہ زمخشری لکھتے ہیں۔ الفقہ حقیقۃ الشق والفتح۔ یعنی فقہ کی حقیقت تحقیق کرنا اور مشکل مسائل کی گرہ کو کھولنا ہے۔ اور فقہ ایک ایسی چابی ہے جس سے عقل کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ عام معنی میں فقہ دین میں سمجھ بوجھ کی طاقت کا نام ہے۔ (فقیہ اس کا فاعل اور فقہاء جمع ہے)

علم فقہ کی تعریف (Definition of Jurisprudence)

فقہ سے مراد وہ ضمنی قواعد ہیں جو ایک مجتہد عالم قوم کی طبعی خصوصیات کے مطابق قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں مرتب کرتا ہے۔ اور ایسے مسائل جن کا قرآن و حدیث میں واضح جواب نہیں ملتا اپنی اجتہادی قوت کے زور سے ان کا حل تلاش کرتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے

وما كان المومنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين

"اور مومنوں کو یہ مناسب نہیں ہے کہ سب کے سب نکل پڑیں تو کیوں نہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکلے تا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کرے۔"

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں بصیرت عطا کرتا ہے۔

ترمذی اور ابوداؤد نے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے پوچھا کہ اگر تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا اور کہا اگر کتاب اللہ میں اس کا ذکر نہ ہو تو؟ جواب دیا پھر میں سنت رسولؐ کے مطابق فیصلہ کروں گا اور پھر کہا

اگر سنت میں نہ پاؤ تو؟ انہوں نے جواب دیا پھر میں اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ رسول کریمؐ نے اپنے دست مبارک سے ان کا سینہ ٹھونکا اور فرمایا۔

تعریف ہے اس باری تعالیٰ کیلئے جس نے اللہ کے رسولؐ کے رسول (فرستادہ) کی رائے کو اللہ کے رسول کی مرضی کے موافق کر دیا۔

قرآن کی آیات اور یہ احادیث ظاہر کرتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہی ضمنی قواعد کا قرآن اور سنت کی روشنی میں مرتب کرنے کا رواج ہو گیا تھا۔

فقہ کے ماخذ

فقہ کے دو بنیادی ماخذوں (قرآن اور سنت رسول اللہ) کا ذکر ہو چکا ہے۔ فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ اجتہاد ہے۔ یہ لفظ جہد سے متعلق ہے جس کے معنی انتہائی کوشش کے ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں اجتہاد اس انتہائی کوشش کا نام ہے جو ایک متعین کتاب اور سنت کی روشنی میں شرعی حکم معلوم کرنے کیلئے کی جاتی ہے۔ اجتہاد کی بنیاد قرآن مجید اور حدیث ہی ہے۔ قرآن مجید نے بار بار مذہبی اور دنیاوی امور میں عقل اور تدبر سے کام لینے کی ترغیب دی ہے۔ حدیث میں آتا ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی حاکم فیصلہ دینے میں ٹھیک اجتہاد کرے تو اس کیلئے دو اجر ہیں۔ اگر اس نے اجتہاد میں ہلکی سی لغزش کی تو اس کیلئے ایک اجر ہے۔

حضرت معاذ بن جبل والی مشہور حدیث گزر چکی ہے جس میں حضرت معاذ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر یہ جواب دیا کہ اگر قرآن و سنت میں کسی مسئلہ کا حل نہ ہو تو میں اجتہاد سے کام لوں گا۔ علامہ سیوطی نے اپنی تصنیف تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے جب کوئی مسئلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش ہوتا تو پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے اور اگر وہاں مسئلہ کا حل نہ ہوتا تو سنت رسولؐ کی طرف رجوع کرتے اور اگر وہاں بھی نہ ملتا تو صحابہ کرام کو اکٹھا کرتے اگر کسی کو سنت رسول کا علم ہوتا تو بتا دیتا۔ آپ خدا کا شکر بجالاتے۔ اگر صحابہ میں سے کسی کو بھی سنت رسول کا علم نہ ہوتا تو صاحب الرائے اور عالم دین کا انتخاب کرتے اور ان سے رائے لیتے اور کثرت رائے پر فیصلہ صادر فرما دیتے۔ (ان میں عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس کے نام سرفہرست تھے۔)

مجتہد کے اوصاف

(1) قرآن اور حدیث پر گہری نظر رکھتا ہو۔

(2) پیش آمدہ حالات و مسائل کے مالہ اور ماعلیہ کو اچھی طرح جاننے والا ہو۔

(3) عربی زبان کے نشیب و فراز سے واقف ہو۔

(4) متقی ہوتا کہ لوگ دین کے معاملے میں اس پر اعتماد کر سکیں۔

(5) صحابہ تابعین اور فقہاء سلف کے اقوال اور آراء کا علم رکھتا ہو۔

اجتہاد کی شرعی حیثیت

اجتہاد ایک عالم دین کی رائے ہے۔ جو کتاب سنت نظائر اور قیاسات پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی حیثیت نص کی نہیں اس میں غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے۔ کبھی ایک عالم کی اجتہادی رائے کی بنا پر دوسروں کی تکفیر اور تفریق کرنا درست نہیں۔ آئمہ اور فقہاء نے ان کی رائے سے اختلاف کرنے والوں کو بھی کافر اور فاسق قرار نہیں دیا۔

اجماع

اجماع جمع سے مشتق ہے جس کے معنی اکٹھا ہونا ہے لیکن اسلامی اصطلاح میں مجتہدین امت کا کسی مسئلہ پر اتفاق اور اتحاد کر لینے کا نام اجماع ہے۔

اجماع کے واجب ہونے کے دلائل

قرآن مجید میں آتا ہے:

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

"اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو۔"

(سورہ النساء: 59)

دوسری جگہ آتا ہے:

"جو لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کیلئے حق کھل چکا اور مومنوں کے راستے کے سوائے اور راستے کی پیروی کرے۔ ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ پھرتا ہے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔"

عبداللہ بن مسعود سے یہ حدیث مروی ہے:

"میری قوم غلط بات میں گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔"

ابن مسعود کا ایک قول ہے:

"جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔"

اجماع کی وسعت

اجماع کے دائرہ وسعت سے متعلق اختلاف ہے۔ حضرت امام مالکؒ صرف اہلِ مدینہ کی رائے کو ہی حجت تسلیم کرتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد ظاہری صحابہ کے اجماع معتبر

خیال کرتے تھے۔ جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ اجماع کیلئے حد بندی ضروری نہیں ہے بلکہ کسی زمانے میں تمام مجتہدین کا کسی فیصلہ سے متعلق اتفاق کر لینا ہی اجماع ہے۔

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اجماع مجتہدین کی اکثریت وقوع میں آتا ہے۔ یا کل مجتہدین کے اتفاق سے۔ فقہاء کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ ایک زمانے کے تمام مجتہدین کا ایک رائے پر اتفاق کر لینا ہی اجماع ہے مگر بعض جید فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اکثریت کی رائے سے بھی اجماع واقع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں اجماع اقلیت کے خلاف یا اختلاف کے باوجود بھی واقع ہو جاتا ہے۔

اجماع کی شرعی حیثیت سے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ علماء کا ایک طبقہ اجماع کو شرعی حجت قرار دیتا ہے اور اس سے اختلاف کرنا معصیت۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ اجماع سے اختلاف کیا جا سکتا ہے تو علماء کی دوسری جماعت پہلے فیصلے کے خلاف فیصلہ دے سکتی ہے۔ اس کے نقلی اور عقلی دلائل یہ ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کیلئے دیانت دار بنا کر بھیجا اور اللہ نے آپ کو باعث رحمت قرار دیا ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ اجماع کا فیصلہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ہونا چاہئے۔ حالات اور تقاضوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اجماع کے فیصلوں میں تبدیلی لازمی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو اسلامی شریعت انسانوں کیلئے زحمت بن جائے گی۔

اسلامی قانون کا چوتھا ماخذ معروف ہے۔ معروف سے مراد رواج اور دستور ہیں۔

دستور کو شرعی حجت ہونے کیلئے دو شرائط کا حامل ہونا ضروری ہے۔:

(1) اس دستور کو عقل سلیم قبول کرتی ہو اور اچھے لوگوں میں رائج ہو۔

(2) وہ دستور عدل وانصاف پر مبنی ہو۔

قیاس

قیاس کے لغوی معنی ناپنا یا کسی چیز سے مقابلہ کر کے موازنہ کرنا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں دو مسئلوں میں اتحاد و علت کی وجہ سے ایک کا حکم دوسرے پر لگا دینے کا نام ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں شراب حرام ہے۔ حرمت کی وجہ نشہ ہے۔ اب جو بھی نشہ آور اشیاء ہوں ان سب پر شراب کا حکم لگا کر ان کو حرام قرار دیا جا سکتا ہے

قیاس کے جواز کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الامثال نضربها للناس و ما يعقلها الا العالمون

"اور یہ مثالیں ہم لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں اور ان کو سوائے علم والوں کے اور

کوئی نہیں سمجھتا۔" (سورہ العنکبوت:43)

حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا: یعنی امثال اور نظائر کو پہچانو اور سمجھو پھر مسائل کو ان پر قیاس کرو۔

شرائط قیاس

جس نص سے قیاس کیا جاتا ہو اس کا حکم خاص واقعات اور حالات پر مبنی نہیں ہونا چاہیے۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے خزیمہ جس کے حق میں گواہی دے دیں۔ وہ اس کیلئے کافی ہے۔ اس سے یہ قانون نہیں بنایا جا سکتا دعویٰ کے ثبوت کیلئے صرف ایک ہی شہادت کافی ہے۔ یہ حکم صرف خزیمہ کی ذات کیلئے ہے۔

(1) علت ایسا وصف ہو جو شرعاً قابل اعتبار ہو اور بالکل صریح واقع ہو۔

(2) اصل اور فرع میں ایک ہی وصف موجود ہو۔

(3) جو حکم قیاس سے استنباط کیا جائے اس کی وجہ سے نص کے حکم میں تبدیلی نہ واقع ہونی چاہیے۔

(4) جو حکم قیاس سے استنباط کیا جائے اس کی نوعیت نص کے احکام کے ماحصل کی ہونی چاہیے۔ کسی نص کے محض الفاظ پر قیاس کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

استحسان

مصلحت سے مراد زمانہ کے حالات اور تقاضوں کی وجہ سے اجتماعی مفاد کیلئے قانون سازی کرنا ہے۔

اسلام نے اجازت دی ہے کہ جس امر میں اسلام نے نہ تو نفی کا حکم دیا ہو اور نہ اثبات کا، بلکہ ہمیں آزاد چھوڑ دے اس بارے میں مسلمانوں کی بھلائی دیکھ کر قانون استخراج کر لیا جائے لیکن یہ شرط ضروری ہے کہ وہ قانون اسلام کی روح کے منافی نہ ہو۔ اس اصول کو مالکی استصلاح اور حنفی استحسان کہتے ہیں۔

فقہ اسلامی کا تدریجی ارتقاء

اسلامی قانون سازی مختلف ادوار میں سے گزری ہے۔ ہر دور میں نئے نئے ملکی دینی اور سیاسی مسائل ابھرے۔ مجتہدین نے ان مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کیا۔

پہلا دور عہد نبوت

یہ دور ابتداء رسالت یعنی ہجری ایک سے لے کر ہجری گیارہ تک ممتد ہے۔ اس دور میں قانون سازی کا ماخذ صرف قرآن مجید ہی تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسائل کو قرآن مجید کی روشنی میں حل کرتے تھے۔ آپؐ کے تمام ارشادات اور اقوال وحی کے حکم سے ہیں۔ صحابہ کرام بلاچون و چرا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی پیروی کرتے تھے۔ کسی صحابی کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ آپ کی خدمت اقدس میں پیش کرتا تھا۔

دوسرا دور

عہد صحابہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد قانون سازی فتاوی اور اجتہاد کا کام ان صحابہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت قریب تھے۔ جو مشکوٰۃ نبوت سے فیض پاکر تبحر علمی کی وجہ سے مشہور تھے۔

خلفاء راشدین کا مسائل کے حل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو سب سے پہلے قرآن کی روشنی میں دیکھا جاتا پھر اگر وہاں اس کا حل نہ ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کیا جاتا تھا اگر وہاں سے بھی اس کا جواب نہ ملتا تو پھر وہ یعنی خلفاء راشدین صاحب علم اور صاحب رائے حضرات کو اکٹھا کرتے اور ان کے سامنے مسئلہ پیش کرتے۔ وہ اسلام کے مطابق اس کا حل ڈھونڈتے تھے۔

اس دور کے مشہور فقہاء اور مجتہدین خلفاء راشدین حضرت ابن مسعودؓ حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔

اس دور میں قانون سازی ماخذ قرآن مجید، سنت اور اجتہاد تھے۔

تیسرا دور: عہد تابعین

یہ دور دوسری صدی ہجری کے وسط تک جاتا ہے۔ خلافت راشدہ اور اس کے بعد اسلامی فتوحات کی کثرت ہوگئی۔ بڑی بڑی حکومتیں مسلمان فاتحین کے سامنے گرتی چلی گئیں۔ اسلامی حکومت کی وسعت کی وجہ سے بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوگئیں اور ان میں کئی اہم علمی مراکز وجود میں آئے جن میں اہم سات مرکز یہ تھے:

بغداد مدینہ مکہ کوفہ بصرہ شام ور مصر۔

چوتھا دور: دور تدوین

یہ دور دوسری صدی کے ربع دوئم سے شروع ہو کر تیسری صدی کے آخر تک ممتد ہے۔ یہ دور تدوین فقہ کا سنہری دور کہلاتا ہے۔ جلیل القدر فقہاء اسی دور میں پیدا ہوئے اور امت نے ان فقہاء کی سیادت کو قبول کیا اور مدون فقہ کی پیروی شروع کر دی۔ قاضی ان فقہاء کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔ اس دور کے مصادر اور منابع قرآن، سنت، اجماع، قیاس، استصلاح، استحسان، معروف اور استدلال تھے۔

پانچواں دور: دور تکمیل وتقلید

یہ چوتھی صدی سے شروع ہو کر ساتویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں تقلید شروع ہو گئی۔ فقہاء اور آئمہ کی فقہ پر بڑی بڑی کتب مدون ہونے لگیں۔ جنہوں نے اپنے اپنے آئمہ کے فقہ کی ترویج اور تقلید کی۔ اس دور میں مسائل کی تحقیق و تائید کے جدال کی خوب گرم بازاری رہی۔

چھٹا دور: دور تقلید محض

اس دور میں اجتہاد کا دروازہ بالکل مسدود کر دیا گیا۔ عوام اور خواص سب اپنے اپنے آئمہ فقہاء کے مقلد بن گئے۔ علم فقہ کی ترقی رک گئی۔ اور تمام منقولات سے ہاتھ کھینچ لیا گیا۔ تاہم معقولات کا سفر جاری ہے اور جاری رہے گا۔

فقہی مدرسہ ہائے فکر

فقہ حنفی

حنفی مسلک کوفہ میں پیدا ہوا۔ کوفہ ملک عراق میں فقہاء کا مرکز تھا۔ حضرت عمر نے حضرت عبداللہ بن مسعود (32ھ) کو معلم اور قاضی بنا کر کوفہ بھیجا تھا۔ تقریباً دس سال وہاں اس عہدہ پر فائز رہے۔ وہاں بیٹھ کر حدیث اور فقہ کی تعلیم دی۔ حضرت علیؓ نے 35ھ سے 40ھ تک کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور لوگوں نے آپ کے علم سے فیض پایا۔ ان دنوں ان بزرگوں کے بے شمار شاگرد پیدا ہوئے۔ جنہوں نے حدیث اور فقہ کی اشاعت کی۔

حضرت امام نعمان بن ثابت المعروف با بی حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت 80ھ میں (699ء) اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں ہوئی۔ امام صاحب تقریباً بارہ یا تیرا سال کے تھے۔ جب حضرت انس خادم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر ان سے

حدیث نہیں سنی۔ سترہ سال کی عمر میں حصول علم کی طرف چل پڑے۔ پہلے علم کلام کی طرف مائل ہوئے پھر قومی ضرورتوں اور نئے ابھرتے ہوئے مسائل کی وجہ سے علم فقہ کی طرف توجہ دی۔ حضرت امام صاحب غالباً 100ھ میں امام حماد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علوم فقہ پڑھنے شروع کیے۔ تقریباً بیس سال تک اپنے استاد سے جتنا سیکھ سکتے تھے اس علم سے سیراب ہوتے رہے۔

امام صاحب نے علم و حدیث کی تحصیل کے ساتھ دوسرے علوم بھی پڑھے۔ آپ خود فرماتے ہیں میں نے جب علم (حدیث) حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو تمام علوم کو پڑھنے کا نصب العین قرار دیا اور ہر فن کو پڑھا۔

حضرت امام صاحب نے فقہ کے اصول اور ضوابط معین کیے۔ مسائل حل کرتے وقت عقل، رائے، قیاس اور استحسان سے کام لیتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کے مسلک کا نام اہل الرائے مشہور ہو گیا۔

جعفر بن ربیع فرماتے ہیں:

"میں امام ابو حنیفہ کے یہاں پانچ سال تک رہا میں نے ان سے زیادہ خاموش آدمی نہیں دیکھا لیکن جب ان سے فقہ سے متعلق سوال کیا جاتا تو نالے کی طرح بہنے لگتے۔ غلغلہ انگیز گفتگو کرتے۔ وہ قیاس و رائے کے امام تھے۔"

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں۔ میں نے ابو حنیفہ سے زیادہ پرہیز گار آدمی نہیں دیکھا۔ اس شخص سے متعلق کیا کہا جائے جن کے سامنے دنیا اور دولت پیش کی گئی مگر انہوں نے ٹھکرا دیا۔ کوڑوں سے پیٹا گیا لیکن ان کے پاؤں میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی۔ وہ مناصب جلیلہ جن کے پیچھے لوگ دوڑتے پھرتے ہیں کبھی قبول نہ کیے۔"

امام صاحب نے 150ھ (766ء) میں وفات پائی۔ پاکستان، بھارت مشرق بعید اور مشرق وسطیٰ کے علاوہ بہت سے اسلامی ممالک میں یہی فقہ غالب ہے۔

ملا علی القاری لکھتے ہیں:

"حنفیہ کل مسلمانوں کے دو تہائی ہیں۔"

فقہ حنفی کی مقبولیت کی وجوہ حسب ذیل ہے

(1) اس کے مسائل و حکم صالح روایت کے ساتھ اصول درایت کے عین مطابق ہیں۔

(2) فقہ حنفی آسان اور یسیر العمل ہے۔

(3) فقہ حنفی میں معاملات کے حصے میں وسعت اور استحکام ہے جو تہذیب و تمدن کیلئے بہت ضروری ہے۔

(4) فقہ حنفی نے غیر مسلم رعایا کو فیاضی سے حقوق بخشے جس سے نظام مملکت میں بڑی آسانی پیدا ہوگئی۔

(5) احکام منصوصہ میں امام ابو حنیفہ کا پہلو نہایت قریب العقل اور مدلل ہے۔

مشہور کتب

جامع صغیر' جامع کبیر' مبسوط' زیارات' السیر الصغیر' السیر الکبیر' امالی محمد کتاب الخراج۔

مذہب مالکی

مذہب مالکی کا مولد مدینہ ہے۔ یہ شہر عہد نبوی سے حضرت علی بن ابی طالبؓ کی شہادت تک فقہی علوم کے چشمے بہاتا رہا۔ یہاں کے مشہور مربی خلفاء راشدین حضرت ابن مسعودؓ ' حضرت عائشہؓ ' حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو ہریرہ تھے۔ انہی چشموں سے حضرت امام مالک نے تشنگی علم بجھائی۔

حضرت امام مالکؒ 98ھ (713) میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام انس بن مالک تھا۔

امام مالک کو جب ان کے شیوخ نے روایت حدیث اور افتاء کی اجازت دے دی تب مسند روایت و افتاء پر بیٹھے۔ مسجد نبوی میں درس و تدریس اور افتاء کا سلسلہ قائم کیا۔ لوگ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ان کے پاس آتے اور ان سے حدیث اور فقہ پڑھ کر جاتے تھے۔ تقریباً پچاس سال تک امام صاحب مسند افتاء پر متمکن رہے۔

امام صاحب اپنے فتاوی کی بنیاد قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان حدیثوں پر جو ان کے نزدیک مضبوط اور محقق تھیں رکھتے تھے۔ اہل مدینہ کے تعامل کو نہایت اہمیت دیتے تھے۔

امام صاحب نے 11 ربیع الاول 179ھ بمطابق 795 عیسوی میں وفات پائی۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

اس مذہب میں سب سے زیادہ ثقہ اور قابل اعتماد نام امام مالک کا ہی ہے۔

تابعین کے بعد امام مالک بندوں کیلئے اللہ کی سب سے بڑی نشانی ہیں۔ امام مالک میرے استاد ہیں۔ جب کوئی حدیث مالک کی روایت سے تم کو پہنچے تو اس کو مضبوطی سے پکڑو کیونکہ وہ

علم حدیث کا ایک درخشاں ستارہ ہیں۔

حضرت امام مالک نے کتاب ''الموطاء'' تصنیف کی ہے۔ حضرت امام شافعی کا قول ہے:

''کتاب اللہ کے بعد امام مالک کی کتاب سے دوسری کوئی اچھی کتاب نہیں ہے۔''

مالکی مذہب حجاز' مغرب اقصیٰ' اندلس' الجزائرہ' تیونس' طرابلس' بالائی' مصر' سوڈان' بحرین اور کویت میں پھیلا ہے۔

مشہور کتب

سب سے پہلے مسائل مالک اسد بن فرات نے مدون کیے۔ اس سے سحنون نے حاصل کیے اور اسدیہ نام رکھا۔ 118ھ میں سحنون ان کو لے کر ابن قاسم کے پاس گئے۔ ابن قاسم نے چند مسائل کی اصلاح کی۔

مذہب شافعی

شافعی مذہب کے بانی امام محمد بن ادریس شافعی 150ھ 767ء میں صوبہ عسقلان میں بمقام غزوہ میں پیدا ہوئے۔ دو برس کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ماں کی آغوش اور محبت میں پرورش پائی۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید اور موطا حفظ کر لیا پھر مکہ آئے تو مسلم بن خالد زنجی امام مکہ سے تحصیل فقہ کیا۔ تیرہ سال کی عمر میں حضرت امام مالک کے درس میں شامل ہوئے۔ ان سے موطا' سنی اور فقہ پڑھی۔ پھر یمن تشریف لے گئے۔

وہاں کے علماء سے علم حاصل کیا پھر آپ یمن سے عراق چلے گئے۔ اور امام محمد بن حسن شاگرد حضرت امام اعظم سے استفادہ کرنے لگے۔

حضرت امام صاحب نے 204ھ (819ء) میں مصر میں وفات پائی۔ یہ مذہب سب سے پہلے مصر میں پھیلا پھر عراق میں اور پھر بغداد میں اور خراسان میں۔ اس مذہب کے مقلدین شام' لبنان' انڈونیشیا' حجاز' ایران اور پاکستان میں پائے جاتے ہیں۔

کتب

حضرت امام شافعی ایک ایسے امام ہیں جن کی اپنی بہت سی کتب ہیں۔ چند مشہور کتب حسب ذیل ہیں:

رسالہ فی ادلۃ الاحکام' کتاب الام' فقہ شافعی میں حرملہ بن یحییٰ کی کتاب بویطی کی مختصر کبیر مختصر صغیر' کتاب الفرائض' مزنی کی مختصر صغیر جامع کبیر' ابوبکر محمد بن عبداللہ الصیر فی کی کتاب البیان فی الدلائل الاعلام فی اصول الاحکام' شرح رسالہ شافعی اور کتاب الفرائض مشہور ہیں۔

فقہ حنبلی

امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل اس فقہ کے بانی ہیں۔ 164ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ دو برس کے تھے کہ سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا اور آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی پرورش بہت اچھے طریقے سے کی۔ آپ نے سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کیا پھر لغت کا علم حاصل کیا۔ اس کے بعد کتابت کے علم کی طرف توجہ دی اور پھر حضرت امام ابو یوسف کی مجلس میں جانا شروع کیا۔ اس کے بعد بغداد میں ہشیم بن بشیر بن ابی حازم کی خدمت میں چار سال تک رہے۔ پھر ہشیم کی وفات کے بعد مکہ آ گئے۔ وہاں کے علماء سے علم حاصل کیا۔ ان سے حدیث سنی۔ تین برس وہاں رہے پھر یمن گئے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ بغداد میں احمد بن حنبل ؒ سے بڑھ کر تقویٰ اور فقہ میں اور کوئی نہیں۔ امام صاحب کی فکر پر حدیث کا رنگ غالب تھا۔ اس وجہ سے بعض علماء نے آپ کو زمرہ محدثین میں شامل کیا ہے۔

آپ کی مشہور تصنیف المسند ہے۔ اس میں چالیس ہزار سے زائد احادیث ہیں۔ آپ نے 14 سال کی محنت شاقہ کے بعد المسند تیار کی تھی۔ ترتیب و تہذیب سے قبل ہی 241ھ میں وفات پائی۔ یعنی ہر صحابی کے نام کے تحت ان کی روایت کردہ حدیثیں بیان کر دیں۔ مرسل احادیث کو تابعین کی ترتیب پر جمع کر دیا۔

فقہ جعفریہ

یہ فقہ حضرت امام جعفر الصادق کی طرف منسوب ہے۔ امام صاحب نے دیگر آئمہ کرام سے ہٹ کر عقل اور قیاس کی کسوٹی پر فقہی قوانین مرتب کیے۔ ان فقہی قوانین کو ماننے والے اہل تشیع کہلائے جنھیں عرف عام میں شیعہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے چند مشہور جماعتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1) شیعہ امامیہ

یہ فرقہ بارہ اماموں کا قائل ہے جس کی وجہ سے اثنا عشریہ کہلاتا ہے۔ اثنا عشریہ کے سب سے زیادہ مشہور مجتہد اور فقیہ حضرت امام جعفر الصادق ہیں۔

اثنا عشریہ کے فقہ کے چار اصول ہیں:

(1) قرآن (2) سنت (3) اجماع (4) عقل

ان کے نزدیک حدیثیں وہی معتبر اور ثقہ ہیں جو اہل بیت اور ان کے خاص تابعین سے مروی ہوں۔ وہ اقوال اہل بیت کو قرآن مجید کی طرح حجت شرعی تسلیم کرتے ہیں۔ اس فرقہ کے

نزدیک کسی جماعت کی رائے سے ہم آہنگی پر اتفاق کر لینے کا نام اجماع ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ اتفاق امام معصوم کی رائے سے ہم آہنگ ہو۔ اگر غیر امامیہ کسی مسئلہ پر اتفاق کر جائیں تو ان کے نزدیک یہ اجماع نہیں ہے۔ حضرت امام جعفر کا یہ مسلک ہے کہ جو مسئلہ قرآن و سنت اور اجماع سے حل نہ ہو تو عقل سے کام لے کر اس مسئلہ کو حل کر لینا چاہئے۔ اس فرقہ کی مشہور کتب حسب ذیل ہیں:

(1) کتاب شرائع الاسلام مصنفہ جعفر بن حسن بن علی محقق

(2) اور اس کی شرح جواہر الکلام مصنفہ محمد حسن نجفی

(3) تذکرہ الفقہاء مصنفہ حسن بن یوسف علی

(4) کتاب مفتاح الکرامہ شرح قواعد العلامہ تصنیف محمد ہواد بن محمد حسینی عاملی

(5) کتاب وسائل الشیعہ الی سائل الشریعۃ تصنیف محمد بن حسن بن علی اس فرقہ اثنا عشریہ کے پیروکار ایران ہندوستان پاکستان لبنان اور شام میں پائے جاتے ہیں۔

(2) شیعہ زیدیہ

یہ مذہب امام زید بن علی بن حسین بن علی کی طرف منسوب ہے جو ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں علم مخالف بلند کرنے کی وجہ سے شہید کر دیئے گئے۔ اس مذہب کے سب سے بڑے داعی اور مصنف حسن بن علی بن الحسن بن زید بن عمر بن علی بن الحسن بن علی ہوئے۔ مشہور کتب حسب ذیل ہیں:

(1) الجموع: یہ کتاب ان احادیث اور فتاوی پر مشتمل ہے جو امام زید بن علی سے روایت کئے گئے ہیں۔

(2) الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر مصنفہ شرف الدفن بن علی احمد اس مسلک کا اہم مرکز یمن میں ہے۔

(3) شیعہ اسماعیلیہ

یہ فرقہ چوتھی صدی میں مصر میں ظاہر ہوا اور امام جعفر صادق کے بیٹے امام اسماعیل کی طرف منسوب ہے۔ معتز الدین اللہ فاطمی مصری حکمران نے اس کو مصر میں رائج کیا۔ چھٹی صدی میں یہ مذہب وہاں سے ختم ہو گیا۔ اس فرقہ کی دو شاخیں ہیں:

(1) اسماعیلیہ شرقیہ (2) اسماعیلیہ غربیہ

اسماعیلیہ شرقیہ کا مرکز ہندوستان ہے۔ اس کے معتقدین ایران اور وسط ایشیا میں پائے جاتے ہیں۔ اسماعیلیہ غربیہ جنوبی عرب کے علاقہ میں خلیج فارس کے ارد گرد اور شام میں حماۃ اور لاذقیہ کے پہاڑی علاقوں میں آباد ہیں۔ اس فرقہ کی مشہور کتاب قاضی نعمان بن محمد تیمی کی ہے۔

سید الانبیاء محمد ﷺ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلی بکمالہ کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ تعالی کی یہ رباعی جس کا حسن بیان کسی ترجمہ کا متحمل نہیں ہو سکتا اُس انسان کی سیرت طیبہ کے بارے میں ہے جس کیلئے خالق کون و مکان کے یہ الفاظ حدیث قدسی میں وارد ہوئے۔

لولاك لما خلقت الافلاك

ساتویں صدی کی ابتداء ہے ایک خاموش اور غور و فکر میں منہمک شخص جس کی عمر کا آفتاب نصف النہار سے قدرے تجاوز کر گیا ہے۔

عربی لبادہ کندھوں پر ڈالے اور طلیسان کو چہرے پر جھکائے اکثر مکہ کے بازار میں سے گزرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کبھی تو وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہے اور کبھی تیز تیز قدم اُٹھاتا ہے لیکن ان دونوں صورتوں میں وہ نہ تو آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہے اور نہ اطراف میں نظریں گھماتا ہے البتہ کوئی اسے سلام کرے تو کبھی جواب دینے سے نہیں چونکتا وہ چھوٹے بچوں سے شفقت سے پیش آتا ہے۔

جس زمانے کا یہ ذکر ہے اُس زمانے میں مکہ اپنے تاریخی پس منظر اور اپنی جائے وقوع دونوں کے اعتبار سے عرب کے شہروں میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ مکہ ایک نشیبی بستی میں واقع تھا جو شمال سے جنوب کی طرف پھیلتی ہوئی چلی جاتی تھی شہر اپنے قلعہ بندوں کی بدولت خوشحالی اور مضبوطی کا ایک غیر معمولی منظر پیش کرتا تھا۔ خانہ کعبہ کی تولیت والوں نے جو دراصل اولاد اسماعیل کا موروثی حق تھا ملک کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ تیسری صدی عیسوی کے اوائل میں ایک قحطانی قبیلے نے جس کا نام بنی خزاعہ تھا یمن سے اُٹھ کر مکہ اور حجاز کے جنوبی علاقے پر قبضہ کر لیا تھا اور بنی جرہم کے اقتدار کو ختم کر

دیا تھا۔ اسی مدت میں بنی اسماعیل جنہوں نے شاہ بابل کے ہاتھوں بے انتہا اذیتیں سہی تھیں آہستہ آہستہ اپنی سابقہ قوت از سر نو حاصل کر رہے تھے خاندان اسماعیل کے ایک فرد عدنان نے جن کا زمانہ پہلی صدی قبل مسیح کے لگ بھگ ہے اپنے جدّ امجد کی طرح جرہمی سردار کی لڑکی سے شادی کی تھی اور شہر مکہ ہی میں اقامت اختیار کر لی تھی۔

بنو خزاعہ دو صدیوں سے کچھ زیادہ مدت تک خانہ کعبہ کے متولی اور اس منصب سے متعلق جو بزرگی اور فضیلت تھی اس کے مالک رہے بنو خزاعہ کے آخری سردار حُلیل کی وفات پر فہر کے ایک جانشین قصی نے جو حلیل کے داماد تھے بنو خزاعہ کو مکہ سے نکال دیا اور شہر کے سارے دینی اور دنیوی اقتدار پر قابض ہو گئے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ حقیقی معنوں میں حجاز کے حکمران بن گئے اب ہم مصدقہ تاریخی واقعات کی اقلیم میں داخل ہوتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ قصی پانچویں صدی عیسوی کے لگ بھگ مکہ پر قابض ہوئے انہوں نے فوراً شہر کے نظم و نسق میں باقاعدگی پیدا کرنے کی طرف توجہ دی۔

ان کی آبادیاں کعبہ سے کافی فاصلے پر تھیں اور اُن کے دلوں میں جو کعبہ کے لئے احترام تھا اس کے باعث وہ اس کے قرب و جوار میں رہنے سہنے کے مکانات بنانے سے احتراز کرتے تھے۔

قصی نے اپنے لیے محل تیار کروایا جس کا دروازہ صحن کعبہ کی طرف کھلتا تھا اس محل کا نام ''دارالندوہ'' تھا۔

اس میں قصی کی زیر صدارت امور عامہ پر بحث کی جاتی تھی اور ان سے متعلق احکام جاری کئے جاتے تھے اس میں چالیس سال سے کم عمر کا کوئی شخص داخل ہونے کا مجاز نہ تھا البتہ قصی کے جانشین اس شرط سے مستثنیٰ تھے۔ تمام ملکی معاملات کا انصرام اسی دارالندوہ میں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب قریش کسی جنگی مہم پر روانہ ہونے لگتے تھے تو یہیں انہیں قصی کے ہاتھ سے پرچم جنگ ملتا تھا قصی اپنے ہاتھوں سے ایک نیزے کے سر پر سفید کپڑا باندھ دیتے تھے اور پھر نیزہ یا تو خود قریش سرداروں کے حوالے کر دیتے تھے یا اپنے کسی بیٹے کے ہاتھ بھیج دیتے تھے یہ رسم جو عقد اللوا کہلاتی تھی اُس وقت سے لیکر جب قصی نے اس کی ابتداء کی عرب سلطنت کے اختتام تک جاری رہی۔

انہوں نے قریش پر ان غریب حاجیوں کے لیے جو ہر سال زیارت کعبہ کے لیے آتے تھے کھانے پینے کے انتظام کرنے کی ضرورت واضح کی اور انہیں ان کے فرائض میزبانی بتا کر ایک سالانہ ٹیکس یا چندہ ادا کرنے پر آمادہ کیا۔ جس کا نام ''رفادہ'' رکھا گیا۔ اس مہم سے جتنا مال اکٹھا ہوتا تھا وہ ایام المنٰی میں غریب زائرین کعبہ کو کھانا کھلانے پر صرف کیا جاتا تھا۔ ایام المنٰی سے مراد تھی قربانی کا دن اور اس کے بعد کے دو دن مقام منیٰ پر گزارے جاتے تھے۔

یہ دستور اسلام کی آمد کے بعد بھی جاری رہا۔ خلفاء راشدین اور ان کے بعد کے حکمرانوں نے بھی اسے جاری رکھا۔

قصی نے طویل عمر پائی اور 480ء کے قریب وفات پائی۔

قصی نے حاجیوں کی مالی اعانت کے لئے جو ٹیکس عائد کیا تھا۔ اب اُسے ہاشم وصول کرنے لگے۔ اس ذریعے سے جو آمدنی ہوتی تھی اُس میں اپنے مال وجنس کو شامل کر کے اُن غریب لوگوں کے لئے جو ہر سال حج کے موقع پر مکہ میں جمع ہوتے تھے خورد ونوش کا انتظام کرتے تھے۔

اکثر اہل مکہ کی طرح ہاشم بھی تجارت کرتے تھے۔ ایک بار سردیوں میں یمن کی طرف اور دُوسری بار گرمیوں میں شام کی طرف مال تجارت لے کر جاتے تھے ہاشم نے شہر غزہ میں 510ء کے قریب وفات پائی اور اپنی اولاد میں ایک بیٹا دیا۔ جس کا نام شیبہ تھا اُن کی والدہ کا نام سلمٰی شیر بی تھا۔

اِن کے انتقال کے بعد رفادہ اور سقایہ کے انتظامات ان کے چھوٹے بھائی مطلب کے ہاتھ آئے جنہوں نے اپنے ہم وطنوں کی نظروں میں بڑی تعداد میں قدر ومنزلت حاصل کر رکھی تھی۔

مطلب نے 540ء کے آخر میں یمن کے شہر غزدان میں وفات پائی اور ان کے بعد ان کے بھتیجے عبدالمطلب شہر مکہ کی جمہوری ریاست کے سربراہ بنے۔ اُس وقت حکومت کی باگ ڈور ارباب اقتدار کی ایک جماعت خواص کے ہاتھوں میں تھی جو خاندان قصٰی کے سربراہ افراد پر مشتمل تھی جب عبدالمطلب نے چاہ زمزم کو از سر نو دریافت کیا اور اس کی نگرانی کے بارے میں جو تنازعات تھے ان کا تصفیہ ہو گیا تو اس وقت جو جماعت برسر اقتدار آئی وہ دس افراد پر مشتمل تھی اس میں شامل تمام لوگ "شریف" کے لقب سے ملقب تھے۔

یہ عہدے حسب ذیل تھے:

1۔ حجابہ: (سدانہ) خانہ کعبہ کی چابیوں کی نگہداشت' ایک متبرک عہدہ جو اُونچا درجہ رکھتا تھا۔

2۔ سقایہ: یعنی زمزم کے مقدس کنوؤں کا اور اس تمام پانی کا اجارہ جو حجاج کے استعمال کے لئے مخصوص تھا۔

3- دیانت:

دیانت یعنی دیوانی اور فوجداری حالت جو مدت دراز سے تیم ابن مرہ کے خاندان میں رہی تھی اور نبی اکرم صلعمؐ کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ اس منصب پر فائز تھے۔

4- سفارۃ یا حکومت کی نمائندگی:

جس شخص کے ہاتھوں میں یہ عہدہ ہوتا تھا وہ ریاست کا وکیل مطلق سمجھا جاتا تھا اور اُسے اس کا پورا اختیار حاصل ہوتا تھا کہ قریش اور دوسرے عرب قبائل اور غیر ملکی لوگوں کے درمیان جو

اختلافات رونما ہو جاتے تھے اُن کے بارے میں مذاکرات کرائے جو جلد از جلد معاملات کا حل تلاش کرے بعد ازاں اس عہدے پر حضرت عمرؓ متعین تھے۔

5- لواء:

یعنی جس جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر قبیلہ قریش اور اس کے حامی لوگ دشمن سے جنگ کرنے کا عہد لیتے تھے اور اس کی حفاظت کی قسم کھاتے تھے۔ قومی جھنڈے کا محافظ تمام فوج کا سپہ سالار ہوتا تھا۔ یہ فوجی عہدہ خاندان بنو اُمیہ میں تھا اور اس پر آنحضرت کا بدترین دشمن ابوسفیان بن حرب بھی قابض رہ چکا تھا۔

6- رفادہ:

اس عہدہ کا سربراہ نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس شعبہ میں جتنی رقم جمع ہوتی تھی وہ سب غریب حجاج کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ وہ مسافر ہوں یا مقامی لوگ حکومت حج کے موقع پر سب کو خدا کے مہمان سمجھتی تھی۔

7- ندوۃ:

یعنی قومی مجلس کی صدارت جو شخص اس عہدے پر مامور ہوتا تھا وہ نہایت زیرک اور غیر معمولی طور پر بااعتماد ہوتا تھا۔ رسول اکرمؐ کے زمانہ میں حارث بن عمرو اس عہدہ پر مامور تھے۔

8- خانمہ یا قبہ:

یعنی قومی جلسہ گاہ کی تولیت اس منصب کے مالک کو یہ حق ہوتا تھا کہ مجلس کو اکٹھا کرے۔ بلکہ یہ حق بھی ہوتا تھا کہ فوجوں کو جنگ کے لئے جمع کرے' شروع میں یہ عہدہ خاندان ولید کے سپرد تھا جو مخزوم بن مرۃ کے خاندان میں سے تھا۔

9- خازنۃ:

یعنی بیت المال میں خزانے کا انتظام پہلے یہ عہدہ حسن بن کعب کے خاندان میں تھا بعد میں حارث بن قیس کا خاندان اس پر قابض تھے۔

10- بیت المال

یعنی بیت المال میں شامل ارکان کی تنخواہوں اور عہدوں کا حساب رکھنا۔ ابتداء میں یہ عہدہ حسن بن کعب کے خاندان میں تھا بعد میں ابوسفیان کے بھائی صفوان کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

یہ سب عہدے اپنی اپنی جگہ تھے' لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ایک مسلم دستور تھا کہ اشراف میں

جو شخص عمر میں سب سے بڑا ہوتا تھا اسے سب سے زیادہ اثر و رسوخ حاصل ہوتا تھا اور اسے رئیس یا سید کے خطاب سے پکارا جاتا تھا حضور نبی اکرم صلعمؐ کے زمانے میں حضرت عباسؓ کو یہ مرتبہ حاصل تھا۔ قریش خاندان کے ایک خوبصورت نوجوان عبداللہ جو عبدالمطلب کے بیٹے تھے ان کی شادی قبیلہ زہرہ کے سردار دھب کی بیٹی آمنہ سے ہوئی۔ عبداللہ کی شادی سے ایک ایسے سال کا آغاز ہوا جو نہایت اہم واقعات سے مملو تھا۔ سال کے شروع میں ہی ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس سے پورے شہر میں سنسنی پیدا ہو گئی۔ یمن کے حبشی نژاد صاحب اسلطنت ابرھہ الاشرم نے صنعا شہر میں ایک گرجا تعمیر کیا تھا اور اس کی یہ تمنا تھی کہ مکہ کی تمام دولت اپنے شہر میں لے جائے۔ اہل مکہ میں سے ایک شخص نے گرجا اس کی بے حرمتی کی تھی اِس واقعے نے اُسے ایک عذر مہیا کر دیا۔ چنانچہ وہ ایک زبردست فوج لیکر بیت اللہ پہنچا۔ وہ ایک ہاتھی پر سوار ہو کر آگے آگے تھا اس عظیم جانور (ہاتھی) کو دیکھ کر عرب کے قبائل اتنے مرعوب ہوئے کہ انہوں نے نئے سن کا آغاز کر دیا یہ 570ء کا واقعہ ہے۔ سورہ الفیل میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ عبداللہ نے یثرب میں وفات پائی۔

ان کی وفات کے بعد ان کے طفل یتیم کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ عبدالمطلب نے بستر مرگ پر اپنے پوتے کو اس کے چچا ابو طالب کی کفالت میں دیا۔ جن کے ساتھ آپؐ نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام گزارے۔ ہم چشم تصور سے اس نو عمر بچے کو جس کی گہرے غور و فکر میں ڈوبی ہوئی آنکھیں گویا مستقبل کی گہرائیوں کے اندر جھانک رہی تھیں اپنے چچا کے غریبانہ اور سیدھے سادے گھر میں پرورش پائی۔

ہاشم اور عبدالمطلب کی شاہانہ ضیافتوں کے باعث ان کے ورثاء کو بہت کم ترکہ ملا تھا۔ چنانچہ ہاشمی اپنی ناداری کی وجہ سے وہ اختیار و اقتدار جو انہیں کبھی حاصل تھا بڑی تیزی سے کھو رہے تھے۔ زائرین حرم کو کھانا کھلانے کا منصب ان کے حریف بنو امیہ کے ہاتھوں میں آ چکا تھا جنہوں نے اُن ہاشم کو بیحد شک و حسد کی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ تاہم اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور رسالتمابؐ دنیا میں تشریف لائے۔

ولادت باسعادت:

حافظ ابن کثیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت 12 ربیع الاول بیان کی ہے۔
(السیرۃ النبویۃ 1:198)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری صاحب نے آپ کی تاریخ ولادت 9 ربیع الاول عام الفیل بمطابق 22 اپریل 571 عیسوی کیم جیٹھ 628 بکری قرار دی ہے۔
(رحمۃ للعالمین ج 1 ص 40)

اس وقت شاہ ایران نوشیرواں کے جلوس تخت کا چالیسواں سال تھا اور سکندر ذوالقرنین کی تقویم کی رو سے ایرانی سال 882 تھا۔

شرح المواہب میں لکھا ہے کہ کسریٰ ایران نے ہولناک خواب دیکھا کہ عرب سے اُٹھ کر آنے والی ایک قوم نے اُن کی حکومت کے پرخچے اُڑا دیے ہیں۔

وقت پیدائش ایران میں زور کا زلزلہ آیا اور قصر شاہی کے تمام کنگرے گر گئے اور پائے تخت میں صدیوں سے جلتا ہوا آتش کدہ بجھ گیا۔ ایرانیوں کیلئے یہ معجزہ کسی خوف سے کم نہ تھا اس کے علاوہ دو اور معجزے سرزمین ایران پر رونما ہوئے یہ کہ ایک جھیل سوکھ گئی اور ایک صحرا میں ندی پیدا ہو گئی۔

علامہ زرقانی نے بیان کیا ہے کہ قیصر روم اور کیسری ایران اُس زمانے میں دو ہی بڑی سلطنتیں تھیں۔ دراصل پیدائش رسالتمابؐ پر معجزات کا ظہور ان دونوں کی بربادی کی علامتیں تھیں اور نصف صدی بعد ان اکاسرہ و قیاصرہ نے کوچ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آپؐ کی ولادت کی اطلاع سب سے پہلے آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کو دی گئی۔

سات روز تک آپ کی والدہ ماجدہ نے آپؐ کو دودھ پلایا۔

اس کے بعد چند روز تک حضرت ثوبیہ نے دودھ پلایا۔ بعدازاں حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کی رضاعت فرمائی۔

قاضی عیاض نے کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ میں لکھا ہے کہ آپ مختون اور ناف بریدہ (کٹی ہوئی ناف) پیدا ہوئے تھے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ اور آٹھ سال کی عمر میں دادا عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔ تاہم بعدازاں آپ کی پرورش آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب نے کی۔

حضرت محمدؐ ابھی کم سن ہی تھے کہ حرب فجار کی ابتداء ہوئی یہ لڑائی جس میں قریش اور بنی کنانہ ایک طرف تھے اور قیس اور کیلان دوسری طرف' عکاز کے مقام پر چھڑی اور کئی سالوں تک جاری رہی۔ اسے میں جان و مال کا بہت نقصان ہوا۔ اس مقام پر جو تاریخ عرب میں مشہور ہے ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا اس موقع پر جنگ کرنا یا غصہ میں آ کر خون بہانا ممنوع ہوتا تھا اور دوسرا عرفات کے دامن میں ذوالمجاز کے مقام پر۔ عکاز کا میلہ ایک بہت بڑی قومی تقریب سمجھا جاتا تھا۔

(کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ' جدول اول' ص: 40)

وہ دو قبائلی لڑائیاں جنہیں اس لیے "حرب الفجار" کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اس مہینے کی حرمت کی جس میں تمام لڑائی جھگڑے ممنوع تھے ان دو لڑائیوں کے درمیانی وقفے میں حضرت محمدؐ اپنے چچا اور سرپرست کے ہمراہ شام کے ایک تجارتی سفر پر گئے۔ شام میں آپ کی آنکھوں نے معاشرتی خستہ حالی اور مذہب پرستی کا ایک منظر دیکھا جس کی یاد آپؐ کے دل و دماغ سے کبھی نہ محو ہوئی۔ اسی

طرح خاموشی اور مسکینی کے عالم میں طرح طرح کے خیالات کے اُدھیڑبن میں معروف یہ دُریتیم بچے سے جوان اور جوان سے مرد ہوا۔

اپنی عمر کے پچیسویں سال میں حضرت محمدؐ نے پھر ایک بار شام کا سفر کیا اس دفعہ آپؐ اپنے خاندان کی ایک معزز قریشی خاتون خدیجہ بنت خویلد کے کارندہ کی حیثیت سے ان کا مال تجارت لے کر گئے۔ آپؐ نے جس قابلیت اور دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیئے اُس سے حضرت خدیجہؓ بے مرغوب حد ہوئیں اور اس تاثر نے رفتہ رفتہ محبت کی صورت اختیار کر لی جونہی شادی کا انتظام ہو گیا اور شادی پر سارے قریش نے خوشیاں منائیں۔ حضرت خدیجہؓ حضرت محمد صلعمؐ سے عمر میں بڑی تھیں لیکن اس کے باوجود میاں بیوی میں انتہا درجہ کی محبت تھی۔

اسی دور زندگی میں آنحضرتؐ نے اپنے چچا ابو طالب کے احسانات کے بدلے میں اُن کے بیٹے علی کو اپنے زیر تربیت لیا۔ ابو طالب اپنے خاندان کی قدیم حیثیت کو برقرار رکھنے کی کوششوں کی بدولت بڑی حد تک تنگدست ہو چکے تھے۔ آنحضرتؐ جو حضرت خدیجہؓ سے نکاح کی بدولت خوشحال تھے اور ابو طالب کے بھائی حضرت عباسؓ دونوں اُس وقت مکہ کے بڑے دولت مندوں میں شمار ہوتے تھے۔ عرب میں ایک سخت قحط پڑا جس کے دوران آنحضرتؐ کے تمام بیٹے ابتداء ہی میں وفات پا گئے حضرت علیؓ کی محبت نے ان کے داغ مفارقت کو مٹا دیا۔

آپؐ کی آنکھوں کے سامنے آپؐ کا ملک خون میں نہا رہا تھا۔ خاندانی جنگوں اور قبائلی دشمنوں نے اس کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ آپؐ کے ہم وطن جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے فحش رسوم اور اوہام پرستی کے عادی ہو چکے تھے الغرض تمام جاہلانہ اوصاف ان میں پائے جاتے تھے۔

کوہِ حرا (غار)

یہ ایک بہت بڑا غار ہے جس میں آپؐ اکیلے جا کر عبادت کرتے تھے یہ ایک بنجر ٹیلہ ہے جس میں بہت سی گھاٹیوں نے شگاف ڈال رکھے ہیں اور جو صحرا کی چلچلاتی دھوپ میں اکیلا کھڑا ہے اس میں نہ تو کوئی سایہ دار جگہ ہے نہ کوئی پھول ہے اور نہ کنواں لیکن آپؐ ساری ساری رات دنیا سے بے غرض ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے ایک دن آپؐ کو محسوس ہونے لگا کہ آپؐ کے اردگرد بے جان چیزوں' چٹانوں اور درختوں سے ایک آواز آ رہی ہے جو آپؐ سے اس کام کی انجام دہی کا تقاضا کر رہی ہے جو ایک قدرت ہے۔ آپ کو ان لمحات میں جو فرشتوں کی صورتیں نظر آئیں وہ ان عقائد کی تجریدی جلوہ گریاں تھیں جن کے ذریعے آپ کو دنیا کی کوئی زندگی بخشنے والا تھا۔

جب آپؐ ساری رات عبادت کرتے تو صبح صبح کی ٹھنڈی ہواؤں میں آپؐ حرا لیتے اور جب کوئی ہمدرد آپؐ کے پاس آتا تو آپ کو ہلکی سی آسمان سے آواز آتی۔

"اور تو ہی وہ انسان ہے جو خدا کا نیک بندہ ہے۔"

جب آپؐ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مگن ہوتے تو آسمانی آواز آتی کہ اے نبیؐ پڑھ اپنے رب کے نام پر۔ یعنی اسی غار میں آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امتیازی خصوصیات

قرآن حکیم سے ثابت ہے دنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل جتنے بھی انبیاء کرام آئے وہ محض ایک قوم کی طرف آئے۔

کتاب خروج باب سوم میں ہے۔

"اب دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ پس اب جاؤ میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں۔ میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال۔" (آیات 9,10)

کتاب استثنا میں ہے۔

"موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور تورات صرف اور صرف میراث ہے۔"

(باب 32 درس 4)

یہ حوالے ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور تورات صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق انجیل ظاہر کرتی ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی طرف آئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"

(متی 25/5)

بدھ مذہب کی تاریخ پر غور کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ہندو جاتی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانہ میں بھی کسی قوم تک اپنے مذاہب کی تعلیم کو نہیں پہنچایا اور کسی غیر مذہب کے پیرو کار کو داخل مذہب خود نہیں کیا۔

ہندو مذہب میں وید کی تعلیم و تدریس کا کام صرف برہمن کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر وید کی تعلیم تمام لوگوں کے لئے ہوتی تو پھر صرف برہمن کے لئے کیوں قرآت وید مخصوص کر دی جاتی۔ ہندو قوم میں کبھی کوئی نصرانی یہودی یا مغربی نسل کا رشی یا مہارشی بلکہ کسی مندر کا پجاری بھی نہیں بنایا گیا ان امور کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر کرتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے تمام انبیاء علیہ السلام نے کسی دوسرے نبی سے متعلق یہ نہیں بتایا کہ وہ صادق تھا یا کاذب۔ کیوں کہ جب کسی

ایسی قوم کو دعوت دی جائے جو کسی نبی کی پیرو ہو تو لازمی طور پر اس قوم کے نبی کی صداقت زیر بحث آئے گی تمام مذاہب کی مذہبی کتب کا مطالعہ کریں تو کسی کتاب میں بھی کسی نبی سے متعلق یہ ذکر نہیں آئے گا کہ وہ صادق تھا یا کاذب۔

اگر قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی بعثت اپنے اندر عالمگیریت کا رنگ رکھتی ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وما ارسلناك الا كافة للناس

ہم نے تجھے جملہ انواع انسانی کے لئے بھیجا ہے۔ (سورہ سبا: 28)

قل يايها الناس انى رسول الله اليكم جميعاً

یعنی کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا نبی ہو کر آیا ہوں۔

(سورہ الاعراف: 158)

ایک اور موقع پر ارشاد ہے:

وما ارسلنك الا رحمة للعلمين

"اور ہم نے تمہیں (اے محمدؐ) تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(سورہ الانبیاء: آیت 107)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كان البنى يبعث الى قومه خاصة وبعثت الى الناس كافة

"مجھ سے پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے لیکن میں تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ خاتم النبین ہیں یعنی آپؐ پر کمالات نبوت ختم ہیں اور آپؐ جمیع کمالات انبیاء ہیں اور نبوت کا کوئی درجہ اور کوئی مقام ایسا نہیں جو کسی دوسرے نبی کو تو ملا ہو۔ لیکن آپ کو حاصل نہ ہو اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

ما كان محمد ابا احد من رجا لكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے آدمیوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔ (الاحزاب: 4)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کریمہ کی تشریح ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان مثلی و مثل الانبيا من قبلی کمثل رجل بنی بيتا فاحسنه واجمله الا موفع بنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به يعجبون له ويقولون هلا وضعت هذه البنة قال فانا البنة وانا خاتم النبيين (بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور نبیوں کی مثال جو مجھ سے پہلے تھے اس شخص کی مثال کی طرح ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا اور اسے اچھا بنایا اور اسے خوبصورت بنایا سوائے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ کے سو لوگ اس کے گرد گھومنے لگے اور اس پر تعجب کرتے اور کہتے کہ یہ اینٹ کیوں نہ لگائی تو فرمایا میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔

زرقانی کی شرح المواہب اللدنیہ میں ہے

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلارسول بعدی ولانبی

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ کوئی نبی۔ روحانی عالم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سراج منیر (روشن سورج) ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے۔

یایها النبی انا ارسلنك شاهدا و مبشرا ونذیرا وداعیا الی الله باذنه و سراجا منیراً (سورۃ الاحزاب: 45)

اے نبی ہم نے تجھے گواہ بنا کر بھیجا ہے اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن ہونے والا سورج۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اس آفتاب عالمتاب کے بعد ان روشنیوں کی کوئی ضرورت نہیں رہی جو پہلے مختلف قوموں کو روشن کیا کرتی تھیں۔ وہ روحانی چراغ ایک وقت کے لئے روشن ہوئے اور اندھیروں کو اجالے میں تبدیل کیا۔ طلوع آفتاب کے بعد اب کسی چراغ کی ضرورت نہیں رہی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر کہنے میں یہ حکمت بالغہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے

شیشہ قلب کو صاف کر کے اس روشن سورج کی کرنوں کے سامنے رکھے گا تو اس کے اندر اس روحانی آفتاب کی روشنی منعکس ہو جائے گی اور جتنا زیادہ شیشہ قلب صاف ہوگا اتنی ہی زیادہ نور کی لہریں اس میں منعکس ہوں گی۔

قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وعدہ تمام انبیاء علیہ السلام کو دیا گیا تھا اور پھر ہر ایک نبی کے ذریعہ سے اس کی امت سے یہ عہد لیا گیا کہ تمہارے پاس ایک ایسا نبی آئے گا جو پہلے تمام انبیاء علیہ السلام کی تصدیق کرے گا اس پر ایمان لانا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واذ اخذ الله ميثاق النبين لما اتيتكم من كتاب وحكمة ثم جاء كم رسول مصدق لما معكم لتو من به ولتنصرنه قال ء اقررتم واخذتم على ذلكم اجرى قالو اقرر ناقال فاشهدوا وا نا معكم من اشهدينا (آل عمران 3 :81)

اے نبی ہم نے تجھ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا روشن ہونے والا ہے۔ اور جب اللہ نے نبیوں کے ذریعے سے عہد لیا کہ جو کچھ تم نے کتاب اور حکمت سے دیا۔ پھر تمہارے پاس وہ رسول آیا ہے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو۔ جو تمہارے پاس ہے تو تم نے ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا۔ اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کا بوجھ لیتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں کہا پس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

الوہیت کا مظہر:

رسول کریمؐ الوہیت کا مظہر ہیں۔ ان کا کلام خدا کا کلام وہ جو بھی کہتے اپنی طرف سے نہ کہتے بلکہ وہ کلام بھی اللہ کی طرف ہی ہوتا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ:

وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان رهوقا
(بنی اسرائیل 17:81)

اور کہو حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل کو بھاگنا ہی تھا۔

حق سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرآنؑ اور اس کا رسولؐ ہیں۔ جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں۔ گویا وہ خدا کی بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم

کی ذات کو مجازی طور پر اپنی ذات قرار دیا ہے۔

عطاء کوثر:

قرآن مجید میں آتا ہے کہ ہم نے تجھے کوثر عطا کی۔ امام فخرالدین رازی نے خیر کثیر کے تحت بہت سی اشیاء کا ذکر کیا ہے۔

ایسی نبوت کاملہ اور ریاست عامہ اور ہدایت جامعہ پہلے کب کسی کو عطا ہوئی تھی۔

کوثر سے مراد اسلام ہے۔

کوثر سے مراد کثرت امت ہے۔

کوثر سے مراد قرآن مجید ہے۔

کوثر سے مراد وہ اخلاق حمیدہ اور شمائل رشیقہ ہیں۔ جو رسول کریمؐ کے وجود باوجود پائے جاتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید میں ہے اے رسولؐ یقیناً آپ خلق عظیم پر ہیں۔ لفظ عظیم محاورہ عرب میں اس چیز کی صفت پر بولا جاتا ہے۔ جس کو اپنا نوعی کمال پورا پورا حاصل ہو۔

حصول منتہائے کامیابی:

اللہ وہ پاک ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔ کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے قبل گمراہی میں تھے اس آیت کریمہ میں رسول کریمؐ کے چار عظیم الشان کام بیان کئے ہیں۔

1- آیات پڑھ کر سنانا

2- تزکیہ نفس

3- کتاب الٰہی کی تعلیم دینا

4- حکمت کی باتیں سکھانا

رسول کریمؐ نے ان کاموں کو نہایت کامیابی سے سرانجام دیا۔ جبکہ ان مقدس کاموں کے سرانجام دینے میں ہر قسم کی رکاوٹیں موجود تھیں۔ مستشرقین کو بھی اس امر کا اعتراف ہے۔ رسول کریمؐ نہایت کامیاب معلم تھے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا میں لفظ قرآن کی بحث کے نیچے یہ اعتراف کیا گیا ہے۔ دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب حضرت محمدؐ ہیں۔ بسا اوقات جب ایک ایسے شخص کے ہاتھوں چند غیر معمولی معجزات رونما ہوں۔ جو بظاہر اس کی اپنی طاقت سے باہر دکھائی دیں۔ تو ان کے ظہور کے پیچھے چند معاشرتی اور مذہبی عناصر ہی کارفرما ہوتے ہیں جو ایک نئے مذہب کو جنم دیتے ہیں۔ پس حضرت محمدؐ پیدا ہوتے ہیں اور سارا عرب ایک جدید اور روحانی مذہب کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ ایک غالب یقین ہے محمد خاتم الانبیاء کی آمد معاشرتی حالات و انتشارات

کے باعث ناگزیر ہو چکی تھی اور جس طرح ایک مریض صحت کا متلاشی ہوتا ہے بعینہ عرب معاشرہ اس چیز کا متقاضی اور متمنی تھا۔

تکمیل دین:

رسول کریمؐ ایک اکمل دین لے کر آئے اور وہ دین تا قیامت لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی ہے ارشاد الٰہی ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدۃ 3:)

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لئے پسند کیا۔"

قرآن مجید کے اس عقیدہ کے مطابق دین اسلام دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ مختلف انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں مکمل ہوتا رہا اور یہ دین بالآخر رسول کریمؐ کے ہاتھ سے اپنے کمال کو پہنچا۔

وحدت نسل انسانی:

ختم نبوت اور تکمیل دین کا لازمی نتیجہ وحدت نسل انسانی کا پیغام ہے رسول کریمؐ کی بعثت سے قبل تمام انبیاء علیہم السلام نے افراد کو اکٹھا کر کے ایک قوم بنائی تھی۔ آپؐ نے تمام قوموں کو اکٹھا کر کے نسل انسانی کی وحدت کی بنیاد ڈالی اور اسے مذہب کو بنیاد ٹھہرایا۔ یہ راز اتنا بلند ہے کہ بغیر خدا کی وحی کے اس کا انکشاف قلب انسانی پر نہ ہو سکتا تھا۔ ارشاد الٰہی ہے:

وما کان الناس الا امة واحدة فاختلفوا

"اور سب لوگ ایک ہی قوم ہیں۔ پس وہ (بعد میں) منقسم ہو گئے۔"

(سورۂ یونس 10 آیت نمبر 19)

رسول کریمؐ کی بعثت سے قبل جتنے انبیاء علیہم السلام اور مصلحین ہو کر گزرے ہیں ان کی زندگی کے حالات ہم تک مکمل طور پر نہیں پہنچے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے بے شمار پہلو تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں قرآن کریم میں لفظ انجیل بارہ جگہوں پر استعمال ہوا ہے لیکن اناجیل کہیں استعمال نہیں ہوا۔ عیسائیت میں متبدل چار اناجیل مروج ہو گئیں۔ وید کے عالم کون تھے۔ کیسے تھے۔ کہاں تھے۔ ان کا چال چلن کیا تھا۔ کب ہوئے؟۔ تاریخ میں معمی بنے ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے متعلق موجودہ تورات وہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تین سو سال بعد احاطہ تحریر میں آئی۔

معجزات:

اللہ تعالیٰ کسی اعجاز کو من جانب اللہ ثابت کرنے کے لئے اپنی علیم وقدیر صفات کے تحت عقل انسانی سے بالا کسی نشانی کا شہود سامنے لاتا ہے۔ جو اپنے اندر ایسی ارفع شان رکھتا ہے کہ انسانی دل و دماغ اس کی مثل لانے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اس کو اصطلاحاً معجزہ کہتے ہیں اور قرآن مجید کی زبان میں اسے آیت اللہ کہتے ہیں۔ معجزہ کسی سنت کے توڑنے کا نام نہیں بلکہ معجزہ خود ایک سنت اللہ ہے۔ جو وحی الٰہی کے من جانب اللہ ہونے پر ایک قوی دلیل ہے۔ رسول کریمؐ کے ہاتھ سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوا۔ صرف چند ایک معجزات لکھے جاتے ہیں۔ ایسے تو سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے۔ لیکن اس کا مفصل ذکر یہاں نہیں کیا جائیگا کیونکہ قرآن مجید پر مستقل عنوان کے تحت بحث ہوگی۔ اور اس کے اعجاز پر بحث ہوگی۔

پہلا معجزہ:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عامہ عرب کسی مذہب کے پابند نہ تھے۔ کوئی کتاب نہیں رکھتے تھے۔ شجر و حجر، شمس و قمر، سیاروں اور بھوت و پریت کی پوجا کرتے تھے۔ جزا و سزا کے منکر۔ سیاست و تمدن سے نا آشنا۔ چوری، قمار بازی، جنگ و جدل، بغض و عناد، جہالت، فجر اور کبران کے اوصاف قبیحہ تھے۔ قرآن مجید میں ان سے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

اولئك كالانعام بل هم اضل (اعراف 7: 179)

یعنی وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ زیادہ گمراہ۔

لیکن وہی عرب جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مقدس پر بیعت کر لیتے تھے تو تمام برائیوں کو چھوڑ کر آستانہ الوہیت پر گر جاتے تھے اور اعلیٰ صفات میں رنگین ہو کر اس دھرتی پر چلتے پھرتے فرشتے دکھائی دیتے تھے قرآن مجید ان کے بارے میں فرماتا ہے۔

والذين يبيتون لربهم سجداً و قياماً۔ (الفرقان 25:64)

یعنی رات دن نمازوں میں گزارنے والے ہو گئے۔

دوسرا معجزہ:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس غرض کے لئے اس دنیا میں آئے اسے پورا کر گئے۔ یہ وہ بے نظیر کامیابی ہے جس کی عدیل دنیا کے کسی نبی کی زندگی میں نہیں ملتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام راستہ میں ہی فوت ہو گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کے حواری مصیبت میں گھرا ہوا دیکھ کر بھاگ گئے۔ بلکہ بقول انجیل ایک حواری نے ان کے منہ پر تھوکا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں ہی ملک عرب پر تسلط اور اپنی قوم پر پوری حکومت مل گئی اور لوگوں کو دائرہ اسلام میں فوج در فوج داخل

ہوتے دیکھ لیا۔ قرآن مجید نے کامیابی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

اذاجاء نصر الله والفتح ورايت الناس يدخلون فى دين الله افواجاً

''جب اللہ کی مدد پہنچ گئی اور فتح و کامیابی اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔''

تیسرا معجزہ:

آپ کی غیر منقطع اور دائمی برکات و فیوض ہیں اب تمام انبیاء علیہم السلام کے چشمہ ہائے فیوض خشک اور بند ہو چکے ہیں اور صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چشمہ فیض جاری ہے اس فیض کا زندہ اور بین ثبوت یہ ہے کہ اُمت محمدؐیہ میں ایک نہیں' بیس نہیں بلکہ ہزاروں ایسے افراد ہو گزرے ہیں جنہوں نے مکالمہ رسول اللہؐ اور زیارت حبیب اللہ کا شرف حاصل کیا اور اپنی زندگی میں ہی قرب الٰہی کو پالیا۔ یہ نعمت سوائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نہیں مل سکتی ارشاد الٰہی ہے۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونى يحبيكم الله

''کہہ اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری (رسول کریم) پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔'' (ال عمران 31:3)

چوتھا معجزہ:

یہ معجزہ بھی آپؐ کے ساتھ خاص ہے۔ وہ یہ کہ دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں آپ کی امت ہر وقت آپؐ کے لیے دعا نہ کرتی ہو اور یہ نہ پڑھتی ہو:

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اللهم صلى على محمدان اللّٰه وملئكته يصلون على النبى يايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

(احزاب: 56)

(بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی اکرمؐ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! آپ بھی نبیؐ پر درود و سلام بھیجو۔)

یہ اعجاز فقط اور فقط خاصہ رسولؐ ہی ہے۔

پانچواں معجزہ:

انشقاق قمر کا وقوع خلاف سنت اللہ نہیں کسی قانون قدرت نے کوئی فیصلہ نہیں دیا کہ ان

اجرام سماوی میں کوئی بڑے بڑے تغیرات نمودار نہیں ہوتے رہے۔ بلکہ قانون قدرت کی شہادت اس کے خلاف ہے۔ آخر زمین پر جو بڑے بڑے پہاڑ بنے تو کیا یہ بغیر کسی تغیر عظیم کے ہی بن گئے اور خود سورج میں تغیر اور انقلاب آتے رہتے ہیں اور بعض وقت بڑے بڑے داغ نمودار ہو جاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں شق القمر کا واقعہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

اقتربت الساعة و انشق القمر O و ان یروا ایة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر O

ترجمہ: ''خاص گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا اور اگر یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مونہہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو زور دار چلتا ہوا جادو ہے۔'' (سورہ القمر: 1-2)

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ شق القمر سے متعلق کثرت سے روایات موجود ہیں۔ ان کو امام بخاری، مسلم، ترمذی، احمد، ابو داؤد، عبدالرزاق، ابن جریر طبری، طبرانی اور ابو نعیم اصفہانی نے کثیر اسناد کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت انس بن مالک اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کی ہیں۔

ان میں تین صحابہ کرام ایسے ہیں جو اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہ اور حضرت جبیر بن مطعم شامل ہیں۔

تفہیم القرآن میں ہے کہ انشقاق القمر کا واقعہ ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے کا ہے۔ قمری مہینے کی چودھویں شب تھی چاند ابھی ابھی طلوع ہوا تھا۔ یکا یک چاند پھٹا اور اس کا ایک ٹکڑا حرا پہاڑ کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف نظر آنے لگا۔ یہ کیفیت تھوڑی دیر کیلئے رہی اور پھر دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔

مسند احمد میں ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزہ طلب کیا جس پر چاند دو مرتبہ شق ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر نظر آنے لگا۔ اسے دیکھ کر بھی جن کی قسمت میں ایمان نہ تھا وہ بول پڑے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے لیکن سمجھ داروں نے کہا اگر مان لیا جائے کہ ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام دنیا کے لوگوں پر تو نہیں ہو سکتا۔ کفار نے جب شق القمر کا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو کہنے لگے کہ اس ابن ابی کبشہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے تاہم دانا لوگوں نے کہا جو لوگ دوسرے شہروں سے آئیں گے ان سے بھی دریافت کر لیں گے کہ آیا انہوں نے اس رات چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔ پس جب لوگ باہر سے آئے تو انہوں نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی۔

قریش کے مجمع نے طے کیا تھا کہ اگر باہر سے آنے والے لوگ اس واقعہ کی تصدیق کریں گے تو ہم مان جائیں گے لیکن مشرکین نے جادو کا سہارا لے کر اسے ٹال دیا۔

دور حاضر میں امریکہ کے خلائی تحقیقاتی ادارہ ناسا (Nasa) نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہم نے چاند کی جو تصاویر حاصل کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہونے کے بعد دوبارہ جوڑا گیا ہے۔ (حوالہ مستند اخبارات)

چھٹا معجزہ:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ آپ پر نزول قرآن مجید ہے اور یہ کتاب الٰہی خود ایک معجزہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً

(بنی اسرائیل 88:18)

یعنی۔ "کہو اگر انسان اور جن اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو اس کی مانند نہ لا سکیں گے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔"

ایک مستشرق لکھتا ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نزول قرآن حکیم (Revelation of Quran) سب سے بڑا معجزہ ہے۔"

قرآن مجید کے مختلف اعجازی پہلوؤں پر بحث آگے آئے گی۔

سید الانبیاء محمد ﷺ
و دیگر ہادیان مذاہب کا تقابلی مطالعہ

تاریخ عالم کے دیباچ پر ہزاروں لاکھوں ایسی شخصیات کے نام درج ہیں جنہوں نے زندگی کے اسٹیج پر انوکھے اور حیرت انگیز کردار ادا کئے اور اوج کمال تک پہنچے۔ ان میں ایران کا زرتشت ہو یا چین کا کنفیوشس، ہندوستان کی ریاست اجودھیا کا رام ہو یا صوبہ بہار کا مہاویر، ہمالیہ کی گود میں بسنے والے شاکیہ قبیلے کا بدھا ہو یا مقدونیہ کا سکندر، روم کا جیولیس سیزر ہو یا ایران کا دارا۔ ان سب کے آثار و باقیات ماسوائے ان کے ناموں یا معدودے چند کارناموں کے سب کچھ وقت کی بے پروا لہروں کی نذر ہو گیا۔ ایران کے اکاسرہ جن کی بے عدیل فرمانروائی کا ڈنکا پوری دنیا میں بجتا تھا، روم کے قیاصرہ جن کی طاقت کا طوطی پورے عالم میں بولتا تھا اور فراعنہ مصر جو اپنی حکومتوں کو ارض و سماء سے زیادہ مضبوط خیال کرتے تھے سب کے سب اپنی سلطنتیں لپیٹ کر تاریخ کی گمنام وادیوں میں کھو گئے۔

لیکن تاریخ کی اس دنیا میں ایک ایسا آفتاب خطہ عرب سے طلوع ہوا جس کے سامنے رات بھر چمکنے والے نجوم و کواکب ماند پڑ گئے۔ دنیا کے مانے ہوئے محققین اور مورخین کے ہاتھوں بڑے بڑے شہنشاہوں، بادشاہوں، بہادروں، فلسفیوں، حکیموں اور مذہبی رہنماؤں کے احوال و ایام تاریخ کے گھروندے میں محفوظ کرنے کی حتی المقدور جتنی بھی کوشش ہو سکی ماسوائے مایوسی اور ناکامی کے اس میں کچھ نہیں ملتا۔ اگر کسی کے بچپن کے حالات کا پتہ چلتا ہے تو کچھ ایام شباب تاریکی میں چلے جاتے ہیں اور اگر کچھ جوانی کے احوال کا علم ہوتا ہے تو اس پر بھی شکوک و شبہات کی دبیز چادر تنی نظر آتی ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک دنیا کی کوکھ سے کسی ایسے بشر نے جنم نہیں لیا جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تاریخ نے اپنے پنوں میں محفوظ کیا ہو اور اس کی حیات کاملہ سے متعلق فراہم کردہ مختلف الاشکال معلومات صحیح اور درست ہوں۔ یہ اعزاز و انعام صرف اور صرف ایک شخصیت کے حصے

میں آیا جس کا اقبال و اعتراف حقداروں نے بھی کیا اور مخالفین نے بھی جس کی عظمت کو اپنوں نے بھی مانا اور دشمنوں نے بھی تسلیم کیا اور جس کے بارے میں اللہ جل جلالہ نے حدیث قدسی کے ذریعے ان الفاظ میں وضاحت فرمائی۔

لو لاك لما خلقت الافلاك

ترجمہ: "اے (محمد) اگر تو نہ ہوتا تو میں یہ کائنات ہی پیدا نہ کرتا۔"

اور یہ شخصیت جیسا کہ دنیا کے تمام عوام الناس جانتے ہیں مانتے ہیں ھادی برحق، نور مجسم، ختم الرسل، رحمت للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہو سکتی ہے۔ جس نے مختصر زمانہ نبوت میں اللہ تعالیٰ کا مرام مودت وعدہ کے مطابق پورا کر دکھایا اور پھر اللہ الرحمٰن الرحیم نے اس ھادی برحق کے ذریعے دین اسلام کو گلے سے لگانے والوں کیلئے خوشخبری سنا دی اور فرمایا:

اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتى و رضيت لكم الاسلام دينا

یعنی اے دین اسلام سے عشق کرنے والو! آج میں نے تمہارے لئے تمہارا (پسندیدہ) دین مکمل کر دیا ہے اور تمہارے اوپر اپنی (ہدایت کی) نعمت کو بھی پورا کر دیا ہے اور (تمام ادیان میں سے) تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین میں نے پسند کر لیا ہے (اور باقی سب ادیان کو منسوخ کر دیا ہے۔)

حضور اکرم سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تمام اخلاق حمیدہ و شمائل رشیقہ میں اعلیٰ و اشرف ہے۔ آپ کے کمالات و محاسن کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے کیونکہ وہ تمام کمالات جن کا وجود عالم میں تصور ممکن ہے سب کے سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں بدرجہ اتمام موجود ہیں۔ تمام موجودات آپ کی خلق کے مرہون منت ہیں۔

خصائص مبارزۃ

نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور دیگر مذہبی رہنماؤں کے مابین جو واضح امتیازی فرق ہے وہ آپ کی ذات کی کاملیت اور فضیلت کا ہے۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ کتاب "التہذیب" میں رقمطراز ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے اخلاق و عادات کی تمام خوبیاں، کمالات اور صفات عالیہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں یکجا کر دی تھیں اور اولین و آخرین کے تمام علوم جو آپ کے شایان شان تھے ان سے بہرہ ور فرما دیا تھا حالانکہ آپ امی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے تمام علوم اور زمین کے خزانوں کی چابیاں آپ کو

پیش کر دی تھیں۔"

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلم الحکمۃ والعلم سب سے زیادہ محترم' سب سے زیادہ انصاف پسند' سب سے زیادہ بردبار' سب سے زیادہ عفیف' سب سے زیادہ نفع پہنچانے والے اور سب سے زیادہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے والے تھے۔

قاضی عیاض کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ میں لکھتے ہیں:

"نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم حسن' بہادری' فیاضی اور شرافت میں سب سے اعلیٰ اور افضل تھے۔ جب آپؐ مسکراتے تھے تو چہرہ کی چمک دمک کا یہ عالم تھا کہ آس پاس کی دیواریں روشن ہو جاتی تھیں۔"

انسان کامل

رحمت للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس دیگر مدعیان ادیان کے تقابلی میزان میں سب سے افضل و اکمل مانی جاتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذات میں اشرف' اختیار میں افضل' حسن معاشرت میں اجمل' سیرت میں اکمل' حکمت میں اسلم' شمائل میں اسبق' مودت میں اصدق' سیادت میں اکرم اور عبادت میں اقدم تھے۔

آپ کی حیات مبارکہ خوش خلقی' حسن معاشرت' شجاعت' ثبات' استقلال' حلم و تحمل' عفو و رحم' ایثار' مہربانی' شفقت' محبت' ملنساری' صبر و شکر' سخاوت' صلہ رحمی (یعنی رشتے داروں سے اچھا سلوک) تواضع' عدل و انصاف' جنگی حکمت عملی' غمگساری' زندہ دلی' شگفتگی' تعلیم و تعلم' وقار و متانت اور بہترین شوہر جیسی خوبیوں سے مزین تھی۔ الغرض زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں آپ نے اکمال و اتمام کی سند حاصل نہ کی ہو۔

یورپی مستشرق باسورد سمتھ (Basworth Smith) کے بقول:

"یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے۔ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہے۔"

آپ کی حیات مبارکہ کے ہر پہلو کی تحفیظ و تشریق کیلئے عاشقان رسول محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صاحب لولاک سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی ولادت مبارکہ سے لے کر وصال تک کے ہر قسم کے معمولات کو اچھی طرح محفوظ کیا ہے۔

یہ اعزاز دنیا کے کسی ہادی یا مذہبی رہنما کے حصے میں نہیں آ سکتا۔ الموطا لامام مالک بن انس' صحاح ستہ' سیرت ابن اسحٰق' سیرت ابن ہشام' سیرت یعقوبی' شمائل ترمذی' الشفاء اور زاد المعاد ایسی کتب ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح و شام کی مصروفیت' مجالس' عبادات اور اخلاقیات پر

تفصیل سے معلومات ملتی ہیں۔

اس کے برعکس دیگر مذاہب کے رہنماؤں کی سیرت خود ان کے پیروؤں کے بقول تاریخ کے صفحات پر نظر نہیں آتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و کاملیت کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ دوسرے مذہبی رہنماؤں نے اپنے مذاہب کو عالمگیر اور آفاقی نہیں کہا بلکہ محدود اور عارضی گردانا ہے اور اپنی زندگیوں میں ہی ایک ایسی شخصیت کی بشارت دی ہے جس کا دین سچا اور قیامت تک قائم رہنے والا ہوگا۔ اس کیلئے مندرجہ ذیل اقتباسات کا مطالعہ ضروری ہے۔

بائبل کیا کہتی ہے؟

جس رات مسیح علیہ السلام اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے آپ نے اپنے شاگردوں سے کہا:

> "مجھے تم سے اور بہت سی باتیں کہنی ہیں لیکن ابھی تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ روح حق (محمد صلعمؐ) آئے گا تم کو تمام سچائی کا راستہ دکھائے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔"

روح حق سچائی کا روح تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ پادری صاحبان کہتے ہیں کہ روح حق سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ اس سے مراد وہ روح القدس ہے جو حضرت مسیح کے بعد ان کے شاگردوں پر نازل ہوگا مگر اس نے شاگردوں یا دیگر عیسائیوں کو کونسی سچائی کی راہ دکھائی بلکہ اعمال 17:21 تا 25 ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب روح القدس مسیح کے شاگردوں پر نازل ہوا تو ان سب نے جھوٹ بولنا اور فریب دینا شروع کر دیا۔ شاگردوں پر روح القدس نازل ہوا تو کچھ عرصہ بعد پولوس بھی ان میں آ شامل ہوا اور سب کا استاد بن گیا۔ پولوس کے نزدیک جھوٹ بولنا ثواب عظیم ہے (رومیوں 5:3) بلکہ پولوس خود بھی بڑے فخر کے ساتھ جھوٹ بولا کرتا تھا۔ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو کتاب مقدس بائبل سے دریافت کریں۔ ایک مقام پر پولوس کہتا ہے کہ میں پیدائشی یہودی ہوں (اعمال 22:23) دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ میں پیدائشی رومی (بت پرست) ہوں۔ (اعمال 25:22 تا 28)

تیسرے مقام پر پولوس کہتا ہے کہ: "میں پیدائشی فریسی ہوں۔" (اعمال 6:23، 7، 8) ہم کس طرح یقین کریں کہ ایک آدمی تین متضاد جگہ یا مذاہب میں پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ پولوس پیدائشی رومی (بت پرست) بھی ہے اور پیدائشی یہودی (توحید پرست) بھی ہے اور پیدائشی فریسی (یہودیوں کا ایک فرقہ) بھی ہے۔ یہ کون ہے جو اپنی پیدائش تین مختلف جگہ بتلا رہا ہے۔ یہ عیسائیوں کا سب سے بڑا رسول، جس پر روح القدس نازل ہوا تھا۔ یہ ہو نہیں سکتا اس لیے کہ

پولوس جھوٹ بولا کرتا تھا جیسا کہ ہم نے ثابت کیا اور جھوٹا آدمی روح حق ہو نہیں سکتا اور سنئے کہ اس جھوٹ بولنے والے روح حق کی تعلیم کیا ہی انوکھی ہے جس پر عمل کرنے سے شیطان بھی شرما جاتا ہے۔ ''ہم کیوں نہ برائی کریں تا کہ بھلائی پیدا ہو۔'' (رومیوں 8:3)

یہی وہ پولوس ہے (جس پر بقول ان کے روح القدس نازل ہوا تھا) جو خدا تعالیٰ کی پاک شریعت کو لعنت اور شریعت پر عمل کرنے والوں کو لعنتی کہتا ہے۔ (گلتیوں 113:)

خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''کیونکہ یہ باغی لوگ اور جھوٹے فرزند ہیں اور خداوند کی شریعت سے انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو کہتے ہیں کہ ہم پر سچی نبوت نہ کرو ہم سے خوشگوار باتیں کرو اور ہم سے جھوٹی نبوت کرو۔'' (یسعیاہ 8:30)

ان تمام حوالوں کے ہوتے ہوئے پولوس اور اس کے ساتھی روح حق کے زمرے میں نہیں آتے اس لیے کہ سب کے سب دغا باز اور جھوٹے اور برائی کی تعلیم دینے والے تھے۔ لیکن اس کے برعکس روح حق حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے:

''جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔'' (القرآن)

''روح حق آئے گا۔ وہ میرا اجلال ظاہر کرے گا۔'' (بائبل)

اہل یہود کے سب سے بڑے معلم سردار کاہن کیفا نے مجرم قرار دے کر کہا یہ مشرک ہے۔ پولیس نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی مسیح لعنتی ہے۔'' (گلتیوں 13:3)

روح حق سیدنا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

''یہ دونوں جھوٹے اور دروغ گو ہیں۔ مسیح علیہ السلام نہ لعنتی ہے نہ مشرک ہے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کا رسول اور کلمۃ اللہ ہے۔''

سردار کاہن کیفا نے کہا:

''مسیح مشرک ہے۔''

پولوس نے کہا:

''مسیح لعنتی ہے۔''

اور روح حق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسیح پاک، معصوم اور کلمۃ اللہ ہے۔''

بائبل اور قرآن عظیم کی آیات کے تقابلی مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسیح کا جلال تو سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہر کیا جبکہ مسیح کے شاگردوں نے خود مسیح کو ہی تذلیل و تحقیر کا

نشانہ بنایا۔

شان محمدیؐ اور دیگر مذاہب

عربی زبان کا مشہور قول ہے الفضل ماشھدت بہ الاعداء یعنی تعریف تو وہ ہے جو دشمن کے مونہہ سے نکلے۔

یہ شان' یہ عظمت صرف اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں ہی آ سکی ہے کہ دشمنان اسلام اور دیگر ھادیان مذاہب نے بھی حضور اکرم سید الانبیاء کی صداقت نبوت کی تصدیق کی ہے اور دیگر مذہبی کتب کو تقابلاً سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو ایسے امور و شواہد کہیں نظر نہیں آ ئیں گے کہ گیتا میں زرتشت کو بیان کیا گیا ہو یا اوستا میں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اعلان ہو یا تورات میں مہاتما بدھ کو سچا نبی کہا گیا ہو' یا تری پٹاکا میں عیسیٰ علیہ السلام کو روح القدس کہا گیا ہو یا انجیل میں رام یا کنفیوشس کو اللہ کا رسول کہہ کر پکارا گیا ہو لیکن ایک لمحہ کیلئے سوچا جائے تو کیا یہ سید الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و صداقت کیلئے کافی نہیں ہے کہ دیگر مذہبی کتب میں آپ ہی کو حرف آخر اور سچا نبی تسلیم کیا گیا ہے۔

ایسے بیانات ان کے اپنے ادیان کی تنسیخ اور اسلام کی تصدیق کیلئے سورج کی کرنوں سے زیادہ روشن اور چمکدار ہیں۔

فضیلت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و دیگر مذہبی کتب

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

و اذا خذ اللّٰہ میثاق النبیین لایۃ (سورہ آل عمران' 4)

اس آیت میں اس عہد و میثاق کا ذکر ہے' جو روز اول میں تمام نبیوں سے حضرت سید المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیہم اجمعین پر ایمان لانے' ان کی تصدیق اور مدد و نصرت کرنے پر لیا گیا تھا۔ حضرت مولائے کائنات نے امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"آدم علیہ السلام سے لے کر مسیح علیہ السلام تک جتنے پیغمبر گزرے' خدا نے ہر ایک سے سید عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی تصدیق اور تائید کا پختہ قول و قرار لیا۔" (تفسیر امام طبری وغیرہ)

اسی لیے سب پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پیش گوئیاں فرمائیں اور اپنی امتوں کو حضور پرنور کی اس عالم میں تشریف آوری کی بشارتیں دیں۔ اگلی سب آسمانی

کتابوں میں خصوصاً توریت وانجیل میں ہمارے آقائے نامدار سرور و سردار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اوصاف گرامی سب کچھ مذکور تھا پڑھو:

الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ و الانجیل

وہ رسول نبی امی جس کو اہل کتاب توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اب تک موجودہ توریت و اناجیل میں بھی باوجود اس قدر تغیر و تبدل' ترمیم و تحریف کے بہتیری بشارتیں صاف صاف موجود ہیں' جن میں سے بعض کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

(1) خداوند نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

"میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا' وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کر کہے گا' نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات کہے میرے نام سے' جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔"

(توریت مطبوعہ مرزا پور 1870ء باب 18' آیت 18 تا 20)

سبحان اللہ کیسی واضح بشارت ہے۔ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل کے سوا اور کون ہو سکتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ وہ نبی بنی اسماعیل میں ہوگا اور "تجھ سا ایک نبی" سوائے پیغمبر عربی اور کسی پر صادق ہی نہیں آ سکتا کیونکہ بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ علیہ السلام کے مانند ہوا ہی نہیں جیسا کہ خود تورات کا بیان ہے کہ:

"پھر قائم نہ ہوا کوئی نبی بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے مانند' جس نے پہچانا ہو اللہ کو دو بدو۔" (تورات کتاب استثناء 2 باب 34' درس 10)

لیکن حضور نبی امیؐ جناب کلیم اللہ کے بالکل "مثل" تھے اور اکثر امور میں ایک کی دوسرے سے مشابہت ثابت ہے۔ مثلاً:

(1) جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام مستقل صاحب شریعت تھے' ہمارے حضور بھی مستقل صاحب شرع تھے لیکن بنی اسرائیل میں کوئی نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حتیٰ کہ سیدنا مسیح علیہ السلام بھی مستقل صاحب الشرع نہ تھے۔ (دیکھو انجیل متی باب 5)

(2) موسیٰ علیہ السلام حکومت و فرمانروائی کی شان بھی رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تاجداروں کے تاجدار تھے۔

(3) جہاد کا حکم موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہوا اور ہمارے حضورؐ کو بھی مخالفین کے حملوں کا جواب دینے اور سرکشوں کی سرکوبی کا حکم دیا گیا۔

(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر معراج ہوئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اتم و اکمل درجہ کی معراج ہوئی' وغیرہ وغیرہ (لیکن سیدنا مسیح علیہ السلام جن کو عیسائی اس بشارت کا مصداق ثابت کرنا چاہتے ہیں' ان وجوہ مماثلت سے بالکل خالی ہیں) غرض آنحضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مانند بے شک ہیں' قرآن میں بھی حضورؐ کو "مثل موسیٰ علیہ السلام" فرمایا گیا ہے۔ پڑھو:

انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا ○ وشھد شاھد من بنی اسرائیل علی مثلہ

میں بعض مفسروں نے شاھد سے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مثلہ سے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا۔

اس بشارت کی یہ آیت کہ "اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔" قرآن پاک کی طرف اشارہ ہے جو خدا کا کلام ہے اور حرف حرف آنحضرتؐ پر نازل ہوا:

گرچہ قرآن از لب پیغمبر است
ہر کہ گوید حق نہ گفت ست کافر است

بشارت کا آخری حصہ یہ ہے کہ "جھوٹا نبی قتل کیا جائے"۔ یہ حضورؐ پرنور کی نبوت کی صداقت کا قطعی فیصلہ ہے کیونکہ اگر معاذ اللہ آپ وہ نبی مبشر و موعود نہ ہوتے تو ضرور اس آخری آیت کے مصداق ثابت ہوتے مگر یہاں تو خدائی وعدہ حفاظت شامل حال تھا کہ واللہ یعصمك من الناس۔ مخالفین نے قتل و اہلاک کی کیا کچھ انتہائی تدبیریں نہ کیں' مگر ایک بھی پیش رفت نہ ہو سکی۔ مخالفین ہی ہلاک و برباد ہوتے اور خدا نے اپنے سچے رسولؐ کی ہر طرح مدد و حفاظت کی۔ پڑھو

واذیمکربك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك اویخرجوك و یمکرون و یمکر اللہ خیر الماکرین

ہاں یہ بشارت نبی امی کی نسبت اس طرح بھی صادق ہوئی کہ حضورؐ کے آخر زمانہ میں مسلمہ کذاب نے جھوٹا دعوائے نبوت کیا اور وہ خبیث حضرت خلیفہ اول صدیق اکبرؓ کے ابتدائے زمانہ

خلافت میں قتل کیا گیا۔

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام ایک آنے والے نبی کا مشتاقانہ ذکر اور اس کی ثنا و توصیف فرماتے ہیں:

(1) تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطف بتایا گیا ہے اسی لیے خدا نے تجھے ابد تک مبارک کیا۔

(2) تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔

(3) میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا بس سارے لوگ ابد الآباد تیری ستائش کریں گے۔ (زبور شریف باب 45 ملتقطا)

یہ بشارت کس قدر صاف اور حرفاً حرفاً سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ایسا کون نبی دنیا میں آیا جو باطنی فضل و کمال کے ساتھ ظاہری حسن و جمال میں بھی یکتائے زمانہ و یگانہ عالم ہوا اور حشمت و شوکت، حکومت و سلطنت اور تیر و تلوار کا بھی مالک ہوا ہو۔ بجز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نہیں۔

اور زبور میں درج ہے حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام اپنے محبوب سے ملنا چاہتے ہیں اور محبوب (نبی امی پیغمبر عربیؐ) کی یوں ثنا خوانی فرمائی ہے:

"میرا محبوب نورانی گندم گوں، ہزاروں میں سردار ہے۔ اس کا سر ہیرے کا سا چمکدار ہے اس کی زلفیں مسلسل مثل کوے کے کالی ہیں۔ اس کا چہرہ مانند ماہتاب کے، جوان مانند صنوبر کے، اس کا گلا نہایت شیریں اور وہ بالکل محمدؐ یعنی تعریف کیا گیا ہے۔ یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب۔"

(انتہے ملتقطاً زبور غزل الغزلات باب 15، درس 10 تا 16)

محبت کا تری بندہ ہر اک کو اے صنم پایا
برابر گردن شاہ و گدا دونوں کو خم پایا

یا حضرت سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام! علیکم الصلوٰۃ والسلام حضور کے محبت بھرے الفاظ نے بے چین کر ڈالا۔ اب چپ نہیں رہا جاتا کیونکہ آتش عشق کی سوزش میں سینہ سے جو دھواں اٹھ رہا ہے، وہ الفاظ کی صورت میں منہ سے نکلنا چاہتا ہے۔ حضور! اب بے ادبی معاف ہو:

ہزار علم و ادب داشتم من اے خواجہ
کنوں کہ مست و خرابم صلاے بے ادبی ست

اس وقت اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جہاں آپ جیسے جلیل القدر پیغمبر اور دو جہان کے تاجور اس محبوب کے عشاق میں ہیں' وہاں مجھ سا عاجز' عصیاں شعار' ناکام و بدنام' ننگ اسلام' فقیر بے نوا' عاشق حزیں بے دست و پا بھی ان کے کمترین حلقہ بگوشاں اور ادنیٰ ترین سگاں میں ہے:

در ورقے کہ کردہ ام نام سگانت زارقم
زیر ترک نوشتہ ام از ہمہ نام خویش را

آہ! آہ

بہ سرت کہ سر زلف تو بہ سرم سر دگرے نشد
برخت کہ جز رخ تو گہے برخ دگر نظرے نشد
چو سگم کمینہ سگان تو و ز جملہ بے قدرم ولے
بدرت کہ جز در پاک تو بدر دگر گزرے نشد

یا حضرت سلیمان علیہ اسلام ! یہ وہ پاک عشق و محبت ہے جس میں رقابت کے بجائے ہمدردی کا جوش پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے اگرچہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے' مگر یہ فقیر بے نوا بھی بکمال ادب عرض کرتا ہے کہ حضور اقدس کا ہمدرد اور حضور والا کا ہمزبان ہے:

(از حضرت نصر پھلواروی قدس سرہ العزیز)

ما بلبلیم نالاں گلزار ما محمدؐ	ما نرگسیم حیراں دیدار ما محمدؐ
قمری بہ سرو نازد بلبل بگل فریبد	ما ما شقیم بیدل دلدار ما محمدؐ
از خویشتن ندانم جز ایں قدر کہ گویم	ما قطرہ ایم و بحر زخار ما محمدؐ
اے نصر بر زبانم جز نام او نیاید	ما طوطیم خوشگو گفتار ما محمدؐ

اے جذب الفت ہمت کر! اے عشق قدم بڑھا اور دیار تک پہنچا۔ اے درد دل نالوں میں اثر پیدا کر اور اے اثر محبوب تک رسائی و گزر پیدا کر۔ یا رسول اللہ! یا حبیب اللہؐ یا خاتم النبیینؐ یا رحمتہ العالمین!!

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اگر تم مجھے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو اور اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا تسلی دینے والا بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔"

(انجیل یوحنا)

نیز فرماتے ہیں:

"لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (تسلی دینے والا) تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصور وار ٹھہرائے گا۔" (انجیل یوحنا باب 15' آیہ 6' 7' 8' مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور 1906ء)

دوسری جگہ فرمایا:

"لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا' تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا' وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" (یوحنا: باب 16' آیت 13)

بتاؤ اس سے زیادہ روشن اور صریح بشارت اور کونسی ہو گی حضرت مسیح کے بعد وہ تسلیم دینے والا کون آیا؟ وہی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم' جن کو وہ آگے چل کر صاف صاف یوں یاد کرتے ہیں:

"بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لیے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔" (انجیل یوحنا باب 15' آیت 30)

اور حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

"پر جب کہ وہ تسلی دینے والا جسے میں تمہارے لیے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ سے نکلتی ہے آوے تو وہ میرے لیے گواہی دے گا۔"

(یوحنا باب 15' آیت 26)

بھلا جناب مسیح علیہ السلام کے بعد سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کون نبی دنیا میں آیا جس نے ان کی تصدیق فرمائی اور ان کیلئے گواہی دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و اذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ و مبشرا بر رسول یاتی من بعدی اسمہ احمد

(5) حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ان کے تقدس مآب حواری بھی ہمارے حضور کی بشارت دیتے اور حضرت روح اللہ کی تلقین و منادی کے بموجب ظہور پیغمبر آخر الزماں کا یقین رکھتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ مسیح علیہ السلام اس وقت تک آسمان سے نزول نہ فرمائیں گے' جب تک کہ خاتم الانبیاء مبعوث نہ ہوں' جن کی سب پیغمبروں نے بشارت دی اور جن کی موسیٰ علیہ السلام نے پیش گوئی فرمائی۔ چنانچہ

پطرس مقدس نے بعد سیدنا مسیح علیہ السلام یوں منادی کی۔

"ضرور ہے کہ آسمان اسے لیے رہے اس وقت کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا' اپنی حالت پر آویں موسیٰ علیہ السلام نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے' تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے ایک نبی میرے مانند اٹھاوے گا جو کچھ وہ کہے' اس کی سب سنو۔"

(انجیل کتاب الاعمال' باب 3' آیات 19 تا 24)

اور تمام مخلوق مسیح علیہ السلام کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منتظر تھی چنانچہ:

(6) یوحنا کی گواہی یہ تھی جب کہ یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے اور اس نے اقرار کیا کہ میں مسیح علیہ السلام نہیں تب انہوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں انہوں نے اس سے سوال کیا اور کہا کہ اگر تو نہ مسیح علیہ السلام ہے' نہ الیاس اور نہ وہ نبی پس بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟"

(دیکھو انجیل یوحنا باب اول' آیات 19 تا 25)

سام وید میں آنحضرت صلعم کا ذکر

ملاحظہ ہو سام وید پر پھاٹک 3 رشتی 6 منتر 8:

ترجمہ: "احمد نے اپنے رب سے پر حکمت شریعت کو حاصل کیا۔ میں سورج کی طرح روشن ہو رہا ہوں۔ یعنی میں (رشی وتسہ) اس بشارت کو دیکھتے وقت آفتاب رسالت کے نور سے منور ہو رہا ہوں۔"

قرآن شریف اس منتر کے راز کو اس طرح کھولتا ہے:

یایها النبی انا ارسلنك شاهداً و مبشراً و نذیراً

اے نبی! ہم نے تجھے شاہد' مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

و داعیاً الی الله باذنه و سراجاً منیرا

اور تو اللہ کی طرف سے اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنے والا سورج ہے۔

تشریح

روشنی دو طرح کی ہوتی ہے' اجرام فلکی کی۔ ایک وہ اجرام جو بذات خود روشن ہیں جیسے

سورج' دوسرے وہ اجرام جو اس سے روشن ہوتے ہیں جیسے رات کے وقت چاند' ستارے سورج کی روشنی کی گواہی دیتے ہیں۔ اس لیے رشی دتسہ کا یہ کہنا کہ میں سورج کی مانند روشن ہوں درحقیقت سراجا منیرا کے لیے ایک گواہی ہے اور وہ سراجا منیرا احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اتھروید کے کنتاپ سوکت میں بشارت

اتھروید تینوں ویدوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس میں رگوید کی رچائیں (محامد) سام وید کے گانے اور یجروید کی عبادات کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ مہلک امراض سے شفا' جنگ میں فتح و نصرت کے نسخے اور بہشت و دوزخ کے تفصیلی بیانات بھی ہیں۔ اس لیے اس وید کو برہم وید (علم الٰہی) کہا جاتا ہے۔ جس طرح بائبل کا ماخذ الواح بابل ہیں اسی طرح ویدوں کی اندرونی شہادت سے پتا چلتا ہے کہ اتھروید صحیفہ ابراہیم علیہ السلام کی بڑی حد تک نقل ہے۔ رگوید کا 1/5 حصہ بائبل کی طرح بابل کے صحائف سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں بابل اور مصر کے بادشاہوں کی جنگوں کا حال بھی ہے۔ (تفصیل کے لیے ڈاکٹر پران ناتھ پروفیسر بنارس ہندو یونیورسٹی کا مضمون دیکھیے جو ٹائمز آف انڈیا کے جولائی و اگست 1935ء میں چھپا ہے۔)

اتھروید کے بیسویں باب کے کچھ سوکت کنتاپ سوکت کہلاتے ہیں۔ ان کو طویل یگیوں اور قربانیوں میں 17 پجاری بڑے اہتمام سے پڑھا کرتے تھے اور یہ ہر سال ہوا کرتا تھا۔ گویا ایک طرح سے انہیں یاد رکھنے کیلئے ہندو قوم کو توجہ دلائی جاتی تھی۔ کنتاپ کے معنی ہیں پیٹ کی پوشیدہ گلٹیاں۔ یہ نام ان منتروں کا غالباً اس لیے رکھا گیا کہ ان کا راز آئندہ زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا۔ یہ راز ناف زمین (مکہ) سے تعلق رکھتا ہے۔ مکہ کی زمین کو ام القریٰ (ناف زمین) الہامی کتب میں بتایا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہیں سب سے پہلے پہلا خدا کا گھر بنا اور نسل انسانی کو یہیں سے روحانی غذا ملنا شروع ہوئی۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعلمین (96:3) قرآن شریف میں مکہ کے دو نام ہیں۔ ایک بکہ اور دوسرا مکہ (بکہ سورہ آل عمران آیت نمبر 96 میں جبکہ مکہ سورہ الفتح کی آیت نمبر 24 میں آیا ہے) بکہ کے معنی ہیں بطن (پیٹ زیر ناف) اور مکہ کے معنی ہیں پستان۔ انسان کو اپنی ماں سے غذا دو جگہ سے ملتی ہے: یعنی پیٹ سے (رحم مادر سے) اور چھاتیوں سے۔ اسی طرح نسل انسانی کی ابتدائی پرورش کنتاپ (پوشیدہ گلٹیاں۔ رحم مادر) یعنی بطن مکہ سے شروع ہوئی مگر جب بچہ رحم مادر سے مکمل ہو کر باہر آ گیا یعنی وسیع دنیا میں قدم رکھا تو یہی گلٹیاں چھاتی میں دودھ بن گئیں۔ اس طرح انسان کی پرورش کا سامان اب مکہ میں یا ماں کی چھاتیوں میں ہے۔ کنتاپ سوکتوں کو لوگ اب تک معمہ یا پہیلیاں سمجھتے رہے۔ چنانچہ پروفیسر پنڈت راجہ رام' پروفیسر میکولر' بلوم فلیڈ وغیرہ نے ایسا ہی سمجھا لیکن یہ گلٹیاں اب واضح ہو چکی ہیں۔

کنتاپ سوکت کا پہلا منتر......اسم مبارک آنحضرت صلعم

ترجمہ: "اے لوگو! یہ (بشارت) احترام سے سنو محمد تعریف کیا جائے گا ساٹھ ہزار اور نوے دشمنوں میں اس ہجرت کرنے والے (امن پھیلانے والے کو) ہم (حفاظت میں) لیتے ہیں۔"

تشریح

نراشنسہ یعنی لوگوں میں تعریف کیا گیا۔ کورم یعنی امن پھیلانے والا یا مہاجر شیشٹی سہسر مکہ کی آبادی اس وقت ساٹھ ستر ہزار تھی' جیسا کہ ابن اثیر کامل وغیرہ نے لکھا ہے۔

اسم گرامی

ترجمہ: "اس نے مامح رشی کو سو دینار' دس تسبیحیں' تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں دیں۔"

(مترجمہ پنڈت کھیمکرن و پروفیسر راجہ رام)

تشریح: ما یعنی مہا بمعنی بہت زیادہ' مح یعنی تعریف کیا گیا' عروتام یعنی عربی گھوڑے۔ پیش گوئیاں بالعموم استعارات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس منتر میں سو طلائی دینار وہ صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے مکہ کے پرفتن دور میں مکہ سے حبش کو ہجرت کی۔ سرجہ یعنی گلدستہ تسبیح' سردار (رگوید منڈل 10 سوکت 84 منتر 2 میں سرجہ بمعنی سہرا) عشرہ مبشرہ مراد ہیں۔ عروہ بمعنی تیز رو یا عربی گھوڑے۔ ان سے مراد اصحاب بدر ہیں' جو تین سو تیرہ تھے۔ گو کا مادہ گم یعنی جنگ کیلئے نکلنا (رگوید منڈل 10 سوکت 33 منتر 6) گائے کو رعب و جلال اور ہلاکت کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔ (رگوید منڈل 5 سوکت 56 منتر 3) گائے صلح و اتفاق و اتحاد کی علامت بھی ہے (رگوید منڈل 10 سوکت 112 منتر 3) ان تشریحات سے ظاہر ہے کہ محمدؐ کے ساتھی گائے کی طرح مقدس اور رحم و محبت کے مجسمہ ہیں اور اندر دیوتا کی طرح بارعب اور خوفناک بھی ہیں۔ اس تضاد کی پہیلی کو قرآن شریف نے اس طرح حل فرمایا:

محمد رسول الله والذين معه اشدآء على الكفار رحمآء بينهم...... الخ (29:48)

مکہ کی فتح کے وقت ٹھیک دس ہزار کی قدوسی جماعت آپ کے ساتھ تھی۔

مذکورہ بالا منتر میں حسب ذیل باتیں قابل غور ہیں:

(1) اس منتر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صفاتی نام جو ذاتی نام سے بھی کس قدر مشابہ ہے' موجود ہے۔

(2) آپ کو رشی یا پیغمبر بتایا گیا ہے۔

(3) آپ کو سو خالص سونے کے طلائی دینار یعنی سابقون الاولون صحابہ کرام کے دیے جانے کا ذکر ہے۔

(4) عشرہ مبشرہ یعنی با اقبال جنت کے دس گلدستوں کا عطیہ۔

(5) عابد زاہد عالم جنگجو 313 تاریخی اصحاب بدر کا ذکر۔

(6) فتح مکہ کے وقت دس ہزار قدسیوں کی جماعت کا ذکر۔

دنیا کی تاریخی روشنی میں یہ ساری خوبیاں اور نشانات صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات میں ملتی ہیں اور یہ نشانیاں ٹھیک اسی ترتیب کے ساتھ ہیں' جیسی کہ بعد کو تاریخی وجود میں آئیں۔ دنیا کے کسی رشی یا پیغمبر کے ساتھ بجز آنحضرتؐ کے ان کی تطبیق نہیں کی جا سکتی۔

جنگ احزاب کا مفصل ذکر

اتھروید کانڈ 20 سوکت 21 منتر 6 حسب ذیل ہے:

ترجمہ: ''اے صادقوں کے رب! تجھے ان سرور دینے والوں نے اپنے بہادرانہ کارناموں اور مستانہ ترانوں سے دشمن کی جنگ میں مسرور کیا کہ جب حمد کرنے والے نیز عبادت کرنے والے کیلئے تو نے دس ہزار دشمنوں کو بغیر مقابلہ شکست خوردہ کر دیا۔''

معنی

برتے شوپتے بمعنی صادقوں کے رب۔ امدن بمعنی مسرور کیا۔ ورسنتر یاتے ان بہادرانہ کاموں سے۔ سوماسہ یعنی مستانہ ترانوں نے۔ ورتر بمعنی دشمن۔ کاروے بمعنی حمد کرنے والے کے لیے۔ ورہشمتے بمعنی عبادت کرنے والے کے لیے اپرتی بمعنی بغیر مڈبھیڑ۔ نی درہتیہ یعنی تو نے شکست خوردہ کر دیا۔ ہیتھو یعنی جنگ میں۔

تشریح

وید منتر میں اللہ تعالیٰ کو ست پتی یعنی صادقین کی تربیت کرنے والا بتایا ہے۔ صادقین صحابہ کرام کی صفت ہے۔ من المومنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه كونوا مع الصادقين۔

وید منتر میں دوسری نشانی یہ ہے کہ سرور دینے والوں نے اپنے بہادرانہ کارناموں اور ترانوں سے اللہ کو راضی کر دیا۔ اس کا نقشہ قرآن پاک میں یوں کھینچا گیا:

لما را المومنون الاحزاب قالوا هذا ما وعد نا الله و

رسوله و صدق الله و رسوله وما زادهم الا ايمانا و تسليما

جب مومنوں نے دشمن کے لشکر کو دیکھا انہوں نے کہا یہ وہ ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے کیا تھا (اس نظارہ نے) ان کے ایمان نیز تسلیم و رضا کی ایمانی قوت کو المضاعف کر دیا۔" (22:33)

تیسری نشانی دس ہزار کے لشکر عظیم کو جو تین ہزار کے مقابل تھا اور ہر طرح سے بڑھ چڑھ کر تھا' شکست خوردہ بتایا۔ قرآن شریف میں یہ آیت جنگ احزاب وقوع پذیر ہونے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

جند ماهنالك مهزوم من الاحزاب (11:38)

چوتھی نشانی اسم احمد کا ذکر۔ کاروے یعنی حمد کرنے والے کے لیے یعنی احمد۔ پروفیسر گرفتھ نے اس کا ترجمہ Cibger اور پروفیسر پنڈت راجا رام نے ستوتا یعنی حمد کرنے والا کیا ہے۔ یہ صفاتی نام ہے جو اس جنگ کا ہیرو ہے' وہ حمد کرنے والا بھی ہے اور سپہ سالار بھی۔

حمد کرنے والے کی دوسری صفت لفظ برہشمتے ہے' جس کے معنی ہیں مقدس گھاس' جو ویدی (آتشکدہ) کے کناروں پر بچھائی جاتی ہے۔ استعارتاً مقدس گھاس والا سے مراد عبادت گزار ہوتی ہے۔ دوسرے معنی اس کے روشن اور نورانی شخص کے بھی ہیں۔ یعنی احمد نہ صرف خدا کی حمد کرنے والے ہیں بلکہ عین میدان جنگ میں خدا کی عبادت کرنے والے بھی ہیں۔ یہ وید منتر کی پانچویں نشانی ہے۔ آخری نشانی ہے دشمن کا بغیر مقابلہ کیے فرار ہو جانا۔ اس کی وجہ اسی سوکت کے منتر 1 تا 5 نیز 7 اور 8 میں بیان کی ہے۔ ان منتروں میں خطاب ہے اندر دیوتا سے' جو تند و تیز ہوا کا رفیق اور رعد و کڑک کا دیوتا ہے۔ اس جنگ میں دشمن تند ہوا اور کڑک سے ڈر کر یا اندر دیوتا سے خوف کھا کر بھاگ گیا۔ چنانچہ وید کے اپنے الفاظ ہیں:

"تو نے اے اندر! دس ہزار دشمنوں کو بغیر مڈبھیڑ کے شکست خوردہ کر دیا۔"

دشمن کی ہزیمت واقعی ایک حیرت انگیز امر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقابلہ دراصل مسلمانوں کے ساتھ نہیں تھا بلکہ اسی خالق فطرت کے ساتھ تھا کہ ہوا' جھکڑ اور رعد و کڑک سے دشمن خوفزدہ ہو کر فرار ہو گیا۔ قرآن کریم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

يايها الذين امنوا اذكروا نعمة الله عليكم اذجاء تكم جنود فارسلنا عليهم ريحاً و جنوداً لم تروها و كان الله بما تعملون بصيرا (9:33)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو' جب تم پر لشکر آ پہنچے سو ہم نے ان پر ہوا کو اور ایسے لشکروں کو بھیجا جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔''

یہ بیان صداقت اسلام کا کھلا معجزہ ہے۔

محمد اکمل الکاملین صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی نظر میں

آنحضرتؐ کی شکل و شمائل

جان ڈیون پورٹ آنحضرتؐ کے حلیہ مبارک کی نسبت اپنی کتاب ''اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قرآن'' میں لکھتے ہیں:

''آپؐ کی شکل شاہانہ تھی' خط و خال باقاعدہ اور دل پسند تھے۔ آنکھیں سیاہ اور منور تھیں۔ بینی ذرا اٹھی ہوئی' دہن خوبصورت تھا۔ دانت موتی کی طرح چمکتے تھے' رخسار سرخ تھے۔ آپ کی صحت نہایت اچھی تھی۔ آپؐ کا تبسم دلآویز اور آواز شیریں و دلکش تھی۔''

ایڈورڈ گبن صاحب اپنی کتاب ''تاریخ روم'' میں لکھتے ہیں:

''آنحضرت حسن میں شہرہ آفاق تھے اور یہ نعمت صرف انہی کو بری معلوم ہوتی ہے جن کو اللہ کی طرف سے عطا نہیں ہوئی۔ پیشتر اس کے کہ آپ کوئی بات فرمائیں آپ کسی خاص آدمی یا گروہ کو متوجہ کر لیا کرتے تھے۔ لوگ آنحضرتؐ کی شاہانہ شکل' نورانی آنکھیں' خوشنما تبسم' بکھری ہوئی داڑھی اور ایسا چہرہ جو دل کے ہر ایک جذبہ کی تصویر کھینچ دے اور ایسے حرکات و سکنات' جو زبان کا کام دیں' دیکھ دیکھ کر تعریف کیا کرتے تھے۔''

آنحضرتؐ کا اعزاز خاندان

ڈاکٹر ویٹ صاحب لکھتے ہیں:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب کے نہایت عمدہ خاندان اور معزز قوم سے تھے۔ آپؐ نہایت شکیل و جمیل اور عادات میں خلیق و بے تکلف تھے۔''

آنحضرت کی فصاحت

سر ولیم میور صاحب باوجودیکہ نہایت متعصب عیسائی ہیں' لکھتے ہیں:

"آنحضرتؐ کی گفتگو جزیرہ نمائے عرب کی خوشنما زبان کا خالص ترین نمونہ تھی۔"

ڈاکٹر اے اسپرنگر صاحب اپنی کتاب سیرت محمدیؐ میں لکھتے ہیں:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیز فہم' نہایت اعلیٰ درجہ کے عالی نظر' صائب الرائے اور بلند خیال تھے۔ گو وہ شاعر کے نام کو پسند نہیں کرتے تھے مگر شاعری کی قابلیت ان میں بدرجہ غایت تھی۔ قرآن کی فصیح و بلیغ عبارت اور بلند پایہ مضامین ان کے عمدہ فضائل کے شاہد ہیں۔ ان کے خیال میں ہمیشہ خدا کا تصور رہتا تھا۔ ان کو نکلتے ہوئے آفتاب' برستے ہوئے پانی اور لہلہاتے ہوئے سبزے میں خدا ہی کا ید قدرت نظر آتا تھا۔ ان کو بجلی کی کڑک' ندی کے شور اور پرندوں کے نغموں میں خدا ہی کی آواز سنائی دیتی تھی۔ ان کو سنسان جنگلوں اور پرانے شہروں کے کھنڈروں میں خدا ہی کے قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے۔"

آنحضرتؐ کا نبی برحق ہونا

واشنگٹن اورنگ صاحب اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں لکھتے ہیں:

"آنحضرتؐ کے اوائل زمانہ سے وسط حیات تک کے حالات سے ہمیں کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ اس عجیب و غریب فریب سے جس کا الزام آپ پر (عیسائیوں نے) لگایا ہے' آپ کی کیا غرض تھی؟ اور ایسا پاکھنڈ پھیلانے سے آپ کا کیا مدعا تھا؟ کیا حصول مال مقصود تھا؟ نہیں کیونکہ حضرت خدیجہؓ کے نکاح سے آپ فی الجملہ دولت مند ہو چکے تھے اور دعوائے نبوت سے سالہا سال پیشتر آپ نے صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے اپنے مال میں اضافہ کرنے کی خواہش نہیں ہے۔

تو کیا حصول جاہ مراد تھی؟ یہ بھی بات نہ تھی کیونکہ وہ پہلے ہی سے اپنے وطن میں عقل و امانت میں رفیع المرتبہ تھے اور قریش کے بزرگ قبیلے اور اس کے معزز و ممتاز طبقہ میں سے تھے۔

تو کیا حصول منصب مقصود تھا۔ مگر یہ بھی آپؐ کا خیال نہ تھا کیونکہ کئی پشتوں سے تولیت کعبہ اور امارت حرم خاص آپؐ ہی کے قبیلے میں تھی اور آپ کو اپنی وقعت و حالات سے اور بھی عالی مرتبہ بننے کا یقین تھا جس دین میں آپ نے نشوونما پائی تھی' اسی پر قائم رہنے سے آپ کے قبیلہ کی جاہ و عزت کا سب دارومدار تھا مگر آپ نے اسی کی بیخ کنی کر کے اپنے تمام فائدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس مذہب کی جڑ کاٹ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے عزیز و اقرباء سب آپ کے دشمن ہو گئے۔

آپ پر اہل شہر کا غیظ و غضب بھڑک اٹھا۔ تمام اہل عرب اور جو لوگ کعبہ میں ملکوں ملکوں سے بتوں کی پرستش کیلئے آیا کرتے تھے' سب کو آپ سے عداوت و عناد ہو گیا۔ اشاعت دین کے وقت آپ کے سامنے کوئی بھی ایسا کھلم کھلا نفع نہ تھا' جو آپ کی ان تمام مصیبتوں کا کافی معاوضہ ہو سکتا' جو آپ کو خدمات نبوت بجا لانے میں پیش آئیں بلکہ برخلاف اس کے ابتدائے رسالت میں تو آپ کو طرح طرح کے خوف و خطر ہی سامنے تھے۔ برسوں تک تو اس میں آپ کو کامیابی ہی نہ ہوئی۔ جیسے جیسے آپ نے اپنی تعلیم کا اظہار کیا اور وحی کو آشکارا کیا ویسے ہی ویسے لوگوں نے آپؐ کی ہنسی اڑائی اور برا کہنا شروع کیا۔ آخر بڑی ایذائیں دیں' جس سے آپؐ کی اور آپؐ کے اصحاب کی املاک و جائیدادیں برباد ہو گئیں اور آپ کے بعض اقرباء و اصحاب غیر ملک میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور خود آنحضرت کو بھی اپنے شہر میں چھپ کر رہنا پڑا اور بالآخر ہجرت کرنا پڑی۔ پس آپ کو ایسی کیا غرض تھی کہ آپ اس فریب کو برسوں تک نباہتے جس کے باعث آپ کی تمام دنیوی دولتیں خاک میں مل گئیں۔"

ٹامس کارلائل صاحب اپنی کتاب "لیکچرز آن ہیروز" میں لکھتے ہیں:

"ہم لوگوں یعنی عیسائیوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک پرفن اور فطرتی شخص اور جھوٹے دعویدار نبوت تھے اور ان کا مذہب دیوانگی و خام خیالی کا ایک تودہ ہے' اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک غلط ٹھہرتی جاتی ہیں۔ جو جھوٹ باتیں متعصب عیسائیوں نے اس انسان (یعنی آنحضرتؐ) کی نسبت بنائی تھیں۔ اب وہ الزام قطعاً ہماری روسیاہی کا باعث ہیں اور جو باتیں اس انسان (یعنی آنحضرتؐ) نے اپنی زبان سے نکالی تھیں' بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ آدمیوں کیلئے بمنزلہ ہدایت کے قائم ہیں۔ اس وقت جتنے آدمی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام پر اعتقاد رکھتے ہیں' اس سے بڑھ کر اور کسی کے کلام پر اس زمانہ کے لوگ یقین نہیں رکھتے۔ میرے نزدیک اس خیال سے بدتر اور ناخدا پرستی کا کوئی دوسرا خیال نہیں ہے کہ ایک جھوٹے آدمی نے یہ مذہب پھیلایا۔"

گاڈفری ہگنز اپنی کتاب اپالوجی میں عیسائیوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رویہ جانچتے وقت تم کہتے ہو کہ وہ شریر و مکار تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کے سقراط تھے۔ جب ہم ان کو برائیوں سے متصف

سنتے ہیں' تو ہم ان کے عادات و خصائل پر نظر ڈالتے ہیں جو فریقین (یعنی مسلمانوں اور عیسائیوں) کے قول کے مطابق ابتدائے عمر و ایام شباب میں رہے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں اس عجیب طرز عمل سے آپ کا کیا مقصد تھا۔ تم اس کا یہ جواب دیتے ہو کہ ان کے دو مقصد تھے: "ایک تو متعدد عورتوں سے نکاح اور دوسرے حصول جاہ جس سے یہ غرض تھی کہ ایک شہر کے تاجر بن کر اپنے آپ کو بادشاہ بنا دیں۔ اس کے واسطے وہ چودہ برس تک خلق سے کنارہ کشی کر کے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے رہے اور اپنے عادات و اطوار بے عجیب رکھتے ہم (یعنی گاڈ فری ہگنز صاحب) دریافت کرتے ہیں کہ دنیا کی کسی تاریخ میں ایسی کوئی اور نظیر بھی پائی جاتی ہے۔ اگر عورتوں سے عشرت مقصود تھی' تو یہ عجیب معاملہ ہے آپ نے پچیس سال کی عمر میں' جو وقت کہ خاص جوش جوانی کا خیال کیا جاتا ہے صرف حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا تھا۔ اگر آپ چاہتے تو اپنے ملک کے رواج کے مطابق بہت سے نکاح کر سکتے تھے مگر آپ اس قاعدے سے مستفید نہ ہوئے اور اس بیوی کے تاحین حیات اسی کے ساتھ ستائیس برس تک نباہ کیا۔

اب رہی دوسری بات یعنی حصول مرتبہ تو اس کا یہ جواب ہے کہ آپ نے کوشش و سازش کر کے اپنے کو محافظ کعبہ کیوں بنا لیا۔ اس عہدے پر آپ کے آباؤ اجداد بھی مامور تھے اور جس شخص کے نام یہ عہدہ ہوتا تھا وہ تمام ملک عرب میں اول درجہ کا رئیس شمار ہوتا تھا اگر صرف بلند حوصلگی مقصود تھی' تو بجائے اس کے کہ آپ نے اپنے کو مسیح کا پیرو ظاہر کیا' اگر وہ یہودیوں کا مسیح ظاہر کرتے اور بیت المقدس کو اپنا مسکن قرار دیتے تو بلاشبہ تمام یہودی ان کے زمرے میں داخل ہو جاتے اور عیسائی بھی کم از کم اتنے تو ضرور آ ملتے جتنے کہ بحالت موجودہ شامل ہو گئے ہیں۔"

تعلیم محمدیؐ و اصلاحات

ایڈورڈ گبن صاحب لکھتے ہیں:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب شکوک و شبہات سے پاک و صاف ہے۔ قرآن خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے۔ مکے کے پیغمبر نے بتوں کی' انسانوں کی اور ستاروں کی پرستش کو معقول دلائل سے رد کر دیا۔ وہ اصول یعنی ذات باری تعالیٰ جس کی بنا عقل و وحی پر ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شہادت سے استحکام کو پہنچی۔ چنانچہ اس کے معتقد ہندوستان سے لے کر مراکو تک موحد کے لقب

سے ممتاز ہیں۔"

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب سیرت محمدیؐ میں لکھتے ہیں:

"ہم بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ہمیشہ کے واسطے اکثر توہمات باطلہ کو جن کی تاریکی مدتوں سے جزیرہ نمائے عرب پر چھا رہی تھی' کالعدم کر دیا۔ بلحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو اور کسی مذہب میں نہیں۔"

ٹامس کارلائل صاحب کہتے ہیں:

"اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے ہی پہل اس کے ذریعہ سے زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی اور جب سے دنیا بنی ہے' عرب کے چٹیل میدانوں میں بسر کرتی تھی اور کسی شخص کو اس کا کچھ خیال ہی نہ تھا۔ اس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ بھیجا گیا جس پر وہ یقین کرتے تھے۔ اب دیکھو' کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا' وہ تمام دنیا میں مشہور ہو گئی اور چھوٹی چیز بھی بڑی بن گئی۔ اس کے بعد ایک صدی کے اندر عرب کے ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی ہو گئی۔"

آنحضرتؐ کا سلوک غیر مذاہب کے ساتھ

ایڈورڈ گبن صاحب لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کی لڑائیوں کو ان کے پیغمبر نے مقدس قرار دیا تھا مگر آنحضرتؐ نے اپنی حیات میں جو مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں قائم کیں ان سے خلفا نے دوسرے مذاہب کو آزادی دینے کا سبق حاصل کیا۔ ملک عرب حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کی عبادت گاہ اور ان کا مفتوحہ ملک تھا۔ اگر وہ چاہتے تو وہاں کے بہت سے دیوتاؤں کے ماننے والوں اور بت پرستوں کو شرعاً نیست و نابود کر سکتے تھے مگر آنحضرتؐ نے انصاف کو کام فرما کر نہایت عاقلانہ تدبیریں اختیار کیں۔"

مشرق و مغرب کے بڑے بڑے محقق' اصحاب فراست و لیاقت نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور مرتبہ دنیا کے بڑے بڑے لوگوں میں سب سے اونچا اور بلند ہے اور غیر مسلم محققین نے آپ کی تہذیب' دیانت' امانت داری' غریبوں پر رحم و کرم' مساوات بین الاقوام اور انسانی صفات کا مکمل نمونہ آپ کو مان لیا ہے۔ لہٰذا ان مفکرین نے اپنی تحریروں میں سرور

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو اعتراف حقیقت کیا ہے انہی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔ البتہ ان عطر بیز الفاظ سے جو خوشبو پیدا ہوتی ہے ان کے مطابق عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔

سب سے زیادہ کامیاب پیغمبر

''تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیتوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے زیادہ کامیاب ہیں۔'' (مقالہ نگار انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

شعاع نور' مظہر اتم' مینار ہدایت

''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جمال کبریائی کی وہ شعاع رنگ و نور ہے جو ایک پیکر انسانی میں جلوہ گر ہو کر ظلمت کدہ جہاں کو رشک صد جہاں بنانے آئی تھی اور بنا گئی۔''

''انسانیت کا وہ مظہر اتم جس کی انسانیت کے سامنے فرشتوں کی گردنیں جھک گئیں وہ نادر روزگار ہستی جس کے مافوق الفطرت کمالات کو سمجھنے سے عقل انسانی باوجود اپنی بلند پروازیوں کے یکسر قاصر رہے گی وہ جلیل القدر پیغمبرؐ جس کا اسوۂ حسنہ کائنات کیلئے ہر شعبہ عمل میں تقلید کا ایک بہترین اور افضل ترین نمونہ بن گیا وہ مینار رشد و ہدایت وہ سراج صداقت و حقانیت جس کی ضیا باریاں ہر زمانہ میں گم گشتگان بادیہ ضلالت کیلئے صراط مستقیم کا پیام ثابت ہوئیں......اور ہوتی رہیں گی۔''

(حکیم پنڈت کرشن کنوردت شرما)

پیکر شرافت

''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اخلاق وہی تھا جو ایک شریف عرب کا ہو سکتا ہے۔ آپؐ امیر و غریب کی یکساں عزت کرتے تھے اور اپنے گردو پیش لوگوں کی خدمت کا بہت خیال رکھتے تھے۔'' (مغربی فاضل مارکس ڈاڈ)

مصلح اعظمؐ

''آپ ہر شخص سے ہر وقت ملنے کیلئے تیار رہتے تھے۔ آپ کی فیاضی و سیر چشمی غیر محدود تھی۔ اصلاح قوم کی فکر میں ہمہ وقت مصروف و منہمک رہتے تھے۔ آپؐ نے قوم کیلئے بہترین مثال پیش کی۔ مزاج میں تمکنت و نخوت نام کو بھی نہ تھی۔ یہاں تک کہ آپؐ صحابہ کرامؓ کو تعظیم و تکریم کے رسمی آداب سے بھی منع فرما دیتے تھے۔''

(ڈاکٹر گلیوڈیا)

دنیا کے بہترین استاد

"پیشوائے دین اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی دنیا کو بے شمار قیمتی سبق پڑھاتی ہے اور آپؐ کی ہر حیثیت اور آپؐ کی زندگی کے ہر پہلو دنیا کے لیے ایک بہترین سبق ہے۔ بشرطیکہ کوئی دیکھنے والی آنکھ' سوچنے والا دماغ اور محسوس کرنے والا دل رکھتا ہو۔" (از بحر نبوت مصنفہ جہاتما ستیہ وہاری)

قابل عزت ہستی

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح نگاروں کا ایک ایسا طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے۔ لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت ہے۔" (از محمدؐ ص 1' مصنفہ پروفیسر مارگیولیس)

سب سے سچی زندگی

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام مصنفوں اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں جس کی سوانح حیات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح حیات سے زیادہ مفصل اور سچی ہو۔"

(از اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قرآن مصنفہ جان ڈیون پورٹ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل

"باوجود یکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی ابتدائی زندگی میں کچھ مشابہت پائی جاتی ہے لیکن بہت سے امور بالکل مختلف ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے بارہ حواری ناخواندہ' بے سمجھ اور کم حیثیت لوگ تھے برعکس اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے والے سوائے غلام زیدؓ اور حبشی بلالؓ کے سب کے سب معزز طبقہ کے لوگ تھے اور بعض ان کے خاندان کے بزرگ بھی تھے جنہوں نے بحیثیت خلیفہ اور سپہ سالار اسلام کی وسیع سلطنت کا نظم و نسق بہترین طریقہ سے انجام دیا۔" (مسٹر گاڈ فری ہیگنس)

معلم خلق خدا

"میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس تعلیم کو بغور پڑھا ہے جو انہوں نے خلق خدا کی خدمت اور اصلاح اخلاق کے لیے دی۔ میری رائے ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم

بھی اسلام کی ہدایتوں پر عمل کرے تو وہ بہت کچھ ترقی کر سکتا ہے۔ میرے خیال میں موجودہ زمانہ میں سوسائٹی کی اصلاح کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ اسلام کی تعلیم کو رائج کیا جائے۔" (جرمنی کا مشہور پروفیسر ہوگ۔)

عظیم الشان مصلح

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان عظیم الشان مصلحین میں سے ہیں جنہوں نے اتحاد امم کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے فخر کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ انہوں نے وحشی انسانوں کو نورِ حق کی جانب ہدایت کی اور ان کو ایک اتحادی و صلح پسندی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے والا بنا دیا اور ان کے لیے ترقی و تہذیب کے راستے کھول دیئے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنا بڑا کام صرف ایک فرد واحد کی ذات سے ظہور پذیر ہوا۔" (روسی فلاسفر کاؤنٹ ٹالسٹائی)

اعلیٰ اخلاق کے پاکیزہ معلم

"میں دنیا کے مذاہب کا مطالعہ کرنے کا عادی ہوں۔ میں نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا ہے بانی اسلامؐ نے اعلیٰ اخلاق کی پاکیزہ تعلیم دی ہے جس نے انسان کو سچائی کا راستہ دکھایا اور برابری کی تعلیم دی ہے۔ میں نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھا ہے اس میں مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ سب کے لیے مفید باتیں اور ہدایتیں ہیں۔"

(مہاتما گاندھی)

جلیل القدر پیشوا

"اسلام دیگر مذاہب میں اس لیے ممتاز ہے کہ اسلام کے برگزیدہ اور جلیل القدر پیشوا کے حالات زندگی میں ابہام یا اسرار کا کوئی ایسا عنصر ملا ہوا نہیں پایا جاتا جو دوسرے بڑے بڑے ہادیان مذہب کے گرد حلقہ زن نظر آتا ہے۔ حضور پیغمبر اسلامؐ کی مبارک زندگی سادگی، شجاعت اور شرافت کی تصویر تھی۔ آپؐ کے کارنامے ان بڑے انسانوں کی زندگیوں کی یاد دلاتے ہیں جو اپنے نام تاریخ کے اوراق میں چھوڑ گئے ہیں۔" (ہوم رول لیگ کی بانی مسز اینی بیسنٹ)

عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام کے بانی

"جب ہم اس زمانہ پر غور کرتے ہیں جس میں پیغمبر اسلامؐ نے اپنی نبوت اور رسالت کا علم بلند کیا اور جس میں ایک ایسا کامل مجموعہ قوانین تیار کیا گیا جو دنیا کی ملکی' مذہبی اور تمدنی ہدایتوں کیلئے کافی ہے تو ہم نہایت حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایسا عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام جس کی بنیاد کامل اور سچی آزادی پر ہے' کس طرح قائم کیا گیا ہے؟ پس ہم دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا مجموعہ قوانین ہے جو ہر لحاظ سے بہتر ہے۔" (موسیو اوجیل کلوفل)

تاجدار شرف وفضیلت

"اصول شرع اسلام سے ہر ایک اصل کو دیکھئے تو فی نفسہٖ ایسی عمدہ اور مؤثر ہے کہ شارع اسلام کے شرف وفضیلت کے لیے قیامت تک کے لیے کافی ہے۔ اسلام نے اصول کے مجموعہ سے ایک ایسا نظام سیاست قائم کر دیا ہے جس کی قوت اور متانت کے سامنے تمام سیاسی نظام ہیچ ہیں۔" (مشہور مورخ ارکھاٹ)

انسانی معیار اخلاق کو بلند کرنے والے

"ایک معمولی عقل وسمجھ کا مسلمان بھی جہاں جاتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اس کے ساتھ ہوتی ہیں جو دوسروں پر ضرور اثر کرتی ہیں۔ صبح' دوپہر اور شام کو اسلام کے حکم کا نعرہ (اذان) بلند ہوتا ہے اور وہ سر جو پہلے پتھروں اور حیوانوں کے آگے جھکا کرتے تھے' اب خدائے واحد کے آگے جھکتے ہیں۔ وہ ہونٹ جو پہلے خوشی کے ساتھ اپنے ہم جنس بھائی کے گوشت پر ملتے تھے اب اس قادر مطلق کی عبادت پر ہلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اسلام نے بنی نوع انسان کے معیار اخلاق کو بے حد بلند کر دیا ہے۔" (از دین اسلام مصنفہ جوزف طامسن)

موجودہ مصائب کے نجات دہندہ

"موجودہ انسانی مصائب سے نجات ملنے کی واحد صورت یہی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دنیا کے ڈکٹیٹر (رہنما) بنیں۔" (جارج برنارڈ شا)

ایک سچے نبی

"اگر سچے رسول میں ان علامتوں کا پایا جانا ضروری ہے کہ وہ ایثار نفس اور اخلاص

نیت کی جیتی جاگتی تصویر ہو اور اپنے نصب العین میں یہاں تک محو ہو کہ طرح طرح کی سختیاں جھیلے انواع و اقسام کی صعوبتیں برداشت کرے لیکن اپنے مقصد کی تکمیل سے باز نہ آئے۔ ابنائے جنس کی غلطیوں کو فوراً معلوم کر لے اور ان کی اصلاح کیلئے اعلیٰ درجہ کی دانشمندانہ تدابیر سوچے اور ان تدابیر کو قوت سے فعل میں لائے تو میں نہایت عاجزی سے اس بات کے اقرار کرنے پر مجبور ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے سچے نبی تھے اور ان پر وحی نازل ہوئی تھی۔" (ڈاکٹر جے۔ ڈبلیو لیٹر)

پیکر استقلال

"حقیقی اور سچے ارادوں کے بغیر یقیناً کوئی اور چیز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا لگاتار استقلال کے ساتھ جس کا آپؐ سے ظہور ہوا آگے نہیں بڑھا سکتی۔ ایسا استقلال جس میں پہلی وحی کے نزول کے وقت سے لے کر آخر دم تک نہ کبھی آپؐ متذبذب ہوئے اور نہ کبھی آپ کے قدم سچائی کے اظہار سے ڈگمگائے۔"

(پروفیسر فری مین)

روشن چراغ اور صاحب خلق عظیم

"ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روشن چراغ تھے۔ رحمتہ للعالمین اور صاحب خلق عظیم تھے کہ ان کے اوصاف سے آخر ان کی کوشش بار آور اور سعی مشکور ہوئی۔

آنحضرتؐ کی صفات حمیدہ و فضائل حسنہ' خلق عظیم' شرافت و نجابت بلکہ منصب رسالت کا انکار بھی محال ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ وہ ایک عظیم الشان' ذی قدر اور بلند مرتبہ انسان تھے۔ مرسل تھے' مامور من اللہ تھے اور ان میں وہ الٰہی روشنی اور حقیقی نور پرتو فگن تھا جو دنیا میں آ کر ہر شخص کو منور کرتا ہے اور یہ کچھ ہمیں پر موقوف نہیں بلکہ بیشتر غیر مسلم مصنفین باوجود مخالفت و دشمنی کے آپؐ کی خوبیوں کا اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعضوں نے صاف الفاظ میں ان کا مامور من اللہ اور رسول اللہ ہونا تسلیم کیا ہے۔"

(از قران السعدین ص 58 و ص 84 مصنفہ مسیحی عالم بحوالہ حقانیت اسلام)

معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی

"نبی عربیؐ اس معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی ہیں جس کا سراغ اس

سے قبل تاریخ میں نہیں ملتا۔ انہوں نے ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جسے تمام کرہ ارض پر پھیلنا تھا اور جس میں سوائے عدل اور احسان کے اور کسی قانون کو رائج نہیں ہونا تھا۔ ان کی تعلیم تمام انسانوں کی مساوات' باہمی تعاون اور عالمگیر اخوت تھی۔"

(ریمنڈ لیروگ)

تعلیمات جمہوریت کا سرچشمہ

عرب جہاں ایک خدا نے اونٹ والے کو پیغام بھیجا جس نے وہ تعلیمات دیں جو جمہوریت کا سرچشمہ کہی جا سکتی ہیں انؐ کے متعلق یہ صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو صحیح مساوات اور اخوت کے ایک رشتہ میں جکڑ دیا اور وہ واقعی طور پر بہترین تعلیمات تھیں۔" (بلبل ہند سروجنی نائیڈو' سابقہ صدر کانگریس)

جلال اور بزرگی کے مستحکم ستون

"جس طرح دنیا میں اور بزرگ اپنے جلال اور بزرگی کا ایک مستحکم ستون قائم کر گئے ہیں اسی طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اپنی فضیلت کا ایسا جھنڈا کھڑا کر گئے ہیں کہ جو ہمیشہ کے لیے ان کی یادگار رہے گا۔ یعنی یہی اسلام کا جھنڈا' جس کے نیچے اس وقت پچاس کروڑ کے قریب دنیا کے آدمی پناہ گزیں ہیں اور ان کے نام پر جان دینے کیلئے مستعد کھڑے ہیں۔ یہ ان کی فضیلت کا بڑا عالی شان نشان ہے۔" (برہمو سماج کے لیڈر شری شردھے پرکاش دیوجی)

رحمت عالم من الرحمٰن

"اے پاک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اے حضرت مصطفیٰؐ اے عرب دیش کے برگزیدہ یوگی (عابد) قربان جاؤں میں تیرے قدموں پر اگر نہ ہوتا تیرا وجود تو کس طرح سے رحمت کا نزول ہوتا قبائل عرب پر۔ حقیقت میں تو تھا ایک رحمت من الرحمٰن سارے جہاں کے واسطے اے امی نادار و امین شاندار میں صدقے ہو جاؤں تیرے میٹھے اور پیارے نام پر۔ آتا رہے تیرا نام جب میری زبان پر تو شہد کی مٹھاس سے بڑھ کر حلاوت پیدا ہوتی ہے میرے انگ انگ پر۔

دے روشن تو کم از کم ایک دفعہ اس ہند کے دیش میں تاکہ مٹ جاویں غلطیاں ساری کہ جن میں پڑ گئی ہے امت تیری۔" (پروفیسر چیتن دت' بی اے)

ہادیان مذاہب کے سرتاج

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں میرے جیسے ناچیز اور ہیچ مدان کا گزارش کرنا یا عرض کرنا سراسر گستاخی' بے ادبی اور چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے کیونکہ حضرتؐ ولیوں کے ولی' پیروں کے پیر' آسمان نبوت کے سورج' ہادیان مذاہب کے سرتاج اور رہنمایان دین کے رہبر تھے۔ جس طرح آفتاب عالم تاب کو کسی چراغ یا لیمپ کی ضرورت نہیں اسی طرح کسی خاکی انسان کی مدح سرائی ان کی عظمت کو بڑھا نہیں سکتی۔ دینی بزرگی اور دنیاوی عظمت ان کے حضور میں ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غیر معمولی طاقت والے غیر معمولی انسان تھے اور نوع انسان کی اصلاح کیلئے خدا کے فرستادہ تھے۔" (لالہ بشن داس)

بہترین اوصاف کے حامل

"رسول عربیؐ کی سوانح عمری بہترین اوصاف اور خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ آپ کا دل عجز و انکسار' نرمی اور رحم دلی' محبت و الفت سے لبریز تھا۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ میری شان انسان کی شان سے زیادہ نہیں۔ مجھے اللہ کا نوکر کہہ کر پکارو جب آپ کا مرید آپ سے استفسار کرتا ہے آپ ان لوگوں پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے جو آپ پر ایمان نہیں لاتے تو جواب میں فرماتے ہیں مجھے لعنت بھیجنے کیلئے نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے انسانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

(شکتی آشرم راجپور سندھ کے پروفیسر ایل دسوانی)

خاک عرب کے ذرہ ذرہ کو ڈائنامیٹ بنانے والے

کارلائل نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"آپ نے خاک عرب کے ذرے ذرے کو ڈائنامیٹ بنا دیا۔" بلاشبہ اس سے دنیا بھر کی سلطنتوں' بادشاہتوں اور حکومتوں کی بنیادیں ہل گئیں اور تمدن و تہذیب اور اخلاق کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمام دنیا سے پس افتادہ عربوں میں کیا روح پھونکی جس سے وہ اس قدر طاقتور بن گئے یہ روح واہگرو اکال پرکھ سرب شکتی مان کی ہستی و توحید میں ایمان و اعتقاد تھا۔"

(سردار امر سنگھ مالک اخبار شمشیر)

محسن انسانیت

"اسلام کے داعی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تاریخ کے صفحات پر نہایت صاف روشنی میں کھڑے ہیں۔ حالانکہ ان کے مقابلہ میں مسیح (علیہ السلام) کی تاریخ دھندلی ہے اور بدھ کی ان سے زیادہ دھندلی ہے۔ انہوں نے بت پرستی اور دوسرے مکروہ مروجات کو باطل قرار دے کر خالص اسلامی وجدان کے ساتھ وحدانیت الٰہی کا اعلان کیا۔ وہ اللہ کے ایک سچے بندے اور اس کے فرمانبردار پیغام رساں تھے۔ محمد رسول اللہؐ نے دنیا کے ساتھ اتنا احسان کیا ہے کہ کسی دوسرے انسان نے نہیں کیا۔" (مدراس کے ہندو فاضل مسٹر وینکا رتنام)

وحدت کی لڑی میں پرونے والے مہاپرش

"وحشی جنگجو عربوں کو وحدت کی لڑی میں پرونے اور ایک زبردست قوم کی صورت میں کھڑا کر دینے کیلئے ایک مہاپرش (عظیم انسان) کا ظہور ہوا۔ اندھی تقلید کے کالے پردے پھاڑ کر اس نے تمام قوموں کے دلوں پر واحد خدا کی حکومت قائم کی۔ وہ انسانی شکل کون تھا؟ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔" (پنڈت شیو نرائن)

پاکیزہ خاطر برہمچاری

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں ہوا۔ یہاں تو آریہ ساجیوں کو ماننا ہوگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شاستر کے مطابق زندگی کا پہلا حصہ مجرد رہ کر گزارا۔ وہ برہمچاری تھے اور ان کا حق تھا کہ شادی کریں۔ معیار خانہ داری کے پچیس برس وہ ایک ہی بیوی (حضرت خدیجہؓ) پر قانع رہے اور وہ بھی دو خاوندوں کی بیوہ جو نکاح کے وقت چالیس برس کی اور انتقال کے وقت پینسٹھ برس کی تھی۔ اس بڑھیا سے اس جوان کی نبھ گئی یہ بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاکیزہ خاطری پر دلالت کرتی ہے۔" (رسوائے عالم۔ راجپال)

رہبران بنی نوع انسان میں ممتاز

"مجھے یہ کہنے میں ذرا تامل نہیں کہ میرے دل میں پیغمبر اسلام کیلئے نہایت عزت ہے۔ میری رائے میں ہادیان دین و رہبران بنی نوع انسان میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔" (مشہور مورخ لالہ لاجپت رائے)

عظیم شخصیت اور مجسمۂ استقلال

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا کی وہ بڑی شخصیت ہیں کہ جس پر دنیا کی طاقت' رعب اور ہمت جس قدر فخر کرے تھوڑا ہے۔ وہ ایسا انسان تھے جن کو استقلال کا پتلا کہا جائے تو مناسب ہوگا۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح دعویٰ نبوت تو کئی آدمیوں نے کیا مگر اس میں کامیابی صرف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حاصل ہوئی۔ آج ان کے ہمعصر دعویداران رسالت کا کوئی نام لیوا بھی نہیں مگر ان کے نام پر کٹ مرنے والے لوگوں کی تعداد کروڑہا ہے اور جب تک دنیا قائم ہے ان کا نام بھی قائم رہے گا۔"

(متصب اخبار گرو گھنٹال کے ایڈیٹر لالہ شام لال کپور)

یتیموں کے مربی

"آپؐ نے یتامیٰ کی بدحالت کو درست کرنے کی طرف جو توجہ کی اور ان کی بہتری کا جو فکر رکھا وہ قابل تعریف ہے۔ یتیموں کو ستانے والوں کی نسبت آپؐ کا سخت ملامت سے کام لینا ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ اس برائی کی اصلاح کی سخت تڑپ رکھتے تھے۔" (مشہور مسیحی فاضل' ویری)

عورتوں کے محسن

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عورتوں کے حقوق کی ایسی حفاظت کی کہ اس سے پہلے کسی نے نہ کی تھی۔ اس کی قانونی ہستی قائم ہوئی' جس کی بدولت وہ مال وراثت میں حصہ کی حقدار ہوئی۔ وہ خود اقرار نامے کرنے کے قابل ہے اور برقع پوش مسلمان خاتون کو ہر ایک شعبہ زندگی میں وہ حقوق حاصل ہوئے جو آج بیسویں صدی میں اعلیٰ تعلیم یافتہ آزاد عیسائی عورت کو حاصل نہیں ہیں۔"

(مسٹر پیٹر کریبلس)

خداداد عطیہ اور اس کا نور

"کیا کبھی آپ نے اس بات کا خیال کیا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دل کیسا تھا؟ ہم اندھے ہیں اور ہمارا یہ تصور سراسر غلط ہے کہ وہ ایک ایسے انسان تھے جو صرف جہاد کا فز انتقام اور موت کے موضوع پر تقریریں فرمایا کرتے تھے۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دل ایک بچے کی طرح نازک اور کھلنڈرا اور ایک ماں کی طرح خطا معاف کر دینے والا تھا۔ فی الحقیقت یہ ایک خداداد عطیہ تھے۔ ذرا خیال کیجئے کہ قرآن شریف کی 114 سورتوں میں سے 113 بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ شروع ہوتی ہیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ان حیثیتوں سے کہ آپ خدا کے نور تھے۔ اللہ کے رسول تھے اور خدا نے آپ کو بت شکنی کا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ ایک لمحہ کیلئے قطع نظر کر کے آپ کی حیثیت پر غور کیجئے کہ آپ انسان تھے۔ اس کے بعد آپ کی پرائیویٹ زندگی پر نظر ڈالئے۔ حضور بچوں کے ساتھ کھیلتے' احباب کے ساتھ گفتگو کرتے یا کسی خطا کار یا شکستہ دل کو تسلی دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک اہل دل لوگوں کے دلوں کا مالک ہے۔" (مسٹر جے۔ کے کور)

خوش شکل' فہیم اور غرباء پرور

"میں نیک اور فاضل "سپین ہمیس" کی جرأت کی تحسین کیے بغیر نہیں رہ سکتا جس نے تسلیم کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کامل طور پر فطری قابلیتوں سے آراستہ تھے۔ شکل میں نہایت خوب صورت' فہیم اور دور رس عقل والے' پسندیدہ و خوش اطوار' غرباء پرور' ہر ایک سے متواضع' دشمنوں کے مقابلہ میں صاحب استقلال و شجاعت' سب سے بڑھ کر یہ کہ خدائے تعالٰی کے نام کے نہایت ادب و احترام کرنے والے تھے۔ جھوٹی قسم کھانے والوں' زانیوں' سفاکوں (خونیوں)' جھوٹی تہمت لگانے والوں' فضول خرچی کرنے والوں' لالچیوں اور جھوٹی گواہی دینے والوں کے خلاف نہایت سخت تھے۔ بردباری' صدقہ و خیرات' رحم و کرم' شکر گزاری' والدین اور بزرگوں کی تعظیم کی نہایت تاکید کرنے والے اور خدا کی حمد و تعریف میں نہایت کثرت سے مشغول رہنے والے تھے۔"

(انگریزی ترجمہ قرآن' بعنوان ٹو دی ریڈرز ص 7 مصنفہ جارج سیل)

داغ دھبوں سے پاک نورانی چہرہ

"حقیقت بہرحال حقیقت ہے۔ اگر بغض و عناد کی پٹی آنکھوں پر سے اتار دی جائے تو پیغمبر اسلام کا نورانی چہرہ ان تمام داغ دھبوں سے پاک و صاف نظر آئے گا جو بتلائے جاتے ہیں۔ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ خدا نے پیغمبر اسلام کو تمام

کائنات کیلئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے اور اس کائنات میں عالم انسان' عالم حیوان' عالم نباتات اور عالم جمادات سب شامل ہیں۔"

(سوامی برج نارائن جی سنیاسی بی۔اے)

دنیائے ارضی کیلئے ابر رحمت

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اپنی قوم اور ذات کیلئے ہی نہیں بلکہ دنیائے ارضی کیلئے ابر رحمت تھے۔ آپ نے مدتوں مساعدت کا سلسلہ جاری رکھا اور سر توڑ کوشش کی کہ ذات پات کا تفرقہ مٹ جائے اور یہی سبب ہے کہ آج اسلام کے اندر ذات' نسل اور قوم کے امتیاز کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ دشمنان احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باوجود تعصب میں اندھے ہونے کے اس کے اقرار پر پابہ زنجیر ہیں کہ انہوں نے اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں ہے جس نے احکام خداوندی کو اس مستحسن طریقہ سے انجام دیا ہو جب کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے فرائض کو بوجہ احسن پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔" (انگلستان کا مشہور نامہ نگار مسٹر ڈی رائٹ)

پکے راست باز اور سچے ریفارمر

"اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑے پکے راست باز اور سچے ریفارمر تھے۔ اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو ہرگز اپنے مقدس مشن میں آخر تک مستقل اور ثابت قدم نہ رہ سکتے تھے۔ وہ ڈگمگا جاتے اور ان کو لغزش ہو جاتی۔"

(مسٹر اے۔فری مین)

جانوروں کیلئے بھی باعث رحمت

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دردمندی کا دائرہ انسان ہی تک محدود نہ تھا بلکہ جانوروں پر بھی ظلم وستم توڑنے کو سخت برا کہا ہے۔"

(مشہور انگریز مصنف ڈی ایس مارگولیتھ)

اولوالعزم' خلیق اور معاملہ فہم

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص ان کی اولوالعزمی' اخلاقی جرأت' نہایت خلوص نیت' سادگی اور رحم و

کرم کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا پھر انہی صفات کے ساتھ استقلال عزم اور حق پسندی و معاملہ فہمی کی قابلیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ یقینی بات ہے کہ آپؐ نے اپنی سادگی' لطف و کرم اور اخلاق کو بلا خیال مرتبہ قائم رکھا۔ اس کے علاوہ شروع سے آخر تک وہ اپنے آپ کو ایک معمولی پیغمبر بتلاتے رہے حالانکہ وہ اس سے زیادہ کا دعویٰ کر کے اس میں بھی کامیاب ہو سکتے تھے۔"

(لیفٹیننٹ کرنل سائیکس)

مقدس ذات اور سچے رسول

"میں نے اپنی تحقیقات میں کوئی ثبوت ایسا نہیں پایا جس سے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دعویٰ رسالت میں شبہ ہو سکے یا ان کی مقدس ذات پر مکر و فریب کا الزام لگایا جا سکے۔" (مسٹر سیل)

پرنور وحدانیت کی بشارت

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک نبی تھے جو دنیائے جہاں کو دعوت حق دینے کیلئے مبعوث ہوئے اور نبی بھی ایسے کہ ہستی باری تعالیٰ کی پرنور وحدانیت کی ایک بشارت تھے۔" (اتھارٹی این ریلیجز' ص 17' مصنفہ جے ایچ لیکی)

اوصاف حسنہ کے مجسم

"پیغمبر اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام اوصاف حسنہ کے مجسم تھے۔ مسلمان فطرتاً روحانیت پسند واقع ہوئے ہیں۔ انہیں تہذیب و اخلاق سے خاص لگاؤ ہے۔ بخلاف ازیں ہندو مادی ترقی کو اپنا نصب العین سمجھتے ہیں۔ ان کی تمام خصلتیں نمائشی ہیں اور میری یہ پیش گوئی ہے کہ اگر ہندو سوسائٹی کا یہی طرز عمل رہا تو ہندو قوم دو صدیوں کے اندر صفحۂ ہستی سے محو ہو جائے گی اور بنی نوع انسان کا بیشتر حصہ دین فطرت اسلام کا پیرو ہو جائے گا۔ میری دلی خواہش ہے کہ خداوند کریم میری پیش گوئی کو پورا کرے اور دنیا کو اسلام کے جھنڈے تلے لا کر بنی نوع انسان کی تمام تکالیف دور کرے۔"

(شری راج وید' پنڈت گدادھر پرشاد شرما (رئیس اعظم الہ آباد)

گمراہیوں کے بہترین ہادی

"بیشک حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گمراہیوں کیلئے ایک بہترین راہ ہدایت قائم کی اور یقیناً آپ کی زندگی نہایت پاک صاف تھی۔ آپ کا لباس اور آپ کی غذا بہت سادہ تھی۔ آپ کے مزاج میں بالکل تمکنت نہ تھی یہاں تک کہ وہ اپنے متبعین کو تعظیم و تکریم کے رسمی آداب سے منع فرماتے تھے۔ آپؐ نے اپنے غلام سے کبھی وہ خدمت نہ لی جس کو آپؐ خود کر سکتے تھے۔ آپؐ بازار جا کر خود ضرورت کی چیزیں خریدتے' اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے' خود بکریوں کا دودھ دوہتے اور ہر وقت ہر شخص سے ملنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ آپؐ بیماروں کی عیادت کرتے تھے اور ہر شخص سے مہربانی کا برتاؤ فرماتے تھے۔ آپ کی خوش اخلاقی' فیاضی اور رحم دلی محدود نہ تھی۔ غرض آپ قوم کی اصلاح کی فکر میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ آپؐ کے پاس بے شمار تحائف آتے تھے لیکن بوقت وفات آپؐ نے صرف چند معمولی چیزیں چھوڑیں اور ان کو بھی مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے۔" (ڈاکٹر جی۔ ویل)

فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار

"عالم الہیات' فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار' بانی مذہب' آئین ساز' سپہ سالار' فاتح اصول' عبادت الٰہی میں لاثانی' دینی حکومت کے بانی یہ ہیں محمد رسول اللہؐ جن کے سامنے پوری انسانیت ہیچ ہے۔"

(از ہسٹری لاٹرکی' مصنفہ الفریڈ ڈی لمرٹن (فرانسیسی ادیب)

سرور اعظم اور حیرت انگیز معلم

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دراصل سرور اعظم تھے۔ آپؐ نے اہل عرب کو درس اتحاد دیا۔ ان کے آپس کے تنازعات و مناقشات ختم کیے۔ تھوڑی ہی مدت میں آپ کی امت نے نصف دنیا کو فتح کر لیا۔ 15 سال کے قلیل عرصہ میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش پر توبہ کر لی۔ مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملا دی گئیں۔ یہ حیرت انگیز کارنامہ تھا آنحضرت کی تعلیم کا۔"

(فرانس کا عظیم ترین جرنیل نپولین بوناپارٹ)

قوم، حکومت اور مذہب کے بانی

دنیا کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیک وقت ایک قوم، ایک حکومت اور ایک مذہب کے بانی ہوئے۔"

(از محمدؐ اینڈ محمدن ازم، مصنفہ باسورتھ سمتھ (مشہور عیسائی راہب)

ایک عظیم شعلہ نور

"بس ایک شعلہ گرا، محض ایک شعلہ نور اور وہ بھی ایک ایسی سرزمین پر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس پر انسانی آزادی پنپ نہیں سکتی لیکن اس زمین کی ریت بارود ثابت ہوئی جس نے دلی سے لے کر غرناطہ تک کے آسمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ ان کی طبیعت میں نام و نمود اور ریا کا شائبہ تک نہ تھا۔ ہم ان سب صفات کے بدلے میں آپؐ کی خدمت میں ہدیہ اخلاص پیش کرتے ہیں۔"

(از ہیرو اینڈ ہیروز ورشپ ایز اے پرافٹ مصنفہ طامس کارلائل)

پیغمبر مساوات و اخوت

"دنیا میں پیغمبر مساوات حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے۔ تم پوچھتے ہو کیا ان کا مذہب اچھا ہے؟ اگر ان کا مذہب اچھا نہ ہوتا تو وہ پھر زندہ کیسے رہتا؟ صرف اچھے اور نیک انسان ہی کو حیات دوام ملتی ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مساوات اور انسانی اخوت کے علمبردار تھے۔"

(دی گریٹ ٹیچرز آف دی ورلڈ، مصنفہ سوامی وی ویکانند)

روئے زمین کے عظیم انسان

"میں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ مشاہیر کے سوانح حیات کے پڑھنے میں صرف کیا ہے۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ایسے عظیم انسان ہیں کہ ان کے مقابلہ کا انسان روئے زمین کی تاریخ پر نظر نہیں آتا۔

مجھے اس بات کا اظہار کرتے ہوئے دکھ محسوس ہوتا ہے کہ جب اور جہاں حضرت محمدؐ صاحب کے احسانات اور اخلاق عظیمہ کا ذکر ہوتا ہے اور جب ہم دنیا کے ایک

عظیم الشان رہبر کے حالات سنتے ہیں تو بعض ہندو بھائی کسی قدر تعصب کا اظہار کرتے ہیں۔"

(از محمد کا جیون چرتر" مصنفہ مسٹر شانتا رام ایم۔اے (پروفیسر اندرا کالج بمبئی)

بلند مرتبہ سیاسی مدبر

"حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک صحیح دماغ رکھنے والے انسان اور بلند مرتبہ سیاسی مدبر تھے۔انہوں نے جو سیاسی نظام قائم کیا وہ نہایت شاندار تھا۔"

(از میثاق ملی مصنفہ روسو (بانی انقلاب فرانس)

اعلیٰ صفات کے مالک

"ہم نہیں جانتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی زندگی میں کبھی کسی رذیل حرکت کے مرتکب ہوئے ہوں البتہ نہایت اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔"

(مسٹر جان آرکس)

جمعیۃ الاقوام کے بانی

"پیغمبر اسلامؐ نے جس جمعیۃ الاقوام کی بنیاد ڈالی اس نے قوموں کے اتحاد اور انسانوں کی اخوت کو ایسی وسیع بنیادوں پر قائم کر دیا جس سے دوسری اقوام کو شرمندہ ہونا چاہئے۔حقیقت یہ ہے کہ جمعیۃ الاقوام کے تخیل کی طرف جس طریق سے مسلمان اقوام نے پیش قدمی کی ہے اس سے بہتر مثال دوسری اقوام پیش نہیں کر سکتیں۔" (از دی مسلم ورلڈ آف ٹوڈے۔مصنفہ پروفیسر ہرگونج)

صادق عظیم

"پیغمبر اسلام ہی کی صداقت کا یہی بڑا ثبوت ہے کہ جو آپ کو سب سے زیادہ جانتے تھے وہی آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے۔حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہرگز جھوٹے مدعی نہ تھے۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام میں بڑی خوبیاں اور باعظمت صفات موجود ہیں۔پیغمبر اسلامؐ نے ایک ایسی سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس میں ظلم اور سفاکی کا خاتمہ کیا گیا۔"

(از آؤٹ لائن آف ہسٹری' مصنفہ پروفیسر ایچ۔جی۔ویلز)

پاکیزہ فاتح

”حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے آبائی شہر مکہ میں جب فاتحانہ داخل ہوئے اور اہل مکہ جو آپ کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے تھے ان سب کو معاف کر دیا۔ یہ ایسی فتح تھی اور پاکیزہ فاتحانہ داخلہ تھا جس کی مثال ساری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔“ (از مقدمہ پیغمبر اسلامؐ پر تقریریں' مصنفہ سٹینلے لین پول)

محبوب ترین شخصیت

”پیغمبر اسلامؐ بڑی ہی دلآویز شخصیت کے مالک تھے۔ آپؐ کے تبسم میں ایک ایسی حلاوت اور ایسی لطافت تھی جو دل کو موہ لیتی تھی۔ آپؐ تمام عربوں سے زیادہ خوش شکل اور خوبصورت تھے۔ آپؐ معاملات میں ہمیشہ سچے اور انصاف پسند تھے۔“

(از محمد اور آپ کے جانشین' مصنفہ واشنگٹن ارونگ)

بہت بڑے کردار کے مالک

”آپؐ فطرتاً امی اور سچے تھے۔ آپؐ کو حق کے علاوہ کچھ پسند نہ تھا۔ وہ نہ تو حریص تھے نہ متکبر' نہ متعصب اور نہ ہوائے نفس کے پیرو بلکہ نہایت بردبار' نرم دل اور بہت ہی بڑے کیریکٹر کے مالک تھے۔ عرب جو بدنظمی اور پراگندگی کے عادی تھے ان سب کو ایک دائرہ میں لا کر ایک سلسلہ میں منضبط کر دیا۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہی معجزہ تھا۔“ (از لائف آف محمدؐ مصنفہ مشہور فاضل مسٹر امیڈ ورمنگھم)

شیریں گفتار' محسن انسانیت

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق بہت ہی کریمانہ اور شریفانہ تھے۔ معاشرت بہت ہی اچھی تھی۔ گفتگو شیریں اور انتہائی نرم تھی۔ آپؐ صحیح الرائے اور بہت ہی سچے تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دینی فطرت و جبلت ہر محقق اور پاکیزہ مقاصد والے کیلئے جاذب توجہ ہے اس لیے کہ اس کے اندر خلوص و سچائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ کا انسانیت کے محسنین میں شمار کیا جائے۔“ (ماہر السنہ مشرقیہ' پروفیسر ماؤنٹ)

فخر عالم

”اے شہر مکہ کے رہنے والے! اور بزرگوں کی نسل سے (پیدا ہونے والے) اے

آباؤ اجداد کے مجد و شرف کو زندہ کرنے والے! اے سارے جہاں کو غلامی کی ذلت سے نجات دلانے والے! دنیا آپؐ پر فخر کر رہی ہے اور خدا کی اس نعمت پر شکر ادا کر رہی ہے۔ اے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے اے وہ کہ جس نے عالم کے لیے اسلام کی نعمت بخشی تمام لوگوں کے قلوب کو متحد کر دیا اور خلوص کو اپنا شعار بنایا اے وہ کہ جس نے اپنے دین میں (انما الاعمال بالنیات) اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے کی تعلیم دی۔ ہم آپ کا بہت ہی شکریہ ادا کرتے ہیں اور بہت ہی مرہون منت ہیں۔" (از لائف آف دی ہولی پرافٹ' مصنفہ ڈاکٹر ایسٹن)

ایشیا کے لیے قابل فخر

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ و محسن تھے۔ ایشیا جبکہ اولاد پر فخر کرتا ہے تو اس وحید الدہر و اکبر الرجال شخص کی ذات والا صفات پر فخر کرنا واجب اور ضروری ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت میں شک کرنا گویا اس قدرت الٰہی میں شک کرنا ہے جو کہ تمام کائنات عالم پر مشتمل ہے۔"

(از پرافٹ نمبر۔ مضمون نگار۔ مسٹر جان)

تاریخ عالم کے انقلابی

"کولمبس نے جب نئی زمین دریافت کی اس سے ایک ہزار سال قبل مکہ میں ایک بچہ کا ظہور ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ عالم میں انقلاب برپا کرنے کے لیے چن لیا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اول شخص ہیں جنہوں نے جزیرہ عرب کے تمام قبائل کو ایک کر دیا۔ آپؐ ایسے مناسب وقت میں تشریف لائے جبکہ عرب کو اجنبیوں کے ہاتھوں سے خلاصی کی سخت ضرورت تھی۔ آپؐ اپنی محنتوں و کوششوں میں بشارتوں و خوشخبریوں کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔" (مسٹر لائل ٹامس (امریکی)

قدر و منزلت کے لائق

"انسان جس قدر زیادہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت پاک سے مطلع ہوگا وہ آپؐ کے ساتھ گزشتہ اور موجودہ انسانوں کی عقیدت مندی کے اسباب کو بھی پورے طور پر محسوس کر لے گا۔ لوگوں کی آپؐ کے ساتھ وجہ الفت و محبت جان جائے گا اور آپؐ کی عظمت اور قدر و منزلت سے بھی واقف ہو جائے گا۔"

(میوجان)

عظیم مذہبی قائد اور غیور جرنل

''اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مذہبی لوگوں کے سب سے بڑے قائد تھے اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ مصلح تھے۔ فصیح اور بلیغ تھے اور بہت ہی غیور جرنل تھے۔'' (ڈاکٹر سوئمل زویمر)

عظیم ترین عاقل و عادل

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عقل ان عظیم ترین عقلوں سے تھی' جن کا وجود دنیا میں عنقا کا حکم رکھتا ہے۔ وہ معاملہ کی تہہ تک پہلی ہی نظر میں پہنچ جایا کرتے تھے۔ اپنے خاص معاملات میں نہایت ہی ایثار اور انصاف سے کام لیتے۔ دوست و دشمن' امیر و غریب' قوی و ضعیف ہر ایک کے ساتھ عدل و مساوات کا سلوک کرتے۔''

(سر فلیکڈ)

بت شکن نبی

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی تھے۔ بت پرستی کو بالکل غلط اور لغو جانتے تھے۔ انہوں نے اپنی قوم کو وحشیانہ مذہب اور پست اخلاق سے نجات دلائی۔ ممکن نہیں کہ ہم انؐ کے قلبی اخلاص اور دینی حمیت کا انکار کریں۔'' (پرنسپل ایڈورڈ سناؤتھ)

سب سے اکمل اور افضل

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گزشتہ اور موجودہ لوگوں میں سب سے اکمل اور افضل تھے اور آئندہ ان کا مثال پیدا ہونا محال اور قطعاً غیر ممکن ہے۔'' (ڈاکٹر شیلے)

منتشر کو متحد کرنے والے

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمام منتشر و پراگندہ قبائل کو اتحاد و اتفاق کے رشتہ میں منسلک کر دیا۔ ان کا اصول دین اور مقصد ایک تھا۔ انہوں نے اپنی حکومت اور سلطنت کے بازو تمام اقطار عالم میں پھیلا دیئے اور اپنی تہذیب و تمدن کے جھنڈے کو اس وقت بلند کیا جبکہ یورپ جہالت کے عمیق غاروں میں غلطاں و پیچاں تھا۔'' (مسٹر لیڈ پول)

نورِ ہدایت

"جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت وسچائی کا انکار کیا حقیقتاً وہ جاہل اور آپؐ کی ذات گرامی اور سیرت پاک سے ناآشنا ہے جبکہ لوگ ضلالت کی تنگ و تاریک گھاٹیوں سے گزر رہے تھے۔ خالق ومخلوق کے تعلقات کو بالکل بھلا بیٹھے تھے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو ہدایت کے نور سے منور فرمایا۔ فطری وطبعی اصول وقوانین بنائے اور بجائے تثلیث کے لغو عقیدہ کے 'وحدانیت' کے پاک عقیدہ کا اعلان فرمایا۔ یہی چیز اسلام کی اصل اصول ہے اور آپؐ کی کامیابی کی کنجی۔" (مسٹر سیمر (فرانسیسی)

طبیب حاذق اور اعلیٰ مقنن

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) طبیب حاذق، اعلیٰ مقنن اور عظیم الشان جنرل تھے۔ اور ان دعوؤں کی تصدیق آپؐ کے اقوال واحادیث کی چھان بین کرنے والے پر مخفی نہیں۔ آپؐ نے ربع صدی سے بھی قلیل عرصہ میں دنیا کی تاریخ کو الٹ دیا۔ وحشی اور بالکل غیر مذہب قوم کو تہذیب وتمدن کے اوج فلک پر آفتاب بنا کر چمکا دیا۔ کیا اب بھی کوئی آپؐ کے معجزات کا انکار کرسکتا ہے کہ وہ خداوند کریم کے عطا کردہ نہیں تھے۔" (مشہور مغربی مورخ مسٹر ڈیلز)

جلیل القدر اور عظیم الشان رسولؐ

"بلا کسی شک وشبہ کے کہا جاسکتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی اور اللہ قادر مطلق کے رسول تھے۔ اور نہ صرف رسول بلکہ جلیل القدر اور عظیم الشان رسول تھے جنہوں نے ملت اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔" (مسٹر کسلوزان)

ذلت وہلاکت کے گڑھے سے نکالنے والے

"بعض لوگ عربیت کی ناواقفیت اور جہالت کی بنا پر قرآن کو پڑھ کر ہنستے ہیں۔ اگر وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس فصیح وبلیغ اور دل ہلا دینے والی زبان وعبارت سے لوگوں کو تبلیغ وہدایت کے درس دیتے ہوئے سنتے تو ان کی طرح یہ بھی سربسجود ہوکر بے اختیار چیخ اٹھتے کہ اے اسلام کے سچے نبی ہم کو ذلت وہلاکت کے گڑھے سے نکال کر عزت ونجات کی بلندیوں پر پہنچا دے۔" (جان جیک روپو)

مشیت الٰہی کے مبلغ

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دین اسلام کی بنیاد عبادت اور تہذیب نفس پر رکھی۔ کل تعلیمات کا قدر مشترک یہی ہے کہ نفس کو مغلوب اور مہذب بنایا جائے۔ پیغمبر اسلام نے لوگوں کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ اپنے کل ارادوں کو خدائے قدوس کی مشیت پر چھوڑ دیں۔'' (فرانس کا مشہور فلسفی فالیسٹر)

پامال ذروں کو درخشاں ستارے بنانے والے

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے توحید و جہاد کی صدا بلند کی۔ عرب کے پامال ذروں کو ایک قلیل عرصہ میں درخشاں ستارے بنا کر تمدن و تہذیب اور سیاست کے فلک پر چمکا دیا۔ اس حیرت انگیز انقلاب و ترقی کی شان، کسی لیڈر، مصلح یا نبی کی زندگی میں تلاش کرنا بیکار اور بے سود ہے۔'' (عبدالمسیح)

سچے، امین اور پاکباز

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے اور امین تھے، پاکباز اور غمگسار تھے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپؐ واقعی نبی ہیں اور دشمنوں کے ہر اتہام سے بری اور کوسوں دور ہیں۔ رعونت اور تکبر کا تو آپؐ میں نام تک نہ تھا۔ آپؐ باوجود برگزیدہ نبی ہونے کے ہر وقت مغفرت کی دعا مانگتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور ڈراتے رہتے۔''

(کاؤنٹ ہنری)

عالم انسانیت کے استاد

''عرب بت پرست تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو خدا پرست بنا دیا۔ وہ لڑتے اور جھگڑتے اور جنگ و جدال کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے ان کو ایک اعلیٰ سیاسی نظام کے ماتحت متفق کر دیا۔ وحشت و بربریت کا یہ عالم تھا کہ انسانیت شرماتی تھی۔ مگر آپؐ نے ان کو اخلاق حسنہ اور بہترین تہذیب و تمدن کے وہ درس دیئے جس سے نہ صرف ان کو بلکہ تمام عالم کو انسان بنا دیا۔'' (مسٹر گارس)

مردہ عربوں کو اشرف ترین بنانے والے

''عرب جو بالکل مردہ ہو چکے تھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان میں نئے سرے سے تازہ روح پھونک کر ان کو اشرف ترین قوم بنا دیا، جس کے ذریعے سے وہ بلند

سے بلند مراتب پر جاگزین ہو گئے۔ ایسے بلند کارنامے ان کے ہاتھوں ظاہر ہوئے جس کا دنیا کو اعتراف کرنا پڑا۔ ان تمام ترقیوں اور کامیابیوں کا سہرا تمام تر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی ذات گرامی کے سر ہے۔" (فرنسیکو ریزولڈ)

بہترین سیاسی قانون دان

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک ایسا بہترین اور سیاسی قانون دنیا کے سامنے پیش کیا' جو صدیوں سے مختلف قوموں اور اقطاع عالم کے بسنے والوں کے قلوب پر حکومت کرتا چلا آرہا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ آپ کا ایک معجزانہ کرشمہ ہے کہ جس نے بڑے بڑے فاتحین اور معزز مذہبی پیشواؤں کو نیچا کر دکھایا۔"

(از لائف آف ہولی محمدؐ مصنف انگریزی مورخ فینل)

بہت بڑے حکیم وموحد

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت بڑے حکیم تھے۔ انہوں نے وحدانیت پر زور دیتے ہوئے انسانوں کو بت پرستی اور انسان پرستی سے اس علمی اور عقلی قاعدہ کے ذریعہ سے نجات دلائی کہ دنیا اور دنیا کا ذرہ ذرہ ہلاک ہونے سے محفوظ ہو گیا۔"

(مسٹر صبیان)

ضعیف ومحتاج کے لیے رحمت

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تاریخی زندگی کی تعریف ان معجزانہ الفاظ سے بہتر ہو سکتی ہے کہ آپؐ ہر ضعیف اور ہر محتاج کے لیے سب سے بڑی رحمت تھے۔ یتیموں' مسافروں' ضعیفوں' فقیروں' بے کسوں اور مجبوروں کے لیے واقعی اور حقیقی رحمت اور نعمت تھے۔ عورت جو تمام عالم کے نزدیک ذلیل تھی وہ آپؐ ہی کی رہین منت ہے۔" (پروفیسر لیک)

صراط مستقیم پر ڈالنے والے

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہر وہم کو زائل اور تمام اصنام کی عبادتوں کو باطل کر دیا۔ آپؐ بہت سچے اور بے مثال امین تھے۔ آپؐ نے تمام لوگوں کو گمراہیوں سے نکال کر صراط مستقیم پر لا کر ڈال دیا۔" (مسٹر ہربرٹ وائل)

صائب الرائے اور بے مثال مفکر

"نبی آخر الزماں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلند ترین اخلاق کے حامل' مفکر بے مثال اور بہت ہی صائب الرائے تھے۔ آپؐ کی گفتگو معجزانہ ہوا کرتی تھی۔ آپؐ بہت بڑے بزرگ اور مقدس ترین نبی تھے۔"

(از لائف آف محمدؐ مصنفہ مورخ آرونگ)

عقل میں یگانہ روزگار

"محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یوں تو محض امی تھے۔ مگر عقل ورائے میں یگانہ روزگار تھے۔ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اکثر خاموش رہتے۔ طبیعت کے حلیم' خلق کے نیک۔ اکثر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے۔ لغویات کبھی زبان سے نہ نکالتے۔ مساکین کو دوست رکھتے کبھی فقیر کو فقر کے سبب سے حقیر نہ جانتے۔ نہ کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہی کے سبب سے خوف کرتے تھے۔"

(مشہور فرانسیسی مورخ موسیو سیدیو)

نہایت خوش طینت اور فیاض

"ہم جانتے ہیں کہ اوہام باطلہ کی دنیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت پھیلائی' تعداد ازدواج اور طلاق کو محدود کر دیا۔ غلاموں کے آزاد کیے جانے پر زور دیا اور خود اس کی مثال قائم کی اور مسلمانوں کی مساوات کو اصول اولین قرار دیا۔ وہ نہایت خوش طینت' عادل' فیاض اور بردبار تھے۔" (مسٹر گورہم)

بہادر' غیور اور حق پرست

"تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جتنی بھی جنگیں لڑنا پڑیں وہ سب دفاعی تھیں۔ آپؐ کے سامنے تین چیزیں تھیں دین سے دستبرداری' موت اور مدافعت۔ آپؐ نے ایک عرب بہادر غیور اور حق کی طرح اول الذکر دو چیزوں کو ٹھکرا دیا اور تیسری کو قبول کر لیا۔" (بی۔ این کالج پٹنہ میں سیرت النبیؐ پر تقریر' از پروفیسر مصرا)

قبیلے اور وطنیت کے بت شکن

"اسلام اور بانی اسلامؐ کی نسبت جو میرے خیالات ہیں ان خیالات کا حامل اگر

مسلمان کہلا سکتا ہے تو میں بلاشبہ مسلمان ہوں اور مجھ کو اس پر فخر ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو بت شکنی پر زور دیا وہ بہت ضروری تھا کیونکہ بت پرستی ترقی کی راہ میں ایک سخت رکاوٹ تھی لیکن ان کا مقصد پتھر اور لکڑی کے بتوں کو توڑنے سے زیادہ معنوی بت پرستی کا خاتمہ کرنا تھا جو انسان کو معطل بنا دیتی ہے۔ بت پرستی کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً قبیلہ کا بت' لیڈری کا بت' وطنیت کا بت وغیرہ آپؐ نے ان سب بتوں کو توڑ دیا۔"

(بی۔ این کالج پٹنہ میں سیرت النبیؐ پر تقریر' از پروفیسر گیان چند)

پوپ اور قیصر سے طاقتور

"مذہب اور حکومت کے رہنما اور گورنر کی حیثیت سے پوپ اور قیصر کی دو شخصیتیں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک وجود میں جمع تھیں۔ آپؐ پوپ تھے مگر پوپ کی ظاہر داریوں سے پاک۔ آپؐ قیصر تھے مگر قیصر کے جاہ و حشم سے بے نیاز۔ اگر دنیا میں کسی شخص کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ اس نے باقاعدہ فوج کے بغیر' محل شاہی کے بغیر اور لگان کی وصولی کے بغیر' صرف خدا کے نام پر دنیا میں امن و انتظام قائم رکھا تو وہ صرف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ آپ کو اس سازو سامان کے بغیر ہی سب کی سب طاقتیں حاصل تھیں۔"

(مشہور عیسائی مورخ ریورنڈ باسورتھ سمتھ)

انسانی ترقی کے رہنما

"میں پیغمبر اسلامؐ کی عزت و احترام میں نہایت ہی مسرت سے اپنے مسلمان احباب کے ساتھ شریک ہوتا ہوں۔ آپؐ نے انسانی ترقی کے لیے جس قدر کوششیں فرمائیں وہ بالکل غیر فانی ہیں۔ ان کوششوں کے باعث دنیا ہمیشہ تک آپ کی احسان مند رہے گی۔" (پروفیسر رزوچی رام ممبر پنجاب کونسل)

متحدہ اقوام کے سردار

"پیغمبر اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے مشن کے رائج کرنے میں جو کامیابی ہوئی وہ سچ مچ حیرت انگیز ہے۔ ناشائستہ' خونخوار' کینہ پرور' جنگجو عربوں کے قبیلوں کو جو بت پرستی اور توہم پرستی میں غرقاب تھے آپس کے جھگڑوں اور جوا بازی میں محو تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے پاک اثر نے آناً فاناً خدا پرست بنا دیا۔

تمام قبیلے ایک سردار کے جھنڈے کے نیچے آ گئے اور ایک متحدہ قوم بن گئے۔"
(لالہ رام چند ایڈووکیٹ لاہوری)

مہا سندر من موہن

"اے عرب کے مہاپرش (عظیم انسان) آپ مہا سندر من موہن (بے انتہا خوبصورت میرے دل کے محبوب) ہیں۔ جن کی سکشا (ہدایت) سے مورتی پوجا (بت پرستی) مٹ گئی اور ایشور بھگتی (خدا پرستی) کا دھیان پیدا ہوا۔ یہ آپؐ ہی کی کرپا (مہربانی) تھی کہ عرب دیش کے ظالم اور ڈاکو اعلیٰ درجہ کے مہنت اور سادھو (عابد و زاہد) بن گئے۔ اے مہا سندر رشی (بہت ہی خوبصورت نبیؐ) میں اس لیے آپ کے نام کی مالا جپتی ہوں کہ آپؐ نے عورت کی مٹی ہوئی عزت کو بچا لیا اور اس کے حقوق تسلیم کیے۔ بولو شری محمدؐ کی جے۔" (شریمتی کملا دیوی، بمبئی)

دنیا کے بہت بڑے محسن

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوانح حیات سب کے لیے نمونہ ہیں اور ان کی تعلیمات سے ہر دھرم اور قوم کے لوگ خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ محمدؐ صاحب نے اخوت اور مساوات کی بے بہا تعلیم دے کر دنیا پر ایک بہت زبردست احسان کیا ہے۔ انہوں نے دوسرے دھرم کے لوگوں کے ساتھ روا داری برتنے کی تعلیم دی ہے اور اسلام کی اشاعت کا اصلی سبب اس کی یہی پر اوصاف تعلیم اور اس کے بانی کی پاک صاف اور قابل تقلید زندگی ہے۔" (سوامی بھوانی دیال سنیاسی)

امن عالم کے ستون

"ہم کو موجودہ زمانہ میں چند ایسے خطرات نظر آتے ہیں جن کو اگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات سے مٹانا چاہیں تو وہ فوراً نیست و نابود ہو سکتے ہیں۔ دنیا کو اس وقت امن و امان کی جس قدر ضرورت ہے گزشتہ زمانہ میں نہ تھی۔ اگر کسی مذہب نے امن و امان کو اپنا فرض قرار دیا ہے اور اس کے قیام میں اپنی پوری قوت صرف کی ہے تو وہ مذہب صرف اسلام ہے۔" (مسٹر بلدیو سہائے۔ بی اے)

سچی زبان کی تاثیر والے

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ کی زبان

میں اثر تھا کہ آپ کے صرف ایک زبانی حکم سے عرب میں شراب خوری تو کیا اور کتنے ہی افعال بد ایک قلیل مدت میں بالکل ہی نیست و نابود ہو گئے۔ مجھے یہ کہنے میں کچھ باک نہیں کہ بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سچے پیغمبر تھے۔ سچے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق اس سے پہلے میرے دل میں جس قدر بدگمانیاں تھیں میں روح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کی معافی چاہتا ہوں اور بلا مبالغہ اور علی الاعلان کہتا ہوں کہ آج دنیا میں ایک شخص کی بھی یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کریکٹر پر ایک سیاہ دھبہ لگا سکے۔" (ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع کورگ' مسٹر بی۔ ایس کشاپہ بی۔ اے۔ ڈی۔ ای (لندن)

پیکر شرم وحیاء اور مجموعہ محامد ومحاسن

"ہادی عالم کا ہر قول وفعل استقامت اور راستی کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ اور آپ کا کوئی قدم بھی اخلاق حسنہ کے جادۂ مستقیم سے منحرف نہیں تھا۔ ہادی برحق اور پیکر شرم وحیا کے جس واقعہ اور جس بات پر بھی نظر ڈالئے وہ حکمتوں کا مجموعہ نظر آتی ہے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی نے بھی آپؐ کی طرح اخلاق و مروت' تہذیب وشائستگی' متانت وسنجیدگی' شرم وحیا' تحمل وبرداشت' صبر وشکیب' ایفائے وعدہ' پابندی عہد' ہمدردی وموانست کا ایسا زبردست اور مؤثر ثبوت بہم نہیں پہنچایا۔ مذہبی تاثرات سے قطع نظر جب ہم غور کرتے ہیں تو وہ ہستی محامد ومحاسن کا مجموعہ نظر آتی ہے۔" (راجہ رادھا پرشاد سنہا' بی اے' ایل ایل بی آف تیلو تھوسٹیٹ)

زندہ جاوید تعلیمات کے معلم

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کی طرح ان کے اخلاق بھی بہت بلند پایہ تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ آپ کو سن کر تعجب ہو گا کہ میرا بھی یہی خیال تھا لیکن یہ کونسی تلوار تھی؟ کیا وہ آہنی تلوار تھی؟ نہیں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انمی گراں بہا اخلاق وعفو کی تلوار تھی اور ان کے بے بہا اوصاف اور ان کی قیامت تک نہ مٹنے والی اور سبق آموز تعلیمات کی چمکتی دمکتی تلوار تھی۔ جس نے گردنیں کاٹنے کی جگہ دلوں کو ایک رشتہ میں جوڑ دیا۔" (بابو مکٹ دھاری پرشاد بی اے' ایل ایل بی وکیل (گیا)

غیر فانی فلسفی

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ خدا کے ہاں سے غیر معمولی دل و دماغ لے کر آئے تھے۔ انہوں نے رزم' بزم' تجارت' صنعت' معاشرت' تمدن غرضیکہ بنی نوع انسان کو جن چیزوں کی ضرورت تھی سب ہی کچھ سکھا دیا ہے۔ انہوں نے جو غیر فانی فلسفہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس سے اس وقت ساری دنیا فائدہ حاصل کر رہی ہے۔ یورپ میں ان کا فلسفہ مسلمان فاتحین کے ساتھ آیا اور اس فلسفہ نے اس یورپ کی کایا پلٹ دی جو بے شرمی' بے حیائی اور گناہ کی زندگی گزار رہا تھا۔''

(انگلستان کا مشہور مصنف رابرٹ سائمور)

سرور کائنات کے حضورؐ ہندو شعرا کا نذرانہ عقیدت

مرحبا سید مکی مدنی العربی۔

(از افکار گوہر بار' مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد' سابق مدارالمہام ریاست نظام حیدر آباد دکن)

تو ذات احد جلوہ سر عجبی — روش مہر حقیقت تو چہ عالی نسبی
چہ کنم وصف تو اے ہاشمی و مطلبی — مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

از وجود تو شدہ جامہ احرام عدم — چشمہائے تو نمودہ اثر لا و نعم
از خرام تو بود رونق گلزار ارم — من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بو العجبی

درد عشق تو بدل باد مرا اے دلبر — باد سودائے از آں زلف معنبر درسر
باد تصویر تو در دیدہ مرا شام و سحر — چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

گرچہ گویند براقت ز سر خاک گزشت — کس نداند مگر از دانش و ادراک گزشت
وہ چہ در چشم زدن صاحب لولاک گزشت — شب معراج عروج تو ز افلاک گزشت
بمقامے کہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

جلوۂ حق چوشدی اے شہ والا درجات — گشت پیوستہ بیک آئینہ ذات و صفات
جذا برزخ کبریٰ سکون و حرکات — ما ہمہ تشنہ لبانیم توئی آب حیات
رحم فرما کہ زحد میگزرد تشنہ لبی

ساقی کوثر و تسنیم عطا کن یک جام　　تابمانم زمے عشق تو سرمست مدام
حسرت لذت آزاد شود نیک انجام　　نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرہ آفاق بہ شیریں رطبی
کیمیا ہست حیات تو بنی آدم را　　زندگی ہست ثبات تو بنی آدم را
حق کجا داد صفات تو بنی آدم را　　نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را

قرآن حکیم

و دیگر مذہبی کتب کا تقابلی مطالعہ

قرآن حکیم و دیگر مذہبی کتب کا تقابلی مطالعہ

قرآن مجید تقریباً تئیس سال کے عرصہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ لفظ قرآن ستر بار قرآن حکیم میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن (سورۃ بقرہ)

"رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔"

اور نزول قرآن سے متعلق فرمایا:

انا انزلنه فی لیلة القدر

"یعنی اسے لیلۃ القدر میں لوح محفوظ پر اتارا گیا۔"

ان کے علاوہ سورۃ یونس آیت 37 بنی اسرائیل آیت 14 میں لفظ قرآن آتا ہے قرآن یا تو قرء سے مشتق ہے یا قراءۃ سے قرء کے معنی جمع کرنا ہے اس معنی کے لحاظ سے قرآن کو قرآن اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نزلنا علیك الكتاب تبیانا لكل شیء۔ (سورۃ النحل: آیت 89)

یعنی ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح بیان کرنے والی ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔

فیها كتب قیمة (سورہ البینۃ: آیت نمبر 3)

یعنی قرآن مجید میں تمام کتب کے علوم جمع ہیں۔ نیز یہ تمام منتشر دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے والا ہے اس میں اتحاد بین الناس کا پیغام ہے۔ لفظ قرآن لغوی اعتبار سے اگر قرءۃ سے مشتق ہو تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی چیز۔ تو اس کتاب کو قرآن اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام آتے تو پڑھ کر سناتے تھے۔ دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ یہ کتاب دنیا میں بہت پڑھی جائے گی۔

اگر قرن سے مشتق ہو تو قرن کے معنی ہیں ملنا یا ساتھ رہنا۔ اس معنی کی رو سے اس کتاب کو قرآن اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہ کتاب حق اور ہدایت اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ نیز اس کی سورتیں اور آیات اسی طرح آپس میں مربوط ہیں کہ ان میں کوئی تعارض ہے نہ تخالف۔ قرآن مجید کے مضامین باہم دیگرے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا وہ سب ایک عقد (ہار) میں منسلک ہیں۔

دعویٰ نبوت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں ریاضت اور عبادت کیا کرتے تھے جب آپؐ کی عمر چالیس سال کی ہوئی۔ آپؐ غار حرا میں مشغول عبادت تھے۔ دفعتہً وہ منزل مل گئی جس کے متلاشی تھے۔ وہ گوہر مل گیا جس کے لیے مضطرب تھے۔ وہ ہدایت مل گئی جس کے لئے سرگرداں تھے۔ جبرئیلؑ وحی نبوت لے کر آئے اور کہا: اقراء یعنی پڑھ۔ آپؐ نے فرمایا: ماانا بقاری: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں فرشتے نے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا اقراء یعنی پڑھ آپ نے پھر وہی جواب دیا ماانا بقاری: یعنی میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

فرشتے نے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا: اقراء اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پہلا ہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ کے بعد فرشتے نے یہ آیات پڑھیں:

اقراء باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقراء
وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم
(العلق 5:1.96)

یعنی تو اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو ایک لوتھرے سے پیدا کیا پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پیغام ربانی کو لے کر کانپتے ہوئے آئے۔ حضرت خدیجہؓ سے فرمایا زملونی زملونی کہ مجھ پر کوئی کپڑا اوڑھا دو جب سکون آیا تو آپؐ نے تمام ماجرا کہہ سنایا اور کہا خشیت علی نفسی یعنی مجھے اصلاح دنیا کی ذمہ داری کے بوجھ سے ڈر لگتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے جواب دیا۔

واللہ ما یحزیك اللہ ابدانك لتصل الرحم وتحمل
الكل وتكسب المعدوم و تقوی الضیف وتعین علی
نوائب الحق

بخدا اللہ آپ کو غمزدہ نہ کرے گا کیونکہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں کمزوروں کے بوجھ کو اٹھاتے ہیں ناداروں کی خبرگیری کرتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔

"یہ کہہ کر حضرت خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ ورقہ کو تمام ماجرا کہہ سنایا ورقہ نے کہا: "یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپؐ کی قوم آپؐ کو گھر سے باہر نکالنا چاہتی تو میں آپؐ کی دل و جان سے مدد کرتا۔" آپؐ نے پوچھا کیا میری قوم مجھ کو گھر سے باہر نکال دے گی؟" ورقہ نے جواب دیا "ہاں"

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک وحی رک گئی یہ زمانہ فترۃ الوحی کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ پھر دوسری وحی نازل ہوئی۔

يايها المدثر قم فانذر وربك فكبر وثيابك فطهر والرجز فاهجر (سورۃ 74 آیت 1 تا 5)

اے اوڑھنے والے اُٹھ اور ڈرا اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھ اور بتوں سے دور رہ اس کے بعد سلسلہ وحی جاری ہو گیا اور کم و بیش تیئس سال تک جاری رہا۔ قرآن مجید کا نزول ضرورت اور حالات کے مطابق ہوتا تھا۔

اعجاز القرآن

قرآن حکیم ہر پہلو سے بے مثل کتاب ہے قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

قل لئن اجتمعت الانس والجن على ان ياتوا بمثل هذا القرآن لا ياتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا

(بنی اسرائیل 17:88)

- ترجمہ: کہہ دو (اے محمدؐ) کہ اگر انس و جن جمع ہو جائیں اور کوشش کریں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو وہ ہرگز ہرگز اس کی مثل نہ بنا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے ظہیر و مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔

قرآن مجید کن پہلوؤں کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ ان تمام کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ صرف چند ایک اعجازی پہلوؤں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید ہر قسم کے علوم کا خزانہ ہے۔ جن کو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہیے۔ قرآنی علوم کو چار اہم بنیادی عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

اول: روحانی علوم:

ان میں خدا کی توحید اور اس کی صفات کا علم تعلق باللہ کا علم ملائکہ کا علم ارض و سموا کا علم اور

عبادات کا علم شامل ہیں۔

دوم: معاشرتی علوم:

جن میں عمرانیات علم سیاست علم اقتصاد علم قانون علم تمدن علم ہندسہ علم نفس اور علم مناظر وغیرہ شامل ہیں۔

سوم: سائنسی علوم:

ان میں فضائیات علم کیمیا علم طبیعات علم نباتات علم طبقات الارض علم الجبال علم الحیوان علم ہیت اور طبی علوم شامل ہیں۔

چہارم: لسانی علوم:

ان میں صرف ونحو اور معانی و بیان کے علوم شامل ہیں۔

قرآن مجید میں سب علوم خدمت دین کے لیے بطور خارق عادت بیان ہوئے ہیں۔ جن سے بڑے بڑے دقیق مسائل حل کئے جا سکتے ہیں۔ خاص طور پر ہستی باری تعالیٰ ثابت کرنے کے لئے علوم دست بستہ کھڑے نظر آئے ہیں۔

قرآن مجید کے نزول سے قبل اہل عرب ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ جن سے قوم کا نجات پانا محال نظر آتا تھا۔ اس گمراہی اور ظلمت کے زمانہ میں قرآن مجید نے عربوں کو ہر قسم کی بدی سے نجات دلا کر با اخلاق اور با کردار انسان بنا دیا۔

موسیو سیڈیو فرانسیسی لکھتا ہے۔ اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں۔ انہوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا۔ جس کے اثر سے عربوں کی تمام بُری اور معیوب عادتوں کی کایا پلٹ گئی۔ مسٹر ٹاس کارلائل انگلستان کے فاضل اپنی کتاب لیکچرز ان ہیروز میں لکھتے ہیں۔ اسلام قوم عرب کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا مالک پہلے پہل اس کے ذریعے سے زندہ ہوا۔

قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایک معجزہ ہے اس کا اعتراف نہ صرف مسلمانوں کو ہے۔ بلکہ مخالفین کو بھی۔ نزول قرآن کے وقت عرب میں بے شمار فصیح اللسان خطیب اور شاعر تھے۔ جن کی زبان آوری مسلمہ تھی۔ سب فصحا و بلغاء قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے اپنے آپ کو ضعیف اور پست سمجھنے لگے۔ ان کے بلغاء کو قرآن کی ضاحت و بلاغت کا اعتراف کرنا پڑا لبید ایک شاعر تھا۔ جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے شعر کہنے ترک کر دیئے اور کہا کرتا تھا۔ جب خدا نے مجھے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران سکھائی ہے۔ تو اب مجھے شعر کہنا موزوں نہیں۔ قرآن مجید اثر ڈالنے یقین دلانے کی طاقت فصاحت و بلاغت اور تراکیب و بندش الفاظ میں بے نظیر ہے۔ اور دنیائے

سائنس کے تمام شعبوں کی حیرت انگیز ترقی کا باعث ہے۔ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتاب پر فوقیت ہے۔

قرآن مجید کے الفاظ میں خارق عادت تاثیر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

ولقد جاء هم من الانباء مافيه متزدجر حكمة بالفة فماتفن النذر

ترجمہ: اور یقیناً ان کو قرآن کے ذریعہ وہ باتیں پہنچ چکی ہیں۔ جن میں تنبیہ ہے۔ قرآن مجید دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے مگر ڈرانا کسی کام نہ آیا۔ اس قوت تاثیر سے ڈر کر مخالفین لوگوں کو قرآن مجید کے سننے سے روکتے تھے اور یہ کہتے تھے۔ کہ جب کوئی مسلمان قرآن پڑھ کر سنانے لگے تو کان بند کر لو۔ حضرت عمرؓ کا اسلام لانے کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ گھر سے تو رسول کریمؐ کی عداوت کیلئے گھر سے باہر نکلتے ہیں مگر سیدھا رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ سورۃ بقرہ کی چند آیات پڑھ کر بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ خدا اور اس شخص کے سوا جس پر وحی نازل ہوئی ہے کوئی شخص ایسا کلام نہیں کہہ سکتا۔ اور وہ فوراً دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

جارج میل مشہور مستشرق نے بھی لبید کے ایمان لانے کے واقعہ کی تصدیق اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں کی ہے۔ خالد بنؓ عتبہ حضرت عثمانؓ بن مطعون حضرت طفیلؓ بن عمرو اور بے شمار صحابہ تھے۔ جنہوں نے قرآن کی چند آیات سنیں اور وہ مسلمان ہو گئے۔ جان ریک جرمن فلاسفر کہتا ہے۔ جب قرآن پیغمبرؐ کی زبان سے منکر سنتے تھے تو بے تاب ہو کر سجدے میں گر جاتے تھے۔ اور مسلمان ہو جاتے تھے۔

قرآن مجید کا طرز بیان عموماً دلکش اور اس میں روانی ہے اور بہت سے مقامات پر خصوصاً اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی عظمت و شان اور جلال کا ذکر ہے اس کا طرز بیان اور بھی دلکش اور شاندار اور بلند پایہ ہے۔ مستشرق کارلائل کا کہنا ہے کہ:

"وہ محمدؐ اس قدر کامیاب ہوا اور اس نے اپنے سامعین کے قلوب کو اس قدر مسخر کیا کہ کئی مخالف یہ خیال کرنے پر مجبور تھے گویا یہ کسی جادوگر یا سحر کا اثر ہے۔"

قرآن مجید تیئس برس دکھ اور سکھ کے مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا ہے اور یہ ایک شخص پر نازل ہوا جو شخص امی تھا۔ پھر رسول کریمؐ کو اس قدر مختلف حالات زندگی میں سے گزرنا پڑا کہ منصوبہ باز شخص ان حالات میں ایک حالت پر قائم ہی نہ رہ سکا۔

اس کے نظریات اور عقائد بدلتے رہتے ہیں۔ رسول کریمؐ پر ایک وہ وقت آیا جب اپنی قوم کی اصلاح اور بہتری کے لئے غار حرا میں آہ و بکا کیا کرتے تھے۔ پھر چادر نبوت اوڑھ کر میدان عمل

میں آ گئے تو چاروں طرف سے مخالفت کے بادلوں میں گھر گئے۔ کیا اپنے اور پھر کیا بیگانے سبھی جان لیوا بن گئے۔ آخر کار مکہ معظمہ سے ہجرت کرنا پڑی اور مدینہ چلے گئے۔ ان کے سر پر سیادت کا تاج رکھ دیا گیا۔

یثرب مسلمانوں کیلئے ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ ریاست اور صحابہ کی حفاظت کے لیے میدان جنگ میں اُترنا پڑا۔ تمام قبائل مخالف ہو گئے مدینہ میں یہود ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے منافقوں کی ایک جماعت بن گئی۔ آپ ان پُر خطر حالات میں اسلام کی کشتی کو سلامتی کے ساتھ پار اتارنے کے لیے کوشاں رہے آخر وہ وقت آ گیا۔ مخالفت کے بادل چھٹ گئے اور دشمن مغلوب ہو گئے۔

کیا کوئی انسان یہ بات ذہن میں لا سکتا ہے کہ اس قسم کے مختلف حالات میں انسان ایک ہی حالت پر قائم رہے۔ اور جو وہ کلام پیش کرے۔ اس میں اختلاف نہ ہو۔ یہ انسانی طاقت سے تو باہر ہے۔ ہاں اختلاف سے پاک کلام وہی ہو سکتا ہے جو ایک علیم وخبیر ہستی کی طرف سے نازل ہوتا۔ قرآن مجید غیب کی خبروں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے ہے۔ جو علیم وخبیر ہے۔ بعض وہ خبریں ہیں۔ جو ماضی سے تعلق رکھتی ہے اور رسول کریم کو ان خبروں کو معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ بعض وہ خبریں ہیں۔ جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں۔

قرآن مجید نے بائبل میں تحریف وتغیر کا دعویٰ اس وقت کیا۔ جب دنیا اس علمی حقیقت سے ناآشنا تھی۔ آج دنیا کے تمام محققین نے اس امر کا اعتراف کر لیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

افتطمعون ان یومنو الکم وقد کان فریق منهم
یسمعون کلم الله ثم یحرفونه من بعد ما عقلوه وهم
یعلمون

(سورہ بقرہ)

کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے اور ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے۔ جو اللہ کے کلام کو سنتا ہے پھر سمجھ لینے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے۔ پادری انبار نور افشاں لدھیانوی لکھتا ہے۔ جعلی انجیلوں کے موجود ہونے سے ہم ناواقف نہیں۔

بلکہ جن جعلی انجیلوں کا جس صاحب نے اپنی تصنیف میں حوالہ دیا ہے۔ وہ ہمارے پاس بھی موجود ہیں۔ ان کو بعض بدعتی عیسائیوں نے مروج کرنا چاہا تھا مگر وہ اپنے فاسد ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ متعدد وجوہ ایسے ہیں۔ جن کے باعث ضرورت محسوس ہوئی کہ پہلی صدی عیسوی میں مروجہ انجیلوں کو ایک نسخہ میں جمع کر دیا۔ دنیا میں بہت سی ایسی تحریریں پھیل گئی تھیں جن پر پاک پیغمبروں کے

نام بطور مصنفین درج کر دیئے گئے تھے۔

بہت سے مسیحی کتابیں خود لکھ کر کسی حواری مسیح یا کسی خادم یا کسی بڑے اسقف کے نام سے مشہور کر دیتے تھے۔ ایسی جعلی کاروائیاں تیسری صدی عیسوی سے شروع ہوئیں۔ اور کئی سو برس تک جاری رہیں۔ یہ نہایت ہی خلاف حق اور قابل شرم حرکت تھی۔

بلاشبہ بعض تحریفیں جان بوجھ کر ان لوگوں نے کی ہیں۔ جو دین دار پرہیز گار اور راہب تھے۔ غضب یہ ہے کہ بعد میں اپنی تحریفات کے سچا ہونے پر اصرار کیا جاتا تھا۔ تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اپنے پر کوئی اعتراض نہ آنے دیں۔

قرآن مجید نے فرعون موسیٰ کی لاش سے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ موجود ہے۔ یہ اس زمانہ کی خبر ہے جب کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ فرعون کی لاش محفوظ و موجود ہو گی۔ ارشاد الٰہی ہے کہ

فالیوم ننجیك ببدنك لتكون لمن خلفك آية و ان كثير من الناس عن آیتنالغا فلون (یونس 92:10)

ترجمہ: ''اور ایک دن آئے گا کہ ہم تیری لاش کو باہر نکال دیں گے۔ تاکہ تو ان کے لیے جو تیرے پیچھے ہیں۔ نشان رہے۔ اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے بے خبر ہیں۔ حضرت موسیٰ کے مقابل پر جو فرعون تھا۔ اس کا نام رعمیس ثانی تھا۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں مضمون ممی (Mummy) کے تحت لکھا ہوا ہے۔

اب حال ہی میں فرعون کی لاش سمندر سے مل گئی ہے جسے لندن کے میوزیم میں لوگوں کیلئے نشان عبرت بنا کر نمائش کیلئے رکھ دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کا ایک نام بینہ ہے جس کے معنی ہیں۔ واضح اور کھلی دلیل ہے۔ ارشاد الٰہی ہے یقیناً تمہارے پاس خدا کی دلیل ہے۔ قرآن کا قاری آسانی سے یہ جان سکتا ہے کہ قرآن مجید ہر دعویٰ کو دلائل و براہین قاطعہ کے ساتھ منواتا ہے۔

قرآن مجید ہی ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جو نسل انسانی کی وحدت کا پیغام دیتی ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ

كان الناس امة و احدة فاختلفوا (یونس 19:10)

سب لوگ ایک ہی امت ہیں۔ لیکن وہ آپس میں جھگڑتے ہیں۔ سماوی کتب میں سے قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے مکمل ہونے کا دعویٰ کیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔

الیوم اکملت دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت

لکم الاسلام دیناً (المائدۃ 3:5)

آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔

مکمل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کتاب کی تعلیم زندگی کے ہر شعبہ کی راہنمائی کرتی ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے کہ:

مافر طنافی الکتاب من شیء (الانعام 38:2)

یعنی بنی نوع انسان کی ضرورت کی کوئی ایسی چیز نہیں جو اس میں بیان نہ ہوئی ہو۔ یعنی اس قرآن میں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے علوم اولین و آخرین درج ہیں۔ جو بلند مقام قرآن مجید نے انسان کو دیا ہے کسی دوسری کتاب نے نہیں دیا۔

اس کے برعکس ہندو اچھوتوں کو انسانیت کا درجہ دینے کو تیار نہیں۔ یہود غیر یہود کو بے دین کافر کہتے ہیں۔ انجیل غیر بنی اسرائیلوں کو کتا اور سور کا نام دیتی ہے۔ غرض کہ ہندوؤں یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک غیر اقوام بے دین ملیچھ اور سوّر ہیں۔ قرآن مجید کا دنیا پر یہ ایک بڑا احسان ہے۔

قرآن مجید ہی ایک آسمانی کتب ہے جو پہلی آسمانی کتب کی تصدیق کرتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ ایمان لاؤ جو میں نے اتارا اس کی تصدیق کرتا ہے۔ جو تمہارے پاس ہے۔ اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کتب کی تصدیق ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

مانفسخ من ایة او ننسها فات بخیر منهأو مثلها

(البقرہ 1.2:250)

یعنی جو پیغام ہم منسوخ کرتے ہیں۔ یا اسے فراموش کر دیتے ہیں۔ تو اس سے بہتر یا اس جیسا لے آتے ہیں۔ اس آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ یہاں یہود یا شرائع سابقہ کے متبعین مخاطب ہیں۔ آیت کا لفظ رسالت اور پیغام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ کسی آسمانی کتاب نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ایک تو وجہ یہ ہے کہ تمام سابقہ کتب کسی ایک قوم کی راہنمائی کے لئے آتی تھیں۔ دوم جس زمانہ میں وہ کتب نازل ہوئی تھیں۔ وہ عالمگیر دعوٰی کا متقضی نہیں تھا جب قرآن مجید نازل ہوا۔ ایک تو اس نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا۔ دوم وقت بھی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ کوئی ایسی کتاب نوع انسانی کی ہدایت کے لئے نازل ہو جو عالمگیر ہوتا کہ تمام نوع انسانی کو ایک قوم کی طرح بنا دے۔ قرآن مجید اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں راہ اعتدال پر چلنے کی دعا سکھائی۔

اے خدا ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے اور ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرے انعام ہوئے اور ان لوگوں کا راستہ نہ دکھانا۔ جن پر تیرا غضب ہوا اور گمراہ ہوئے۔ انہوں نے ایک نبی کا انکار کر کے تفریط کی راہ اختیار کی۔ ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں جنہوں نے معصوم بندہ کو خدا کا رتبہ دے دیا اور افراط کا راستہ اختیار کیا۔ ایک مسلمان کو افراط اور تفریط کے راستہ سے بچ کر صراط مستقیم یعنی درمیانی راستہ پر چلنے کی دعا سکھائی ہے۔ اسی وجہ سے اُمت مسلمہ کو امت وسطی کہا ہے۔ اور اس طرح ہم نے تم کو اُمت وسطی بنایا ہے۔ اُمت وسطی سے مراد ایسی جماعت ہے۔

جو افراط و تفریط سے پاک ہونے کی وجہ سے ارفع مقام پر پہنچی ہو۔ پہلی کتب سماوی میں جو ابہام رہ گیا تھا۔ قرآن مجید ان کی تفصیل بیان کرتا ہے اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا اوروں کا اختراع ہو اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور کتاب کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک نہیں جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔ اس آیت میں قرآن کی دو تفاہیم بیان ہوئی ہیں۔

(1) تصدیق بین یدیہ (2) تفصیل کتاب

قرآن کے ساتھ مبین کی صفت لا کر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ ان تمام باتوں کو کھول کر بیان کرنے والا ہے جو پہلی کتب میں اجمال کے طور پر بیان ہوئی تھیں۔ مثلاً مسئلہ تضادٗ صفات الٰہیہ رویت باری تعالیٰ وغیرہ۔ قرآن مجید کسی دعویٰ کو بغیر دلیل کے نہیں منواتا۔ اس وجہ سے شروع میں ہی قرآن مجید نے لاریب کہہ کر شک و ابہام کی گنجائش ختم کر دی ہے۔ یہ کتاب انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر قسم کے دلائل دیتی ہے تاکہ شک و شبہ کے بیج کو اصل سے اکھاڑ کر پھینکا جائے۔ مثلاً قرآن مجید نے اللہ کی ہستی منوانی ہے تو انسانی فطرت کو مدنظر رکھ کر تین قسم کے دلائل پیش کرتا ہے۔

1- مادی دلیل کائنات سے اخذ کی گئی ہے۔
2- داخلی دلیل نسل انسانی کا داخلی تجربہ ہے کیونکہ ہر انسان کے اندر ایک روشنی ہے جو اس کو بتاتی ہے کہ اس سے اوپر ایک غالب ہستی ہے۔
3- روحانی دلیل وحی الٰہیہ سے اخذ ہوتی ہے جب انسان نیک راہوں پر چل کر خدا سے مشرف بکلام ہوتا ہے دوسری مذہبی کتب اپنے پیش کردہ حادی کے ثبوت کے لئے انسانوں کی محتاج ہوتی ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے کہ:

ما انزلنا علیك الكتاب الالتبین لهم الذین اختلفوا فیه
وهدی ورحمة لقوم یومنون (النحل 24:12)

"ہم نے اس کتاب کو تجھ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ جو عقائد باطلہ عقول ناقصہ کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ ان سب کا رد کیا جائے۔ ایمان داروں کے لئے ہدایت اور رحمت کا موجب ہے۔"

تمام مذاہب عالم کے عقائد باطلہ کی فہرست تیار کرنا پھر ان کے روبرو دلائل قرآن بیان کرنا طویل کام ہے اور نہ یہاں گنجائش ہے۔ یہاں صرف چند ایک مشہور مذاہب کے بڑے بڑے عقائد باطلہ کا رد بیان کیا جاتا ہے۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ بیٹا (عیسیٰؑ) انسانوں کے گناہوں کے معاوضہ کے طور پر صلیب پر چڑھ گیا۔ اب جو بھی کفارہ پر ایمان لے آئے گا وہ نجات کا مستحق ہو جائے گا۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر جب تم نے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پس وہ تمہیں اس کی خبر دے گا۔ جو تم کرتے ہو۔ وہ سینوں کی بات جانتا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کوئی بھی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ تمام انسان خود اپنے گناہوں کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ بھی عیسائیوں کا عقیدہ ہے پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو خدا تین ہیں۔ اس سے رک جاؤ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ صرف ایک ہی معبود ہے۔ یہ یہود اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ یہود نے عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا بنا لیا تھا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اس کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ما ینبغی للرحمن ان یتخذ ولدا (مریم 92:19)

ترجمہ: "خدائے رحمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ بیٹا بنائے۔"

ایک عقیدہ زرتشت کا ہے۔ وہ دو خدا ہرمن اور یزدان کے قائل ہیں۔ اس کے رد میں قرآن مجید فرماتا ہے۔ اور اللہ نے کہا کہ دو معبود مت بناؤ وہ صرف اکیلا ہی معبود ہے۔ ایک عقیدہ ہندوؤں کا ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے خدا گناہ معاف نہیں کر سکتا اس وجہ سے ایک انسان کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے مختلف جونوں میں تبدیل ہونا پڑتا ہے۔ جزا کے وقت کے مالک نے اس عقیدہ کا رد کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مالک کا لفظ بجائے ملک کے اس لیے اختیار کیا ہے۔ محدود اختیارات کا حکم ہوتا ہے وہ کسی مجرم کو چھوڑ نہیں سکتا۔ مالک کے اختیارات وسیع ہیں۔ جسے چاہے معاف کر دے پس خدا تعالیٰ جزا و سزا کے دن جسے چاہے معاف کر سکتا ہے۔ پھر قرآن مجید میں ہے کہ یعنی اللہ بخشنے والا اور توبہ کرنے والا ہے۔

ایک ہندوانہ عقیدہ کی رو سے خدا کی صفات میں شرک لازم ہے قرآن مجید نے ایک جگہ

نہیں بے شمار جگہوں پر ہر قسم کے شرک کا رد کیا ہے۔ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کو رب العالمین کہا ہے۔ رب کا لفظ استعمال کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں وہ مادہ اور روح کا بھی رب ہے اس وجہ سے یہ خدا کی کسی صفت میں شریک نہیں ہو سکتے۔

عظمت قرآن

تمام مسلم وغیر مسلم مفکرین اس امر پر متفق ہیں کہ ماسوائے قرآن عظیم کے ہر نوع کی مذہبی کتب یا تو صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں یا زمانے کی گردش اور لیل و نہار کی تکرار کے باعث ترمیم و تحریف کا شکار ہو کر اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھیں۔ قرآن حکیم کی حفاظت چونکہ اللہ العظیم کی ذمہ داری تھی اسی لئے اس میں ذرہ برابر بھی تحریف نہ ہوئی اور نہ ہی قیامت تک اس میں تحریف کا تصور پیدا ہو سکتا ہے۔

رب العظیم کا دعویٰ ہے:

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون (الحجر: 9)

یعنی: "بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن عظیم) کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

جس کی ذمہ داری اللہ المہیمن العزیز اٹھا لے کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس کا بال بھی بانکا کر سکے اور یہ امر کسی صورت بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ غیر مسلم مفکرین اور مستشرقین نے قرآن عظیم میں کوئی شائبہ یا کوئی لغزش تلاش کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر ان سب کو منہ کی کھانا پڑی بلکہ بالعکس تمام اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عظمت قرآن کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے۔

یورپی مصنف نولڈیکی لکھتا ہے:

"یورپ کے جن جن محققین نے اب تک اس امر کی زبردست کوشش کی ہے کہ قرآن میں تحریف ثابت کریں اپنی سعی اور جدوجہد میں وہ حیرت انگیز طور پر ناکام ہوئے ہیں۔"

اور جارج سیل (George Sale) کچھ اس طرح اعتراف کرتا ہے:

"بے شک قرآن حکیم عربی زبان کی سب سے بہتر اور مستند کتاب ہے کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا۔"

آج قرآن حکیم کے نزول کو چودہ سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے تب سے غیر مسلم

اس کتاب عظیم میں خواہ وہ ہندو علماء ہوں یا یہود و نصاریٰ اپنے شنیع عزائم میں ناکام ہی رہے ہیں اور ناکام کیوں نہ ہوں اللہ العظیم الحکیم کا دعویٰ پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

قل لئن اجتمعت الانس و الجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا

(بنی اسرائیل: 88)

اے رسول (سب سے) کہہ دیجئے کہ اگر سب انسان اور سب جن ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد بھی کریں پھر بھی وہ اس قرآن جیسی کتاب بنانا چاہیں تو وہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے۔"

عرب اپنی فصاحت و بلاغت اور شعر گوئی پر بہت ناز کرتے تھے حتیٰ کہ دیگر غیر عرب لوگوں کو عجمی (یعنی گونگا) کہہ کر پکارتے تھے مکہ کے قریب سوق عکاظ میں ہر سال میلہ لگتا تھا جس میں کھیل کود کے علاوہ شعر گوئی کا مقابلہ بھی منعقد ہوتا تھا جس کا کلام بہترین مانا جاتا تھا اسے بیت اللہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا جاتا تھا اور پھر اگلے سال ان اشعار کے جواب میں جنہیں معلقہ کہا جاتا تھا کسی نہ کسی شاعر کو ان کا جواب دینا پڑتا تھا۔ ایک مشہور شاعر نابغہ ذبیانی صدارت کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔

پس جب سورہ الکوثر نازل ہوئی تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اس میلہ میں پہلوانی کے کئی مقابلے جیت چکے تھے اسے دیوار کعبہ پر آویزاں کر دیا۔ پس عرب کے بڑے بڑے دانشور جو محمد رسول اللہ کو ہرگز نبی ماننے پر تیار نہ تھے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے اور کوئی بھی اس سورہ الکوثر کے فنی اور معجزاتی محاسن کے باعث اس کا جواب نہ لکھ سکا حتیٰ کہ ذبیانی آگے بڑھا اور اس سورہ کوثر کے نیچے محض یہ لکھ سکا "ماھذا کلام البشر" یعنی یہ تو انسانی کلام ہی نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں تو اللہ رب العزت نے یہاں تک فرما دیا کہ تم اس جیسی ایک سورہ بھی بنا کر لانا چاہو تو نہیں بنا کر لا سکتے۔

جامعیت قرآن

دیگر مذہبی کتب جن کی تعلیمات کا ہم گزشتہ ابواب میں ذکر کر چکے ہیں اس قدر ناقص العلوم اور محدود معلومات کا ذخیرہ ہیں کہ وہ ہمہ جہت معاشرتی اعتبار سے انسانی حیات کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتیں۔ ہندومت کی ویدیں محض دیوی دیوتاؤں کی خوشنودی کیلئے نظر آتی ہیں جبکہ مہا بھارت اور رامائن جنگی معرکہ آرائیوں سے پر ہیں۔ زرتشت اور کنفیوشس جہاں حیات انسانی کے ہزارہا پہلو مدد و اصلاح کے طلبگار ہیں وہ صرف رشتے نباہنے اور بادشاہت کے اصول بتلانے پر ہی مکتفی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سوائے بنی اسرائیل کی چاپلوسی لاڈ پیار اور ان کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو ڈھونڈ

رہے ہیں اور مسیح علیہ السلام اپنی زندگی کے تینتیس (33) برس کرب و بلا میں گزارنے کے بعد اپنے حواریوں کو امن و شانتی کا پیغام دے کر رخصت ہو رہے ہیں لیکن مکمل انسانی ضابطہ حیات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا اعزاز صرف اور صرف قرآن عظیم کے حصے میں ہی آ سکا ہے جس نے کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑا۔ جس نے عبادات' اعتقادات' اخلاقیات الغرض زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں باتمام حجت معلومات مہیا کیں اور سورہ المائدہ میں اللہ ذوالجلال والاکرام نے فرمایا و اتممت علیکم نعمتی اور میں نے ہدایت کی نعمت تم پر تمام کر دی اور اطیعو اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کی آیت اس پر دال وشاہد ہے۔ (النساء: 59)

قرآن حکیم میں اعتقادات' عبادات' اخلاقیات' اوامر ونواہی' شرافت انسانیت' حلال وحرام' محرمات' عدل وانصاف' رحم' معافی' جنگی حکمت عملی' عادات' برائیوں کا خاتمہ' حقوق زوجین' اخوت عامہ' اساتذہ کے حقوق' والدین کے حقوق' اولاد کے حقوق' اعزا و اقارب کے حقوق' اصول مصارف' غرباء و مساکین کی امداد کے اصول الغرض ہر نوع کے سائنسی' فکری' عقلی ونقلی' سیاسی' معاشی اور معاشرتی معلومات باتمام حجت موجود ہیں۔

تورات ہو یا انجیل' زبور ہو یا ہندی ویدیں ان کی معلومات محدود اور ناکافی ہیں جیسا کہ تورات میں اخبار واحکام' زبور میں مناجات' ویدوں میں دیوی دیوتاؤں کے قصے اور ان کو خوش رکھنے کیلئے غیر انسانی طریقے اور انجیل میں امثال ومواعظ کے علاوہ اور کچھ نہیں جبکہ قرآن حکیم میں صفات الٰہیہ' تصور الہ کا واضح ثبوت' قرب الٰہی کے طریقے' معرفت الٰہی' حیات وممات' عدم اور وجود کا بیان' تسخیر کائنات کے احکام اور اس کے علاوہ انسانی معاشرت سے متعلق شادی بیاہ' وراثت اور مال و دولت کے اصول واحکام بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ہمسائیوں کے حقوق' عمرانیات کے حقوق' اراضی کے حقوق' بادشاہت اور رعایا کے حقوق' حدود وتمام نظامہائے عدالت' شہریوں کے حقوق اور انسانیت کے تمام حقوق وفرائض کتاب ہذا میں جمع کر دیے گئے ہیں۔

دیگر مذہبی کتابوں اور قرآن حکیم میں ایک واضح فرق یہ بھی ملتا ہے کہ دوسری تمام کتب اپنے مذہبی رہنماؤں سے کئی صدیوں کے فاصلے پر ہیں یعنی ان کو براہ راست ضبط تحریر میں نہیں لایا گیا جیسا کہ انجیل اور تورات کو بائبل بنا دیا گیا اور اب ان کے مصنفین کی تعداد سینکڑوں میں ملتی ہے۔ (گو ایک انجیل کو چار انجیلوں میں منقسم کر کے چار مختلف مصنفین کی نذر کر دیا گیا)۔

لیکن قرآن حکیم بغیر کسی لغزش اور تحریف وترمیم کے سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے مکمل کروایا اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی اٹھایا جو تا قیامت ایک کھلا چیلنج ہے۔ دیگر مذہبی کتب جو آج مطبوعہ شکل میں موجود ہیں ان کی زبان اور مضامین بعض مقامات پر

نہایت گھٹیا، جھوٹے اور غیر معیاری ہیں جبکہ اسلوب قرآن اس کی شائستگی اور شگفتگی اور اس کی فصاحت و بلاغت کا ہر بشر قائل ہے۔

دوسری مذہبی کتب کے مکذب و محرف ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر کتاب کے سینکڑوں مصنف نظر آتے ہیں جبکہ قرآن حکیم کے الہامی یعنی کلام الٰہی ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ پوری دنیا میں القرآن کو صرف اور صرف محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی منسوب کیا جاتا ہے۔

وید کو دیکھو اس کی ہر ایک شرتی کے ساتھ تین نام ضرور لکھے ہوتے ہیں۔ آریوں کی حالیہ تحقیقات یہ ہے کہ ان میں سے ایک مذکر نام اس رشی کا ہوتا ہے جسے یہ شرتی اکاس سے ملی۔ اسلامی الفاظ میں یہ مطلب ہوا کہ یہ وہ شخص ہوتا ہے جس پر کلام اترا۔

اگر ان ناموں کا شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ جاتی ہے اور اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ وید کو پیش کرنے والے سینکڑوں رشی ہیں جن میں بلحاظ زمانہ بھی صدہا سال کا تفاوت ہے۔

بائبل کو دیکھو کہ یہ موسیٰ، یشوع، مصنف قاضیوں، سموایل، مصنف سلاطین، مصنف تواریخ، عزرا، نحمیا، مصنف کتاب روت، مصنف کتاب آستر، ایوب، داؤد صاحب زبور، سلیمان صاحب امثال و غزل الغزلات، واعظ، یسعیاہ، یرمیاہ، حزقی ایل، دانی ایل، ہوسیع، یوایل، عاموس، عبدایاہ، یونا، میکہ، نحوم، حبقوق، ضغیاہ، حجی، زکریا، ملاکی کے الہامات یا تصنیفات کا مجموعہ ہے۔

علیٰ ہذا انجیلوں کو دیکھو کہ متی، مرقس، لوقا معہ اعمال، یوحنا، پولس، یعقوب، پطرس، یوحنا، شاگردان مسیح علیہ السلام کے علمی اور تفتیشی کارنامے ہیں۔

مگر قرآن مجید کا مبلغ اول صرف ایک ہے۔ اس صحیفہ کا خود اسی کے ذریعہ آغاز اور اسی کے ذریعہ سے اختتام ہو جاتا ہے اور بایں ہمہ یہ مصحف مقدس اپنے مضامین میں مکمل، اپنی تبلیغ میں کامل، دعوت الی اللہ میں یگانہ، رشد و ہدایت اور نور و رحمت میں وحید و یکتا ہے اور اپنے موضوع و مفہوم کے اتمام میں دوسری کتاب کا احتیاج مند نہیں حالانکہ رگ وید، یجر وید، ساوید کا اور اتھرو وید ان تینوں کی محتاج ہے۔

نئے عہد نامہ کی تکمیل پرانے عہد نامہ کے بغیر نہیں ہوتی اور کتاب الاعمال کے بغیر اناجیل اربعہ کے مضامین ناقص رہ جاتے ہیں۔ حواریوں کے خطوط اتنے ہی ضروری ہیں جیسا کہ خود اناجیل اس سے قرآن پاک کی برتری و فوقیت اور جامعیت و کاملیت کا اندازہ آسانی سے فہم میں آ سکتا ہے اگرچہ صحیح اندازہ کیلئے ضروری ہے کہ مضامین پر عبور تام بھی ہو۔

خصوصیات قرآن مبارک میں یہ بھی ہے کہ اس کا اسلوب نہایت شستہ و مذہب ہے۔ وہ

کبھی کوئی فحش لفظ یا حیا سوز فقرہ کا استعمال ہی نہیں کرتا۔

کتاب حزقی ایل کو پڑھو جس میں خدا نے بندوں کو اپنی دو جوروؤں ہولا اور ہولیا کا قصہ سنایا ہے۔ امید ہے کہ عیسائی فاضل بھی اس قصہ کو ایک تمثیلی بیان ہی خیال کرتے ہوں گے۔

بائبل کی تمام کتابوں میں یہودیوں کی بدکاری کو یروشلم کی بدکاری بتلایا گیا ہے پھر یروشلم کو عورت فرض کر کے اس کی برہنگی کے متعلق ایسے ایسے سخت و درشت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ وہ کسی گرجا کی محراب میں بطور وعظ کبھی بھی پڑھے گئے ہوں گے۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون

"ہاں ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی ضرور ضرور رکھیں گے۔"

اس وعدہ کی وقعت اور حفاظت قرآنی کی عظمت کے تقابل میں غور فرمایئے

توراتِ موسیٰ کا خمیر مایہ وہ دو الواح تھیں جو موسیٰ کو کوہ طور پر لکھی لکھائی دی گئی تھیں۔ ہر دو الواح اسی وقت ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ جب موسیٰ نے میدان میں آ کر لشکر کو گوسالہ پرستی (یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کے ہوتے ہوئے لوگ سامری جادوگر کے چکر میں آ گئے اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔) میں مصروف پایا تھا۔ کلیم اللہ غیرت ایمانیہ سے بیتاب ہو گئے۔ لوحیں پھینک دیں اور بھائی کو جا پکڑا۔

اس واقعہ کے بعد یہ احکام عشرہ اور دیگر احکام شریعت موسیٰ ہی کی حیات میں لکھے گئے اور عہد کے صندوق میں رکھے گئے۔ (استثناء باب 25) یہی ایک نسخہ تھا جس کی بابت توقع کی جا سکتی ہے کہ داؤد کے عہد تک خیمہ عبادت میں بحفاظت موجود رہا لیکن سلاطین اول باب 8 سے واضح ہے کہ جب عہد کا صندوق خیمہ عبادت سے ہیکل سلیمانی میں لایا گیا تو پتھر کی دو شکستہ لوحوں کے سوا صندوق میں اور کچھ نہ تھا۔ اب ہم کو بلا کسی سند کے فرض کر لینا چاہیے کہ سلیمان نے کس طرح تورات کی شریعت کو جمع کر لیا ہوگا اور پھر عہد کے صندوق میں اسے رکھوا دیا ہوگا لیکن یہ مسلمہ ہے کہ ہیکل میں جو نسخہ بھی موجود تھا اسے بھی بخت نصر نے ہیکل کے ساتھ ہی جلا ڈالا تھا۔ یہ حادثہ بائلہ 856 ق م میں واقع ہوا۔

دارا شاہ ایران کے عہد میں زرد بابل وغیرہ سرداران بنی اسرائیل نے ہیکل کو از سر نو تعمیر کیا تھا۔ کتاب کی بھی تلاش ہوئی مگر نہ ملی (دیکھو کتاب عزیر) تب حضرت عزیز نے اپنی یادداشت اور حجی وزکریا کی امداد سے پھر کتاب کو تیار کیا جسے یہودی تورات کہتے ہیں (اسی کا ترجمہ یونانی زبان میں ابن توکس کے حکم سے ہوا) یہ واقعہ 300 ق م کا ہے پھر ابن توکس چہارم کے وقت میں جب یہ بادشاہ ملک مصر پر حملہ آور ہوا تھا اس کے سپہ سالار نے اس نسخہ کو اور ہیکل کو جلا ڈالا۔ یہودیوں کی تمام

کتابوں کی تلاش کی گئی اور سب کو سوخت کر دیا گیا اور یہودیوں کو بت پرستی کا حکم دیا گیا۔ یہ واقعہ 166 ق م کا ہے۔ ایک بوڑھا کاہن اپنے تین فرزندوں کے ساتھ جان بچا کر اپنے وطن شہر مودن کو بھاگ گیا تھا۔ اس کے فرزند متائیس نے ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی اسی کے نام سے مشہور ہے اور یہود کے چند فرقے اسی کو اسلامی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

واقعات بالا پر پورا پورا غور کرنے کے بعد کیا تورات کی اصل صورت باقی رہنے کی امید کی جا سکتی ہے؟

اب انجیل کی سرگزشت سنو انجیل کے نام سے عیسائیوں میں چار کتابیں مشہور ہیں۔ انجیل متی، انجیل مرقس، لوقا، انجیل یوحنا۔

متی کی انجیل کی سرگزشت یہ ہے کہ سب سے پہلے عبرانی زبان اور شہر یہوذا (واقع شام) میں لکھی گئی لیکن اس عبرانی نسخہ کا وجود دنیا سے ناپید ہے اس کا ایک ترجمہ یونانی زبان کا ملتا ہے لیکن کوئی عیسائی پادری نہیں بتا سکتا کہ یہ ترجمہ کب کیا گیا اور کس شخص نے کیا۔

موجودہ کتاب کا یہ حال ہے کہ اس کے باب اول دو دوم کو شارح انجیل نورٹن صاحب نے بمقابلہ لوقا صحیح تسلیم نہیں کیا بلکہ اقرار کیا ہے کہ یہ دونوں باب ایک ہی مصنف کے لکھے ہوئے ہیں۔ (کتاب الاسناد ص 53، نسخہ مطبوعہ 1837ء)

لوقا مصنف انجیل پولوس کا شاگرد ہے اس نے مسیح کو نہیں دیکھا اور اس کے استاد نے بھی مسیح علیہ السلام کی زندگی میں اس کی مخالفت ہی کی۔ لوقا نے اپنی انجیل انطاکیہ شہر میں بزبان یونانی لکھی تھی۔ لوقا نے اپنی انجیل کے شروع میں تحریر کیا ہے کہ وہ واقعات کو صحت کے بعد تحریر کرتا ہے۔ لوقا کے اس اعلان کے بعد یہ امید کرنا بالکل درست تھا کہ واقعات مندرجہ انجیل لوقا ضرور ہی صحیح ہوں گے لیکن انجیل کا وہی شارح فاضل نورٹن لکھتا ہے:

"جن اعجازی باتوں کو لوقا نے لکھا ہے ان میں جھوٹی روایتیں بھی شامل ہو گئی ہیں اور اس کے لکھنے والے نے شاعرانہ مبالغہ سے اندراج کیا ہے اور اس زمانہ میں سچ وجھوٹ سے تمیز کرنا مشکل ہے۔" (کتاب الاسناد ص 61)

قابل غور بات یہ ہے کہ جس کتاب میں سچ سے جھوٹ کا تمیز کرنا بھی مشکل ہو جائے وہ کہاں تک محفوظ کہلانے کی مستحق ہے۔

مرقس شمعون پطرس کا شاگرد ہے اس نے بھی انطاکیہ ہی میں اپنی کتاب کو یونانی زبان میں لکھا۔ مرقس اور لوقا کے مضامین میں بہت اختلاف ہے۔

یوحنا بن سندائی کی انجیل غالباً بلحاظ سن تصنیف سب سے آخری ہے۔ اس نے بھی اپنی

کتاب کو یونانی زبان ہی میں لکھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام کا شاگرد تھا۔ لیکن اس کی تصنیف میں یونانیوں کے قدیم عقیدہ کا بہت اثر شامل ہے۔

تمام عیسائیوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اناجیل اربعہ میں سے کوئی انجیل بھی مسیح علیہ السلام پر منجانب اللہ نازل شدہ نہیں بلکہ یہ کتابیں انہی مصنفین کی تصنیف ہیں جن کے نام سے یہ منسوب ہیں۔

اب ان کتابوں کا تقدس اس طرح قائم کیا جاتا ہے کہ ان مصنفین نے ان کتابوں کو روح القدس کی مدد اور یاوری سے لکھا تھا اگر یہ امر صحیح ہے تو ان چاروں کے مضامین میں تناقص اور تضاد نہیں ہونا چاہیے لیکن ان میں اتنا تناقص موجود ہے کہ تطبیق دینا سخت دشوار ہے۔ آدم کلارک، نورٹن اور ہارون انجیل کے مشہور شارح ہیں۔ تینوں کا متفقہ قول ہے کہ مطابقت کی کوئی صورت موجود نہیں۔

پادری فرنچ کو اقرار ہے کہ ان انجیلوں کی چار پانچ آیتوں میں تحریف بھی ہوئی ہے۔ نیز وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ ان میں چھوٹی موٹی تیس ہزار غلطیاں موجود ہیں۔

چاروں انجیلوں کا مجموعہ ایک سو صفحے سے زیادہ نہیں۔ ایک سو صفحے کی تحریر میں جب تیس ہزار غلطیاں موجود ہوں تو کتابوں کے محفوظ رہنے کا خیال کرنا بھی عقل سے دور ہے اور اس سے زیادہ نتیجہ اخذ کرنا ہمارے اس مضمون کے موضوع کی بس کی بات نہیں۔

اب پارسیوں کی کتاب کا حال سنو ایرانی قوم بڑی قدیم قوم ہے۔ ان کی کتابیں بھی موجود ہوں گی لیکن کتاب ژند تو زرتشت کے عہد سے بھی پہلے نادر الوجود ہو چکی تھی۔

کہتے ہیں کہ ژند کے پچیس باب تھے اور اب صرف انیسواں "وندیدار" پایا جاتا ہے۔ ژند کے بعد اس کا درجہ پاژند نے حاصل کر لیا لیکن سکندر مقدونی کی فتح ایران کے بعد وہ بھی عنقا ہو گئی۔ سکندر کے بعد تین سو سال تک طوائف الملوکی رہی اور مذہبی حالت بھی بہت خراب تھی۔ جب اردشیر بابکان ایران کا بادشاہ بنا تب ژند و پاژند کی جگہ دساتیر لکھی گئی اور اسی کو آسمانی کتاب کا درجہ دیا گیا لیکن جب مانی نے اپنا مذہب چلایا تب دساتیر کو بھی ختم کر دیا گیا۔ مانی کے بعد مزدک نے اپنا مذہب ایجاد کیا اور اس نے پارسیوں کی مذہبی کتابوں کو اچھی طرح سے تباہ اور نابود کر دیا۔ یہ سب واقعات اسلام سے پہلے کے ہیں۔

دساتیر کے متعلق اہل تحقیق کا بیان ہے کہ وہ صرف دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ اوستا کی بابت یہ بھی مشہور ہے کہ وہ نزول قرآن کے بعد لکھی گئی اور اسی کتاب کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ ثبت کر دیا گیا۔ "بنام ایزد بخشائندہ بخشائش گر مہربان دادگر۔" اسی فقرہ کا ترجمہ قدیم دری زبان میں کر دیا گیا تاکہ اس کی قدامت بہت قدیم ہو جائے۔ جو فارسی زبان میں اس طرح ہے۔ "خرشید شمستائے ہرشندۂ ہرششگر زمربان فرو بیدار۔"

مندرجہ بالا حالات سے پتہ لگ جاتا ہے کہ سکندر کی غارت گری کے بعد اس قوم کے پاس کوئی ایسا صحیفہ موجود نہ تھا جو آسمانی کہلانے کا مستحق ہو۔

ہندوستان میں نہایت قدیم کتاب "وید" سمجھی جاتی ہے۔ وید کی عزت کو آریہ اور سناتن دھرمی دونوں تسلیم کرتے ہیں۔ اس اجمالی اقرار عظمت کے بعد آریہ اور سناتن دھرمیوں میں اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔

آریہ کہتے ہیں کہ وید صرف منتر بھاگ کا نام ہے۔

سناتن دھرمی کہتے ہیں کہ برہمن بھاگ بھی اصلی وید ہے اور برہمن بھگ اپنے حجم کے اعتبار سے منتر بھاگ سے دو چند زیادہ ہیں۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ وید کو ماننے والی قومیں یا تو 2/3 حصہ وید کو اصل سے خارج کر رہی ہیں یا 2/3 حصہ حجم کو وید اصلی میں داخل کر رہی ہیں اور ہر دو صورت کتاب مذکور کا غیر محفوظ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

زمانہ حاضرہ میں سب ہندو کہتے ہیں کہ وید چار ہیں مگر منوجی مہاراج کی سمرتی میں صرف تین ویدوں رگ، یجر اور سام کا نام آیا ہے چوتھے وید اتھرو کا نام نہیں آیا۔

سنسکرت کی اور بھی قدیم ترین کتابیں ایسی ہیں جن میں یہی تین نام پائے جاتے ہیں لیکن بعض پرانی کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں قریباً 32 کتابوں پر اسم وید کا استعمال کیا گیا ہے۔

سب ہندو وید کو خدا ساز بتاتے ہیں مگر نیائے روشن کا مصنف گوتم وید کو کلام انسان بتاتا ہے۔ گوتم اس درجہ کا شخص ہے کہ اس کا شاستر چھ شاستروں میں سے ایک ہے اور ان ہر شش کو شاستر بہ طور مسلمہ آریہ اور سناتنی سب تسلیم کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مذاہب قدیم میں سے جین مت بھی ہے۔ جینی لوگ وید کے ایک حرف کو بھی صحیح نہیں سمجھتے اور وید کا آ کاس بانی ہونا بھی وہ قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔ یہ لوگ بھی اپنی قدامت کو ویدوں کے زمانہ سے ماقبل کے بتاتے ہیں اور اپنی کتاب کو وید سے قدیم تر ظاہر کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا تجزیہ اور تحقیق سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حفاظت الٰہیہ نے ماسوائے قرآن حکیم کے مذکورہ کتب میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا اور اسی لئے ہر ایک کتاب کے وجود یا اجزائے وجود پر خود اسی مذہب کے اشخاص نے شک و گمان اور ظنون و اوہام کے غلاف چڑھا رکھے ہیں۔

قدرت الٰہیہ نے نہ صرف یہی کیا کہ کتابوں کی حفاظت نہیں کی بلکہ اس زبان اور لغت کی حفاظت بھی چھوڑ دی جن میں یہ کتابیں لکھی گئی یا نازل کی گئی تھیں۔

ذرا غور کرو عبرانی جو تورات کی زبان تھی اور خالدی جو مسیح علیہ السلام کی زبان تھی اور وہ وڑی جو ژندو پاژند کی زبان تھی اور سنسکرت قدیم جو وید کی زبان تھی اب دنیا کے کسی پردہ پر کسی براعظم یا کسی

ملک یا کسی ضلع یا کسی شہر میں بطور زبان مستعمل ہیں؟ قدرت نے ان السنہ کو ناپید کرنے سے اپنا فیصلہ قطعی صادر کر دیا ہے کہ اب انسان کو ان کتابوں کی بھی ضرورت نہیں رہی جو ان زبانوں میں مروج کی گئی تھیں۔

اس حفاظت الٰہی کا اندازہ کرو جو قرآن مجید کے متعلق ہے کہ اس کا زیر و زبر اور حرف بہ حرف توالی و تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔ ملک چین میں ایک ایک حرف پورے یقین کے ساتھ اسی طرح پایا جاتا ہے جیسا کہ مراکش میں موجود ہے۔

اگر حفاظت الٰہی خود کار فرما نہ ہوتی تو ایک ایسی کتاب میں ہزاروں غلطیوں کا ہو جانا ممکن بلکہ ضروری تھا جس کا پیش کرنے والا (ولا تخطه بیمینک) سے مخاطب ہو۔ آپ تو اپنے داہنے ہاتھ سے خط کھینچنا بھی نہیں جانتے تھے۔

جمع قرآن و قرأت

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

ان علینا جمعه و قرانه فاذا قراناه فاتبع قرانه

"قرآن کا جمع کرنا اور قرأت کا درست رکھنا بھی ہمارا ذمہ ہے۔ اے رسول! جس قرأت سے قرآن پڑھا جائے آپ اس پر کاربند رہیں۔" (سورہ القیامۃ: 17)

قرآن مجید کے احکام وقتاً فوقتاً نازل ہوتے تھے۔ اس لئے اس کتاب کی ترتیب اور تدوین مشکل کام تھا لیکن اس کام کو بھی رب العالمین نے اپنے ہی ذمہ لیا' جیسا کہ دنیا میں بھی ہر ایک مصنف کتاب اپنی تصنیف کی ترتیب و تدوین کا کام خود سرانجام دیا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بعد میں کسی ایک آیت کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوئی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام دنیا ایک ہی ترتیب کے ساتھ قرآن مجید کی قرأت کر رہی ہے۔ اس پیش گوئی سے واضح ہو گیا کہ جمع و ترتیب کی جو صورت موجودہ دنیا میں پائی جاتی ہے وہ ٹھیک اسی ترتیب اور قرأت کے موافق ہے جو علم الٰہی اور قرأت سماوی میں ہے۔

قرآن حکیم کی دیگر مذہبی کتب پر فضیلت اور برتری کی ایک اچھوتی اور حیرت انگیز مثال یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی حفاظت کیلئے اہل علم کے سینوں کو کشادہ کر دیا ہے اور اس کا زبانی یاد کرنا آسان بنا دیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کہتا ہے:

بل هو ایات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم

"یہ قرآن تو روشن آیتیں ہیں جو علم والوں کے سینہ میں رہتی ہیں۔" (سورہ العنکبوت: آیت: 49)

ساری کتاب کو حفظ کر لینا ایک اچھوتا خیال تھا کیوں کہ قرآن مجید سے پیشتر دنیا میں کوئی کتاب حفظ نہ کی گئی تھی اس لئے اس خیال کا پیدا ہونا ہی اس کے الہامی ہونے پر دلیل ہے۔ یہ ایسی زبردست پیش گوئی ہے کہ تمام دنیا اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ حفاظت کا ایسا انتظام بالکل لاثانی ہے اور محض منجانب اللہ تعالیٰ ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولقد یسرنا القرآن لذکر (سورہ القمر: 17)

"ہم نے قرآن کو یاد کیلئے آسان بنا دیا ہے۔"

جب مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی تمام اقوام اور ممالک کے سامنے قرآن مجید کو از بر سنانا شروع کیا تب دوسروں کو بھی امنگ آنی چاہیے تھی کہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کا جوش پیدا ہونا چاہیے تھا کہ وہ بھی اپنے اپنے مذہب کی کتاب کو حفظ کر لیتے کیوں کہ ان کے سامنے یہ نظیر موجود تھی۔

مگر کوئی بھی ایسا نہ نکلا' نہ یہودی' نہ عیسائی' نہ پارسی نہ ہندو اور جس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی پسندیدہ کتاب کو حفظ کر لیا ہو اس کی وجہ خود قرآن پاک نے بتلا دی ہے کہ یہ خصوصیت بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی میں رکھ دی ہے کہ وہ یاد کرنے والوں کو جلد اور آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔

قرآن عظیم کی برتری اس طرح بھی ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی کتابت جاری رہے گی اور کتاب کی شکل میں اس کی اشاعت ترقی پر رہے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

و کتاب مسطور فی رق منشور (سورہ الطور: 3:2)

"قسم ہے کتاب کی جو لکھی گئی ہے اور پاک صاف صحیفہ اشاعت پاتی ہے۔"

فضیلت قرآن حکیم کے بارے میں ایک واضح چیلنج مندرجہ ذیل آیت میں ملاحظہ کریں:

لایاتیہ الباطل من مبین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید (حم سجدہ)

"باطل اس کے آگے یا پیچھے سے نہ آئے گا یہ تو خدائے حمید و حکیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔"

فلسفہ قدیم (باطل بین یدیہ) اور فلسفہ جدید (باطل من خلفہ) نے بہت زور مارا مگر قرآن حکیم کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور اس کے کسی مضمون اور کسی ایک اصول کا بھی مقابلہ نہ کر سکا نہ فلسفہ قدیم نے اس میں سے کچھ گھٹایا نہ فلسفہ جدید نے کچھ بڑھایا۔ یہ ایسی مکمل کتاب ہے کہ اس میں اب کسی کو

دخل کی گنجائش ہی نہیں۔

قرآن حکیم میں بعض ایسے واقعات بھی ہیں جن کو سوائے قرآن کے کسی دوسری قوم ہودؑ قوم صالحؑ کا مذکور کسی اسرائیلی صحیفے میں نہیں مگر قرآن پاک نے اسے بیان کیا۔

عاد ارمؑ عاد اولیٰ کا ذکر بھی صرف قرآن مجید ہی نے سنایا' سیلِ عرم کا واقعہ نہایت عظیم الشان تھا اس کا بیان بھی فرقان حمید ہی میں ہے۔

فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد مصر پر کچھ عرصہ تک اسرائیلیوں کی حکومت کا پتہ (واورثنا ھابنی اسرائیل) قرآن پاک ہی کے بتانے سے لگا ورنہ تورات اس سے خاموش ہے جیسا کہ مصر کی تاریخ مصر میں معجزات موسوی کے وقوع سے ساکت ہے۔

مسیح علیہ السلام اور اس کے کارناموں کا ذکر نہ روما کی ہسٹری میں ہے اور نہ یہود کی تحریروں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ واقعہ کہ مریم صدیقہ علیہ السلام کو بھی مدتوں تک تثلیث کا ایک اقنوم تسلیم کیا جاتا تھا عیسائی نہیں مانتے تھے اور نہیں جانتے تھے۔ قرآن مجید کے اعلام کے بعد جب عیسائی محققین نے اس کیلئے کدوکاوش کی تب ان کو بیان قرآن کی صداقت کا علم ہوا۔

خانہ کعبہ کی عمارت کا بطور مسجد دنیا میں سب سے پہلے تعمیر ہونا اہل تاریخ سے پوشیدہ تھا لیکن اب یہ واقعہ بالکل مسلم ہے۔

قرآن مجید کا یہ بیان کہ ہر ایک قوم میں اللہ کے رسول بھیجے گئے اور انہوں نے خود اسی قوم کی زبان میں تبلیغ فرمائی اور حجت الٰہی ان پر ختم کی تمام مذاہب کیلئے ایک کنز مدفون تھا۔

فرعون کی لاش کی پیش گوئی کرنا اور پھر اس لاش کا اچانک سمندر کی لہروں سے ابھر کر باہر آ جانا تمام نوع انسانیت کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے اور یہ ایسے معجزات ہیں جن کو غیر مسلموں نے بھی مختلف انداز میں تسلیم کیا ہے اور مندرجہ ذیل تحقیقی مضمون قرآن حکیم کی عظمت اور برتری کیلئے حرف ہے جسے پڑھ کر ہر مسلمان (یایھا الذین امنوا امنوا کے مصداق) اور غیر مسلم پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ دائرہ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جائے اور قرب الٰہی کیلئے تقویٰ کی سند حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔ (آمین)

قرآن حکیم غیر مسلموں کی نظر میں

انسانیت کی بہتری اور بہبود کیلئے مختلف ادوار میں مختلف صحائف اور آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں مگر وہ کتب امتداد زمانہ سے یا تو باقی نہ رہ سکیں یا ان میں تحریف کر دی گئی مگر قرآن وہ سرچشمہ علم و حکمت ہے جو تحریف سے مبرا اور سب آسمانی کتب کا مجموعہ ہے۔ یہ زبور کی طرح مجموعہ مناجات بھی ہے اور انجیل کی طرح ذخیرہ امثال بھی۔ تورات کی طرح گنجینہ شریعت بھی ہے اور کتب ہائے دانیال کی طرح خزینہ اخبار مستقبل بھی۔

آنچہ خوباں ھمہ دارند تو تنہا داری

قرآن وہ معجزہ ہے جس نے پہلی دفعہ عقل اور مذہب میں مطابقت پیدا کی جس نے منطقی دلائل، سریع الفہم امثلہ اور قصص سے بہت سے پیچیدہ مسائل کو حل کر کے رکھ دیا جو نہ صرف مذہبی مسائل کا مجموعہ بلکہ معاشرتی زندگی کا رہنما اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔

مشرق و مغرب کے غیر مسلم اہل علم اور مفکرین نے قرآن حکیم کی خدمت میں جو گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں ان کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

بغیر تحریف و تغیر

"قرآن پاک کا کوئی جزو، کوئی فقرہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں سنا گیا جس کو جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو اور نہ کوئی لفظ اور فقرہ ایسا پایا جاتا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ داخل کیا گیا ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ان احادیث میں جن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی باتیں محفوظ رکھی گئی ہیں ان کا پتہ ضرور چلتا۔" (ولیم میور)

معجزانہ کتاب

"قرآن بلاشبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور دنیا کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے۔

کسی انسان کا علم ایسی معجزانہ کتاب لکھنے سے قاصر ہے۔ یہ مُردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے۔ ایک امی ناخواندہ محض کس طرح بے عیب اور لاثانی عبارت تحریر کر سکتا ہے۔" (جارج سیل)

بے حد سلیس اور جامع

"سورہ فاتحہ حمد باری کی یہ سب سے زبردست مناجات ہے۔ سلیس اتنی کہ مزید تشریح سے بے نیاز مگر اس پر بھی معنویت سے لبریز۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا' جلد 15' صفحہ 903' طبع یازدہم)

اختلاف معنوی و لفظی سے مبرا

"قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں تیرہ سو برس سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہودی اور عیسائی مذہب میں کوئی ایسی چیز نہیں جو معمولی طور سے بھی قرآن کے مقابلے میں پیش کی جا سکے۔"
(عیسائی مورخ مسٹر باڈلے)

حفظان صحت کا سرچشمہ

"قرآن نے صفائی' طہارت اور پاکیزگی کی وہ تعلیم دی ہے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو جراثیم امراض سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔" (جرمن فاضل اکیم کی بولف)

کھلی اور سچی حقیقت

"میرے نزدیک قرآن میں خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے اور یہ بالکل کھلی اور سچی حقیقت ہے کہ اگر کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے تو اسی سے ہو سکتی ہے۔" (پروفیسر کارلائل)

مادیات کے شرک کی نفی

"قرآن کی تعلیم نے بت پرستی مٹائی۔ جنات و مادیات کا شرک مٹایا۔ اللہ کی عبادت قائم کی۔ بچوں کے قتل کی رسم نیست و نابود کی۔ ام الخبائث شراب کو حرام مطلق ٹھہرایا' چوری' جواء' زنا کاری اور قتل وغیرہ کی ایسی سزائیں مقرر کیں کہ کوئی شخص ارتکاب جرم کی جرأت ہی نہ کر سکے۔" (پادری ریورینڈ۔ جی۔ ایم۔ ایڈویل)

تمام عیوب سے پاک

"من جملہ ان بہت سی خوبیوں کے جن پر قرآن فخر کرتا ہے دو نہایت ہی عیاں ہیں۔ ایک تو وہ مودبانہ انداز اور عظمت جس کو قرآن اللہ کا ذکر یا اشارہ کرتے ہوئے ہمیشہ مدنظر رکھتا ہے کہ وہ اس کی طرف خواہشات رذیلہ اور انسانی جذبات کو منسوب نہیں کرتا۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ تما

نامہذب اور ناشائستہ خیالات' حکایات اور بیانات سے بالکل مبرا ہے جو بدقسمتی سے یہود کے صحائف میں عام ہیں۔ یہ قابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن ان تمام عیوب سے مبرا ہے۔ اس پر خفیف سی حرف گیری بھی نہیں ہوسکتی۔ اس کو شروع سے آخر تک پڑھتے جائیے مگر تہذیب کے رخساروں پر ذرا بھی جھینپ کے آثار نہیں پائے جائیں گے۔" (ایک عیسائی ڈیون پورٹ)

علم وآگہی کا مخزن

"اسے تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ خدا کی وحدانیت' طاقت' علم اور حقانیت کا جو تصور اور خدا' جنت اور زمین کے متعلق جس تلقین کا بار بار قرآن میں اظہار کیا گیا ہے اس کی وجہ سے ہم اس کتاب کی جتنی بھی تعریف کریں کم ہے یہ اعلیٰ وارفع اخلاقی تعلیم سے پر ہے اور اس میں علم وآگہی کے جو نکات بیان کیے گئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی بنیاد پر بڑے بڑے طاقتور ملک اور جلیل القدر سلطنتیں قائم کی جاسکتی ہیں۔" (دی قرآن صفحہ 15' از ریورینڈ جے ایم راڈویل)

لاثانی نظام مسرت

"مجھے امید ہے کہ میں دنیا کے تمام دانا اور باشعور لوگوں کو یکجا کر کے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایک لاثانی نظام قائم کروں گا کیونکہ صرف یہی تعلیمات ہی انسان کو مسرتوں سے روشناس کر سکتی ہیں۔" (اقتباس تقریر نپولین از کتاب بونا پارٹ اور اسلام صفحہ 105' مصنفہ شیر فلس)

مسخر کرنے والی طاقت

"قدیم عربی میں نازل شدہ قرآن خوبصورتی اور دلکشی کا حسین مرقع ہے۔ اس کا سٹائل بڑا جامع اور دلپذیر ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں جو کہیں کہیں شاعری کے نادر نمونے ہیں غضب کا استدلال اور مسخر کرنے والی طاقت ہے۔ اس کے مفہوم کو کسی زبان کے سانچے میں ڈھالنا کٹھن کام ہے۔" (دی وزڈم آف دی قرآن دیباچہ صفحہ viii از جان فاش)

سب سے زیادہ زیر مطالعہ کتاب

"دنیا کی کوئی کتاب اتنی پڑھی نہیں جاتی جتنا قرآن پڑھا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بائبل کی جلدیں زیادہ فروخت ہوتی ہوں لیکن پیغمبر اسلام کے کروڑوں پیرو قرآن کی لمبی لمبی آیات دن میں پانچ مرتبہ پڑھنا اس وقت سے شروع کرتے ہیں جب وہ باتیں کرنا سیکھتے ہیں۔" (دی فیتھس مین لیوبائے' صفحہ 81' از چارلس فرانسس پوٹر)

آسمانی کتب پر فائق

"یہ کتاب قرآن عظیم تمام آسمانی کتب پر فوقیت رکھتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لیے جو کتابیں تیار کی ہیں ان میں بہترین کتاب ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کیلئے فلاسفہ یونان کے نغموں سے کہیں بہتر ہیں۔ اس کا ہر ہر حرف خداوند عالم کی عظمت کے ذکر سے لبریز ہے۔ قرآن علماء کے لیے ذخیرہ لغات شعرا کے لیے عروض کا مجموعہ اور حکمرانوں کیلئے دائرہ المعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔" (ڈاکٹر مورِس فرانسیسی)

دین و دنیا کا رہنما

"مسلمان جب قرآن و حدیث میں غور و فکر کریں گے تو اپنی دینی اور دنیاوی ضروریات کا علاج اس میں تلاش کرلیں گے۔" (اخبار الوطن مصر' ایک مسیحی نامہ نگار)

مکمل احکام کا مجموعہ

"جو احکام قرآن پاک میں موجود ہیں وہ اپنی جگہ پر مکمل ہیں۔" (پریچنگ آف اسلام' از ڈاکٹر آرنلڈ)

فصیح و بلیغ زندہ جاوید

"قرآن پاک میں مطالب اتنے ستھرے اور ہمہ گیر ہیں اور ہر زمانے کے لیے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانے کی تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں اور وہ محلوں' ریگستانوں' شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا پھرتا ہے۔" (ڈاکٹر سموئیل جانسن)

عالم انسانیت کا مصلح

"قرآن اخلاقی ہدایتوں اور دانائی کی باتوں سے بھرا ہوا ہے اور قرآن نے عالم انسانیت کی زبردست اصلاح کی ہے۔ جن اشخاص نے ان کے مضامین پر غور کیا ہے وہ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ وہ ایک مکمل قانون ہدایت ہے۔ انسانی زندگی کی کوئی سی شاخ لے لیجیے ناممکن ہے کہ اس شعبہ میں اس کی تعلیم رہنمائی نہ کرتی ہو۔ میرا خیال ہے کہ اگر اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ایک سمجھدار آدمی بیک وقت دنیوی اور روحانی ترقی حاصل کر سکتا ہے۔" (لیکچر ان اسلام' از پروفیسر ہربرٹ وائل)

انتہائی لطیف پاکیزہ اور بیمثل معجزہ

"قرآن انتہائی لطیف اور پاکیزہ زبان میں ہے۔ اس کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی

انسان اس کی مثل نہیں بنا سکتا۔ یہ لازوال معجزہ مردہ زندہ کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔" (ڈاکٹر سیل)

جامع اور روح افزا پیغام زندگی

"قرآن ایسا جامع اور روح افزا پیغام زندگی ہے کہ ہندو دھرم اور مسیحیت کی کتابیں اس کے مقابلے میں کوئی بیان پیش نہیں کر سکتیں۔" (پروفیسر دو بیجاداس)

اعلیٰ اخلاق کا معلم

"قرآن نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی اور اصول جہانبانی سکھائے۔"
(گائیڈنس آف ہولی قرآن' از ڈاکٹر سٹینلے لین پول)

اجتماعی اور معاشرتی احکام

"قرآن پاک مذہبی قواعد و ضوابط کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اس میں اجتماعی اور معاشرتی احکام بھی موجود ہیں جو تمام دنیا کے انسانوں کیلئے بہر حال مفید ہیں۔" (ڈاکٹر موسیو جین)

وسیع جمہوری سلطنت کا قانون

"قرآن میں عقائد اخلاق اور ان کی بنا پر قانون کا مکمل مجموعہ موجود ہے۔ اس میں ایک وسیع جمہوری سلطنت کے ہر شعبہ کی بنیادیں بھی رکھ دی گئی ہیں۔ تعلیم' عدالت' حربی انتظامات' مالیات اور نہایت محتاط قانون ہے۔" (ڈاکٹر لڈر ہف کربل)

عملی قوتوں کا سرچشمہ

"اس کتاب کی تعلیم میں ایسے عناصر موجود ہیں جن کے ذریعہ زبردست اقوام اور فتوحات کرنے والی سلطنتیں بن سکتی ہیں۔ اس کی تعلیم میں وہ اصول موجود ہیں جو عملی قوتوں کا سرچشمہ ہیں۔"
(ڈاکٹر راوڈیل)

روحانی نجات وحقوق رعایا

"قرآن میں دیوانی فوجداری اور باہمی سلوک کے قواعد پائے جاتے ہیں۔ مسائل نجات روح' حقوق شخصی اور نفع رسانی خلائق وغیرہ وغیرہ موجود ہیں۔" (از مصنف اپالوجی فار محمدؐ اینڈ قرآن)

فطرت انسانی کے عین مطابق

"میں نے تعلیمات قرآنی کا مطالعہ کیا ہے۔ مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے۔ مجھے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ نظر آئی کہ یہ فطرت انسانی کے عین

مطابق ہے۔" (ینگ انڈیا گاندھی)

مسلمہ صداقتوں کا پرتو

"وہ وقت دور نہیں جب کہ قرآن کریم اپنی مسلمہ صداقتوں اور روحانی کرشموں سے سب کو اپنے اندر جذب کر لے گا۔ وہ زمانہ بھی دور نہیں جب کہ اسلام ہندو مذہب پر غالب آ جائے گا اور ہندوستان میں ایک ہی مذہب ہوگا۔" (ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور)

معاشرتی' سیاسی اور روحانی معلم

"میں مذہب اسلام سے محبت کرتا ہوں اور اسلام کے پیغمبر کو دنیا کے مہاپرش سمجھتا ہوں میں قرآن کی معاشرتی' سیاسی' اخلاقی اور روحانی تعلیم کا دل سے مداح ہوں اور اس رنگ کو اسلام کا بہترین رنگ سمجھتا ہوں جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں تھا۔" (لالہ لاجپت رائے)

دلفریب اور تحیر آمیز

"قرآن کی یہ حالت ہے کہ اس کی دلفریبی بتدریج فریفتہ کرتی ہے پھر متعجب کرتی ہے اور آخر ایک تحیر آمیز رقت میں ڈال دیتی ہے۔" (جرمنی کا شاعر و فلسفی گوئٹے)

ہدایت کامل کا مجموعہ

توریت' زبور' انجیل ترے سن ڈٹھے وید
رہے قرآن کتاب کل جگ میں پروار

(حوالہ جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ 140 سطر 4)

مطلب: توریت' زبور' انجیل کو ہم نے بغور دیکھا اور ویدوں کو بھی مگر دنیا کے لیے جو کتاب ہدایت کامل کا مجموعہ ہو سکتی ہے وہ قرآن شریف ہی ہے۔

تیہے حرف قرآن دے تیہے سپارے کین
تس وچہ پند نصیحتاں سن سن کر یقین

(حوالہ جنم ساکھی کلاں بھائی بالا نوشتہ گوروانگد جی' صفحہ 222)

مطلب عربی کے حروف تہجی تیس ہیں اور قرآن شریف کے بھی تیس پارے ہیں۔ قرآن کریم لا انتہا نصیحتوں کا مجموعہ ہے۔ سنو اور یقین کرو یعنی ایمان لے آؤ۔

رہے کتاب ایمان دی سچ کتاب قرآن

(حوالہ جنم ساکھی بھائی بالا' صفحہ 149)

مطلب' اگر کوئی ایمان کی کتاب ہے تو وہ قرآن شریف ہے۔ (سکھوں کے گرو بابا نانک)

عقل و حکمت کے مطابق

"قرآن کے احکام اس قدر عقل و حکمت کے مطابق واقع ہوئے ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کر سکتا ہے۔ شریعت اسلام اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے۔ میرے نزدیک قرآن کے تمام معانی میں سچائی کا جوہر موجود ہے۔ یہ کتاب سب سے اول اور سب سے آخر جو خوبیاں ہو سکتی ہیں اپنے اندر رکھتی ہے بلکہ دراصل ہر قسم کی توصیف صرف اسی سے ہو سکتی ہے۔" (نامور انگریز کارلائل)

مستقبل کی دنیا کا مذہب

"قرآن شریف غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے۔ اس کے اصول کی پیروی سے دنیا خوشحال ہو سکتی ہے اور دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہو گا۔"

(لندن میں تقریر از مسز سروجنی نائیڈو)

اعلیٰ زبان کی کتاب

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود لکھے پڑھے نہ تھے اور علم کا مفہوم جو دنیا سمجھتی ہے اس اعتبار سے وہ عالم نہ تھے۔ آپؐ نے خود کو بارہا امی کہا ہے اور آپؐ کے متبعین قرآن کریم کو ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ تسلیم کرتے ہیں۔ جن سے آپ کا دعویٰ رسالت بھی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ کتاب نہایت اعلیٰ زبان میں ہے۔" (مشہور لیکچرار مسز اینی بیسنٹ)

فلسفہ و حکمت کا علم

"قرآنی تعلیم سے فلسفہ و حکمت کا ظہور ہوا اور ایسی ترقی کی کہ اپنے عہد کی توحید و رسالت کا یقین اور خدا و آخرت پر ایمان یہ ہی دونوں اصول اسلامی عقیدہ کی بنیاد ہیں۔"

(مسٹر ایس ایچ لیڈر)

الہامات کا مجموعہ

"قرآن الہامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں اسلام کے اصول و قوانین اور اخلاق کی تعلیم اور روزمرہ زندگی کی نسبت ہدایات ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام کو عیسائیت پر فوقیت ہے کہ اس کی مذہبی تعلیم اور قانون علیحدہ چیز نہیں۔" (ریونڈ آر میکسویل کنگ)

مضامین لطیف و عالی

"قرآن مجید کی عبارت نہایت فصیح و بلیغ اور مضامین لطیف و عالی ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی امین ناصح نصیحت کر رہا ہے۔" (ڈاکٹر فرک جرمنی)

مسیحائے عقل و علم

"قرآن مجید مردہ عقل اور علم کو زندہ کرتا ہے۔" (عمانویل ڈی اش)

اجتماعی احکام کا رہبر

"قرآن مجید مذہبی قواعد اور احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں اجتماعی (سوشل) احکام بھی ہیں جو انسانی زندگی کے لیے ہر حالت میں مفید ہیں۔" (نامور فرانسیسی ادیب موسیو اوجین کلاکل)

برائیوں کا انسداد

"قرآن نے ظلم' غیبت' طمع' فضول خرچی' حرام کاری' خیانت اور بدگمانی کی بہت سخت برائی کی ہے اور یہی اس کی بڑی خوبی ہے۔" (محمڈن ازم چیمبرز انسائیکلوپیڈیا)

شک و شبہ سے بالاتر

"قرآن دلوں میں ایسا زندہ اور پرجوش ایمان پیدا کرتا ہے کہ پھر کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔" (ڈاکٹر گستاولی بان' فرانسیسی)

عام فہم قابل قبول

"قرآن کے مطالب ایسے مناسب وقت اور عام فہم ہیں کہ دنیا ان کو آسانی سے قبول کر سکتی ہے۔" (ڈاکٹر جانسن)

متبرک زبان

"قرآن کے اثر سے عربی زبان تمام اسلامی ممالک کی متبرک زبان بن گئی اور بڑی سے بڑی یورپین سلطنت کی تعلیم و حکمت سے بڑھ گئی۔" (پروفیسر آرائے نکلسن)

اسلام کی قوت اور طاقت

"اسلام کی قوت و طاقت قرآن میں ہے۔ قرآن قانون اساسی ہے اور حقوق کی دستاویز ہے۔" (مسٹر ای ڈی ماریل)

تاثیر سے لبریز

"جب قرآن کو منکر پیغمبر کی زبان سے سنتے تھے تو بیتاب ہو کر سجدے میں گر پڑتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔" (مشہور جرمن فلسفی جان جاک رلیک)

کشش توحید

"قرآن لوگوں کو ترغیب وتحریک کے ذریعے معبودان باطل سے پھیر کر ایک خدا کی طرف لاتا ہے۔" (تھیوڈور نون لڈیکے)

امن وامان کا ضامن

"زمین سے اگر قرآن کی حکومت جاتی رہے تو دنیا کا امن وامان کبھی قائم نہیں رہ سکے گا۔" (اخبار نگارو میں "موسیو کاسٹن کارنے)

سب سے بڑا مذہب

"قرآن میں سب کچھ موجود ہے جو ایک بڑے مذہب میں ہونا چاہیے۔" (مسٹر سٹینلی لین پول)

آسمانی کتب پر فائق

"قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔" (فرانسیسی ڈاکٹر مورلیس)

اخوت کا روشن مینار

"قرآن نے مسلمانوں کو مواخات کے بندھن میں باندھ رکھا ہے جو نسل رنگ اور زبان کے پابند نہیں ہیں۔" (مشہور افسانہ نگار ایچ جی ویلز)

امن وسلامتی کا پیامبر

"قرآن کا مذہب امن وسلامتی کا مذہب ہے۔" (پادری وال رمیس ڈلی)

معجزانہ کلام

"قرآن کو دیکھ کر عقل حیرت میں ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا

جو بالکل امی تھا۔" (کونٹ ہنری دی کاسٹری)

مستقل اور دائمی معجزہ

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ ہے کہ قرآن ان کا مستقل اور دائمی معجزہ ہے اور میں مانتا ہوں کہ یہ واقعی ایک معجزہ ہے۔" (مسٹر بورتھ سمتھ)

غریبوں کا دوست

"قرآن غریبوں کا دوست اور غم خوار ہے۔ اور سرمایہ داروں کی زیادتیوں کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے۔" (گارڈ فرے ہیگنس)

بہترین معلم

"قرآن کی تعلیم بہترین ہے اور انسانی دماغوں پر نقش ہے۔" (میجر لیونارڈ)

دلآویز طرز تحریر

"قرآن کا طرز تحریر دل آویز اور رواں ہے۔ مختصر اور جامع ہے اور خدا کا ذکر بڑے شاندار طریق پر کرتا ہے۔" (ڈاکٹر جارٹن)

عظیم اور حسین

"اگر ہم قرآن کی عظمت و فضیلت اور حسن و خوبی سے انکار کریں تو گویا ہم عقل و دانش سے بیگانہ ہوں گے۔" (نیئر ایسٹ لندن اخبار کا خاص نمبر)

یورپ کے لیے نور

"قرآن شریف اس بات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشہ گوشہ میں اسے پھیلایا جائے۔" (سرایڈورڈ ڈینی راس، سی آئی ای)

معلم جہاد و ہمدردی

"قرآن نے مسلمانوں کو جنگ (جہاد) بھی سکھایا اور ہمدردی فیاضی اور خیرات کرنا بھی سکھایا۔" (مسٹر آرنلڈ وہائٹ)

غلامی کی رسم کو مٹانے والا

"یہ ضروری ہے کہ غلامی کی مکروہ رسم کو دنیا سے مٹانے کے لیے ہندو شاستر کو قرآن سے

بدل لیا جائے۔" (مسٹر رچرڈ سن)

فلسفہ توحید میں بے نظیر

"قرآن وحدانیت کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ ایک موحد فلسفی اگر کوئی مذہب قبول کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔ غرض سارے جہان میں قرآن کی نظیر نہیں ملتی۔" (نامور مورخ ڈاکٹر گبن)

بائبل سے مؤثر قانون

"قرآن کا قانون بلاشبہ بائبل کے قانون سے زیادہ موثر ہے۔" (ڈین اسٹینلی)

مجموعہ قوانین اسلام

"قرآن مسلمانوں کا مشترکہ قانون ہے۔ معاشرتی، ملکی، تجارتی، فوجی، عدالتی اور تعزیری سب معاملات اس میں موجود ہیں پھر بھی یہ ایک مذہبی کتاب ہے اس نے ہر چیز کو باقاعدہ بنا دیا ہے۔" (محمد اور قرآن از ڈیون پورٹ)

زندہ جاوید تعلیمات

"تیرہ سو برس کے بعد بھی قرآن کی تعلیمات کا اثر یہ ہے کہ ایک خاکروب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے خاندانی مسلمان کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔" (مسٹر بھوپندر ناتھ باسو)

روشن اور پر حکمت کتاب

"قرآن روشن اور پر حکمت کتاب ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایسے شخص پر نازل ہوا جو سچا نبی تھا اور جسے اللہ نے بھیجا تھا۔" (فرانسیسی فلسفی ایک لیورزون)

مہذب مذہب

"اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم کو سمجھا نہیں کہ جس کے اثر سے عربوں کی کایا پلٹ گئی۔" (فرانسیسی مصنف موسیو میر)

اخوت و مساوات کا علمبردار

"قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا امتیاز نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو محض خاندانی اور عالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔" (مشہور بنگالی بابو چندر پال)

احیائے تہذیب وتمدن

"قرآن مجید نے ایک عظیم الشان نظام تہذیب وتمدن پیدا کیا۔" (جان جاک رلیک)

حیران کن کلام

"قرآن مجید کے کلام پر عقل حیرت زدہ ہے۔" (کونٹ ہنری دی کاسٹری)

الہامی کتاب

"بے شک قرآن مجید الہامی کتاب ہے۔" (پادری آرمیکویل کنگ)

سابقہ امتحانی پرچہ جات

سابقہ امتحانی پرچہ جات

گزشتہ دس سالہ پرچہ جات کے معروضی سوالات اوران کے جوابات

1۔ پرچہ 1996ء (پنجاب یونیورسٹی)

س: تقابل ادیان پر لکھی گئی کوئی سی دو عربی اور دو اردو کتب کے نام بمع مصنف تحریر کریں۔

ج: عربی کتب: (1) الجواب الصحیح لمن بدل عن دین المسیح از امام ابن تیمیہ"

(2) مقارنۃ الادیان از ڈاکٹر احمد شلبی

اردو کتب: (1) اظہار الحق از علامہ رحمت اللہ کیرانوی

(2) اسلام اور مذاہب عالم از محمد مظہر الدین صدیقی

س: سامی اور غیر سامی مذاہب کون کون سے ہیں؟

ج: سامی مذاہب وہ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے "سام" کی نسل میں چلے یعنی یہودیت' عیسائیت اور اسلام۔

غیر سامی مذاہب وہ ہیں جن کا تعلق سام بن نوح سے نہیں ہے جیسے ہندومت' کنفیوشزم اور بدھ مت وغیرھا۔

س: تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کیا تھی؟

ج: رب اجعل ھذا بلدا امنا و ارزق اھلہ من الثمرات من امن منھم باللہ و الیوم الاخر (سورہ البقرۃ: 126)

ترجمہ: (اے میرے رب اس شہر کو امن والا کر دے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جو ان میں سے اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے۔)

س: ابنیت مسیح کے رد میں ایک آیت اور اس کا ترجمہ لکھیں۔

ج: (1) لم یلد ولم یولد (سورہ اخلاص: آیت نمبر 3)
(2) وما ینبغی للرحمن ان یتخذ ولدا (سورہ مریم: آیت 92)
ترجمہ پہلی آیت: "نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔"
ترجمہ دوسری آیت: "اور رحمٰن کے لائق نہیں کے وہ اولاد اختیار کرے۔"

س: عقیدہ تناسخ کے مترادف دو اور نام لکھیں۔

ج: آواگون اور جونی چکر۔

س: ہندو مذہب کی دو معروف رزمیہ نظموں کے نام لکھیں۔

ج: رامائن اور مہا بھارت۔

س: آریہ سماج اور برہما سماج کے بانی کون تھے؟ نام بتائیں۔

ج: آریہ سماج کا بانی دیانند سرسوتی اور برہما سماج کا بانی راجہ رام موہن رائے تھا۔

س: گوتم بدھ کے بعد بدھ مت کو کن دو بادشاہوں / راجاؤں کے دور میں تقویت ملی؟

ج: راجا اشوک اور راجہ کنشک کے دور میں۔

س: "اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔" اس کے ثبوت میں ایک قرآنی آیت مع ترجمہ لکھیں۔

ج: تبارك الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعلمین نذیراً (سورہ الفرقان: آیت 1)

ترجمہ: "بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا کہ وہ سارے جہانوں کو ڈر سنائے۔"

(علاوہ ازیں دیکھیے: الانعام آیت 90' یونس 37' السجدہ 32' سورہ ص 87)

س: تری پٹاکا سے کیا مراد ہے؟

ج: یہ بدھ مت کی تین مذہبی کتابیں ہیں جن کو تری پٹاکا کہا جاتا ہے۔ (1) وینا پٹاکا' (2) ستاپٹاکا اور ابھی دھماں۔

س: کوئی سی دو کتب سیرت کے نام مع مصنفین لکھیں۔

ج: (1) سیرت النبیؐ از شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی
(2) سیرت سرور عالم از سید مولانا ابوالاعلیٰ المودودی
(3) انسان کامل از ڈاکٹر خالد علوی

س: اسفار خمسہ (خمسہ موسوی) سے کیا مراد ہے؟

ج: عہد نامہ قدیم (Old Testament) کی پہلی پانچ کتابوں کو اسفار خمسہ کہا جاتا ہے۔ ان

کا دوسرا نام تورات (Torah) بھی ہے۔

س: زرتشت کے کیا معنی ہیں اور اس کی پیدائش کس علاقہ میں ہوئی؟

ج: زرتشت یونانی کلمہ زرتشترا سے ماخوذ ہے۔ معنی ہے روحانی رہنما اور بڑا پادری۔ زرتشت ایران کے شہر رے (Ray) میں پیدا ہوا۔

س: کنفیوشس کی کوئی سی چار کتابوں کے نام لکھیں۔

ج: (1) شوکنگ (شوچنگ)، (2) شی کنگ (شی چنگ)، (3) لی چی (Lichi)، (4) لی کنگ (Yiking) (نوٹ کل پانچ کتابیں ہیں ان میں چون چن (Chun-chin) بھی شامل ہے۔)

پرچہ 1997/98ء پنجاب یونیورسٹی

س: تقابل ادیان پر لکھی گئی دوسری کتب کے نام مع مصنفین تحریر کریں۔

ج: (1) کتاب الملل والنحل از ابوالفتح عبدالکریم شہرستانی۔

(2) مقارنۃ الادیان از ڈاکٹر احمد شلبی

س: اپنشدوں کے لغوی و اصطلاحی معنی کیا ہیں؟

ج: (1) لغوی معنی اپنشد تین لفظوں کا مرکب ہے۔ اُپ کا معنی قریب، نی کا معنی ہمہ تن گوش اور شد کا معنی ہے بیٹھ جانا پس مطلب ہوا ہمہ تن گوش ہو کر کسی کے نزدیک بیٹھ جانا۔ (2) ان کتابوں میں ہندوؤں کا نظریاتی فلسفہ ہے۔ انہیں ہندوؤں کی فقہی کتب بھی کہا جاتا ہے یا پھر ہندوؤں کا علم الکلام۔

س: ہندومت میں نجات کے کون کونسے طریقے ہیں؟ صرف نام لکھیں۔

ج: (1) کرم مارگ، (2) جنان مارگ، (3) بھگتی مارگ۔

س: بدھ مت کے دو بڑے فرقوں کا نام مع مفہوم لکھیں۔

ج: (1) ہنایانہ: معنی ہے چھوٹا پہیہ۔

(2) مہایانہ: اس کا معانی ہے بڑا پہیہ۔

س: اسٹوپا کسے کہتے ہیں؟

ج: اسٹوپا ایسے گنبد کو کہتے ہیں جس کی بنیاد پر مہاتما بدھ کی ہڈیوں کو دفن کیا گیا ہو (جب بدھ کی نعش کو جلایا گیا تو مختلف مقامات پر دس اسٹوپا بنائے گئے جہاں ان کی ہڈیوں کو دفن کیا گیا۔)

س: زرتشت کی جائے پیدائش اور زمانہ پیدا کیا بیان کیا جاتا ہے؟

ج: جائے پیدائش ایران کا شہر رے (Ray) اور زمانہ پیدائش جس پر محققین کا زیادہ اتفاق ہے

660ء قبل مسیح بتایا جاتا ہے۔

س: کنفیوشس کی کوئی سی تین کتب کے نام لکھیں۔

ج: (1) شوکنگ' (2) شی کنگ' (3) لی چی (Li-chi)

س: کنفیوشس کے پانچ رابطے تحریر کریں۔

ج: (1) حاکم اور رعایا۔ (2) باپ اور بیٹے کا تعلق۔ (3) میاں اور بیوی کا تعلق۔ (4) بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی سے تعلق۔ (5) دوست اور دوست کا تعلق۔

س: تالمود کی کون کونسی دو روایات ہیں؟

ج: (1) مشناء' (2) گمارا۔

س: بپتسمہ / اصطباغ کی مختصر تشریح کریں۔

ج: بپتسمہ ایک غسل ہے جو دائرہ مسیحیت میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس رسم کی بنیاد عقیدہ کفارہ ہی ہے۔ عیسائی کہتے ہیں بپتسمہ لینے سے انسان ایک بار مر کر دوسری زندگی پا لیتا ہے اور موت کے ذریعے اسے اصل گناہ جس کی بنیاد آدم اور حوا نے رکھی تھی سے نجات مل جاتی ہے۔

س: قرآن مجید کی محفوظیت کے بارے میں ایک آیت اعراب کے ساتھ لکھیں۔

ج: انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون (سورہ الحجر:9)

س: ختم نبوت کے ثبوت میں ایک قرآنی آیت اور ایک حدیث تحریر کریں۔

ج: آیت: ما کان محمدا با احد من رجالکم ولکن رسول الله و خاتم النبیین (احزاب:40)

حدیث: انا خاتم النبیین ولا نبی بعدی

پرچہ 1999ء پنجاب یونیورسٹی

س: تکمیل دین کی آیت مبارکہ الیوم اکملت لکم...... اعراب کے ساتھ مکمل کریں۔

ج: الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (سورہ المائدہ:3)

س: ہندومت کے تین مشہور فلسفوں کے نام لکھیں۔

ج: (1) فلسفہ ویدانت' (2) فلسفہ سانکھیا' (3) فلسفہ کرم۔

س: برہما سماج اور آریہ سماج کا بانی کون تھا؟

ج: برہما سماج کا بانی راجہ رام موہن رائے اور آریہ سماج کا بانی دیانند سرسوتی تھا۔

س: دو ایسے بادشاہ بتائیں جنہوں نے بدھ مت کی سرپرستی کی۔

ج: بادشاہ آشوک اور راجہ کنشک۔

س: بدھ کی مقدس کتابوں کے نام لکھیں۔

ج: بدھ مت کی تین مقدس کتابیں ہیں ان کو تری پتا کا کہتے ہیں۔

(1) وینا پتا کا' (2) ستا پتا کا' (3) ابھی دھماں

س: کنفیوشس کی تعلیمات کے ماخذ کیا ہیں؟

ج: پانچ ماخذ ہیں انہیں پان کنگ کہا جاتا ہے۔

(1) شو چنگ' (2) شی چنگ' (3) لی چیا' (3) یی چنگ (Yi-ching)' (5) چون چن

س: تحریک صیہونیت سے کیا مراد ہے؟

ج: تحریک صیہونیت (Zionistic Movement) یہودیوں کی ایک لادینی تحریک کا نام ہے۔ یہ تحریک 19 ویں صدی میں وجود میں آئی۔ اس تحریک کا موقف تھا کہ یہودی قومی اور بین الاقوامی سطح پر زندگی بسر کرنے کے اہل ہیں۔ اس تحریک کے اہل بنی اسرائیل' وعدہ الہیٰ' صفات الہیٰ اور شریعت کے انکاری تھے اس تحریک کا بانی تھیوڈر ہرزل تھا جس نے اپنی کتاب "The Jewish State" کے ذریعے یہود کو فلسطین میں اپنی ریاست قائم کرنے کو کہا تھا۔

س: تورات کی پانچ کتب (خمسہ موسوی) کے نام تحریر کریں۔

ج: (1) پیدائش (Genisis)' (2) خروج (Exodus)' (3) احبار (Leviticos)'
(4) گنتی (Numbers)' (5) استثناء (Deuteronomy)

س: حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں یہودا اسکریوتی کی وجہ شہرت کیا تھی؟

ج: حواری یہودا اسکریوتی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دھوکا دیا تھا اور صرف تیس پیسوں (30 Paisas) کے عوض مخبری کر کے ان کو پکڑوا دیا تھا۔

س: رہبانیت کے رد میں ایک قرآنی آیت لکھیں۔

ج: و رھبانیة ابتدعوھا ما کتبنھا علیھم الا ابتغا رضوان اللہ فمارعوھا حق رعایتھا (الحدید: 27)

س: قرآن مجید کی دو آیات لکھیں جن میں مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں کا تذکرہ ہوا ہے۔

ج: (1) ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوٰت و مساجد (سورہ الحج: آیت: 40)

ترجمہ: ''اور اگر اللہ آدمیوں میں ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور گرا دی جاتیں خانقاہیں' گرجا گھر' یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسجدیں۔''

(مختصر نوٹ: اس آیت مبارکہ میں چار مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں کا تذکرہ ہوا ہے اول کلمہ صوامع ہے یہ صومعۃ کی جمع ہے مفہوم ہے راہبوں کی عبادت گاہ' دوسرا لفظ بیع آیا ہے اس کا مفرد بیعۃ ہے یہ عیسائیوں کی عبادت گاہ کیلئے بولا جاتا ہے۔ تیسرا کلمہ صلوٰت' صلوٰۃ کی جمع ہے یہودیوں کی عبادت گاہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ تینوں کلمات صرف ایک بار ہی قرآن حکیم میں استعمال ہوئے ہیں۔ چوتھا کلمہ مساجد جو مسجد کی جمع ہے یہ قرآن حکیم میں چھ بار استعمال ہوا ہے۔ سورہ البقرہ آیت 187-114' التوبہ: 17,18' سورہ الحج: 40 اور سورہ الجن: 18) علاوہ ازیں مسجد کا لفظ قرآن حکیم میں بائیس (22) مرتبہ آیا ہے۔)

آیت نمبر 2: ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ (سورہ البقرہ: 114)

س: کتاب الہند کس کی تصنیف ہے؟

ج: ابوریحان البیرونی کی۔

پرچہ 2000ء پنجاب یونیورسٹی

س: سامی مذاہب سے مراد کون سے مذاہب ہیں؟

ج: یہ وہ مذاہب ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی نسل میں چلے یعنی یہودیت' مسیحیت اور اسلام۔

س: تقابل ادیان پر لکھی گئی ایک عربی اور ایک اردو کتاب کا نام مع مصنفین لکھیں۔

ج: (1) عربی: کتاب الملل والنحل از ابوالفتح عبدالکریم شہرستانی۔

(2) اردو: اظہار الحق از علامہ رحمت اللہ کیرانوی۔

س: آیت مبارکہ مکمل کریں۔ الیوم اکملت لکم...... دینا

ج: الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

س: ویدوں کی تعداد کتنی ہے؟ ان کے نام تحریر کریں۔

ج: ویدوں کی کل تعداد چار ہے۔

(1) رگ وید' (2) یجروید' (3) سام وید' (4) اتھروید۔

س: عقیدہ تناسخ کے دو مترادف نام لکھیں۔

ج: آواگون اور جونی چکر۔

س: بدھ مت کے دو بڑے فرقوں کے نام لکھیں نیز ناموں کی وجہ تسمیہ تحریر کریں۔

ج: (1) پہلا فرقہ ہے ہنایانہ معنی ہے چھوٹا پہیہ۔

(2) دوسرا فرقہ مہایانہ: اس کا معنی ہے بڑا پہیہ۔ ان ناموں کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مہایانہ مکتب فکر والے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے خود کو ہنایانہ سے بدتر سمجھتے تھے۔

س: تری پٹاکا سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔

ج: تری پٹاکا بدھ مذہب کی تین مقدس کتابیں ہیں۔

(1) وینا پٹاکا' (2) ستا پٹاکا' (3) ابھی دھماں۔

س: مذہب زرتشت کی مقدس کتاب کونسی ہے؟

ج: اوستا (Avesta) (اسے ژند اوستا بھی کہا جاتا ہے۔)

س: خمسہ موسوی (اسفار خمسہ) میں کونسی کتب شامل ہیں؟ نام تحریر کریں۔

ج: خمسہ موسوی میں پانچ کتب شامل ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) پیدائش (Genisis)' (2) خروج (Exodus)' (3) احبار (Leviticos)' (4) گنتی (Numbers)' (5) استثناء (Deuteronomy)

س: عیسائیوں کے دو مشہور فرقوں کے نام لکھیں۔

ج: (1) کیتھولک (یہ فرقہ ویٹی کن سٹی (اٹلی) کے پوپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام مانتا ہے۔ (2) پروٹسٹنٹ (یہ فرقہ جدید خیالات کا علمبردار ہے۔)

س: آنحضرت صلعم کو بائبل میں کس نام سے پکارا گیا ہے؟

ج: آنحضرت صلعم کو بائبل میں "فارقلیط" کے نام سے پکارا گیا ہے۔ (معنی ہے تعریف کیا گیا۔)

س: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دو حواریوں کے نام تحریر کریں۔

ج: (1) متی۔ (2) یوحنا (پطرس' اندریاس' فلپس اور یہودا اسکریوتی بھی مشہور ہیں۔)

پرچہ 2001ء پنجاب یونیورسٹی

س: اپنشدوں سے کیا مراد ہے؟ ان کا زمانہ تالیف بیان کریں۔

ج: اپنشدوں سے مراد ہندوؤں کی فقہی کتابیں ہیں۔ مشہور تعداد تیرہ ہے ان میں ہندوؤں کا نظریاتی فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ انہیں اسلامی علم الکلام کے مترادف کہا جا سکتا ہے۔ زمانہ تالیف 800 ق م سے 500 ق م مانا جاتا ہے۔

س: تقابل ادیان پر لکھی گئی دو اردو کی کتب کے نام مع مصنفین تحریر کریں۔

ج: (1) اظہار الحق از علامہ رحمت اللہ کیرانوی۔

(2) اسلام اور مذاہب عالم از مظہر الدین صدیقی۔

س: سامی مذہب کی وجہ تسمیہ بیان کریں۔

ج: چونکہ یہ مذہب حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی نسل میں چلے اس لئے سامی کہلائے۔ (ان میں یہودیت' نصرانیت اور اسلام شامل ہیں۔)

س: تری پتاکا سے کیا مراد ہے؟

ج: بدھ مت کی تین مقدس کتابوں کو تری پتاکا (تین ٹوکریاں) کہا جاتا ہے۔ یہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔ (1) وینا پتاکا' (2) ستا پتاکا' (3) ابھی دھماں۔

س: بدھ مت کے دو بڑے فرقوں کے نام اور ان کی وجہ تسمیہ لکھیں۔

ج: (1) فرقہ مہایانہ (معنی ہے بڑا پہیہ) (2) فرقہ ہنایانہ (معنی ہے چھوٹا پہیہ) مہایانہ مکتب فکر والے خود کو ہنایانہ سے برتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے طنزاً یہ نام ان کو دیا ہے۔ مہایانا فرقہ والے ناامیدی کی بجائے امید کے قائل ہیں جبکہ ہنایانہ فرقہ کے حامل ذات کی نفی (Self denial) کے حامی ہیں۔

س: کنفیوشس کے چار اصول حکمرانی لکھیں۔

ج: (1) فیاض رسانی' (2) دیانتداری' (3) خوشی' (4) عملی دانائی۔ (کل پانچ اصول ہیں اور آخری اصول "خلوص" ہے۔)

س: خمسہ موسوی (اسفار خمسہ) سے کیا مراد ہے؟

ج: عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابوں کو خمسہ موسوی کہا جاتا ہے۔ انہیں تورات (Torah) بھی کہتے ہیں۔

س: یہودی مذہب کی عبادت گاہوں کو کیا کہا جاتا ہے؟

ج: سینا گاگ (Synagogue) اور معبد (جمع معابد) کہا جاتا ہے۔

س: بپتسمہ (اصطباغ) سے کیا مراد ہے؟

ج: بپتسمہ دراصل ایک مخصوص غسل کا نام ہے جس سے انسان پیدائشی گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ یہ بپتسمہ عیسائیت میں داخلے کا سرٹیفکیٹ ہے۔

س: آنحضرت صلعم کو بائبل میں کس نام سے پکارا گیا ہے؟

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بائبل میں "فارقلیط" کے نام سے پکارا گیا ہے۔ (مفہوم ہے تعریف کیا گیا۔)

س: ختم نبوت کے حق میں ایک آیت مع ترجمہ لکھیں۔

ج: ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیینﷺ (سورہ احزاب: 40)

س: زرتشت مذہب کی دو اخلاقی برائیاں تحریر کریں۔

ج: (1) محرمات سے شادی۔ (2) جاریہ بازی۔

(وضاحت (1) زرتشت مذہب میں سگی ماں اور بہن سے نکاح کو مستحسن قرار دیا گیا ہے۔

(2) جاریہ بازی سے مراد کسی بھی جاریہ (لونڈی یا عورت) کو بطور داشتہ رکھا جا سکتا ہے۔)

پرچہ 2002ء پنجاب یونیورسٹی

س: تقابل ادیان پر لکھی گئی دو عربی کتب کے نام مع مصنفین تحریر کریں۔

ج: (1) کتاب الملل والنحل از ابوالفتح عبدالکریم شہرستانی۔

(2) مقارنۃ الادیان از ڈاکٹر احمد شلبی

س: غیر سامی مذہب کون کونسے ہیں نشاندہی کریں۔

ج: غیر سامی مذاہب وہ ہیں جو سام بن نوح کی نسل میں نہیں چلے۔ یہ غیر الہامی مذاہب بھی کہلاتے ہیں۔ مثلاً زرتشتیت' بدھ مت' ہندو مت اور جین مت وغیرھا۔

س: ویدوں کی تعداد کتنی ہے؟ ان کے نام تحریر کریں۔

ج: وید تعداد میں چار ہیں۔ (1) رگ وید' (2) یجروید' (3) سام وید' (4) اتھروید۔

س: برہما سماج اور آریہ سماج کا بانی کون تھا؟

ج: برہما سماج کا بانی راجہ رام موہن رائے تھا اور تحریک آریہ سماج کا بانی دیا نند سرسوتی تھا۔

س: کن دو بادشاہوں کی بدولت بدھ مت کو عروج ملا؟

ج: راجہ اشوک اور راجہ کنشک کی بدولت۔

س: مذہب زرتشت کی مذہبی کتب کے نام تحریر کریں۔

ج: مذہب زرتشت کی مذہبی کتاب کا نام اوستا (Avesta) ہے۔ (اسے اوستا ژند بھی کہا جاتا ہے اوستا معنی ہے اصل متن (Text) اور ژند کا معنی ہے تفسیر۔ یعنی اوستان کی تشریح (Explanation)

س: سفر موسوی (اسفار خمسہ) سے کیا مراد ہے؟

ج: عہد نامہ عتیق کی پہلی پانچ کتابوں کو خمسہ موسوی کہا جاتا ہے انہیں تورات بھی کہا جاتا ہے۔

س: کنفیوشس کے چار اصول حکمرانی لکھیں۔

ج: (1) فیض رسانی' (2) دیانتداری' (3) خوشی' (4) عملی دانائی۔ (جبکہ پانچواں اصول "خلوص"

ہے۔

س: عیسائیوں کے دو مشہور فرقوں کے نام تحریر کریں۔

ج: (1) کیتھولک (2) پروٹسٹنٹ۔ (پروٹسٹنٹ فرقہ کا بانی مارٹن لوتھر تھا جس نے کیتھولک کے معافی ناموں کے خلاف پروٹسٹنٹ (مظاہرہ کیا تھا کیونکہ کیتھولک فرقہ کے پوپ کسی سے بھی رقم لے کر اس کو گناہوں سے پاک ہونے کا معافی نامہ جاری کر دیتے تھے۔)

س: تالمود سے کیا مراد ہے؟

ج: تالمود یہودیوں کے ہاں دینی قوانین کا مجموعہ ہے اور اسے عہد نامہ عتیق کا تشریحی لٹریچر بھی کہا جاتا ہے۔ یہود اسے وحی غیر مقطوع بھی خیال کرتے ہیں۔

س: آیت مبارکہ مکمل کریں۔ الیوم اکملت لکم..... دیناً

ج: الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً

س: دین حنیف سے کیا مراد ہے؟

ج: دین حنیف سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا خالص دین اسلام ہے۔ متعدد آیات اور احادیث میں دین حنیف کو ہی دین محمدی اور دین اسلام کہا گیا ہے۔ دین حنیف کا مطلب ہے کفر اور شرک سے پاک۔ (تفصیل کیلئے دیکھیں البقرہ: 124، 129، 135، آل عمران: 67، النساء: 125، الانعام: 161، النحل: 120، العنکبوت: 27 اور الممتحنہ: 4)

پرچہ 2003ء پنجاب یونیورسٹی

س: کتاب الملل والنحل اور کتاب مقارنۃ الادیان کے مصنفین کے نام تحریر کریں۔

ج: کتاب الملل والنحل کے مصنف ابوالفتح عبدالکریم شہرستانی ہیں اور کتاب مقارنۃ الادیان ایک مصری سکالر ڈاکٹر احمد شلبی (Shalbi) کی تصنیف ہے۔

س: ہندو دھرم کے چار "گ" سے کیا مراد ہے؟

ج: {1} ایک "گ" سے مراد گیتا (مذہبی کتاب)

{2} دوسرے "گ" سے مراد گنگا (دریا کا نام)

{3} تیسرے "گ" سے مراد گاوتری (ایک منتر)

{4} اور چوتھے "گ" سے مراد گوماتا (گائے) ہے۔

س: بدھ مت کی مقدس کتاب کونسی ہے؟

ج: بدھ مت کی مذہبی کتب تین ہیں۔ جنہیں تری پٹاکا (تین ٹوکریاں) کہا جاتا ہے۔

{1} ونیا پٹاکا {2} ستا پٹاکا {3} ابھی دھماں

س: زرتشتیت میں "مینار خاموشی" یا دخمہ سے کیا مراد ہے؟

ج: زرتشت مذہب میں مردوں کو جلاتے ہیں نہ دفن کرتے ہیں بلکہ ان کی عبادت گاہ میں ایک اونچا مینار بنا ہوتا ہے اس کی چھت پر مردہ کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں جہاں اسے گدھ اور دیگر پرندے کھا جاتے ہیں۔ اس مینار کو مینار خاموش (Tower Of Silence) کہا جاتا ہے۔

س: کنفیوشزم کی مذہبی کتب کے نام لکھیں۔

ج: کنفیوشزم کی مذہبی کتب ہیں (1) شوکنگ' (2) شی کنگ' (3) لی چی' (4) یی کنگ' (5) چون چن۔

س: تحریک صیہونیت کیا ہے اور اس کے بانی کون ہیں؟

ج: تحریک صیہونیت یہودیوں کی ایک لادینی تحریک کا نام ہے۔ یہ تحریک انیسویں صدی میں وجود میں آئی۔ اس تحریک کا موقف تھا کہ یہودی قومی اور بین الاقوامی سطح پر زندگی بسر کرنے کے اہل ہیں۔ اس تحریک کا بانی تھیوڈر ہرزی تھا جس نے اپنی کتاب The Jewish State کے ذریعے یہود کو فلسطین میں اپنی ریاست قائم کرنے کو کہا تھا۔

س: خمسہ موسوی (اسفار خمسہ) سے کیا مراد ہے؟

ج: عہد نامہ عتیق کی پہلی پانچ کتابوں کو خمسہ موسوی کہا جاتا ہے۔ انہیں تورات بھی کہتے ہیں۔ (کتابیں مندرجہ ذیل ہیں: (1) پیدائش (Genisis)' (2) خروج (Exodus)' (3) احبار (Leviticos)' (4) سرگنتی (Numbers)' (5) استثناء (Deuteronomy)

س: عیسائی مذہب کفارہ پر کیوں یقین رکھتا ہے؟

ج: عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ انسان آدم اور حوا کے گناہ کی وجہ سے پیدائشی گناہگار ہے اور وہ گناہوں سے صرف بپتسمہ کے ذریعے ہی کفارہ ادا کر کے پاک ہو سکتا ہے۔

س: بپتسمہ (اصطباغ) سے کیا مراد ہے؟

ج: بپتسمہ یعنی اصطباغ ایک غسل ہے جو دائرہ مسیحیت میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس رسم کی بنیاد عقیدہ کفارہ ہے۔ عیسائی کہتے ہیں بپتسمہ کے بعد انسان مر کر ایک دوسری زندگی میں داخل ہو جاتا ہے جو گناہ سے پاک ہوتی ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ انسان آدم اور حوا کے گناہ کی وجہ سے پیدائشی گناہگار

(نوٹ: ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ اپنے باپ کا گناہ ہے اور یہ سلسلہ

تاقیامت چلے گا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو گناہ سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا۔"

س: ہندو دھرم میں تریمورتی سے کیا مراد ہے؟

ج: تریمورتی ہندوؤں کا عقیدہ تثلیث ہے۔ ہندو دھرم میں تین سب سے بڑے دیوتا ہیں۔ (1) برہما' (2) وشنو اور (3) شو۔ جدید ہندو دھرم میں تینوں دیوتاؤں کو برابر کا درجہ دے کر تریمورتی بنا دیا گیا یعنی ایسا مجسمہ بنایا گیا جس کا دھڑ ایک اور تین سر ہیں۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بائبل میں کیا نام ہے؟

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بائبل میں "فارقلیط" کے نام سے پکارا گیا ہے۔ (اس کا معنی ہے تعریف کیا گیا۔)

س: اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے۔ قرآن حکیم کی آیت سے واضح کریں۔

ج: سورہ آل عمران میں ہے:

بالمعروف و تنہون عن المنکر (آل عمران: 110)

ترجمہ: "تم بہترین امت ہو جو سارے جہانوں کیلئے وجود میں لائی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔"

پرچہ 2004ء پنجاب یونیورسٹی

س: کتاب الملل والنحل اور کتاب مقارنۃ الادیان کے مصنفین کے نام تحریر کریں۔

ج: کتاب الملل والنحل کے مصنف ابوالفتح عبدالکریم شہرستانی ہیں جبکہ مقارنۃ الادیان ڈاکٹر احمد شلبی کی تصنیف ہے۔

س: کتاب الہند کس کی تصنیف ہے؟

ج: کتاب الہند ابوریحان البیرونی کی تصنیف ہے۔

س: سامی اور غیر سامی مذاہب میں کیا فرق ہے؟

ج: سامی مذہب وہ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی نسل سے چلے ہیں جیسے یہودیت' مسیحیت اور اسلام جبکہ غیر سامی مذہب ان سے مختلف ہیں جیسے بدھ مت' ہندو مت' جین مت اور زرتشتیت۔

س: فلسفہ ویدانت سے کیا مراد ہے؟

ج: فلسفہ ویدانت کا تعلق اپنشدوں سے ہے اس کی تعلیم یہ ہے کہ تمام کائنات فریب نظر ہے۔ مایا جال ہے۔ فلسفہ ویدانت کہتا ہے کہ اس عالم میں ایک ہی حقیقت مضمر ہے ویدانت دو لفظوں کا

مرکب ہے وید معنی ہے علم اور نت یعنی خاتمہ گویا جہاں علم کا خاتمہ ہو جائے اور زیادہ جاننے کی خواہش نہ رہے اور ذہن کو سکون اور انسان کو عرفان حاصل ہو جائے۔

س: وید کتنی کتابوں پر مشتمل ہے۔ان کے نام تحریر کریں۔

ج: وید تعداد میں چار ہیں۔ (1) رگ وید (2) یجروید (3) سام وید (4) اتھر وید۔

س: بدھ مت کی کتابیں کس زبان میں لکھی گئی ہیں؟

ج: پالی زبان میں (راجہ آشوک نے اپنے زمانے میں ایک بدھ کانفرنس منعقد کروائی جس میں بدھ کی تعلیمات کو پالی زبان میں کتابی شکل دی گئی۔)

س: بدھ مت کے عروج کے چار اسباب تحریر کریں۔

ج: (1) بدھ کا اعلیٰ کردار (2) برہمیت اور ذات پات کا خاتمہ (3) شاہی سرپرستی (4) تبلیغی اور عالمی مذہب۔

س: زرتشت مذہب کی دو مقدس کتابوں کے نام لکھیں۔

ج: (1) اوستا (Avesta) (2) ژند اوستا (یہ اصل کتاب کی شرح ہے۔ (3) گاتھا: یہ بھی اوستاد کا حصہ ہے اور ایک کتاب ساسانی بادشاہ شاپور دوم کی نگرانی میں مرتب ہوئی جو اوستائے آخر کہلاتی ہے۔

س: کنفیوشس کی حکمرانی کے پانچ اصول کیا ہیں؟

ج: (1) فیض رسانی (2) دیانتداری (3) خوش اطواری (4) عملی دانائی (5) خلوص (یعنی صحیح عقیدہ)

س: احکام عشرہ سے کیا مراد ہے؟ چار احکامات تحریر کریں۔

ج: احکام عشرہ سے مراد وہ دس احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے تھے۔ یہ احکام پتھر کی لوحوں (تختیوں) پر کندہ تھے۔ان میں سے چار احکام مندرجہ ذیل ہیں:

(1) تو اپنے ماں باپ کی عزت کرنا کہ تیری عمر دراز ہو۔

(2) تو خون مت کر۔

(3) تو اپنے پڑوسی کا لالچ مت کر۔

(4) تو چوری مت کر۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بائبل میں کس نام سے پکارا گیا ہے؟

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بائبل میں "فارقلیط" کے نام سے پکارا گیا ہے۔

س: تورات کی پانچ کتابوں کے نام تحریر کریں۔

ج: (1) پیدائش (Genesis)' (2) خروج (Exodus)' (3) احبار (Leviticos)' (4) گنتی (Numbers)' (5) استثناء (Deuteronomy) (ان کو The Law شریعت' قانون اور خمسہ موسوی (اسفار خمسہ) بھی کہا جاتا ہے۔

س: عقیدہ کفارہ کا رد آیت قرآنی سے ثابت کریں۔

ج: سورہ الزمر کی آیت 7 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لاتزر و ازرۃ و زر اخری ثم الی ربکم مرجعکم

ترجمہ: "اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور پھر تمہیں اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے۔"

س: کس رومی گورنر کے ہاتھوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مصلوبیت کے احکامات صادر ہوئے؟

ج: اس رومی گورنر کا نام پیلاطس تھا۔

س: آیت مکمل کریں۔ الیوم اکملت لکم ...... دیناً

ج: الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (سورہ المائدہ: آیت نمبر 3)

☆......☆......☆

المراجع

عربی کتب

1۔ قرآن عظیم

2۔ الموطا — امام مالک بن انس بن مالک

3۔ صحاح ستہ — امام مالک بن انس بن مالک

4۔ کتاب الطبقات الکبیر — محمد ابن سعد

5۔ الکامل فی التاریخ — علامہ ابن الاثیر

6۔ الروض الانف — عبدالرحمٰن السہیلی الاندلسی

7۔ الملل والنحل — عبدالکریم شہرستانی (قاہرہ: 1948)

8۔ تاریخ الرسل والملوک — محمد ابن جریر طبری

9۔ کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ — قاضی عیاض الاندلسی

10۔ شمائل الرسول — حافظ ابن کثیر

11۔ مقارنۃ الادیان — علامہ احمد شلبی

12۔ اظہار الحق — رحمت اللہ کیرانوی

13۔ حیات محمد — محمد حسین ہیکل

14۔ محمد فی التوراۃ والانجیل — ابراہیم خلیل احمد

15۔ المعجم المفہرس الالفاظ — محمد فواد عبدالباقی (مطبوعہ القاہرہ: 1987)

16۔ المرشد الی آیات القرآن وکلماتہ — محمد فارس برکات (مطبوعہ بیروت: 1985)

اردو کتب

17۔ بائبل سے قرآن تک — (ترجمہ اظہار الحق: مولانا اکبر علی)

18۔ رحمۃ للعالمین — قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

19۔ سیرت النبی — مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی

20۔ محسن انسانیت — نعیم صدیقی

21۔ مذاہب عالم — عبداللہ المسدوسی (کراچی 1958)

22۔ الجہاد فی الاسلام — مولانا ابوالاعلیٰ المودودی (مطبوعہ 1930)

23۔ تاریخ مذاہب — رشید احمد (مطبوعہ 1965)

24۔ اسلام اور مذاہب عالم — محمد مظہر الدین صدیقی (مطبوعہ لاہور 1957ء)
25۔ دنیا کے بڑے مذاہب — عماد الحسن فاروقی
26۔ قصص القرآن — مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
27۔ رامائن — مرتب والمیکی (ترجمہ یاسر جواد)
28۔ مہابھارت — مرتب آر کے نارائن (مطبوعہ لاہور: 1999ء)
29۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ — (دانش گاہ پنجاب لاہور) (مطبوعہ: 1973ء)
30۔ مذاہب کا تقابلی مطالعہ — غلام رسول (لاہور 1976ء)

انگریزی کتب

31. **Encyclopaedia of Islam**
32. **Encyclopaedia Britannica**
33. **Collier's Encyclopedia**
34. **Encyclopaedia Americana**
35. **The Encycolpaedia Of Religion (*by Mircea Eliade*)**
36. **The Encyclopaedia of Religion and Ethics : (*by James Hastings*)**
37. **The Encyclopaedia Of World Religions (*by G.T. Bettany*)**
38. **World Book Encyclopaedia**
39. **The Spirit Of Islam (*Syed Amir Ali*)**
40. **Hinduism And Buddhism (*Charles Eliot*) (London 1921)**
41. **The Mystery of Christ (*Thomas Keating*) (New York 1987)**
42. **The Sources of Chinese Traditions (*William Theodore*)**
43. **Chinese Religion (*Thompson Laurence*) (California 1984)**
44. **Zoroastrianis And The Parsies (*Hinnelle John*) (London 1981)**
45. **The Zoroastrian Tradition (*Mehr Farhang*)**
46. **The Sikhism : *Ralph Sing* (New York)**
47. **Studies In Jaina Philosophy : *Nathmal Tatia* (1951)**
48. **A Dictionary Of Comparative Religion : *by S.G.F.***

ہماری دیگر مطبوعات



فاروق سنز 16۔الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور